انتساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو بارگاہ ربّ العالمین میں عرض قبولیت پیش کرتے ہوئے اپنے تمام **"مہربان اساتذہ کرام"** کے نذر کرتا ہوں جنہوں نے بندہ کی تعلیم و تربیت میں شب وروز محنت فرمائی اور جن کی شفقت اور خصوصی توجہ کے سایۂ عاطفت تلے بندہ علوم نبوّت کی پیاس بجھاتا رہا۔

اور اپنے **"مرحوم والدین رحمہما اللہ"** کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے علم دین کے راستے پہ مجھے ڈالا اور جن کی دعاؤں کی بدولت میں اس قابل بن سکا۔ اور اللہ کے حضور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے والدین اور مرحوم اساتذہ کو غریق رحمت فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر جنّت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے اور جو زندہ ہیں ان کو دین کی محنت کے لئے تا دیر ترو تازہ رکھے۔

(اللّٰھم آمین) محتاج دعاء محمد موسیٰ شاکرؔ غفر اللہ لہ

سراپائے اقدس ﷺ

اے رسولِ امینؐ، خاتمُ المُرسلینؐ، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصِدق و یقیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے براہیمی و ہاشمی خُوش لَقب، اے تُو عالی نَسب، اے تُو والا حَسب
دُودمانِ قریشی کے دُرِّثمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

دستِ قُدرت نے ایسا بنایا تُجھے، جُملہ اَوصاف سے خود سجایا تُجھے
اے اَزَل کے حَسیں، اے اَبد کے حَسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

بزمِ کَونَین پہلے سجائی گئی، پھر تِری ذات منظر پہ لائی گئی
سیّدُ الاوّلیں، سیّدُ الآخریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیرا سِکّہ رواں کُل جہاں میں ہوا، اِس زمیں میں ہوا، آسماں میں ہوا
کیا عَرَب، کیا عَجَم، سب ہیں زیرِ نگیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

تیری انداز میں وسعتیں فرش کی، تیری پرواز میں رِفعتیں عرش کی
تیرے اَنفاس میں خُلد کی یاسمیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

”سِدرَۃُ المُنتہیٰ“ رہگزر میں تِری، ”قابَ قوسَین“ گردِ سفر میں تِری
تُو ہے حق کے قریں، حق ہے تیرے قریں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کہکشاں ضَو تِرے سَرمدی تاج کی، زُلف تاباں حَسیں رات معراج کی
”لَیلَۃ القَدر“ تیری مُنوّر جبیں، تجھ سا کوئی نہیں،تجھ سا کوئی نہیں

مُصطفےٰؐ مجتبےٰؐ، تیری مدح و ثنا، میرے بَس میں نہیں، دَسترس میں نہیں
دل کو ہمت نہیں، لَب کو یارا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

کوئی بتلائے کیسے سَراپا لِکھوں، کوئی ہے! وہ کہ مَیں جس کو تجھ سا کہوں
توبہ توبہ! نہیں کوئی تجھ سا نہیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

چار یاروں کی شانِ جلی ہے بھلی، ہیں یہ صِدّیقؓ، فاروقؓ، عثماںؓ، علیؓ
شاہدِ عَدل ہیں یہ تِرے جانشیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

اے سراپا نفیسؔ اَنفَسِ دو جہاں، سَرورِ دِلبَراں دلبرِ عاشقاں
ڈھونڈتی ہے تجھے میری جانِ حزیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

o

(۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

عرض مؤلف

قارئین کرام:

بدعت کے موضوع پر الحمد للہ اس کتاب میں کافی مواد موجود ہے اور اس وقت جو بڑی بڑی بدعات عوام میں رائج ہیں ان کا تعارف اور ان کارد باحوالہ عوام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ بدعات سے آگاہ ہوں، اور دین کی سمجھ حاصل کریں، سنّت وبدعت میں فرق کرتے ہوئے بدعات سے اجتناب کریں اور سنّت پر عمل پیرا ہوں۔

اکثر احادیث کو عربی زبان میں بھی نقل کیاہے اور بعض موضوعات میں فریق مخالف کے دلائل اور پھر ان کے جوابات بھی تحریر کر دیئے ہیں تاکہ اہل علم کے لئے آسانی ہو۔ رب العالمین سے دعاء ہے کہ وہ میری اس کاوش کو قبول فرمائے، اس کتاب کو قبولیتِ خاص وعام عطا فرمائے، اور اس کو میرے اور میرے والدین کے حق میں صدقۂ جاریہ بنادے۔ آمین

ترتیب فہرست

تدفین کے وقت کی بدعات ۲۱۱

نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کے احکامات ۲۱۸

دعاء بعد الجنازہ کے عدم جواز پر مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے

پسماندگان سے تعزیت ۳۷۰

تعزیّت کے وقت کی بدعات ۳۷۸

ایصالِ ثواب اور اس کے احکام و مسائل ۳۸۶

بزرگانِ دین کے مزاروں پر عرس منانا...................... ۴۴۲

مسدس ۴۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بدعت کی حقیقت
اور اس کی مذمت

تالیف
(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ
خطیب مکیّ جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم و بعد:۔ يقول الله تعالىٰ: (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[1]) و يقول سبحانه: (مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ[2]) و يقول عزو جل: (وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ[3])و في صحيح البخاري عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: من حدثك أن محمداً كتم شيئاً مما أنزل الله فقد كذب والله يقول: (يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك من ربك[4]) و في الصحيح أيضاً عنها أنها قالت: لو كان محمد صلى الله عليه وسلم كاتماً من القرآن شيئاً لكتم

---

١ المائدة آية ٣

٢ الأنعام آية ٣٨

٣ النحل آية ٨٩

٤ صحيح البخاري كتاب التفسير ٦/٦٦

هذه الآية: (وتخفي في نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله أحق أن تخشاه[۱])

وقد شهدت له أمته ببلاغ الرسالة وأداء الأمانة واستنطقهم بذلك في أعظم المحافل في خطبته يوم حجة الوداع و قد كان هناك من الصحابة نحو من أربعين ألفاً كما ثبت في صحيح مسلم عن جابر بن عبدالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في خطبته يومئذٍ أيها الناس إنكم مسؤولون عني فما أنتم قائلون قالوا: نشهد أنك قد بلغت وأديت و نصحت فجعل يرفع أصبعه ويقلبها إليهم ويقول اللّٰهم هل بلّغت اللهم هل بلغت[2] و يقول أبوذر رضي الله عنه: ''ولقد تركنا رسول الله ﷺ وما يقلب طائر بجناحيه في السماء إلا ذكر لنا منه علماً[3]''

امّا بعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے آقائے نامدار، سرور کائینات، سیّد المرسلین، رحمۃ للعالمین۔ خاتم النّبیین حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ کو ایک عظیم الشّان قانون اور آئین عطا فرمایا ہے، جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ کی شکل میں آج بھی امّت کے ہاتھوں میں مِنۡ وَعَنۡ، صحیح وسالم، اور اصلی رنگ میں موجود ہے۔ گو باطل پرستوں نے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے تحریف لفظی ومعنوی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھارکھا، مگر اللہ رب العزّت کا یہ فیصلہ ہے کہ: وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن۔ کہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں اور اللہ رب العزّت نے اس کی حفاظت کا ہر دور اور ہر زمانہ میں انتظام فرمایاہے، اور آج بھی دین اسلام کا وہ سرچشمہ بغیر کسی آمیزش اور ملاوٹ کے ہمارے سامنے مِنۡ وَعَنۡ؛ موجود ہے، اور وہ ایسا مکمّل نظام ہے جس کے بعد کسی اور نظام اور قانون وآئین کی مطلقاً ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، اور کیوں ہو؟ جب کہ یہ قانون خود احکم الحاکمین ربّ العالمین کا بنایاہوا ہے جس کا علم کامل واتّم ہے۔

امام اہل سنّت حضرت مولانا سرفراز خان صاحبؒ اپنی کتاب منہاج الواضح میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس قدر مستقبل کے بارے میں کسی کو علم زیادہ ہوگا، اسی قدر وہ زیادہ صحیح قانون اور آئین بناسکے گا۔

---

۱ صحیح البخاري کتاب التوحید ۱۵۲/۹

۲ صحیح مسلم کتاب الحج ۴۱/۴

۳ تفسیر الطبری ۳۴۸/۱۱ بتحقیق احمد شاکر

اور چونکہ مخلوق کے پاس مستقبل سے متعلّق علم حاصل کرنے کے ذرائع اور وسائل، تجربہ۔ قیاس اور حواس وغیرہ سب کے سب محدود، ناتمام اور ناقص ہیں، اس لئے مخلوق کے مجوّزہ قوانین کبھی ناقابل ترمیم نہیں ہوسکتے۔ ملک و ملّت کے چیدہ چیدہ اور منتخب قانون ساز بڑی کوشش اور کاوش سے بسیار بحث و تمحیص کے بعد ایک قانون تجویز کرتے ہیں، مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس میں ترامیم کا پیوند لگانا پڑتا ہے اور ہمیشہ اس امر کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور تا قیامت ہوتا رہے گا۔ ہر قانون اور آئین بنانے کا ایک مدّعا اور مقصد ہوتا ہے۔ قانون ساز کو اگر قانون پر عمل کرنے والوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی ہے، اور وہ ان کا حقیقی خیر خواہ اور خود غرضی سے بالاتر ہے، تو وہ ایسا قانون بنائے گا جس سے قانون پر چلنے والوں کو نفع اور فائدہ پہنچے گا، اور اس بات کے تسلیم اور یقین کر لینے میں کیا تأمّل ہو سکتا ہے کہ مفید اور ناقابل تنسیخ قانون صرف وہی بنا سکتا ہے جو ہر لحاظ سے کامل علم رکھتا، اور بھمہ وجوہ علیم و خبیر ہو، حقیقی ہمدرد اور مہربان ہو، خود غرضی سے بے نیاز اور مطلب پرستی سے بے احتیاج اور بے پرواہ ہو۔ ظاہر ہے کہ مخلوق سے متعلق خالق کے سوا علمِ تام اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مخفی نہیں کہ اَلرّحمٰن سے زیادہ مہربان اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، اور پوشیدہ نہیں کہ اَلصّمد سے بڑھ کر بے نیاز اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ ربّ العزّت کے سوا کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہو سکتی جو مخلوق کے لئے کامل و مکمّل اور ناقابل ترمیم قانون اور آئین بنا سکے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمر۔ اور بھلا اس کی موجودگی میں کسی دوسرے کو قانون بنانے اور حکم کرنے کا حق بھی کیا ہے؟

اِنِ الْحُكْمُ الا للهِ اسی قانون کا نام دین اور مذہب ہے، جو مخلوقاتِ عالم میں صرف انسان کو دے کر اس سے اس کی تعمیل چاہی ہے، اور اس کی تعلیم اور یاد دہانی کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے ہیں۔

تکمیل دین

اور اسی سلسلۂ تعلیم کو امام الانبیاء سید المرسلین، خاتم النبییّن حضرت محمّد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے مبعوث ہو کر پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اسی کا آپ ﷺ کی وفات حسرتِ آیات سے اکیاسی روز قبل ہزاروں کی تعداد میں، ان قدسی صفات اور پاک نفوس کے بھرے مجمعے میں میدانِ عرفات کے اندر نویں ذوالحجہ کو جمعہ کے دن عصر کے وقت یہ اعلان کروایا گیا کہ: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (سورۃ المائدہ پ۶،ع۱)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے

طور پر ہمیشہ کے لیے پسند کر لیا۔

اس اعلانِ خداوندی کا یہی منشا ہے کہ قیامت تک اب دین میں کسی ترمیم اور تنسیخ اور حذف و اضافہ کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش۔ ہدایت کیلئے جن احکام کی ضرورت تھی وہ اصولاً سب نازل کر دیئے گئے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے پیشِ نظر سوچنا یہ ہے کہ جس چیز کا داعیہ اور سبب اور وجود خیر القرون (یعنی پیارے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد اور زمانے) میں موجود تھا مگر اس پر ایسا عمل اور ایسی کاروائی نہ کی جاتی تھی جو آج کی جاتی ہے اور اس کو دین کا رنگ دیا جاتا ہے تو یقیناً وہ بدعت ہو گی۔

بدعت کی ایجاد میں تکمیلِ دین کی نفی ہے

بدعت کی ایجاد کرنے والا، اور اس کی ترویج و اشاعت کرنے والا گویا عملی طور پر در پردہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دین نامکمّل اور ناقص ہے اور میری ترمیم کا محتاج ہے، یا وہ اس کا مدّعی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت محمدِ مصطفےٰ ﷺ نے باوجود رؤف و رحیم ہونے کے اپنی امّت کو بہتر، اعلیٰ اور مکمّل طریقہ نہیں بتایا، اور اب میری سمجھ اور رائے سے اس کی تکمیل ہو گی۔ مثلاً آذانیں اس وقت بھی ہوتی تھیں، نمازیں اس وقت بھی پڑھی جاتی تھیں، درود و سلام اس وقت بھی پڑھا جاتا تھا، ایصال ثواب اس وقت بھی ہوتا تھا، رجب اور شعبان کے مہینے اس وقت بھی آتے تھے، ولادت اور ختنے اس وقت بھی ہوتے تھے، شادی اور غمی اس وقت بھی ہوتی تھی، وفات اور جنازے اس وقت بھی ہوتے تھے، قبریں بھی موجود تھیں، اور مصائب بھی لوگوں کو پیش آتے تھے۔ مگر آذان سے قبل صلوٰۃ و سلام، نماز باجماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی مرتبہ دعا مانگنے کی پابندی، درود و سلام کھڑے ہو کر مخصوص انداز میں پڑھنے کی پابندی، ایصال ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھ کر مختلف سورتیں پڑھنے اور تیجہ جمعرات اور چہلم وغیرہ کی پابندی کیا پیارے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہوتی تھی؟ ظاہر ہے کہ درود و سلام، صدقہ خیرات، اموات کو ایصال ثواب نمازوں کے بعد دعا یہ سب چیزیں عبادات ہیں، اور ان کی جتنی ضرورت آج ہے خیر القرون میں بھی تھی۔ مگر نہ تو ولادت اور ختنوں کے موقعہ پر وہ بدعات کی جاتی تھیں جو آج کی جاتی ہیں، اور نہ شادی اور وفات پر وہ رسمیں ادا ہوتی تھیں جو آج رائج ہو چکی ہیں، اور نہ میّت پر نمازِ جنازہ پڑھ چکنے کے بعد وہ مصنوعی طریقہ دعا تھا جو آج کیا جاتا ہے۔ قبریں بھی موجود تھیں مگر ان پر میلے اور عرس نہیں لگا کرتے تھے، صعوبتیں اور تکالیف بھی لوگوں کو پیش آتی تھیں، مگر نہ تو وہاں قبروں کے طواف ہوتے تھے اور نہ ہی

قبروں پر نذریں اور منّتیں مانی جاتی تھیں۔

جب یہ تمام اسباب و دواعی اس وقت موجود تھے مگر یہ خود ساختہ کار وائیاں ہر گز وہاں نہ تھیں تو کیسے سمجھ لیا جائے کہ آج یہ کام جائز اور کارِ ثواب ہیں۔ یقین جانیئے کہ جو کام اس وقت دین نہ تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا کوئی بھی ایسا عمل جو حقیقت میں دین نہیں ہے، اور جو عمل پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا، اور آپ ﷺ نے اس کی تلقین نہیں فرمائی تھی، اور قرآن کریم میں اس کا حکم نہیں آیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین نے اس کو اختیار نہیں فرمایا، ایسے نئے عمل کو ہم دین کا حصّہ سمجھ کر شروع کر دیں اس کو دین کا ایک جزء بنادیں، اور اس کو واجب یا سنّت قرار دیں، اور اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کریں، اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کریں جس طرح ایک حکم شرعی کی پابندی کی جاتی ہے، اور اس عمل کے ترک کرنے والے پر ملامت شروع کر دیں، یہ طرز عمل بھی پیارے پیغمبر ﷺ سے آگے بڑھنے کے مرادف ہے اور بدعت ہے۔ بدعت در حقیقت دین الٰہی کے اندر شریعتِ انسانی کی تشکیل اور ''ریاست اندرون ریاست'' ہے، اس شریعت کی الگ فقہ ہے اور مستقل فرائض وواجبات اور سنن و مستحبات، جو بعض اوقات شریعت الٰہی کے متوازی، اور بعض اوقات تعداد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی، جس کا تعین ہونا تھا، اس کا تعین ہو چکا، اور جس کو فرض وواجب بننا تھا وہ فرض وواجب بن چکا، دین کی ٹکسال بند کر دی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائیگا وہ جعلی ہو گا۔

مثلاً ایک شخص وضو میں اعضاءِ وضو کو تین مرتبہ دھونے کے بجائے پانچ مرتبہ دھوتا ہے تو کیا اس زیادتی کو اچھا کہا جائے گا یا بُرا؟ اور یہ پیارے پیغمبر ﷺ سے آگے بڑھنے کے مترادف نہ ہو گا، جبکہ پیارے پیغمبر ﷺ خود وضو کر کے دکھاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: ''ھکذا الوضوء۔ فمن زاد علی ھذا فقد أساء وظلم و تعدی'' (رواہ ابو داؤد بسند صحیح)

''وضو اس طرح کیا جاتا ہے، جس نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا، اور ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا۔''

نبیل شریف الحبشیؒ فرماتے ہیں کہ جب تم رکوع سے اٹھو تو یہ کھو(رَبَّنَا لکَ اْلحَمْد)اور یوں نہ کھو(رَبَّنَا وَلکَ الْحَمْد وَالشُّکْر) اس لئے کہ والشکر کا لفظ سنّت میں نہیں ہے یہ زیادتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی

تعلیم سے آگے بڑھنا ہے۔ آپ ﷺ تو ارشاد فرماتے ہیں: قال رسول الله ﷺ "ما ترکت شیئا مما أمرکم الله به الا وقد أمرتکم به، ولا شیئا مما نھا کم عنه الا وقد نھیتکم عنه"[1]

کہ اللہ ربّ العزت نے تمہیں جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان میں سے میں نے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو تمہیں پہنچا نہ دی ہو، اور تمہیں اس کے کرنے کا حکم نہ دیا ہو، اور نہ ہی کوئی ایسی بات چھوڑی ہے جس سے تمہیں روکا گیا ہو مگر میں نے تمہیں اس سے نہ روکا ہو۔ (یعنی میں نے تمہیں اس سے روکا ہے۔)(بیہقی ج۷ ص۷٦)

وقال "إنه لم یکن نبيٌ قبلي إلا کان حقاً علیه أن یدلّ أمته علی ما یعلمه خیراً لھم، وینذرھم ما یعلمه شرّاً لھم"

اور فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا مگر اس پر لازم تھا کہ وہ اپنی امّت کو ان تمام باتوں کی تعلیم دے جو ان کے حق میں بہتر ہوں اور ان تمام باتوں سے ڈرائے جو ان کے حق میں بری ہوں۔

تو انبیاؑ علیہم السّلام نے تو دین پورا پورا پہنچایا ہے اور بدعت کرنے والا یہ دعوٰی کرتا ہے کہ دین مکمّل نہیں! اس میں یہ کمی رہ گئی تھی جس کو اب پورا کیا جارہا ہے، اور یہ پیارے پیغمبر ﷺ کی تبلیغِ رسالت پر بڑا الزام ہے جن کو حکم تھا کہ:

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ(مائدہ، آیت۶۷ رکوع۱۰)

اے پیغمبر! جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اس لئے امام دار ہجرت حضرت امام مالکؒ (المتوفیّ ۱۷۹ھ) بدعات کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراھا حسنة فقد زعم انّ محمّدا ﷺ خَانَ الرِّسَالَة لأنّ الله تَعَالیٰ یَقُوْل اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ الاٰیة۔ فَمَالَمْ یَکُنْ یَوْمَئِذٍ دِیْنًا فَلَا یَکُوْن الیَوم دینا۔ (الاعتصام للشاطبی ج۱ ص۸۲)

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی جس کو وہ اچھّا سمجھتا ہے تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے ادائیگی رسالت میں خیانت کی، کیونکہ اللہ رب العزّت ارشاد فرماتا ہے کہ: آج کے دن میں نے تمھارے لئے تمہارا دین

---

[1] بیھقی ج۷ ص۷٦

مکمّل کر دیا ہے (الآیۃ) پس جو چیز اس وقت دین نہ تھی وہ آج بھی ہر گز دین نہیں ہو سکتی! اس لئے یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ پیارے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کیا، وہ دیکھنے میں چاہے کتنا ہی اچھّا، کتنا ہی خوب صورت اور کتنا ہی خوشنما نظر آئے مگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اچھا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے معاذاللہ ان طریقوں کو نہ تو غفلت اور سستی کی وجہ سے چھوڑا تھا، اور نہ ہی ناواقفیت کی بنا پر، بلکہ ان کو غلط اور مضر سمجھ کر چھوڑا تھا۔ ورنہ معاذاللہ ان پر دین میں بُخل اور خیانت اور تبلیغِ رسالت کے فرائض میں کوتاہی کا الزام لازم آئے گا۔

بدعت کی حقیقت

بدعت کی حقیقت اور اس کا صحیح معنیٰ جاننے کے لئے سب سے پہلے ہمیں ذخیرہ احادیث کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ اور احادیث میں امام احمدؒ، امام ابو داوٗدؒ، امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ: (عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ۔ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟، فَقَالَ: ''أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ، الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'')

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن پیارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، یعنی امامت کی، اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور خوب نصیحت کی اور وعظ فرمایا، جس کو سن کر ہماری آنکھوں سے آنسو بھنے لگے، اور دل ہل گئے۔ پھر ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو نصیحت گویا رخصت کرنے والے کی وصیّت لگتی ہے، تو آپ ﷺ ہمیں وصیّت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں خدا سے ڈرنے کی، اور اپنے حاکموں کے احکام قبول کرنے کی خواہ وہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم میری سنّت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اس کو ہاتھوں اور دانتوں سے مضبوط تھام لو، اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو، کیونکہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی

ہے۔(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اس حدیث کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پیارے پیغمبر ﷺ کے آخری دور حیات کا ہے، آپ ﷺ کی ہدایات اور غیر معمولی انداز بیان سے صحابہ کرامؓ نے اندازہ لگایا کہ شاید آپ ﷺ پر منکشف ہو گیا ہے کہ اس دنیا سے آپ ﷺ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، اس لئے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ ہم کو بعد کے لئے وصیّت فرمایئے! پیارے پیغمبر ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرماتے ہوئے سب سے پہلے تقویٰ، خوف خداوندی اور خشیۃ الٰہی اختیار کرنے اور نافرمانی سے بچنے کی وصیّت فرمائی، اور پھر خلیفہ اور امیر کی اطاعت کرنے اور ان کا حکم بجالانے کا حکم دیا چاہے وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ بشرطیکہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہو پھر ایسی صورت میں اس کی اطاعت نہیں کی جائی گی۔ اس کے بعد پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امّت میں بہت بڑا اختلاف دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین جو کہ ہدایت یافتہ ہیں کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، اور صرف اسی کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر وہ نیا کام جو دین میں پہلے داخل نہیں تھا، اور نہ دین کا حصّہ تھا، آج اس کو دین میں داخل کر دیا گیا، وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جھنّم میں لیجانے والی ہے۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ : یہ دلالت کلیہ ہے جس میں ہر طرح کی بدعت داخل ہوگئی خواہ وہ کسی بھی زمانے میں ہو، کسی بھی مکان وجگہ میں ہو، اور کسی بھی حال میں ہو۔ خواہ وہ چھوٹی بدعت ہو یا بڑی، حقیقی ہو یا اضافی، سب کی سب ضلالت اور گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف پیارے پیغمبر ﷺ کے معجزات میں سے ہے جس میں آپ ﷺ نے مستقبل، یعنی آئندہ زمانے میں پیش آنے والے بڑے بڑے اختلافات کی خبر اس خیر القرون کے زمانے میں دی جس میں اختلاف اور انتشار کا تصوّر بھی ممکن نہیں تھا۔ آپ ﷺ کی اس پیشن گوئی کو پیارے پیغمبر ﷺ کے ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے بھی اپنی آنکھوں سے سچ ہوتے ہوئے دیکھا جو آپ ﷺ کے بعد ۳۰،۳۵ سال تک زندہ رہے!

اور آج یہ اختلاف جس نہج پر پہنچ چکا ہے وہ کسی بھی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔

اللہ ربّ العزّت ہمیں پیارے پیغمبر ﷺ کی اور آپ کے خلفائے راشدین المھدیّین کی سچّی اتبّاع نصیب فرمائے۔ آمین

نیز امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ:

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: ''جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . فَلَمَّا أُخْبِرُوا؛ كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا . فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَقَدْ غَفَرَ (اللَّهُ) لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ! فَقَالَ أَحَدُهُمْ : أَمَّا أَنَا؛ فَإِنَّا أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا ، وَقَالَ الْآخَرُ: إِنَّا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ ، وَقَالَ الْآخَرُ: إِنَّا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: " أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ ! أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي''

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے پاس آپ ﷺ کی عبادت کا حال اور کیفیّت پوچھنے آئے۔ جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کی کیفیت بتائی گئی تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو کم سمجھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا، کہاں ہم اور کہاں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی، یعنی ہمیں پیارے پیغمبر ﷺ سے کیا نسبت!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرمادیا ہے۔ (اور قرآن کریم میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو زیادہ عبادت اور ریاضت کی ضرورت ہی نہیں ہم گناہ گاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں تو اب تمام رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، اور کبھی دن میں افطار نہیں کروں گا۔ ان میں سے ایک اور نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

---

۱ البخاري الفتح ۹ (۵۰۶۳) واللفظ له۔ مسلم (۱۴۰۱)

(پیارے پیغمبر ﷺ تک ان کی یہ خبر پہنچی) تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ کہا؟ (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں۔؟) سنو واللہ! تمھاری بنسبت میں اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ اور اس کی نافرمانی اور ناراضگی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں، مگر دیکھو میں ہمیشہ روزے سے نہیں رہتا بلکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا اور میں نماز تہجد بھی پڑھتا ہوں (مگر ساری رات نماز میں نہیں گزارتا بلکہ) سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرّد کی زندگی نہیں اختیار کی بلکہ) میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی بھی گزارتا ہوں (یہ میری سنّت ہے) پس جو شخص میری سنّت سے منہ موڑے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

جن تین صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت اور جنّت حاصل کرنے کا راستہ یہی ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذّتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، اور اسی غلط فہمی کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کا بھی یہی حال ہوگا۔ لیکن جب امّہات المؤمنین نے پیارے پیغمبر ﷺ کی عبادات کا معمول انہیں بتایا تو انہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، اور از راہِ عقیدت اور ادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ ﷺ کے تو اللہ ربّ العزّت نے سب قصور پہلے سے معاف فرمادیئے ہیں اور آپ ﷺ کے درجات عالیہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کو تو زیادہ عبادات کے اندر مشغول رہنے کی ضرورت نہیں، لیکن ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم گناہ گار ہیں اس لئے ہمیں زیادہ عبادت کی ضرورت ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف اور فکر آخرت ہے، مگر اس کے باوجود میرا طریقہ یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور دنوں میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا، میری بیویاں ہیں جن کے ساتھ میں ازدواجی زندگی گزارتا ہوں۔ یہ میرا بحیثیت رسول خدا، زندگی گزارنے کا طریقہ ہے، اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر اپنی زندگی اپنے طریقہ سے گزارے گا وہ میرا نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یا اس جیسی دوسری احادیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے انتہائی غلط ہوگا۔ پیارے پیغمبر ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی عبادت گزار پیدا ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا عبدیّت کے تمام

مراتب آپ ﷺ پر ختم ہیں جس طرح اللہ رب العزّت معبودیّت میں یکتا ہیں اسی طرح پیارے پیغمبر ﷺ عبدیّت میں یکتا ہیں۔ آپ ﷺ کی عبادت کا تو یہ حال تھا کہ طویل قیام کی وجہ سے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا اور جب آپ ﷺ سے عرض کیا جاتا کہ آپ ﷺ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے تو ارشاد فرماتے:

"اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا"۔ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اسی طرح بعض اوقات کئی کئی دنوں تک بلا سحر وافطار کے صوم وصال رکھتے تھے۔ تو عبادت کی کثرت سے نہیں بلکہ غلط ذہنیّت، غلط نقطہ نظر اور نبی کریم ﷺ کے طریقے اور سنّت کی خلاف ورزی اور من چاہی زندگی سے روکا جارہا ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ کوئی بھی عبادت اس وقت تک عبادت کھلانے کے مستحق نہیں، جب تک اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کی سند موجود نہ ہو، ورنہ وہ عبادت بدعت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اللہ ربّ العزّت نے ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، اور ہر نماز کی رکعتوں کی تعداد متعیّن فرمادی ہے کہ، فجر میں دو، ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار اور مغرب میں تین رکعت فرض ہیں۔ اب اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ میں تو مغرب میں تین رکعت نہیں پڑھوں گا بلکہ مغرب کی نماز میں بھی تین رکعت کے بجائے چار رکعت ہی پڑھوں گا، تاکہ مجھے زیادہ ثواب ملے کیونکہ اس ایک رکعت میں مزید اللہ کی حمد وثناء ہوگی، رکوع ہوگا، دو سجدے زیادہ ہوں گے، تو کیا اس کی یہ نماز عند اللہ مقبول ہوگی؟ ہرگز نہیں کیوں؟

اس لئے کہ اس نے پیارے پیغمبر ﷺ کے طریقے سے ہٹ کر نماز پڑھی، اور اس طریقہ کو دین کا حصّہ سمجھ کر اس کو دین میں داخل کرلیا اور اسی کا نام بدعت ہے، جو کہ گمراہی ہے۔

بدعت گمراہی کیوں ہے؟

"بدعت" گمراہی کیوں ہے؟ اس لیے کہ بدعت میں اگر غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ جو شخص بدعت کو اختیار کرنے والا ہے وہ درحقیقت یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے جو دین ہمیں دیا تھا وہ ادھورا اور ناقص تھا، آج میں نے اس میں اس عمل کا اضافہ کرکے اس کو مکمل کردیا۔ گویا کہ آدمی عملی طور پر بدعت کے ذریعہ یہ دعویٰ کررہا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نکل جاؤں۔ جو چیز دین میں داخل کی جاتی ہے بظاہر دیکھنے میں وہ ثواب کا کام معلوم ہوتی

ہے، عبادت لگتی ہے، لیکن چونکہ وہ عبادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہوتی، اس لیے وہ عبادت بدعت ہے، اور بدعت گمراہی ہے۔ جتنی بدعات ہوتی ہیں ان میں براہِ راست گناہ کا کام نہیں ہوتا، لیکن چونکہ اس عمل کو کسی اتھارٹی کے بغیر دین کے اندر شامل کر دیا گیا، اس عمل کے بارے میں ہمارے پاس قرآن کی اور سنت کی کوئی اتھارٹی نہیں تھی، بلکہ ہم نے اپنی طرف سے اس کو دین میں داخل کر دیا، اس لیے وہ بدعت بن گئی۔

☆ نیز بخاری اور مسلم نے امّ المؤمنین سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ: عَن عَائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ مَن اَحدَثَ فِی اَمرِنا ھٰذا ما لَیسَ مِنْہ فَھُو رَدّ۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسّنۃ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات جاری کی جو ہمارے دین میں نہ ہو تو اس کی وہ بات رد ہے (یعنی مردود ہے اور قابل قبول نہیں ہے)

☆ صحیح مسلم میں ہے: مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ۔

جو کوئی ایسا کام کرے گا جس پر ہمارا مذہب نہیں وہ رد ہے۔

☆ ابوداؤد میں بایں الفاظ ہے: مَن صنع امرًا عَلٰی غَیرِ اَمْرِنَا فَھوَ رَدّ۔

جس نے ہمارے عمل یا مذہب کے خلاف کوئی کام کیا وہ رد ہے۔

ان احادیث مبارکہ میں محدثات اور نئی ایجاد کی ہوئی باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلے سے ہوں یا عقائد کے قبیلہ سے) قابل ردّ اور مردود قرار دیا گیا ہے جو دین میں ایجاد کی جائیں اور ان کو اللہ ربّ العزّت کی رضا اور خوشنودی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے، اس لئے اگر کوئی شخص دین حق کے اندر کسی ایسی چیز کا اضافہ باہر سے اس خیال سے شروع کرے کہ یہ دین کا حصّہ ہے۔ یا یہ سوچے کہ یہ کام واجب ہے یا سنّت ہے، یا فرض ہے، یا مستحب ہے، یا یہ ثواب کا کام ہے، حالانکہ وہ کام پیارے پیغمبر ﷺ کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے دین میں نہیں، نہ اس کی اصل موجود ہے اور نہ اس کی نظیر موجود ہے، اور نہ وہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے، نہ ہی وہ کام آپ ﷺ نے کیا، نہ آپ ﷺ نے حکم دیا، نہ آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کیا، شریعت میں اسی کا نام بدعت ہے۔

بدعت کی تعریف

بدعت کا لغوی معنیٰ :

سنّت کا مقابل لفظ بدعت ہے، لغت میں بدعت ہر نئی بات اور نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا عادات اور معاملات سے۔ اور بدعت دین کے تکمیل کے بعد اس میں نئی چیز نکالنے کا نام ہے۔، اور اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں، جس کا پہلے کوئی نمونہ اور مثال نہ ہو۔

وَالبِدْعَةُ: الحَدَثُ فِي الدِّينِ بَعْدَ الإِكْمَالِ وَقِيلَ : البِدْعَةُ كُلُّ مُحْدَثَةٍ، وَبَدَّعَهُ نَسَبَهُ إِلَى البِدْعَةِ وَيُقَالُ أَبْدَعَ وَابْتَدَعَ، وَتَبَدَّعَ أَتَى بِبِدْعَةٍ، وَاسْتَبْدَعَهُ عَدَّهُ بَدِيعًا،

بدعت کا شرعی واصطلاحی معنیٰ

اور اصطلاح شرع میں بدعت کہتے ہیں ہر ایسے طریقۂ عبادت کو جو مذہب کے عقائد یا اعمال میں زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیّت سے پیارے پیغمبر ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو، اور پیارے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً ثابت ہو۔

بدعت کی شرعی واصطلاحی تعریف کے بارے میں علمائے امّت کے اقوال

(۱) قول الحافظ ابن حجر :

والمحدثات۔۔۔ جمع محدثة، والمراد بها ما أُحدث وليس له اصل فى الشرع، ويسمّى فى عرف الشرع بدعة، وما كان له أصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة، فالبدعة فى عرف الشرع مذمومة بخلاف اللّغة: فان كل شيء أحدث على غير مثال يسمّى بدعة، سواء كان محمودا أو مذموما۔ (فتح الباری ج۴ص۲۵۳/۱۳/۲۵۳) حقیقت البدعۃ ص۲۶۱)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ محدثات جمع ہے محدثۃ کی، اور اس سے مراد ہے کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو، اور شریعت کے عرف میں اس کو بدعت کہتے ہیں، اور ایسی چیز جس کے لئے شریعت میں کوئی اصل ہو وہ بدعت نہیں، بدعت شریعت کے عرف میں مذموم ہے:

پس ہر وہ نئی نکالی ہوئی چیز جس کی شریعت میں کوئی مثال نہ ہو وہ بدعت ہے، چاہے وہ نئی نکالی ہوئی چیز اچھی ہو یا بری۔

(۲) قول الامام النووی ؒ:

البدعة بکسر الباء فی الشّرع : هی احداث مالم یکن فی عهد رسول الله ﷺ۔(تہذیب الاسماء واللغات ۳/۲۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں بدعت (با کے کسرہ کے ساتھ) شریعت میں نام ہے کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا (دین میں) جو پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں نہ ہو۔

(۳) قول الامام العینی:

قوله (محدثاتها) جمع محدثة، والمراد به ما أُحدث ولیسَ له اصل فی الشّرع، ویسمّی فی عرف الشّرع بدعة، وما کان له أصل یدل علیه الشّرع فلیس ببدعةٍ۔(عمدۃ القاری ۲۵/۳۷)

امام عینیؒ فرماتے ہیں: محدثات جمع ہے محدثة کی، اور اس سے مراد ہے کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو، اور شریعت کے عرف میں اس کو بدعت کہتے ہیں، اور ایسی چیز جس کے لئے شریعت میں کوئی اصل ہو وہ بدعت نہیں۔

(۴) قول ابن الجوزیؒ:

والبدعة : عبارةٌعن فعل لم یکن فابتُدع، والاغلب فی المبتدعات، انّها تصادم الشّریعة بالمخالفة، و توجب التّعاطی علیها بزیادة او نقصان۔(تلبیس ابلیس ۱۶)

ابن جوزیؒ: فرماتے ہیں بدعت عبارت ہے ایسے فعل سے (جس کا وجود خیر القرون میں) نہ تھا، اور اس کو وجود میں لایا گیا، اور بدعات کا اطلاق اغلباً ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو شریعت سے متصادم ہو۔

(۵) وقیل البدعة ایراد قول او فعل لم یستن قائلها ولا فاعلها فیه بصاحب الشّریعة۔

اور بعض نے فرمایا کہ بدعت سے مراد ایسا قول اور فعل ہے جو صاحب شریعت سے ثابت نہ ہو۔

(۶) قول الجرجانی فی التّعریفات:

البدعة هی: امر المحدث الذی لم یکن علیه الصّحابة والتّابعون ولم یکن ممّا اقتضاه الدّلیل الشّرعی۔(التعریفات ۴۳)

حضرت جرجانیؒ فرماتے ہیں بدعت نام ہے ایسے امر محدث کا جس پر صحابہؓ اور تابعینؒ نہ ہوں، اور نہ ہی اس میں سے ہو جس کا دلیل شریعت میں تقاضا کیا گیا ہو۔

☆ قال الجرجانی والبدعة: هی الفعلة المخالفة للسّنة:

حضرت جرجانیؒ فرماتے ہیں بدعت وہ فعل ہے جو سنّت کے مخالف ہو۔

(۷) امام شاطبیؒ کا قول:

قَالَ الشَّاطِبِيُّ۔ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى۔ الْبِدْعَةُ: طَرِيقَةٌ فِي الدِّينِ مُخْتَرَعَةٌ تُضَاهِي الشَّرْعِيَّةَ يُقصَدُ بِالسُّلُوكِ عَلَيْهَا الْمُبَالَغَةُ فِي التَّعَبُّدِ للهِ۔ سُبْحَانَهُ۔

شاطبیؒ فرماتے ہیں بدعت دین کے اندر ایسا اختراع (ایجاد) کیا ہوا طریقہ ہے جو احکام شریعت کے مشابہ ہے اور جس پر عمل پیرا ہونے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں کثرت ومبالغہ مقصود ہو۔

گویا بدعت ہونے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں: اوّل یہ کہ وہ نئی بات ہو، یعنی قرآن وحدیث اور صحابہؓ کے آثار سے اس کا ثبوت نہ ہو، دوسرے وہ اپنی ظاہری وضع کے اعتبار سے دینی کام محسوس ہوتا ہو، امور دنیا میں ایجادات اور ان سے فائدہ اٹھانا بدعت نہیں، تیسرے اسے اجر وثواب کا باعث تصوّر کیا جاتا ہو۔

اس تعریف میں دین کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی دنیاوی امور میں کسی نئی چیز کو ایجاد کرتا ہے تو اس کو بدعت نہ کہا جائے گا۔ اور مخترعۃٌ کی قید سے معلوم ہوا کہ کہ دین میں ایسا نیا طریقہ ایجاد کرنا جس کی شریعت میں پہلے سے کوئی اصل یا مثال نہ ہو۔

(۸) وفی عمدة القاریٔ:

(قوله محدثاتها) جمع محدثة، والمراد به ما احدث ولیس له اصل فی الشرع۔۔ الیٰ ان

قال۔۔ وما کان له أصل يدل عليه الشرع فليس ببدعة۔

اور عمدۃ القاریؒ: میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ: مُحدثات جمع ہے محدثة کی، اور اس سے مراد ہے ایسی چیز جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو۔۔۔اور جس چیز کے لئے کوئی ایسی اصل ہو جس پر شریعت دلالت کرے وہ بدعت نہیں۔

(۹) احمد زروق فرماتے ہیں:

وحقيقة البدعة شرعاً : احداث امرٍ فی الدّين يشبه اَن يّكون منه وليس منه. سَواء أكان بالصّورة ام بالحقيقة. لقول رسول الله ﷺ كلّ محدثة بدعة وكلُّ بدعةٍ ضلالة۔

بدعت اصطلاح شرع میں کہتے ہیں دین میں کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کرنا جس سے یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ دین میں سے ہے حالانکہ وہ دین میں سے نہ ہو، نہ ہی صورتاً اور نہ ہی حقیقتاً، اس لئے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(۱۰) قول التھانویؒ:

وَقَالَ التَّهَانَوِيُّ: الْمُبْتَدِعُ: مَنْ خَالَفَ أَهْلَ السُّنَّةِ اعْتِقَادًا، وَالمُبْتَدِعُونَ يُسَمَّوْنَ بِأَهْلِ البِدَعِ وَأَهْلَ الأَهْوَاءِ۔

وَهِيَ مَا أُحْدِثَ عَلَى خِلَافِ أَمْرِ الشَّارِعِ وَدَلِيلِهِ العَامِّ أَوِ الْخَاصِّ، وَقِيلَ: هِيَ أعْتِقَادُ مَا أُحْدِثَ عَلَى خِلَافِ المَعْرُوفِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، لَا بِمُعَانَدَةٍ بَلْ بِنَوْعِ شُبْهَةٍ۔(کشاف اصطلاحات الفنون ص۱۹۱ج۱)

اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: بدعتی وہ ہے جو اعتقاداً اہل سنّت کی مخالفت کرے اور جو لوگ بدعات میں مبتلا رہتے ہوں ان کو اہل بدعت اور اہل اہوا کہا جاتا ہے، جو شارع علیہم السلام کی تعلیمات اور دلائل کے بر خلاف دین میں نئی نئی چیزیں نکالتے ہیں۔

نیز بدعت کی حقیقت اور اس کی قباحت تحریر کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ نے دین کی سب باتیں قرآن وحدیث میں بندوں کو بتادیں، اب کوئی نئی بات دین میں نکالنا درست نہیں ایسی نئی بات کو

بدعت کہتے ہیں۔ بدعت بہت بڑا گناہ ہے۔

(۱۱) امام ابو بکر طرطوشیؒ بدعت کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

وعرّف الإمام أبو بكر الطرطوشي البدعة فقال فإن قيل : ما معنى أصل البدعة ؟ قلنا : أصل هذه الكلمة من الاختراع، وهو الشيء يحدث من غير أصل سبق ولا مثال احتُذي ولا أُلِفَ مثله، ومنه قولهم : أبدع الله الخلق، أي : خلقهم ابتداءً . ومنه قوله تعالى { بديع السموات والأرض }

اگر ہم سے کہا جائے کہ اصل بدعت کا کیا معنیٰ ہے ؟ تو ہم کہیں گے کہ اس کلمے (یعنی بدعت) کا معنیٰ گھڑنا ہے کسی ایسی چیز کا جس کی پہلے کوئی اصل نہ ہو، اور نہ مثال ہو۔ اور اسی سے ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا یعنی ابتداءً پہلی مرتبہ پیدا کیا جس کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی اور اسی پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالارض : کہ وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔

(۱۲) حافظ ابنِ رجبؒ لکھتے ہیں کہ:

والمُرادُ بالبدعةِ مَا اَحدث مِمّا لا اصل لَه فى الشّريعة يَدلّ عليه وامّا مَا كان له اصل مِن الشّرع يدلّ عليه فليسَ ببدعة شرعًا وان كان بدعةً لغةً--- الىٰ ان قال--- فكل من احدث شيئًا ونسبه الى الدين، ولم يكن له اصل من الدين يرجع اليه فهو ضلالة، والدين برىء منه (جوامع العلوم والحکم ص۲۵۲)

بدعت سے مراد وہ چیز ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرے، اور بہر حال وہ چیز جس کی شریعت میں کوئی اصل ہو جو اس پر دال ہے، تو وہ شرعاً بدعت نہیں ہے اگر چہ لغۃً بدعت ہو گی--- آگے جا کر فرمایا کہ جس کسی نے بھی کوئی چیز ایجاد کر کے اس کو دین کی طرف منسوب کیا، جب کہ دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہو جس کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ گمراہی ہے، اور دین اس سے بری ہے۔

(۱۴) قول الشیخ محمد بن عثیمینؒ:

عن البدعة أنها ما احدث فی الدّین علیٰ خلاف ما کان علیه النبی ﷺ و اصحابه، من عقیدۃ او عمل۔(شرح لمعۃ الاعتقاد ۲۳)

شیخ محمد بن عثیمین بدعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بدعت دین میں کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا ہے جو عقیدہ اور عمل میں نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف ہو۔

اصل سے مراد

اصل سے مراد یہاں پر دلیل ہے اور جس چیز پر دلیل نہ ہو وہ بدعت ہے، اور وہ دلیل جس سے کسی عبادت کے ثابت ہونے، اور کسی عمل کے بدعت نہ ہونے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے وہ ہے:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنّت رسول اللہ ﷺ جو ثابت ہو صحیح سند کے ساتھ بطریق تواتر یا آحاد کے۔(۳) اجماع (یعنی نبی کریم ﷺ کے بعد مجتہدین امّت کا اتفاق کرنا کسی حکم شرعی پر) خواہ یہ اتفاق کسی کام کے کرنے پر ہو یا چھوڑنے پر۔

دنیوی ضروریات کے لئے ایجادات بدعتِ مذمومہ میں داخل نہیں

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ:

۱) دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں، عادات اور دنیوی ضروریات کیلئے جو نئے نئے آلات اور طریقے روز مرّہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں مثلاً، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ریل، جدید طرز کے مکانات، نئے طرز کے لباس، گاڑیاں، مشینری اور ساز و سامان وغیرہ جو سائنس کی ترقی کے تحت ایجاد ہو چکی ہیں، یا قیامت تک ہوں گی ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں بطور عبادت اور بہ نیّت ثواب نہیں کی جاتیں یہ سب جائز اور مباح ہیں بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہوں۔ بہت سے لوگ ہوائی جہاز، گاڑی، عینک، گھڑی اور اس قسم کی بے شمار نو ایجاد اشیاء کو لیکر بسا اوقات اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ یہ بھی تو آخر بدعت ہیں ان کو کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟

لیکن آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مذموم وہ بدعت ہے جو امر دین سمجھ کر کی یا چھوڑی جائے۔ اور ان سے ثواب

آخرت کی امید کی جائے، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مُردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادریں اور پھول چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ان پر ثواب آخرت کی امید کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ سب چیزیں ام المؤمنین سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا مصداق، مردود، بدعات اور محدثات ہیں۔ جبکہ دنیا کی وہ ساری ایجادات اور تمام نئی چیزیں جو باعث اجر وثواب نہیں سمجھی جاتیں امر دین سے نہیں ہیں بلکہ ترقی اور تمدّن کے لوازمات میں سے ہیں۔

ب) نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت پیارے پیغمبر ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحۃً ثابت ہو یا اشارۃً، وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

ج) نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں موجود نہ تھی بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہو گئی وہ بھی بدعت میں داخل نہیں۔ جیسے مدارس اسلامیہ، دینی نشر واشاعت کے ادارے اور کتب خانے، قرآن مجید پر اعراب وغیرہ لگانا، قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لئے گرائمر (نحو و صرف) کی کتابیں، جہاد کے لئے جدید اسلحہ اور جدید طریق جنگ کی تعلیم وغیرہ۔ اگرچہ یہ چیزیں عہد نبویؐ میں نہیں تھیں لیکن جب اہم دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے یہ ضروری اور ناگزیر ہو گئیں تو یہ شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہو گئیں۔ اس لئے یہ چیزیں اپنی ذات میں عبادت نہیں بلکہ عبادت کا ذریعہ اور مقدّمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں۔ جس طرح وضو کرنا شریعت کا حکم ہے لیکن اگر وضو کے لئے پانی نہ ہو تو پھر پانی کا تلاش کرنا اور اسے حاصل کرنا بھی شرعاً واجب ہو گا، لہٰذا اس طرح کے سارے امور جن کا اوپر ذکر کیا گیا بدعت کے دائرے ہی میں نہیں آتے بلکہ یہ سب شرعی مطلوبات اور واجبات ہیں۔ یہ اِحداث فی الدیّن نہیں بلکہ احداث للدّین ہیں اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدّین کی آئی ہے نہ کہ احداث للدّین کی۔

د) اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں اور مابعد کے زمانے میں یکساں ہے، ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو پیارے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں اس کو بدعت کہا جائے گا اور یہ ازروئے قرآن وحدیث ممنوع اور ناجائز ہو گا۔

بدعت کی دو اقسام

اب جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا تینوں احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اوّل : یہ ہے کہ وہ چیز اپنی ذات سے مُحدَث ہو (یعنی نئی نکالی گئی ہو) اور پیارے پیغمبر ﷺ کے بابرکت زمانہ میں نہ تو خود وجود میں آئی ہو اور نہ اس کی نظیر ظاہر ہوئی ہو۔ اسی طرح قرون ثلاثہ (تینوں زمانوں، یعنی خیر القرون قرنی ثمّ الذین یلونهم ثمّ الذین یلونهم۔) میں بھی نہ تو خود وہ چیز اور نہ اس کی نظیر بغیر کسی ردّ وانکار یا اعتراض کے مروّج ہوئی ہو پس ایسی چیز مُحدث یا بدعت کہلاتی ہے۔

قسم دوم: یہ ہے کہ شریعت کے کسی کام میں (کسی امر دینی میں) کوئی کمی یا زیادتی کی گئی ہو یا اس میں کوئی نئی صورت نکالی گئی ہو، یا رواج دی گئی ہو کہ اس کی وجہ سے کسی دینی امر میں تغیّر، و تبدیلی واقع ہو جاتی ہو تو ہر وہ امر جس کو دینی رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے، اور اس کو دینی عمل کی حیثیت سے کیا جائے اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح اس کو باعث ثواب اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھا جائے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو تو وہ چیز مردود اور قابل ردّ ہے اور بدعت ہے اور یہ مطلب آخری دو حدیثوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اَمۡرِنَا هٰذا کی تحقیق

بخاری اور مسلم نے امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ:

عَن عَائشة رضی الله تعالىٰ عنها قَالت قَال رسول الله ﷺ مَن اَحدَثَ فِی اَمرِنَا هٰذا مَا لَیس منه فهو ردّ (مشکٰوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسّنۃ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات جاری کی جو ہمارے دین میں نہ ہو تو اس کی وہ بات رد ہے (یعنی مردود ہے اور قابل قبول نہیں ہے)

اس میں اَمۡرنا سے مراد دینی امر اور دینی کام ہے۔

۱) چنانچہ علاّمہ شاہ محمّد اسماعیل شہیدؒ اپنی کتاب ایضاح الحق الصّریح میں لکھتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس حدیث میں امور سے مراد دینی امر ہے یا دینی کام چنانچہ لفظ اَمۡرنَا جو اس حدیث میں آیا ہے: مَن اَحدث فی اَمۡرنَا هٰذا مَا

لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ جو ہمارے اس امر دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے تو وہ رد ہے۔ صاف طور سے اسی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو امر انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے وہ دین ہی کا کام ہوتا ہے اس لئے:

دنیوی معاملات میں پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتی رائے کی حیثیت

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی ورسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الاطاعت ہے خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے۔ لیکن کبھی کبھی اللہ رب العزّت کے پیغمبر کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں، تو اس کے بارے میں خود پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے واضح فرمادیا ہے کہ وہ امّت کے لئے واجب الاطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو، چنانچہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيج قال قدم النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم الْمَدِيْنَة وَهُم يَابرونَ النَّخْل فَقَال مَا تَصْنَعُوْن؟ قَالُوْا كُنَّا نَصْنعُه قال لَعلّكُم لَو لم تَفْعَلُوا الكَانَ خَيرًا فتركوه فنقصت فذكروا ذالك لَه فقال انّما اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمرتُكُم بِشَئى مِنْ اَمْرِ دِينِكُم فَخُذُوهُ وَاِذَا امرتُكُمْ بشئى مِّن رائى فانّما اَنَا بَشَرٌ (رواہ مسلم)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے نامدار سرورِ کائینات حضرت محمّد الرّسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (ہجرت فرماکر) مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، (یعنی وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں سے ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوندکاری کرتے ہیں جس کو تابیر کہا جاتا تھا، چونکہ مکّہ مکرّمہ اور اس کے اطراف میں کھجور کی پیداوار نہیں ہوتی تھی اس لئے یہ تابیر کا عمل پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے ایک نئی بات تھی اس لئے) پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہیں؟ (اور کس واسطے کرتے ہیں؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ یہ پہلے سے کرتے چلے آئے ہیں، (یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی ویسے ہی کرتے چلے آرہے ہیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو دورِ جاہلیت کی دوسری رسومات کی طرح ایک رسم اور بے فائدہ کام سمجھتے ہوئے) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو۔ (ان لوگوں نے جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہ سنا) تو انہوں نے اس (عملِ تابیر) کو ترک کردیا، (جس

کے نتیجہ میں اس سال) کھجور کی پیداوار میں کم ہوئی، تو لوگوں نے پیارے پیغمبر ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (اپنی فطرت اور ذات کے لحاظ سے) بیشک میں ایک بشر ہوں، (میری ہر بات وحی الٰہی کی بنیاد پر نہیں ہوتی بلکہ میں بشر کی حیثیت سے بھی بعض اوقات بات کرتا ہوں اس لئے بحیثیت اللہ کے رسول) جب میں تمھیں کسی دینی کام کا حکم دوں تو اس کو بجالاؤ، اور جب اپنی ذاتی رائے سے کوئی حکم (یا مشورہ) دوں تو بیشک میں (بھی) ایک بشر ہوں، (اور بشر کی رائے میں غلطی بھی ہوسکتی ہے اور عمل تابیر کے بارے میں میری رائے بھی ایسی ہی تھی)۔

ا) یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلاف کی سیرت کا اتباع دین کے کاموں کے سوا اور کسی کام میں واجب اور ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا نئی بات، نئی ایجاد اور نئی چیز نکالنا دنیوی امور میں منع نہیں ہوگا، حالانکہ آپ ﷺ نے مُحدثات الامور (نئی نکالی ہوئی چیزوں کو) شَرّ فرمایا ہے، تو ضروری ہے کہ لفظ امور سے مراد دین کا کام ہی ہوگا نہ کہ مطلقاً ہر کام۔

ب) حافظ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:

كُلّ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الله وَرَسُوْلِه فَلَيْسَ مِنَ الدِّيْنِ فِيْ شَيْئٍ۔

(جامع العلوم والحکم ص ۴۲، طبع مصر)

جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کی اجازت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں دی تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نیز لکھتے ہیں کہ اسی حدیث کے بعض الفاظ میں فِي امرنا هٰذا کی جگہ صریح طور پر دین کا لفظ آیا ہے۔ وفی بعض الفاظه مَنْ اَحْدَثَ فِيْ دِيْنِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدّ۔ (ص ۴۲) یعنی جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نیز چیز ایجاد کی تو وہ مردود ہوگی۔ جب پیارے پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک سے اسی روایت کے اندر دوسرے الفاظ میں فی امرنا هٰذا کی جگہ فی دیننا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر صحیح تفسیر اور کیا ہوسکتی ہے۔

ج) حافظ ابن حجرؒ فِيْ اَمْرِنَا هٰذا کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

والمراد اَمْرُ الدِّيْن۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۲۱) فِي اَمْرِنَا هٰذا سے دین کا امر مراد ہے۔ یعنی جس نے دین کے اندر کوئی نئی چیز نکالی تو وہ مردود ہوگی۔

د)　علّامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں۔ اِنّ المرادُ بِذَالِکَ ھو اَن یّجعل فی الدّین مَا لَیس مِنہ۔۔۔الخ
(شرح المقاصد ج۲ ص۲۷۱)

اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے اندر کوئی ایسی چیز نکالی جائے جو دین میں نہ ہو۔

ھ)　علّامہ عزیزیؒ (المتوفیّ ۱۰۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ: مَن اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا ھٰذا ای فِی دِیْنِ الاسلام۔
(السراج المنیر ج۳ ص۳۲۰)

یعنی فِی اَمرنا ھٰذا سے دین اسلام مراد ہے۔

و)　حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ المتوفیّ ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ فِی اَمْرِنَا ھٰذا سے امر دین مراد ہے۔
(بذل المجہود ج۵ ص۱۹۵)

ز)　شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (المتوفیّ ۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں: والمراد بِالامر الدّین کما صَرحُوا بہ۔
(فتح الملہم ج۲ ص۴۰۷) کہ مراد اس سے امر دین ہے، جیسے کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

ح)　مشہور بریلوی عالم مولوی محمد صالح صاحب اپنی کتاب (تحفۃ الاحباب فی تحقیق ایصال الثواب ص۱۱۷) میں لکھتے ہیں کہ مراد امر سے امر دین کا ہے۔

ط)　بریلوی عالم مولوی عبد السمیع صاحب رامپوری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیحین کی ہے، یعنی جس نے نکالی اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنّت کے مخالف ہے وہ بات اس کی ردّ ہے۔
(انوار ساطعہ ص۳۳)

ان چند اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر نیا کام بدعت اور احداث، برا اور مردود نہیں، بلکہ بدعتِ مذمومہ وہی ہے جو اللہ اور اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نام پر دین میں کی جائے اور اس کی اصل قرآن اور حدیث میں نہ ملے تو وہ مردود ہو گی، اور اس کا نام بدعت ہے جو گمراہی کی طرف لیجاتی ہے۔

بدعت کی مذمّت قرآن سے

۱)　قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکھف: آیت ۱۰۳ تا ۱۰۴)

آپ فرما دیجئے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیاوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ نے اَخْسَرِیْنَ اَعْمَالاً کی تفسیر اہل بدعت سے کی ہے، چنانچہ امام طبریؒ اپنی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن میں فرماتے ہیں:

حدثنا القاسم، قال: ثني حجاج، عن ابن جريج، عن أبي حرب بن أبي الأسود عن زاذان، عن عليّ بن أبي طالب، أنه سئل عن قوله: { قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا } قال: هم كفرة أهل الكتاب كان أوائلهم على حقّ، فأشركوا بربهم، وابتدعوا في دينهم، الذين يجتهدون في الباطل، ويحسبون أنهم على حقّ، ويجتهدون في الضّلالة، ويحسبون أنّهم على هدى، فضلّ سعيهم في الحياة الدنيا، وهم يحسبون أنهم يحسنون صُنعا ثم رَفَعَ صوته، فقال: وما أهل النّار منهم ببعيد۱

فقد وصف الله الأخسرين أعمالاً بالضلال مع ظنهم أنهم مهتدون، وهذا ينطبق على المبتدعين في دين الله، لأنهم يظنون أن بدعتهم حسنة { يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا} ولم يشفع لهم ظنهم ذلك، فحكم الله على بدعتهم بالضلال {الذين ضل سعيهم}. وهذا الحكم يوافق ما ورد في الحديث المشهور ((كل بدعة ضلالة))، ويرد على من زعم أن بدعته حسنة.

بلا شبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے خود تراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ وہ حق پر اور ہدایت پر ہیں اور ذخیرۂ آخرت حاصل کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ ساری محنت بے کار اور رائیگاں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان کے اعمال کا نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب، بلکہ الٹا گناہ ہے۔

۲) مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۝ (الروم: آیت ۳۱ تا ۳۲)

سب رجوع ہو کر اس کی طرف اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو مشرکین میں سے۔ جنہوں

نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے اور پارٹیاں ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔

امّ المؤمنین سیّدہ طاھرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا پیارے پیغمبر ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اہلِ بدعت کی پارٹیاں ہیں۔

۳) إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾ (الانعام: آیت ۱۵۹)

بیشک وہ لوگ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے، تجھ کو ان سے کوئی سروکار نہیں، ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ جتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

ذكر ابن عطية وغيره أن هذه الآية تعم أهل الأهواء والبدع. انظر الاعتصام [۱/۶۰].

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقيل الآية عامّة في جميع الكفار. وكل من ابتدع وجاء بما لم يأمر الله عزّ وجل به فقد فرّق دينه. وروى أبو هريرة عن النبيّ صلى الله عليه وسلم في هذه الآية: { إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ } هم أهل البدع والشبهات، وأهل الضلالة من هذه الأُمة.

وروى بَقِيّة بن الوليد حدّثنا شعبة بن الحجاج حدّثنا مُجالد عن الشَّعْبِيّ عن شُريح عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعائشة: " إن الذين فرّقوا دينهم وكانوا شِيعاً إنما هم أصحابُ البِدَع وأصحابُ الأهواء وأصحاب الضلالة من هذه الأُمة،

يا عائشة إن لكل صاحب ذنب توبة غير أصحاب البدع وأصحاب الأهواء ليس لهم توبة وأنا بريء منهم وهم منا برآء "

اس آیت میں غلط راستوں پر پڑنے والوں کے متعلق اوّل تو یہ بتلادیا کہ اللہ کا رسول ﷺ ان سے بری ہے پیارے پیغمبر ﷺ سے ان کا کوئی تعلق نہیں، پھر ان کو یہ وعید شدید سنائی کہ ان کا معاملہ بس خدا تعالیٰ کے حوالے ہے وہی ان کو قیامت کے دن سزا دیں گے۔ دین میں تفریق ڈالنا اور فرقے بن جانا جو اس آیت میں مذکور ہے، اس سے مراد یہ

ہے کہ اصول دین کے اتباع کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق یا شیطانی مکر و تلبیس میں مبتلا ہو کر دین میں کچھ نئی چیزیں بڑھادے یا بعض چیزوں کو چھوڑ دے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے امّ المؤمنین سیدہ طاھرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اس آیت میں جن فرقوں کا ذکر ہے وہ اس امّت کے اہل بدعت اور اپنی خواہشات وخیالات کے تابع نئے طریقے ایجاد کرنے والے ہیں، اور فرمایا اے عائشہؓ ہر گناہ گار کی توبہ مقبول ہے سوائے اہل ھوا اور اہل بدعت کے، میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے۔ یہی مضمون حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔

اسی طرح امام احمدؒ طبقاتِ حنابلہ میں فرماتے ہیں کہ بدعتی کی توبہ مقبول نہیں۔

وَكَانَ أحمد يقول ((الداعية الى البدعة لا توبة له. فأما من ليس بداعية فتوبته مقبولة))

اہل بدعت امّت کے لئے زیادہ نقصان دہ ہیں بنسبت اہل معصیّت اور گناہ گاروں کے، اس لئے کہ گناہوں میں شریعت کی مخالفت ہے جبکہ بدعات میں شریعت کے اندر اضافہ ہے، اور جب لوگ بدعات میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ سنّتوں سے اعراض کرتے ہیں اور منہ موڑتے ہیں۔ اس لئے امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ بدعت شیطان کو گناہ سے زیادہ محبوب ہے۔

اور حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں (فَلهٰذا تغلّظت عقوبة المُبتدع علىٰ عُقوبة العَاصى. لانّ المبتدع مفتر على الله. مخالف لامر رسول الله ﷺ لاجل هواه) (الحکم الجدیرہ بالاذاعہ ص ٤٠)

کہ بدعتی کا انجام گناہ گار کے انجام سے زیادہ برا ہوگا کیونکہ بدعتی اللہ پر افترا بازی کرتا ہے اوراپنی خواہشاتِ نفسانی کے لئے پیارے پیغمبر ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتا ہے۔

اہل عرب نے جب اپنی طرف سے تحلیل وتحریم کا کام شروع کیا، اور مستقل احکام جاری کئے تو قرآن نے ان پر یہی جرح کی:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ

الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ (شوریٰ: آیت ٢١)

کیاان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین بنایا جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا۔

یہ اللہ کے حکم اور اجازت کے بغیر دینی قانون سازی کیا تھی؟ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

(٤) وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝ (الانعام : آیت ١٣٨)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے، صرف وہی کھائیں گے جن کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق، اور یہ مویشی ہیں جن کی پیٹھ پر چڑھنا منع ہے، اور کچھ، جن کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے، اللہ ان کے اس جھوٹ کی ان کو سزا دے گا۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۝(الانعام : آیت ١٣٩)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے جو کچھ پیٹ میں ہے، وہ ہمارے مردوں ہی کے کھانے کے لئے مخصوص ہے، اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے، اور اگر مُردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں، اللہ ان کو ایسی باتیں بنانے کی سزا دے گا، وہ حکمت والا اور خبردار ہے۔

عرب کے ان شریعت سازوں کا یہ جرم جس کو قرآن افترا کہتا ہے کیا تھا؟ یہی کہ انہوں نے بلا کسی آسمانی سند اور وحی کے محض اپنے اتفاق رائے اور اصطلاح سے ایک چیز کو ایک کے لئے حلال اور دوسرے کے لئے حرام کر دیا، اور اس کے لئے وہ قواعد واحکام اور اصول وضوابط مقرر کئے جن کا کوئی آسمانی مآخذ نہ تھا، اور پھر ان کی ایسی پابندی کی، اور دوسروں سے کرائی، جیسے پیغمبروں کی شریعتوں کی اور احکامِ الٰہی کی ہوتی ہے، کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو سخت گناہ گار سمجھا جائے اور ملزم اور مطعون ہو۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی جرم قرآن نے بیان کیا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰــهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ (التوبہ : آیت ٣١)

کہ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو، اللہ کو چھوڑ کر خدا ٹھہرالیا۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کے سامنے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی تھی کہ جن چیزوں کو ان کے علمائ نے ان کے لئے حلال قرار دیا، انہوں نے بلا

حیل وحجّت کے اسے مان لیا۔ اور اس کو مستقل شریعت قرار دے دیا۔ پیارے پیغمبر ﷺ کے سامنے تمام دوسری شریعتوں اور مذاہب کا عبرتناک انجام تھا، یہودیت اور عیسائیت مسخ شدہ اور محرّف شکل میں موجود تھیں، اس لئے پیارے پیغمبر ﷺ نے اسلامی شریعت کو اپنی اصلی شکل میں رکھنے کی بھرپور کوشش فرمائی، اور اس کے لئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار فرمائیں۔ آپ ﷺ نے بدعات اور دین میں نئے نئے طریقے اپنی طرف سے ایجاد کرنے کو بڑی تاکید سے منع فرمایا، اور سنّت کی حفاظت کی شدّت سے تلقین فرمائی۔

(۵) وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (الانعام: آیت ۱۵۳)

اور (اے پیغمبر! ان سے) یہ بھی کہو کہ: "یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔" لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔

مفسرین فرماتے ہیں:

وهذه الآية الكريمة جاءت خاتمة للوصايا العشر المحكمة التي جمعت أصولاً عظيمة، فختمها الله تعالى بهذه الوصية الجامعة، وهي الأمر باتباع صراطه المستقيم وسبيله القويم وهو السنّة وترك سائر السبل الأخرى، وهي البدع المضلة.

وقد ورد الحديث مؤيداً لهذا المعنى، حيث قال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه " خط لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً خطاً ثم قال: هذا سبيل الله، ثم خط خطوطاً عن يمينه وعن شماله ثم قال: هذه سُبل على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه، ثم تلا { وأن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله } " رواه الدارمي [٦٧].

اس آیت کریمہ سے قبل نو احکامات بیان فرمائے گئے ہیں اور اس کے بعد دسواں حکم اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا ہے "یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو۔" وہ دس چیزیں جن کی حرمت کا بیان ان آیات میں آیا ہے یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت واطاعت میں کسی کو ساجھی ٹھہرانا، ۲۔ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنا، ۳۔ فقر

وافلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر دینا۔ ۴۔ بے حیائی کے کام کرنا، ۵۔ کسی کو ناحق قتل کرنا، ٦۔ یتیم کا مال ناجائز طور پر کھا جانا، ۷۔ ناپ تول میں کمی کرنا، ۸۔ شہادت یا فیصلہ یا دوسرے کلام میں بے انصافی کرنا، ۹۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا نہ کرنا، ۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دائیں بائیں دوسرے راستے اختیار کرنا۔

یہ دس احکامات پیارے پیغمبر ﷺ کا تصدیق شدہ وصیّت نامہ کھلا تاہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا ایسا وصیّت نامہ دیکھنا چاھے جس پر آپ ﷺ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے، ان میں وہ وصیّت موجود ہے جو پیارے پیغمبر ﷺ نے بحکم خداوندی امّت کو دی ہے، اور اس جامع اور محکم وصیّت نامہ کا اختتام اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ پر فرمایا ہے جس میں پیارے پیغمبر ﷺ کے لائے ہوئے اور بتلائے ہوئے دین وشریعت کی طرف اشارہ کرکے تمام حلال اور حرام، جائز وناجائز، مکروہ ومستحب چیزوں کی تفصیلات کو اس کے حوالہ کر دیا کہ شریعتِ محمدیہؐ نے جس چیز کو حلال بتلایا اس کو حلال، اور جس کو حرام قرار دیا اس کو حرام سمجھو، اپنی طرف سے حلال اور حرام کے فیصلے نہ کرتے پھرو، یہیں سے دوسری گمراہ کن راہیں پیدا ہوتی ہیں، جو بدعات اور شُبہات کی راہیں ہیں، اور اسی معنیٰ کی تائید میں حدیث وارد ہوئی ہے جو بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ سُبُل ہیں، (یعنی وہ راستے جن پر چلنے سے اس آیت میں منع فرمایا ہے) اور فرمایا کہ ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان مسلط ہے، جو لوگوں کو سیدھے راستہ سے ہٹا کر اس طرف (یعنی ٹیڑھے راستوں کی طرف) بلاتا ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے استدلال کے طور پر اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

قال الشاطبي " فالصراط المستقيم هو سبيل الله الذي دعا إليه، وهو السّنة. (والسُّبل) هي سُبل أهل الاختلاف الحائدين عَنِ الصِّراطِ الْمُسْتَقِيْم، وهم أهل البدع.

وليس المراد سبل المعاصي، لأن المعاصي من حيث هي معاصٍ لم يضعها أحد طريقاً تُسلك دائماً على مضاهاة التشريع، وإنما هذا الوصف خاص بالبدع المحدثات" اهـ.

[الاعتصام ١/٥٧]

امام شاطبیؒ بھی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ اس آیت میں صراط مستقیم سے مراد طریق سنّت ہے اور

سُبل سے مراد اہل بدعت کے راستے ہیں۔

(۶) وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (النحل: آیت ۹)

قال الشاطبي " فالسَّبيل القصد هو طريق الحق، وما سواه جائر عن الحق، أي عادل عنه، وهي طرق البدع والضَّلالات، أعاذنا الله مِنْ سُلُوْكِهَا بفضله. وكفى بالجائر أن يحذر منه، فالمساق يدل على التحذير والنهي "اهـ. [الاعتصام ۱/۵۹].

اور اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے سیدھا راستہ اور بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو مقصود تک پہنچا دیتا۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں قَصْدُ السَّبِيْلِ سے مراد طریق حق ہے اور ٹیڑھے راستوں سے مراد بدعت اور ضلالت کے راستے ہیں۔

(۷) اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ (الشوریٰ: آیت ۲۱)

کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

اس آیت کریمہ میں اہل بدعت کے دو گروہوں کی مذمّت بیان کی گئی ہے، پہلا وہ گروہ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی شریعت کے بر خلاف بدعات ایجاد کر کے اسے دین اور شریعت کا درجہ دیا، گویا انہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارباب اور الٰہ اور شریک ٹھہرایا۔ اور دوسرا وہ طبقہ جس نے ان بدعات کے ایجاد کرنے والوں کی تابعداری اختیار کی، اور اللہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوئے۔

(۸) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (آل عمران: آیت ۱۰۵ تا ۱۰۷)

اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے دین میں باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا، ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہو گی (یعنی قیامت کے روز)۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ، سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا۔ اب اپنے کفر کا

عذاب چکھو۔ اور سفید چہرے والے اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے، اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَقد ورد ما يفسر هذه الآية من كلام الصادق۔ صلى الله عليه وسلم۔ كما نقل ذلک معاوية بن أبي سفيان۔ رضى الله عنهما۔ قال: قال رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم:۔ ((إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين و سبعين ملة، وان هذه الامة ستفترق علىٰ ثلاث و سبعين ملة۔ يعني الأهواء۔ كلها في النار إلا واحدة وهي الجماعة وإنه سيخرج في أمتي أقوام تجارى بهم الأهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه لا يبقى منه عرق ولا مفصل إلا دخله...))

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد حضرت امیر معاویہ بن سفیانؓ سے منقول ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیانؓ حج کے لئے جب مکّہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتّر گروہ بن گئے اور اس میری امّت کے تہتّر فرقے ہو جائیں گے۔ خواہشات نفسانی اور خوش فہمی میں ہوں گے، بلکہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رگ رگ میں نفسانی خواہشیں اس طرح گھس جائیں گی جس طرح کتّے کے کاٹے ہوئے انسان کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔

☆ والما رأى الصحابي الجليل أبو أمامة۔ رضى الله عنه۔ رؤوس الخوارج منصوبة على درج مسجد دمشق قال: كلاب النار ثلاثاً شر قتلى تحت أديم السماء خير قتلى من قتلوه ثم قرأ: ﴿يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ﴾ الآيتين۔ قلت۔ القائل رواي الحديث أبو غالب۔ لأبي أمامة: أسمعته من رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ ؟ قال: لو لم أسمعه إلا مرتين أوثلاثاً أو أربعاً أو خمساً أو ستّاً أو سبعاً ما حدثتكم)

جب صحابی جلیل حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنّم کے کتّے ہیں، ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں، انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں۔ پھر آیت یوم تَبۡيَضُّ تلاوت فرمائی، ابو غالب نے کہا، کیاجناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟

فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہیں۔

وقد فسر ابن عباس۔ رضی اللہ عنہ۔ قولہ تعالیٰ: (يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ) بقوله: (وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ: فأهل السنة والجماعة وأولوا العلم، وأما الذين اسودت وجوههم فأهل البدع والضلالة)

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل سنّت والجماعت کے چہرے سفید اور نورانی ہوں گے اور اہل بدعت وضلالت کے سیاہ ہوں گے۔

(۹) فَلۡيَحۡذَرِ الَّذِيۡنَ يُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ يُصِيۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (النور: آیت ۶۳)

سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال الحافظ ابن كثير: (أي عن أمر رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ وهو سبيله ومنهاجه وطريقته وسنته وشريعته، فتوزن الاقوال والأعمال بأقواله وأعماله، فما وافق ذلك قُبِل، وما خالفه فهو مردود على قائله وفاعله، كائناً من كان، كما ثبت في الصحيحين وغيرهما عن رسول الله۔ صلى الله عليه وسلم۔ أنه قال: ((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد))

أي: فليحذر وليخش من خالف شريعة الرسول باطناً وظاهراً (اَنۡ تُصِيۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ)، أي في قلوبهم من كفر أو نفاق أو بدعة)

جو لوگ امر رسول ﷺ، سنّت رسول ﷺ، فرمانِ رسول ﷺ، طریقہ رسول ﷺ اور شرع رسول ﷺ کے خلاف کریں وہ سزایاب ہوں گے، انسان کو اپنے اقوال وافعال رسول اللہ ﷺ کی سنّتوں اور احادیث سے ملانے چاہئیں، جو موافق ہوں تو اچھے ہیں اور جو موافق نہ ہوں تو مردود ہیں۔ بخاری ومسلم میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں، جو ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے، ظاہر یا باطن میں جو بھی شریعت محمدیہ ﷺ کے خلاف کرے، اس کے دل میں کفر ونفاق، بدعت اور برائی کا بیج بو دیا جاتا ہے، یا اسے سخت عذاب ہوتا ہے، یا تو دنیا میں ہی قید، قتل، حد، وغیرہ

جیسی سزائیں ملتی ہیں، یا آخرت میں عذاب اخروی ملے گا۔

مسند احمد میں حدیث ہے پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں، میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی، جب وہ روشن ہوئی تو پتنگوں اور پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ دھڑا دھڑ اس میں گرنے لگے، اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرتے جاتے ہیں، اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رکتے۔ یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو، اور میں تمہیں اپنی بانہوں میں لپیٹ لپیٹ کر اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو، آگ سے بچو، لیکن تم میری نہیں مانتے، اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ (بخاری و مسلم)

(١٠) وقولہ تعالیٰ: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر: آیت ٧)

اور تمھیں جو کچھ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دے لے لو اور جس چیز سے روکے رک جاؤ۔

بہت سے صحابہ کرامؓ نے پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہر حکم کو اس آیت کی بناً پر قرآن ہی کا حکم اور واجب التعمیل قرار دیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو، اس شخص نے کہا آپ مجھے اس کے متعلق قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتا تا ہوں، پھر یہی آیت: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنا دی۔

(١١) وقولہ تعالیٰ: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ (النساء:١١٥)

اور جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی۔

وقوله: { وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى } أي: ومن سلك غير طريق الشريعة التي جاء بها الرسول صلى الله عليه وسلم، فصار في شق، والشرع في شق، وذلك عن

عمد منه، بعد ما ظهر له الحق، وتبين له، واتضح له.

وقوله: {وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ} هذا ملازم للصفة الأولى، ولكن قد تكون المخالفة لنص الشارع، وقد تكون لما اجتمعت عليه الأمة المحمدية فيما علم اتفاقهم عليه تحقيقاً، فإنه قد ضمنت لهم العصمة في اجتماعهم من الخطأ؛ تشريفاً لهم، وتعظيماً لنبيهم. (تفسیر ابن کثیر)

جو شخص غیر شرعی طرق پر چلے، شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو، فرمانِ رسول ﷺ کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو۔ حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو، دلیل دیکھ لی ہو، پھر بھی مخالفت رسول ﷺ کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے وہی غلط راہ اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ اختیار کرنا دراصل رسول سے مخالفت کرنا ہی ہے لیکن کبھی تو شارع علیہ السّلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے کبھی اس چیز کو خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امّت محمدیہ متفق ہے جس میں انہیں اللہ نے بوجہ ان کی شرافت و کرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث اصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے، بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے غور و فکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امّت کی دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دوراز آیت بھی بتلایا ہے۔ غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ میاں بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں جیسے فرمان ہے "سَنَسْتَدْرِجُهُمْ" اور "فَلَمَّا زَاغُوْٓا" اور "نَذَرُهُمْ" یعنی ہم ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ مہلت بڑھاتے رہتے ہیں، ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں، ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں، بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے، جیسے فرمان ہے، ظالموں کو مع ان کے ساتھیوں کے قبروں سے اٹھائیں گے، اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لے گا کہ اس میں کودنا۔

بدعت کی مذمّت احادیث سے

۱: بخاری اور مسلم نے امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ: عَن عَائشة رَضِيَ اللهُ عَنْها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ الله ﷺ مَنْ اَحدَثَ فِي اَمرِنَا هٰذا مَا لَيس منه فَهُوَ رَدّ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسّنۃ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات جاری کی جو ہمارے دین میں نہ ہو تو اس کی وہ بات رد ہے (یعنی مردود ہے اور قابل قبول نہیں ہے)

۲: نیز امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ:

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: ''جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا أُخْبِرُوا، كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا. فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَقَدْ غَفَرَ (اللهُ) لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ! فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا، فَإِنَّا أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ الْآخَرُ: إِنَّا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ الْآخَرُ: إِنَّا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا. فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟! أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلهِ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي''

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی نبی کریم ﷺ کی بیویوں کے پاس آپ ﷺ کی عبادت کا حال اور کیفیّت پوچھنے آئے۔ جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کی کیفیت بتائی گئی تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو کم سمجھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا، کہاں ہم اور کہاں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی، یعنی ہمیں

۱ البخاري الفتح ۹ (۵۰۶۳) واللفظ له۔ مسلم (۱۴۰۱)

پیارے پیغمبر ﷺ سے کیا نسبت!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کو معاف فرمادیا ہے۔(اور قرآن کریم میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے، لہٰذا آپ ﷺ کو زیادہ عبادت اور ریاضت کی ضرورت ہی نہیں ہم گناہ گاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں تو اب تمام رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، اور کبھی دن میں افطار نہیں کروں گا۔ ان میں سے ایک اور نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

(پیارے پیغمبر ﷺ تک ان کی یہ خبر پہنچی) تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ کہا؟ (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں۔؟) سنو واللہ! تمھاری بنسبت میں اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ اور اس کی نافرمانی اور ناراضگی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں، مگر دیکھو میں ہمیشہ روزے سے نہیں رہتا بلکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا اور میں نماز تہجد بھی پڑھتا ہوں (مگر ساری رات نماز میں نہیں گزارتا بلکہ) سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرّد کی زندگی نہیں اختیار کی بلکہ) میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی بھی گزارتا ہوں (یہ میری سنّت ہے) پس جو شخص میری سنّت سے منہ موڑے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

فقال بعضهم : لا أتزوج النّساء ، وقال بَعْضُهُم لا آكلُ اللّحم ، وَقال بَعْضُهُم لا اَنَامُ عَلیٰ فِراشٍ۔ الحدیث

ان میں سے بعض نے کہا کہ: میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا، اور بعض نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا، اور بعض نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ'' میں سنّت سے مراد طریقہ ہے۔ یعنی جس نے میرا طریقہ چھوڑا، اور میرے غیر کا طریقہ اپنایا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہاں کیا ہے؟

يفطر ليتقوٰى عَلى الصّوم ، وَيَنَام ليتقوّٰى عَلَى الْقِيام ، و يَتَزَوَّج لكسر الشّهوة، واعفاف

النّفس و تکسیر النّسل۔ (فتح الباری ۹/۱۰۵)

کبھی افطار کرنا، تا کہ روزہ رکھنے پر قوت حاصل کر سکے، اور سونا، تا کہ قیام پر قدرت حاصل کر سکے، اور نکاح کرنا تا کہ نسل بڑھے، عفت و پاکدامنی حاصل ہو اور شہوت ٹوٹے۔

۳: مسند احمد میں ابی بکر بن عبد اللہ حبیب بن عبید الرحبی سے روایت کرتے ہیں

عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ إِلَيَّ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ فَقَالَ: يَا أَبَا أَسْمَاءَ إِنَّا قَدْ جَمَعْنَا النَّاسَ عَلَى أَمْرَيْنِ. قَالَ: وَمَا هُمَا؟ قَالَ: رَفْعُ الْأَيْدِي عَلَى الْمَنَابِرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْقَصَصُ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ. فَقَالَ: أَمَّا إِنَّهُمَا أَمْثَلُ بِدْعَتِكُمْ عِنْدِي، وَلَسْتُ مُجِيبَكَ إِلَى شَيْءٍ مِنْهُمَا. قَالَ: لِمَ؟ قَالَ: لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ، فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔ (۱۶۳۵۶)

اس حدیث میں حضرت عضیف بن الحارثؓ پیارے پیغمبر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں ان سے سنّت اٹھالی جائیگی، اس لئے سنّت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

بدعت کی نحوست کا اندازہ لگایئے کہ اس کی وجہ سے سنّت جیسی مبارک نعمت اٹھالی جاتی ہے تو آپ ہی سوچیں انسان کس طرح کامیابی کے مراحل طے کر سکے گا، کیونکہ کامیابی و کامرانی تو اتباعِ رسول اللہ ﷺ ہی سے مل سکتی ہے اور پھر بدعت کی نحوست اتنی ہے کہ انہیں قیامت تک سنّت مبارکہ واپس نہیں دی جاتی۔

سیدنا حسان تابعیؒ (۱۳۰ھ) فرماتے ہیں:

مَا بْتَدَعَ قومٌ بِدعةً فِي دِينِهِم اِلا نَزَعَ اللهُ مِن سُنَّتِهِم مثلها ثمّ لا يَعيدها اليهم الى يومِ القِيَامة۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱)

ترجمہ: کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سنّت ان سے اٹھالے گا، پھر قیامت تک ان کو وہ سنّت واپس نہیں کرے گا۔

عبد اللہ بن محیریزؒ فرماتے ہیں کہ دین ایک ایک سنّت کر کے جاتا رہے گا، جیسے رسّی ایک ایک بل ٹوٹ کر جاتی

رہتی ہے۔(یعنی جو بدعت ایجاد ہو گی اس کی شامت سے ایک سنّت اٹھالی جائے گی)۔یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو بھی کوئی مقام ومرتبہ ملاہے وہ محض اور محض اتباعِ سنّت اور اجتنابِ بدعت سے ملاہے، اور اگر کسی کو باوجود ریاضت ومجاہدہ کے کچھ نہ ملا تو اس کی واحد وجہ یہی ہو گی کہ اس میں بدعت کا کوئی نہ کوئی اثر ہے جس کی نحوست کی بنأ پر وہ نورانیّت نہیں حاصل کر سکا۔

اور سنت سے اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ بدعت میں مبتلا ہونے کے بعد قلب کی نورانیت وصلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔آدمی حق وباطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔اس کی مثال اس اناڑی کی سی ہو جاتی ہے جس کو کسی نوسرباز نے روپیہ بڑھانے کا جھانسہ دے کر اس سے اصلی نوٹ چھین لیے ہوں اور جعلی نوٹوں کی گڈی اس کے ہاتھ میں تھمادی ہو۔وہ احمق خوش ہے کہ اسے ایک کے بدلے میں سو مل گئے مگر یہ خوشی اسی وقت تک ہے جب تک وہ انہیں لے کر بازار کا رخ نہیں کرتا۔بازار جاتے ہی اس کو نہ صرف کاغذ کے ان بے قیمت پرزوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، بلکہ جعلی کرنسی کے الزام میں اسے ہتھکڑی بھی لگادی جائے گی—خوب سمجھ لیجیے کہ آخرت کے بازار میں صرف اور صرف محمد ﷺ کی سنت کا سکہ چلے گا اور جن لوگوں نے بدعتوں کی جعلی کرنسیوں کے انبار لگار کھے ہیں وہاں ان کی قیمت ایک کوڑی بھی نہ ہو گی۔بلکہ سکہ محمد ﷺ کے مقابلے میں جعلی کرنسی بنانے اور رکھنے کے الزام میں پابند سلاسل کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: زَوَّجَنِي أَبِي امْرَأَةً مِنْ قُرَيْشٍ، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيَّ جَعَلْتُ لَا أَنْحَاشُ لَهَا مِمَّا بِي مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ، فَجَاءَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ إِلَى كَنَّتِهِ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْهَا، فَقَالَ لَهَا: كَيْفَ وَجَدْتِ بَعْلَكِ؟ قَالَتْ: خَيْرُ الرِّجَالِ أَوْ كَخَيْرِ الْبُعُولَةِ مِنْ رَجُلٍ لَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا، وَلَمْ يَعْرِف لَنَا فِرَاشًا [ص:]، فَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَعَذَمَنِي وَعَضَّنِي بِلِسَانِهِ فَقَالَ: أَنْكَحْتُكَ امْرَأَةً مِنْ قُرَيْشٍ ذَاتَ حَسَبٍ فَعَضَلْتَهَا وَفَعَلْتَ وَفَعَلْتَ، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَانِي: فَأَرْسَلَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ لِي: «أَتَصُومُ النَّهَارَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «أَفَتَقُومَ اللَّيْلَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَمَسُّ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»، ثُمَّ قَالَ: «اقْرَأِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ»، قُلْتُ: إِنِّي أَجِدُنِي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: «فَاقْرَأْهُ فِي كُلِّ عَشَرَةِ أَيَّامٍ»، قُلْتُ: إِنِّي أَجِدُنِي أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: «فَاقْرَأْهُ فِي

كُلِّ ثَلَاثٍ»، قَالَ ثُمَّ قَالَ: «صُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ»، قُلْتُ: إِنِّي اجدنى أَقْوَى مِنْ ذَلِكَ، فَلَمْ يَزَلْ يَرْفَعُنِي حَتَّى قَالَ: «صُمْ يَوْمًا وَأَفْطِرْ يَوْمًا، فَإِنَّهُ أَفْضَلُ الصِّيَامِ، وَهُوَ صِيَامُ أَخِي دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» . قَالَ حُصَيْنٌ فِي حَدِيثِهِ: ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ لِكُلِّ عَابِدٍ شِرَّةً، وَإِنَّ لِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً، فَإِمَّا إِلَى سُنَّةٍ وَإِمَّا إِلَى بِدْعَةٍ، فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى سُنَّةٍ فَقَدِ اهْتَدَى، وَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَقَدْ هَلَكَ» قَالَ مُجَاهِدٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو حِينَ ضَعُفَ وَكَبُرَ يَصُومُ الْأَيَّامَ كَذَلِكَ يَصِلُ بَعْضَهَا إِلَى بَعْضٍ لِيَتَقَوَّى بِذَلِكَ، ثُمَّ يُفْطِرُ بَعْدَ تِلْكَ الْأَيَّامَ، قَالَ: وَكَانَ يَقْرَأُ مِنْ أَحْزَابِهِ كَذَلِكَ يَزِيدُ أَحْيَانًا وَيَنْقُصُ أَحْيَانًا، غَيْرَ أَنَّهُ يُوَفِّي بِهِ الْعِدَّةَ إِمَّا فِي سَبْعٍ وَإِمَّا فِي ثَلَاثٍ، ثُمَّ كَانَ يَقُولُ بَعْدَ ذَلِكَ: لَأَنْ أَكُونَ قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهِ، أَوْ عَدْلٍ، لَكِنِّي فَارَقْتُهُ عَلَى أَمْرٍ أَكْرَهُ أَنْ أُخَالِفَهُ إِلَى غَيْرِهِ[1].

۴: نیز بخاری اور مسلم میں حضرت مجاھدؒ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے قریش کی ایک خاتون سے میری شادی کر دی، میں جب اس کے پاس گیا تو عبادات مثلاً نماز روزہ کی طاقت اور شوق کی وجہ سے میں نے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی، اگلے دن میرے والد حضرت عمرو بن عاصؓ اپنی بہو کے پاس آئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم نے اپنے شوہر کو کیسے پایا؟ اس نے جواب دیا بہترین شوہر، جس نے میرے سائے کی بھی جستجو نہ کی اور میرا بستر بھی نہ پہچانا، یہ سن کر وہ میرے پاس آئے اور مجھے خوب ملامت کی، اور زبان سے کاٹ کھانے کی باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے تیرا نکاح قریش کی ایک اچھے حسب ونسب والی خاتون سے کیا اور تو نے اس سے لاپروائی کی اور یہ کیا اور یہ کیا۔

پھر وہ پیارے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی، پیارے پیغمبر ﷺ نے مجھے بلوایا، میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کیا تم دن میں روزے رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا تم رات میں قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں کے پاس بھی جاتا

---

۱ البخاري — الفتح ۴/(۱۹۸۹) و في مواضع كثيرة۔ و مسلم

ہوں، جو شخص میری سنّت سے اعراض کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مہینے میں صرف ایک قرآن پڑھا کرو میں نے عرض کیا میں اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت محسوس کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا پھر دس دن میں مکمّل کر لیا کرو، میں نے عرض کیا کہ میں اپنے اندر اس سے بھی زیادہ طاقت محسوس کرتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر تین راتوں میں مکمّل کر لیا کرو۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرو، میں نے عرض کیا کہ میں اپنے اندر اس سے بھی زیادہ طاقت محسوس کرتا ہوں، پیارے پیغمبر ﷺ مجھے مسلسل چھوٹ دیتے رہے، یہاں تک کہ آخر میں فرمایا پھر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور ایک دن ناغہ کر لیا کرو، یہ بہترین روزہ ہے اور یہ میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السّلام کا طریقہ رہا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر عابد میں ایک تیزی ہوتی ہے، اور ہر تیزی کا ایک انقطاع ہوتا ہے، یا سنّت کی طرف یا بدعت کی طرف، جس کا انقطاع سنّت کی طرف ہو تو وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جس کا انقطاع کسی اور چیز کی طرف ہو تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓو بوڑھے اور کمزور ہو گئے، تب بھی اسی طرح یہ روزے رکھتے رہے اور بعض اوقات کئی کئی روزے اکٹھے کر لیتے تھے تاکہ ایک دوسرے کو تقویّت رہے، پھر اتنے دنوں کے شمار کے مطابق ناغہ کر لیتے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت میں بھی بعض اوقات کمی بیشی کر لیتے، البتہ سات یا تین کا عدد ضرور پورا کرتے تھے، اور بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں نبی کریم ﷺ کی رخصت کو قبول کر لیتا تو اس سے اعراض کرنے سے زیادہ مجھے پسند ہوتا، لیکن اب مجھے یہ گوارہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ سے جس حال میں جدائی ہوئی ہو اس کی خلاف ورزی کروں۔

۵۔ عَنْ الْحَارِثَ الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ اللهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُبْطِئَ بِهَا. فَقَالَ عِيسَى: إِنَّ اللهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا. فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِمَّا أَنْ آمُرَهُمْ. فَقَالَ يَحْيَى: أَخْشَى إِنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخْسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ. فَجَمَعَ النَّاسَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ الْمَسْجِدُ وَتَعَدَّوْا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ

أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ .أَوَّلُهُنَّ :أَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا, وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِي وَهَذَا عَمَلِي فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ, فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ.

وَإِنَّ اللهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلَاةِ, فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا, فَإِنَّ اللهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ. وَآمُرُكُمْ بِالصِّيَامِ, فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا, وَإِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ. وَآمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ, فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ, فَقَالَ: أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ فَفَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ.

وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللهَ, فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ, كَذَلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللهِ۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ :السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يَرْجِعَ, وَمَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثَا جَهَنَّمَ, فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ؟ قَالَ: وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ, فَادْعُوا بِدَعْوَى اللهِ الَّذِي سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللهِ.[1]

۵۔ حضرت حارث اشعریؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰ بن زکریا علیہ السّلام کو پانچ باتوں کے متعلق حکم دیا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں، قریب تھا کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام سے اس معاملہ میں تاخیر ہو جاتی کہ حضرت عیسیٰؑ کہنے لگے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق حکم ہوا ہے کہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں، اب یا تو یہ پیغام

---

۱ [صحيحه ابن خزيمة (۴۸۳، و ۹۳۰ و ۱۸۹۵)، و ابن حبان (۶۲۳۳)، والحاكم (۱/۱۱۸)۔ قال الترمذي: حسن صحيح غريب۔ قال الألباني: صحيح (الترمذي: ۲۸۶۳، و ۲۸۶۴)]۔ [انظر: ۱۸۹۵۳]

آپ خود پہنچادیں، ورنہ میں پہنچائے دیتاہوں، حضرت یحیٰؑ نے فرمایا بھائی! مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ مجھ پر سبقت لے گئے تو میں عذاب میں مبتلاہو جاؤں گا یا زمین میں دھنسادیاجاؤں گا۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت یحیٰؑ نے بیت المقدس میں بنی اسرائیل کو جمع کیا، جب مسجد بھر گئی تو وہ ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے، اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایااللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کے متعلق حکم دیاہے کہ خود بھی ان پر عمل کروں اور تمھیں بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دوں۔

☆ ان میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرواور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ۔
اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے خالص مال یعنی سونے چاندی سے ایک غلام خریدا، وہ غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے مزدوری کرنااور اسے اپنی تنخواہ دیناشروع کردے توتم میں سے کون چاہے گا کہ اس کاغلام ایساہو؟ چونکہ اللہ نے تمہیں پیداکیا اور رزق دیاہے لہٰذااسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ۔

☆ نیز میں تمہیں نماز کاحکم دیتاہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام تر توجّہات اپنے بندے پر مرکوز فرمادیتاہے بشرطیکہ وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے، اس لئے جب تم نماز پڑھاکرو تو دائیں بائیں نہ دیکھاکرو۔

☆ نیز میں تمھیں روزوں کا حکم دیتاہوں کیونکہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بھری محفل میں مشک کی ایک شیشی لیکر آئے اور سب کو اس کی مہک کااحساس ہو،اور اللہ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بھبک مشک کی مہک سے بھی زیادہ عمدہ ہوتی ہے۔

☆ نیز میں تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیتاہوں، کیونکہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے دشمن نے قید کرکے اس کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے ہوں اور پھر اسے قتل کرنے کے لئے لے چلیں اور وہ ان سے کھے کہ کیاتم میری جان کا فدیہ وصول کرنے کے لئے تیار ہو؟ پھر وہ تھوڑے اور زیادہ کے ذریعے جس طرح بھی بن پڑے، اپنی جان کا فدیہ پیش کرنے لگے یہاں تک کہ اپنے آپ کو چھڑالے۔

☆ اور میں تمہیں کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم دیتاہوں، کیونکہ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کا دشمن بہت تیزی کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہاہو اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس کر پناہ گزیں ہو جائے، اسی

طرح بندہ بھی جب تک اللہ کے ذکر میں مصروف رہتا ہے شیطان کے حملوں سے محفوظ ایک مضبوط قلعے میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جنہیں اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے، (۱) اجتماعیت کا (۲) حکمران کی بات سننے کا (۳) بات ماننے کا (۴) ہجرت کا (۵) اور جہاد فی سبیل اللہ کا، کیونکہ جو شخص بھی ایک بالشت کے برابر جماعت مسلمین سے خروج کرتا ہے، وہ اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اتار پھینکتا ہے، الّا یہ کہ واپس جماعت کی طرف لوٹ آئے، اور جو شخص زمانۂ جاہلیت کے نعرے لگاتا ہے، وہ جہنم کا ایندھن ہے۔

صحابہ اکرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ! اگرچہ وہ نماز روزہ کرتا ہو؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگرچہ وہ نماز روزہ کرتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ سو تم مسلمانوں کو ان ناموں سے پکارو جن ناموں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں کو پکارا ہے۔

۶۔ عَنْ عَائِشَةَ ۔ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا۔ قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللهِ ﷺ هَذِهِ الآيَةَ (هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ) (آل عمران /۷) و قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ (فَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّى اللهُ، فَاحْذَرُوهُمْ)[1]

امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب پیارے پیغمبر ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی کہ: وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے نازل کی تم پر کتاب اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (جن کا مطلب ظاہر ہے) وہی (آیتیں) اصل ہیں کتاب کی، اور دوسری متشابھات ہیں (یعنی ان کا مطلب معلوم نہیں)۔

اب جن لوگوں کے دِلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)۔ سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی

---

۱ (البخاری۔ الفتح۸ (۴۵۴۷)

طرف سے ہے۔" اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو متشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہیں تو آپ ان سے دور بھاگیں، کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (قرآن) میں کیا ہے۔(۸)(بخاری ج ۲)

۷) عَنْ اَنسِ بنِ مَالک رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ الله ﷺ قَالَ اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مِن لَّدُنْ كَذا اِلىٰ كذا فَمَن اَحْدثَ حَدَثاً او آوٰى مُحْدثاً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ الله وَالمَلائِكةِ والنَّاس اجمَعين لا يَعضُد شَجرَهَا قال وقال الحسن الا لِعلف بَعير۔(راجع ۱۳۰۹۴)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے مدینہ منوّرہ کو اس جگہ سے اس جگہ تک حرم قرار دیا تھااور فرمایا تھا جو شخص یہاں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں۔

عن انس رضی اللہ عنہ انَّ رسول الله ﷺ قال اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مِنْ كَذَا اِلىٰ كَذَا مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ آوٰى مُحْدِثاً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ الله وَالْمَلائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لا يَقْبَلُ الله مِنْهُ صَرْفاً وَلا عَدْلاً قَالَ حماد وزاد فيها حميد لا يُحْمَلُ فِيْهَا سِلاحٌ لِقِتَالٍ۔(راجع ۱۳۰۴۹)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منّورہ کو اس جگہ سے اس جگہ تک حرم قرار دیا تھااور فرمایا تھا جو شخص یہاں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں۔

۸۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ: خَشْيَةُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَالْقَصْدُ فِي الْغِنَى وَالْفَقْرِ، وَالْعَدْلُ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ۔ وَ ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ: هَوًى مُتَّبَعٌ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ۔[1]

---

[1] كشف الستار زوائد البزار (۵۹/۱) برقم ۸۰۔ وذكره في مجمع الزوائد (۹۱/۱) وقال: رواه الطبراني في الأوسط والبزار۔ وذكره الشيخ الألباني في صحيح الجامع (۶۲/۳)

حضرت انس بن مالکؓ سے منقول ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ کا خوف پوشیدگی اور ظاہر میں،(۲) اور اعتدال پر رہنا خوشی اور غضب میں،(۳) اور میانہ روی اختیار کرنا فقیری اور مالداری میں۔ اور تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں (۱) خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا،(۲) اور بخل (۳) اور خود پسندی میں مبتلا ہونا۔

۹۔ عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الشَّعْبَانِيِّ, قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيَّ فَقُلْتُ: يَا أَبَا ثَعْلَبَةَ كَيْفَ تَقُولُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ} [المائدة: ١٠٥] . فَقَالَ: أَمَا وَاللهِ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْهَا خَبِيرًا , سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , فَقَالَ: «ائْتَمِرُوا بِالْمَعْرُوفِ , وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ , حَتَّى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا , وَهَوًى مُتَّبَعًا , وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً , وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ , فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ , وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِّ , فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِ مِثْلُ قَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيهِم مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ» , وَزَادَنِي غَيْرُهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ»[1]

حضرت ابی امیہ الشعبانیؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا نہیں بلکہ تم بھلائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرتے رہو، یہاں تک کہ بخیلی کی پیروی اور خواہش نفس کی اتباع، اور دنیا کی پسندیدگی، اور ہر شخص کا اپنی رائے پر پھولنا عام نہ ہو جائے۔ اس وقت تم صرف اپنی اصلاح میں مشغول ہو جاؤ اور عام لوگوں کو چھوڑ دو، یاد رکھو! تمہارے پیچھے صبر کے دن آ رہے ہیں۔ اس وقت دینِ اسلام پر جما رہنے والا ایسا ہو گا، جیسے کوئی انگارے کو مٹّھی میں لئے ہوئے ہو۔ اس وقت عمل کرنے والے کو مثل پچاس شخصوں کے عمل کا اجر ملے گا، جو بھی اچھے عمل کرے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ مثل پچاس شخصوں کے ان میں سے یا ہم میں سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے۔(ترمذی)

١ أبو داؤد (٤٣٤١) واللفظ له۔ والترمذي (٣٠٥٨) وقال: حسن غريب وابن ماجه (٤٠١٤) وقال ابن كثير في التفسير (١٠٩/٢): ورواه أيضًا ابن ماجه وابن جرير وابن أبي حاتم۔

١٠) عَنْ عَبْدُ اللہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ اِنَّه سَیَلِیْ اَمَرَکُمْ مِنْ بَعْدِیْ رِجَالٌ یَطْفِئُوْنَ السُّنَّةَ وَ یُحْدِثُوْنَ بِدْعَةً وَ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلاَةَ عَنْ مَوَا قِیتِھاَ قَالَ اِبْنُ مَسْعُوْد رضی اللہ عنہ یَا رَسُول اللہ کَیْفَ بِیْ اِذَا اَدْرَکْتھُم قَالَ لَیْسَ یاَ اِبْنَ اُمِّ عَبْدٍ طَاعَةٌ لِمَنْ عَصَی اللہ قَالَھَا ثَلاَثَ مَرَّاتٍ۔[1]

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد حکومت کی باگ ڈور کچھ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں بھی آئے گی جو سنّت کو مٹا دیں گے، اور بدعت کو جلاؔ دیں گے (یعنی بدعت کی ترویج اور اشاعت کریں گے) اور نماز کو اس کے وقت مقرّرہ سے ہٹا دیں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں ایسے لوگوں کو پاؤں تو ان کے ساتھ میرا رویہ کیسا ہونا چاہئیے؟ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابن امّ عبد! اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت نہیں کی جاتی، یہ جملہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرایا۔

١١۔ عَنْ حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ ۔ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ۔ یَقُولُ: كَانَ النّاسُ یَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْخَیْرِ۔ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ، مَخَافَةَ أَنْ یُدْرِكَنِي۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ لوگ نبی کریم ﷺ سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھتا تھا، اس خوف سے کہ کہیں میں اس شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

«حُذَیْفَةَ، قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِیَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهَذَا الْخَیْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَیْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَیْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَفِیهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ یَسْتَنُّونَ بِغَیْرِ سُنَّتِي وَیَهْدُونَ بِغَیْرِ هَدْیِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَیْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ: دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ[2] مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَیْهَا قَذَفُوهُ فِیهَا، قُلْتُ: یَا رَسُولَ اللهِ! صِفْهُمْ لَنَا. قَالَ: ''نَعَمْ۔ قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا وَیَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِینَ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ یَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ

---

[1] (ابن ماجه ٢٨٦٥) قال البوصیری اسناد رجاله ثقات، قال البانی صحیح)

[2] دعاة على أبواب جهنم: قال العلماء: هؤلاء من كان من الأمراء یدعو إلى بدعة أو ضلال آخر۔ كالخوارج والقرامطة وأصحاب المحنة۔ وفي حدیث حذیفة هذا، لزوم جماعة المسلمین إمامهم، ووجوب طاعته، وإن فسق وعمل المعاصي من أخذ الأموال، وغیر ذلك۔ فتهجب طاعته في غیر معصیة۔ وفیه معجزات لرسول الله ﷺ، وهي هذه الأمور التي أخبر بها وقت وقعت كلها۔

وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَٰلِكَ»[1]

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے بار گاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم جاہلیت میں اور شر میں تھے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے پاس اس خیر کو بھیجا، کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! میں نے پھر عرض کیا کیا اس شر کے بعد خیر ہو گی؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! اور اس میں دخن ہو گا۔ میں نے عرض کیا دخن کیا چیز ہے؟ فرمایا ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل ایک دوسرے کے لئے صاف نہ ہوں گے وہ میری سنّتیں چھوڑ کر اور چیزوں میں سنّتیں تلاش کریں گے، اور میرا طریقۂ ہدایت، سیرت اور راہنمائی چھوڑ کر دوسرں سے راہنمائی حاصل کریں گے۔ میں نے پھر اپنا سوال دُہرایا، پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا فتنہ اور شر ہو گا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا، ایک ایسا فتنہ آئے گا جو اندھا بھرا کر دے گا، اس پر جہنّم کے دروازوں کی طرف بلانے والے لوگ مقرر ہوں گے جو شخص انکی دعوت کو قبول کرلے گا وہ اسے جہنّم میں گرادیں گے۔ (علماء فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اُمراء اور لوگ ہیں جو بدعت اور گمراہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔)

حضرت حذیفہؓ پیارے پیغمبر ﷺ سے روایت کرتے ہیں: قال قال رَسُوْلُ الله ﷺ لا يَقْبَل الله لِصَاحب بِدعةٍ صَوْمًا وَلا صَلوٰة ولا صدقة ولا حجًا ولا عمرة ولا جهادًا ولا صرفاً ولا عدلا يَخْرَجُ مِنَ الاسْلام كَمَا تَخرج الشَّعرة من العجين۔ (ابن ماجہ ص۶)

کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے، اور نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے، اور نہ حج اور نہ عمرہ، اور نہ جہاد اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

۱۲۔ عَنْ عَبْدُاللهِ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا، ثُمَّ قَالَ: " هَذَا سَبِيلُ اللهِ "، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ، وَقَالَ: " هَذِهِ متفرقة

[1] البخاري۔ الفتح ۱۳ (۷۰۸۴) ومسلم (۱۸۴۷) واللفظ له

قال، عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ "، ثُمَّ قَرَأَ: {وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ} » (الأنعام: ۱۵۳). (أحمد (۱/۴۳۵) واللفظ له۔ والحاکم

مسند دارمی میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ تو اللہ کی طرف جانے والا راستہ ہے، پھر اس خط کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے، اور فرمایا کہ یہ سُبل ہیں، اور راستے ہیں (یعنی وہ راستے جن پر چلنے سے اس آیت میں منع فرمایا ہے)۔ اور فرمایا کہ ان میں سے ہر راستے پر ایک شیطان مسلّط ہے، (جو لوگوں کو سیدھے راستے سے ہٹاکر) اپنی طرف بلاتا ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے استدلال کے طور پر اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ

اور اے پیغمبر! ان سے یہ بھی کہو کہ: یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کے راستوں سے الگ کر دیں گے۔ لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو۔ (الانعام ۱۵۳)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کی راہ صرف ایک راہ ہے جس میں کوئی ناہمواری، نشیب و فراز نہیں ہے، اور گمراہی کی راہیں بہت ہیں، اور وہ بھی پر خم اور پر پیچ ہیں، صرف نفسانی حرص اور طبعی انجذاب ان کو سیدھا دکھلاتا ہے۔ راہ مستقیم پر گامزن ہونے میں اگر کوئی اندرونی اضطراب محسوس ہو تو وہ راہ کی ناہمواری نہیں بلکہ چاروں طرف سے دعوت شیطانی کے اثرات ہیں، جتنا اس کی طرف کان لگاؤ گے اس اضطراب میں اضافہ ہوتا رہے گا، اور جتنا ان سے غافل رہو گے اسی قدر اپنے قلب میں اطمینان و سکون دیکھو گے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، وَعَلَى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ، وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُرْخَاةٌ، وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُولُ اسْتَقِيْمُوا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تُعَوِّجُوا، وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ أَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ، قَالَ: وَيْحَكَ، لَا تَفْتَحْهُ؛ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمّ فَسَّرَهٗ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرخَاةَ حُدُوْدَ اللهِ وَاَنَّ الدَّاعِي عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنَ وَاَنَّ الدَّاعِي مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ". (رواہ رزین و احمد)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مثال بیان فرمائی، ایک سیدھی راہ ہے اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا پکار رہا ہے (اے چلنے والو) اسی راستہ پر سیدھے چلے جاؤ اور اپنے دائیں بائیں رخ نہ کرو، اس پکارنے والے سے پہلے ایک اور پکارنے والا ہے جب بندہ ان دروازوں میں کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے او کمبخت اسے کھول مت، اگر کھولے گا تو اس میں ضرور داخل بھی ہو گا۔ پھر اس مثال کی خود توضیح کی ہے کہ یہ سیدہی راہ تو اسلام ہے اور کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں، اور اس پر لٹکے ہوئے پردے اللہ کی بیان کردہ حدود ہیں اور راہ کے سرے کا داعی قرآن ہے، اور اس سے پہلے کا داعی خدا کا ناصح ہے، جو ہر مؤمن کے قلب میں موجود ہے۔ (رواہ احمد)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ محرمات شرعیہ میں فطرت انسانی کے لئے ایسی کشش ہے کہ جو اس طرف نظر بھی اٹھائے گا وہ ضرور مبتلا ہو کر رہے گا اس لئے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ خدا کی قائم کردہ حدود سے دور ہی دور رہے تا کہ محرمات شرعیہ کی بُو بھی نہ پاس آنے پائے۔ قرآن کریم خدا کا داعی کھلم کھلا پکار رہا ہے اور واعظ اللہ لَمَّۃ مَلَکِیٌ ہے، یعنی وہ داعیہ خیر ہے جو ظاہری فتوؤں سے پہلے انسان کو خیر و نصیحت کی دعوت دیا کرتا ہے، طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لٹکے ہوئے پردے وہ امور ہیں جن میں دلائل کے تعارض یا کسی ابہام کی وجہ سے کوئی شبہ رہ جاتا ہے یہاں شرعی ہدایت یہ ہے کہ ان سے دور ہی رہنا چاہئیے تا کہ اشتباہ کی احتمالی مضرّت سے بھی حفاظت رہے اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ (البقرۃ: ۱۸۷)

یہ خدا کی حدود ہیں لہٰذا ان کے قریب بھی نہ آؤ۔

ایک ضعیف انسان کے لئے یہ امتحان کم نہیں کہ اس کی پیاسی نظروں کے سامنے رنگین نظارے ہوں اور ان پر صرف ایک پردہ ڈال کر ان کی دِید سے اس کو روکا جائے، خانہ محرّمات کی رنگینی ہی خود ایک بلاء تھی اس پر نظر اٹھانے کی ممانعت یہ دوسری بلا ہے، جو اس کے لئے اور مُوجب اشتیاق بن رہی ہے مگر اس کے ساتھ اگر غور کرو تو بات کچھ مشکل بھی نہیں، اندرونی و بیرونی دو دو پہرہ دار ساتھ ہیں جو سمجھاتے جا رہے ہیں۔ نظر فریبی کے سامان گو موجود ہیں مگر ان پر پر

دے پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر تمام شریعت کا خلاصہ سمجھنا چاہو تو ایک حرف ہے یعنی "ضبط نفس" عبادات، و معاملات، عقوبات، معیشت اور اخلاقیات کے جتنے بھی احکام ہیں وہ اسی ایک حرف کی تفصیلات اور عملی ٹریننگ ہی ہیں۔ جس کو ضبط نفس کی عادت پڑگئی اس کو شریعت پر عمل کرنا آسان ہو گیا، اور جس نے اپنے نفس کو آزادی کا خوگر بنالیا اس نے آسان شریعت کو خود اپنے لئے مشکل بنالیا۔

صلاح کے بعد فساد کیسے ہوتا ہے

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

مَا من نَبِي بَعثه الله عز وَجل فِي أمة قبلي إِلَّا كَانَ لَهُ من أمته حواريون وَأَصْحَاب يأخذون بسنته ويقتدون بِأَمْرِه

وَفِي رِوَايَة يَهْتَدُونَ بِهَدْيِه ويستنُّونَ بِسنَّتِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخَلُفُ مِنَ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَالا يُؤمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُم بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤمنٌ، وَمنْ جَاهَدَهُم بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُم بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤمن وَلَيْسَ وَرَاء ذَلِك مِنَ الْإِيمَان حَبَّة خَرْدَلٍ۔

اللہ ربّ العزّت نے مجھ سے پہلے جتنے بھی انبیاء علیہم السلّام کو مبعوث فرمایا ان کو ان کی امّت میں چند ایسے خاص اَتباع، ساتھی، رفقاً اور پیروکار عطا فرمائے جنہوں نے ان کی سنّتوں کو اپنایا ان کے مذہب کی اقتدا کی اور ان کے اوامر کی اتباع کی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ان کی راہنمائی سے راہنمائی لیتے رہے، اور ان کی سنّتوں کی تابعداری کرتے رہے، پھر ان کے بعد ایسی نسلیں آتی ہیں، اور ایسے لوگ ان کے جانشین بنتے ہیں جو دعویٰ تو کرتے ہیں کسی کام کے کرنے کا لیکن کرتے نہیں، اور ایسے کام کرتے ہیں جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا، (یعنی بدعات) فرمایا جو ان سے اپنے ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے گا (یعنی دل سے ان کے اس فعل کو برا سمجھے گا) وہ مومن ہے، اور اس سے ورے (بعد) رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ (مسلم)

اس سے ظاہر ہوا کہ نبی اپنے معجزانہ اثر، اور فیضِ تعلیم سے اپنے صحبت یافتوں کی ایک ایسی جماعت چھوڑ جاتا

ہے، جو اپنے نبی کے طور وطریق اور سنّت کی پوری طرح متّبع ہوتی ہے۔ مگر ان کے بعد رفتہ رفتہ ایسے افراد ان کی جگہ لے لیتے ہیں، جو اپنے نبی کی سنّت اور طور طریق سے دور ہوتے جاتے ہیں اور وہی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوگی

۱۔ عَنْ أَنَسٍ – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((إِنَّ اللهَ احْتَجَزَ التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ))[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (المتوفّٰی ۹۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۸۹)

وقال رسول اللهِ ﷺ انّ الله حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ۔ (اعتصام)

پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ بدعت ایسی قبیح بری اور منحوس چیز ہے کہ انسان کے دل میں فطری طور پر جو نورانیّت اور صلاحیّت ہوتی ہے، بدعت اسکو بھی ختم کر دیتی ہے اور اس کی نحوست کا یہ اثر ہوتا ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اور عقلی طور پر یہ بات بلکل درست ہے، اس لئے کہ جب بدعتی بدعت کو کار ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو اس سے وہ توبہ کیوں کرے گا؟ توبہ تو گناہوں اور جرائم پر کی جاتی ہے نہ کہ نیکیوں پر۔ کوئی مسلمان نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر یہ نہیں کہتا۔

اے اللہ! میری نماز اور روزہ سے توبہ۔ بدعتی نے توبہ کا دروازہ اپنے اوپر اسی وقت بند کرا دیا ہے جس وقت کہ اس نے بدعت کو کار ثواب سمجھا ہے۔ اس لئے بدعت فورًا قابل ترک ہے، جو لوگ سراپا بدعات میں مبتلا ہیں اور اس کی ترویج اور اشاعت میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے یہ حدیث لمحہ فکریہ ہے۔

وقوله — صلى الله عليه وسلم — من حديث معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنهما — قال:)ألا إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام فينا فقال: ((ألا إن من قبلكم من أهل الكتاب

---

[1] رواه ابن أبي عاصم في السنة رقم (۳۸)۔ وقال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح غير

افترقوا على ثنتين وسبعين ملة وإن هذه الملة ستفترق على ثلاث و سبعين، ثنتان وسبعون في النار وواحدة في الجنة وهي الجماعة))[1]

حضرت امیر معاویہ بن سفیانؓ سے منقول ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیانؓ حج کے لئے جب مکّہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امّت کے تہتّر فرقے ہو جائیں گے۔

بہتّر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنّت میں، اور وہ اہل سنّت والجماعت ہے۔

وقوله – صلى الله عليه وسلم – كما روى ذلک أنس و عبدالله بن عمرو ((من رغب عن سنتي فليس مني))

اور پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد جیسا کہ حضرت انسؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : جس نے میری سنّت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔

بدعت کی طرف بلانے والے کا گناہ اور اس سے بچنے کا حکم

۲۔ (عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ – رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا – قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ ... الحَدِيْثُ۔ وَفِيْهِ يَقُولُ: ((أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَ خَيْرُ الهُدَىٰ هُدَى مُحَمَّدٍ ﷺ وَ شَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.... الحَدِيثُ»[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپ ﷺ

---

۱ أخرجه أبو داؤد في كتاب باب شرح السنة ۵/۵۔ وأحمد في المسند بزيادة في آخره ۱۰۲/۴ ، وابن أبي عاصم فی السنة ۱/۷، ۳۳، ۳۵، والكلالكاني ۱/۱۰۲ والأجري في الشريعة/۱۸۔ وفي الباب عن أبي هريرة، و عبد الله بن عمرو و عوف بن مالک الأشجمي، وأنس وغيرهم۔ فانظر بعض هذه الأحاديث فی: الترمذي في كتاب الإيمان با بماجاء في افتراق هذه الأمة ۲۵/۵ — ۲۶26 وابن ماجه في كتاب الفتن باب افتراق الأمة ۱۳۲۲/۲۔

۲ (مسلم (۸۶۷)۔ ومعناه عند البخاري من حديث ابن مسعود رضي الله عنه الفتح ۱۳ (72777277۲۷۷)

منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے تو آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو جاتا، آنکھیں لال ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ بے حد بڑھ جاتا۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ (غافل لوگوں کو) دشمن (کے حملے) سے خبر دار کر رہے ہیں اور فرماتے: صبح کو تم پر حملہ ہوا یا شام کو اور فرماتے: بے شک میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (آگے پیچھے) بھیجا گیا ہوں اور اپنی کلمہ کی اُنگلی اور درمیانی انگلی کو مِلا کر دکھلاتے (کہ مری بعثت اور قیامت کے درمیان اتنا ذرا سا فاصلہ ہے تم کس خواب غفلت میں گہری نیند سو رہے ہو اب آئی قامیت اور اب آئی) اور فرماتے: اما بعد پس بیشک بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ہے اور بدترین امور (عقائد و اعمال) وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے گئے ہیں اور ہر بدعت (نیا عقیدہ یا عمل) گمراہی ہے اور ہر گمراہی (کی جگہ) جہنم میں ہے۔

پھر (اس کے بعد) فرماتے: ہر مومن کی جان سے اس کی بہ نسبت میں قریب ہوں (یعنی مجھے اس کے جان و مال پر اس سے زیادہ اختیار ہے لہٰذا) جس مسلمان مرنے والے) نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل یعنی وارثوں کا ہے اور جس نے کوئی قرض چھوڑا یا ضائع ہونے والے (بال بچّے) چھوڑے (جن کا کوئی سرپرست نہیں) وہ میرے حوالے ہیں (ان کی کفالت میں کروں گا) اور وہ قرض مجھ پر ہے (میں ادا کروں گا)

(۲) (مسلم ج ا ص ۲۸۵ و مشکوٰۃ ج ا ص ۲۷)

تشریح: اس حدیث کے تین جزو ہیں ایک ان دنیا کے دھندوں میں گرفتار آخرت سے غافل لوگوں کو قرب قیامت سے خبر دار کرنا ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد بس قیامت ہی آئے گی اور اس کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں ہے اب آئی اور تب آئی اور دو انگلیوں سے اس آگے پیچھے آنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

دوسرے جزو میں دین کے دو بنیادی ستونوں کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ قرآن کریم بہترین کتاب ہے۔ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و سنت بہترین سیرت و سنت ہے جو امور (عقائد و اعمال) ان دونوں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں وہی امور دین ہیں وہی عبادات ہین۔ انہیں پر اجر و ثواب ملتا ہے اور جو امور عقائد و اعمال ان دونوں سے ثابت نہ ہوں وہ نئی ایجاد ہیں اور گناہ و عذاب کا موجب ہیں انہی کا نام بدعت ہے اور سراسر گمراہی (جن کی جگہ جہنم میں ہے) یہی دوسرا جزو عنوان باب کو ثابت کرتا ہے۔

حدیث کے تیسرے حصہ میں مومنین کے جان ومال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت عامہ کا بیان ہے کہ خود اہل ایمان کو اپنے نفسوں پر وہ اختیار حاصل نہیں جو رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے جس کا اعلان اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی فرمایاہے۔ ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ (الاحزاب: ۶)

چنانچہ اسی ولایت عامہ کی بناپر آپ اعلان فرماتے ہیں کہ جو مسلمان مرنے کے بعد اپنے ذمہ قرض چھوڑ گیاوہ بھی میں (بیت المال سے) ادا کروں گا اور جس کے بال بچوں کا کوئی سرپرست نہیں ان کی کفالت بھی میں (بیت المال سے) کروں گا۔

پیارے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد گرامی جوامع الکلم میں سے ہے، نہائت مختصر الفاظ میں امّت کو وہ ہدایت دے دی گئی ہے جو قیامت تک امّت کو راہ راست پر رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظمؓ بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے۔

اِنَّکُم سَتُحَدِّثُوۡنَ وَیُحۡدِثُ لَکُم فَکُلُّ مُحۡدَثَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّار (اعتصام ص۷۶ ج۱)

تم بھی نئے نئے کام نکالوگے اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقۂ عبادت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کاٹھکانہ جہنّم ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ پر چونکہ یہ منکشف کردیا گیا تھا کہ اگلی امّتوں میں جو گمراہیاں آئیں تھیں، وہ سب اس امّت میں بھی آئیں گی اور ان ہی راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امّتوں میں آئیں تھیں، یعنی اللہ اور رسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا ان کو دین قرار دیکر اور دین کارنگ چڑھا کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب ورضائے الٰہی اور فلاحِ اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنالیاجائے، جیسے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث، وغیرہ۔

کلام اللہ کی ان آیات کریمہ اور رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ذرا غور کیجیے اور جائزہ لیجیے کہ جن رسوم وبدعات میں ہم عام طور پر گرفتار ہیں اور عبادت سمجھ کر ان کو کرتے اور موجب اجر ثواب سمجھتے ہیں ان کا نہ صرف قرون خیر میں بلکہ اسلام کے تمام ادوار میں کہیں پتہ ونشان ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی وفات

پر یا اہل بیت کی وفات پر یا صحابہؓ نے خلفائے راشدین کی وفات پر یا ایک دوسرے کی وفات پر تیجہ، چالیسواں یا سالانہ عرس کیا تھا؟ یا آپ ﷺ کی تاریخ ولادت پر یا اہل بیت میں سے کسی کی تاریخ ولادت پر یا صحابہؓ میں سے کسی کی بھی تاریخ ولادت پر محفل میلاد منعقد کی تھی؟ اور عمدہ و لذیذ کھانوں کی دیگیں پکوائی تھیں اور بے دریغ فضول خرچیاں کی تھیں؟ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے صحابہؓ کبار یا تابعین نے کبھی دستر خوان پر کھانا رکھ کر فاتحہ پڑھی تھی؟ یا آپ ﷺ نے اور کسی بھی عہد کے مسلمانوں نے فرض نمازوں کے بعد دوسری دعا اور بیک آواز زور زور سے درود شریف پڑھا؟

اسلام کے تیرہ سو سالہ عہد میں کسی نے بھی اذان کی طرح بلند آواز سے "الصّلوٰۃ والسلّام علیک یا رسول اللہ" کسی بھی زمانے میں کسی بھی مؤذن نے کہا ہے؟ یا عشرہ محرّم میں تعزیہ داری جو بت پرستی کی حد کو پہنچ چکی ہے، یا یہ سیاہ اور سبز لباس اور دوپٹے کسی نے بھی پہنے تھے؟ یا رجب کے مہینے میں بی بی فاطمہ کے نام کے کونڈے عہد اوّل کے مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کئے تھے؟

اس لئے اس حدیث میں پیارے پیغمبر ﷺ نے اپنی ھُدٰی اور سیرت کا بدعت سے تقابل کرکے یہ بات واضح کر دی ہے کہ آپکی سیرت اور نمونہ کے خلاف جو کچھ ایجاد کیا جائے گا وہ سب بدعت ہوگا اور ہر بدعت گمراہی ہے، خواہ ظاہری نظر میں وہ کیسی ہی حسین و جمیل معلوم ہوتی ہو، مگر فی الحقیقت وہ صرف اور صرف ضلالت، گمراہی اور ہلاکت ہے۔

۳۔ عَنْ عِرْبَاضِ بْنَ سَارِيَةَ قَالَ (صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهِدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ المهديين الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدعَة ضَلَالَة)[1]

امام احمدؒ، ابوداوٗدؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ:

---

١ ابو داود (٤٦٠٧)۔ واللفظ له والترمذي (٢٦٧٦) وقال حسن صحيح

ایک دن پیارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی یعنی امامت کی، اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور خوب نصیحت کی اور وعظ فرمایا، جس کو سن کر ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور دل ہل گئے۔ پھر ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو نصیحت گویا رخصت کرنے والے کی وصیت لگتی ہے، تو آپ ﷺ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمھیں وصیت کرتا ہوں خدا سے ڈرنے کی، اور اپنے حاکموں کے احکام قبول کرنے کی خواہ وہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم میری سنّت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنّت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اس کو ہاتھوں اور دانتوں سے مضبوط تھام لو، اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو، کیونکہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

۴) نیز مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: " خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ لَهُ أَهْلٌ، ثُمَّ قَالَ: "أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَإِنَّ أَفْضَلَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" ثُمَّ يَرْفَعُ صَوْتَهُ وَتَحْمَرُّ وَجْنَتَاهُ، وَيَشْتَدُّ غَضَبُهُ إِذَا ذَكَرَ السَّاعَةَ، كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ. قَالَ: ثُمَّ يَقُولُ: "أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ هَكَذَا وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى صَبَّحَتْكُمُ السَّاعَةُ وَمَسَّتْكُمْ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضِيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ " وَالضَّيَاعُ: يَعْنِي وَلَدَهُ الْمَسَاكِينَ " (۱۳۸۱۵) .

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا سب سے سچّی بات کتاب اللہ ہے، سب سے افضل طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، بدترین چیزیں نو ایجاد ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے، پھر جوں جوں آپ ﷺ قیامت کا تذکرہ فرماتے جاتے، آپ ﷺ کی آواز بلند ہوتی جاتی، چہرۂ مبارک سرخ ہوتا جاتا اور جوش میں اضافہ ہوتا جاتا، اور ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے آپ ﷺ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں، پھر فرمایا قیامت تم پر آگئی، مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے، یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا، تم پر صبح کو قیامت آگئی یا شام کو، جو شخص مال و دولت چھوڑ جائے، وہ اس کے اہل خانہ کا ہے، اور جو شخص قرض یا بچے چھوڑ جائے، وہ میرے ذمّہ ہے۔

۵) عَن عُبیدۃ عن عبد اللہ عنِ النّبیِّ ﷺ اَنّہ قَالَ خَیرُ النّاسِ قَرْنِی ثُمَّ الّذینَ یَلُونَھُم ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُونَھُم ثَلاثًا اَو اَرَبعًا ثُمَّ یَجِیءُ قَومٌ تَسبق شَھَادَۃُ اَحَدُھُم یَمِینہ و یمینہ شھادتہ قَال وَ کانَ اَصْحَابُنا یَضرِبُونَا وَ نَحنُ صِبیَان عَلیَ الشَّھَادۃِ وَالعَھد۔ (راجع ۳۵۹۴)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں میں سب سے بہترین وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے، اس کے بعد ایک ایسی قوم آئے گی جس کی گواہی قسم سے آگے بڑھ جائے گی، اور قسم گواہی سے آگے بڑھ جائے گی۔

بدعتی حوض کوثر سے محروم کردیئے جائیں گے

۱: صحیح مسلم میں ہے کہ محمد بن فضیل نے مختار بن فلفل سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ:

سَمِعتُ اَنَس بِنْ مَالک ؓ یَقُول اَغفَی النّبیُّ ﷺ اِغفَاءَۃً فَرَفَعَ رَأسَہ مُتبسِّمًا اِمَّا قال لَھم واِمّا قالوا لَہ لِمَ ضَحِکْتَ؟ فقالَ رَسُولُ اللہ ﷺ اِنَّہ اُنزِلَتْ عَلَیَّ اٰنِفًا سُورَۃٌ فَقرأَ رَسُولُ اللہ ﷺ بِسمِ اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم اِنَّا اَعطَینٰکَ الکَوثَر حتّٰی خَتَمَھَا قَالَ ھَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْکَوثَر؟ قَالُوا اللہ وَ رَسُولُہ اَعلَم . قَال ھُوَ نَھرٌ اَعطَانیہ رَبِّی عزَّ وجلَّ فِی الْجنّۃ عَلَیہِ خَیرٌ کثیرٌ یَرِدُ عَلَیْہِ اُمَّتِیْ یَومَ الْقِیَامَۃ اٰنِیَتُہ عَدَدَ الْکواکب یُختَلَجُ الْعَبْدُ مِنھُم فَاَقُول یَا رَبِّ اِنَّہ مِن اُمَّتِی فَیقَالُ لِی اِنَّکَ لا تَدرِی مَا اَحدَثوا بَعدَک۔ (صحیح مسلم ۴۰۰) (راجع ۱۲۰۱۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ پیارے پیغمبر ﷺ پر بیٹھے بیٹھے اونگھ کی کیفیت طاری ہوئی، پھر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر پوری سورت کوثر کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟ صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ جنّت کی ایک نہر ہے، جس کا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کر رکھا ہے، اس پر خیر کثیر ہوگی، اور قیامت کے دن میرے امّتی وہاں آئیں گے، اور اس نہر کے برتن ستاروں کی تعداد کے مانند ہوں گے، ان میں سے ایک بندے کو کھینچ کر نکالا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اے

پروردگار! یہ تو میرا امّتی ہے، مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے پیچھے کیا کیا بدعات ایجاد کرلی تھیں۔

(بعض روایات میں امّتی کے بجائے اَصحابی کے الفاظ آئے ہیں جیسا کہ آگے وہ روایات ذکر کی جائیں گی، وہاں پر بھی مراد امتی ہی ہوں گے، نہ کہ پیارے پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے کے لوگ۔)

۲: مسند احمد میں ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ فَمَنْ وَرَدَ أَفْلَحَ، ويؤْتَى بِأَقْوَامٍ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ:يَا رَبِّ، فَيُقَالُ:مَا زَالُوا بَعْدَكَ يَرتَدّون عَلَى أَعْقَابِهِمْ» " (۲۲۱۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر اور تم سے پہلے موجود ہوں گا، جو شخص حوض کوثر پر پہنچ جائے گا وہ کامیاب ہو جائے گا، البتہ وہاں بھی کچھ لوگ لائے جائیں گے لیکن انہیں بائیں طرف سے پکڑ لیا جائے گا، میں عرض کروں گا پروردگار! (یہ تو میرے امّتی ہیں) ارشاد ہوگا کہ یہ لوگ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ کر مرتد ہو گئے تھے۔(المحصل لمسند امام احمد ج۱ص ۳۲۲)

۳: نیز مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:

عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلأُنَازَعَنَّ أَقْوَامًا ثُمَّ لأُغْلَبَنَّ عَلَيْهِمْ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بعدك۔ (۳۴۵۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا انتظار کروں گا، مگر مجھ سے اس موقع پر کچھ لوگوں کے بارے میں جھگڑا کیا جائے گا اور میں مغلوب ہو جاؤں گا، میں عرض کروں گا پروردگار! میرے ساتھی؟ ارشاد ہوگا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا چیزیں ایجاد کرلی تھیں۔

اسی طرح کی روایات الفاظ کے تھوڑے تغیّر اور تبدّل کے ساتھ حضرت ابی بکرہؓ، حضرت خذیفہؓ اور حضرت انسؓ سے بھی مروی ہیں:

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ قَالَ لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ الْحَوْضَ رِجَالٌ مِمَّنْ صَحِبَنِي وَرَآنِي حَتَّى إِذَا رُفِعُوا إِلَيَّ وَرَأَيْتُهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي فَلَأَقُولَنَّ رَبِّ أَصْحَابِي أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔ (۱۹۵۹۰)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ الله ﷺ «لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ الْحَوْضَ أَقْوَامٌ فَإِذَا رَأَيْتُهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي، فَأَقُولُ أي رَبِّ أَصْحَابِي، أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ» "(۲۲۳۰۳)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَيَرِدَنَّ الْحَوْضَ عَلَيَّ رِجَالٌ حَتَّى إِذَا رَأَيْتُهُمْ رُفِعُوا إِلَيَّ فَاخْتُلِجُوا دُونِي فَلَأَقُولَنَّ يَا رَبِّ أَصْحَابِي أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ» "(۱۳۴۸۰)

" وَفِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، وَلَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ إِذَا هَوَيْتُ إِلَيْهِمْ لِأُنَاوِلَهُمْ اخْتُلِجُوا دُونِي، فَأَقُولُ: أَيْ رَبِّ أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ» " وَفِيهِمَا مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ الْحَوْضَ رِجَالٌ مِمَّنْ صَاحَبَنِي حَتَّى إِذَا رُفِعُوا إِلَيَّ اخْتُلِجُوا دُونِي، فَلَأَقُولَنَّ: أَيْ رَبِّ أَصْحَابِي، فَلَيُقَالَنَّ لِي: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا، فَأَقُولُ: سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي»

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ قیامت کے دن اپنی پیاس بجھانے کے لئے حوض کوثر پر پیارے پیغمبر ﷺ کے پاس جانے کی کوشش کریں گے تو انہیں وہاں سے دور بھگا دیا جائے گا۔ پیارے پیغمبر ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس وقت میں کھوں گا اے میرے پروردگار! یہ میرے ساتھی ہیں (یعنی میری امّت میں سے ہیں) ان کو کیوں ہٹایا گیا؟ ارشاد ہوگا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپؐ کے بعد کیا کیا نئی باتیں (دین) میں ایجاد کی تھیں۔

۴۔ نیز حضرت افلح بن سعید حضرت عبد اللہ بن رافع سے روایت کرتے ھیں کہ امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

كَانَتْ أُمّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ

وَهِيَ تَمْتَشِطُ أَيُّهَا النَّاسُ فَقَالَتْ لِمَاشِطَتِهَا لُفِّي رَأْسِي قَالَتْ فَقَالَتْ فَدَيْتُكِ إِنَّمَا يَقُولُ أَيُّهَا النَّاسُ قُلْتُ وَيْحَكِ أَوَلَسْنَا مِنَ النَّاسِ فَلَفَّتْ رَأْسَهَا وَقَامَتْ فِي حُجْرَتِهَا فَسَمِعَتْهُ يَقُولُ أَيُّهَا النَّاسُ بَيْنَمَا أَنَا عَلَى حَوْضٍ جِيءَ بِكُمْ زُمَرًا فَتَفَرَّقَتْ بِكُمُ الطُّرُقُ فَنَادَانِي مُنَادٍ مِنْ بَعْدِي فَقَالَ إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ فَقُلْتُ أَلَا سُحْقًا أَلَا سُحْقًا۔

ام المؤمنین حضرت امّ سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے پیارے پیغمبر ﷺ کو بر سرے منبر یہ فرماتے ہوئے سنا "اے لوگو" اس وقت وہ کنگھی کر رہی تھیں، انہوں نے اپنی کنگھی کرنے والی سے فرمایا کہ میرے سر کے بال لپیٹ دو، اس نے کہا میں آپ پر قربان ہوں، نبی کریم ﷺ تو لوگوں سے خطاب فرمارہے ہیں، حضرت امّ سلمہؓ نے فرمایا اری کیا ہم لوگوں میں شامل نہیں ہیں؟ اس نے ان کے بال سمیٹے اور وہ اپنے حجرے میں جاکر کھڑی ہو گئیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! جس وقت میں حوض پر تمہارا منتظر ہوں گا، اور تمہیں گروہ در گروہ لایا جائے گا اور تم راستوں میں بھٹک جاؤ گے، میں تمہیں آواز دیکر کہوں گا کہ راستے کی طرف آجاؤ، تو میرے پیچھے سے ایک مُنادی پکار کر کہے گا انہوں نے آپ کے پیچھے سے دین کو تبدیل کر دیا تھا، میں کہوں گا کہ یہ لوگ دور ہو جائیں، یہ لوگ دور ہو جائیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ وَرَدَ عَلَيَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا أَبْصَرْتُ أَنْ لَا يَرِدَ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ ". قَالَ فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ أُحَدِّثُ بِهِ فَقَالَ: وَأَشْهَدُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَزِيدُ فِيهِ فَيَقُولُ: وَأَقُولُ: " إِنَّهُمْ أُمَّتِي، أَوْ مِنِّي. فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، أَوْ مَا بَدَّلُوا بَعْدَكَ. فَأَقُولُ: سُحْقًا. سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي " (۲۱۸۰۳)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ میں نے پیارے پیغمبر ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں حوض کوثر پر تمہارا انتظار کروں گا، جو شخص وہاں آئے گا وہ اس کا پانی بھی پیئے گا، اور جو اس کا پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہو گا، اور میرے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ مجھے پہچانیں گے، لیکن پھر ان کے اور میرے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائیگی۔

ابو حازم کہتے ہیں کہ حضرت نعمان بن ابی عیاش نے مجھے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو کہنے لگے کیا تم نے

حضرت سہلؓ کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! انہوں نے کہا کہ میں حضرت ابو سعید خدریؓ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ میں نے انہیں یہ اضافہ نقل کرتے ہوئے بھی سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمائیں گے یہ میرے امّتی ہیں، تو کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا اعمال سر انجام دیئے تھے؟ میں کہوں گا کہ دور ہو جائیں وہ لوگ جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کرلی ہیں وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟ یہی سبب ہے کہ اکابر امت کو "بدعت" سے سخت ے تنفر تھا۔ امام غزالی امور عادیہ میں آنحضرت ﷺ کی پیروی اور اتباع سنت کی تاکید کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امور عادیہ میں اتباع سنت کی ترغیب کے لیے بیان کیا تھا۔ اور جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں بلا عذر اتباع سنت چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی۔" (تبلیغ دین ترجمہ اربعین ص ۴۲)

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

از حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ تبضرع و زاری و التجاء و افتقار و ذل و انکسار در سر و جہار مسائت می نماید کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است و متبدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفائے راشدین اور بنودہ علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اگر چہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ باد مستند اند گرفتار آں عمل محدث نگر وائلہ و مفتون حسن آں مبتدع نکناد۔ بحرمۃ سیّد المختار و آلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام"۔ (دفتر اوّل مکتوب ۱۸۶)

بندہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے تضرع اور زاری، التجاء و افتقار اور ذلت و انکسار کے ساتھ، خفیہ اور اعلانیہ درخواست کرتا ہے کہ دین میں جو بات بھی نئی پیدا کی گئی ہے، اور جو بدعت بھی گھڑ لی گئی ہے جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھی اگر چہ وہ چیز روشنی میں سفیدہ صبح کی طرح ہو اللہ تعالیٰ

اس بندہ ضعیف اور اس کے متعلقین کو اس نئے ایجاد شدہ کام میں گرفتار نہ فرمائے۔ اور اس کے حسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بطفیل سیّد مختار اور آل ابرار کے۔ علیہ الصلوٰۃ۔

آنحضرت ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِیْ (پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میر اطریقہ بدل دیا) سے "بدعت" کے مذموم ہونے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہوگئی۔ اور وہ یہ کہ "بدعت" سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ دین قیامت تک کے لیے نازل کیا ہے اور قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کو اس کا مکلّف کیا ہے۔ یہ تکلیف اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب کہ یہ دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ بھی ہو۔ اور جس طرح پہلے دین لوگوں کی آراء وخواہشات کی نذر ہو کر مسخ ہو گئے اور ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا اس دین کو یہ حادثہ پیش نہ آئے۔

پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کے چہرے کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کا راستہ کھولتے ہیں۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اس لیے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرما دیا ہے کہ یہ دین ہر دَور میں انسانی خواہشات کی آمیزش اور بدعات کی ملاوٹ سے پاک رہے اور اہل بدعت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گرد وغبار ڈالنے کی کوشش کریں، علمائے ربانیین کی ایک جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحرِيفَ الْغَالِينَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ'' (مشکوٰۃ ص ٣٦)

ترجمہ ہر آئندہ نسل میں اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف ، باطل پرستوں کے غلط دعوؤں اور جاہلوں کی تاویلوں کو صاف کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ ص ٣٦)

اس لیے الحمد للہ اس کا تو اطمینان ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا خود کار نظام پیدا فرما دیا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ نئی نئی گھڑ تیں اور بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ بہت سے جاہلوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَوْعِظَةِ، فَقَالَ: يَاأَيُّهَاالنَّاسُ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا، {كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ} (متفق عليه).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان وعظ فرمانے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اے لوگو! تم سب (حشر کے میدان) میں جمع کیے جاؤ گے (اور) اللہ تعالیٰ کے حضور میں ننگے پاؤں، تن برہنہ غیر مختون (پیش ہوگے) اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق: ''جیسے ہم نے پہلی مرتبہ مخلوق کو (عدم سے وجود میں لاکر) پیدا کیا ہے ایسے ہی ہم دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ بلاشبہ ہم ایسا ضرور کریں گے'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سن لو! سب سے پہلے قیامت کے دن جس کو لباس پہنایا جائے گا (اور خلعت اصطفاء وخلت سے سرفراز کیا جائے گا) وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہوں گے (آپ ﷺ فرماتے ہیں اور) سن لو! میری امّت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا تو ان کو پکڑ کر بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا یہ تو میری امّت کے لوگ ہیں؟ (ان کو بائیں جانب کیوں لے جایا جارہا ہے؟) تو کہا جائے گا ''بلاشبہ تم نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد (دین میں) کیسی کیسی نئی نئی (اعتقادی اور عملی) گمراہیاں پیدا کی ہیں تو میں وہی کہوں گا جو ایک صالح بندے (عیسیٰ علیہ السّلام) نے کہا تھا

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (المائدہ:۱۱۸)

اور میں ان سے باخبر تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تُو نے مجھے اٹھایا تو تو ہی تھا ان کا نگران اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو ان کو معاف کر دے تو تو زبردست حکمتوں والا ہے۔ تو مجھے بتلایا جائے گا جب سے تم ان سے جدا ہوئے ہو یہ لوگ برابر (دین سے) الٹے پاؤں لوٹتے رہے ہیں (یعنی دین سے پھرتے رہے ہیں۔)

بدعتی کا کوئی عمل عند اللہ مقبول نہیں

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَبَی اللهُ اَنْ يُّقْبَلَ عَمَلَ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتّٰى يَدَعَ بِدْعَتَهٗ۔ (ابن ماجہ)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی بدعت کو چھوڑ نہ دے۔

بدعت ایک ایسا عمل ہے کہ اس کی نحوست سے تمام اعمال عند اللہ ضائع اور مردود ہو جاتے ہیں۔ دوسری حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نماز، صدقہ خیرات، حج، عمرہ اور جہاد کو قبول نہیں فرماتے ہیں، اور نہ ہی فرض اور نفلی عبادت بدعتی کا قبول ہے۔ بدعتی جب تک بدعت میں ملوّث ہے اس کی کوئی نیکی اور عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔

بدعتی دوزخیوں کے کتّے ہیں

ترجمہ: پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بدعتی دوزخیوں کے کتّے ہیں۔ (جامع صغیر ص ۷۰، ج ۱)

بدعت پر مر مٹنے والے اور بدعت کی حسین نما کشتی پر سوار ہونے کے شوقین اور اہل توحید وسنّت سے عداوت رکھنے والے اس حدیث کو سامنے رکھ کر بدعت سے بیزاری کا اعلان کر کے اپنی آخرت کو تباہی سے بچانے کی فکر کریں۔

بدعتی کا اکرام اسلام کی توہین ہے

ایک شخص بدعتی نہیں لیکن جب اس کے بدعتی دوست اس کے پاس آتے ہیں وہ ان کا اکرام کرتا ہے انہیں عزّت سے اپنے پاس بٹھاتا ہے اب یہ خود توہین اسلام کا مرتکب ہو گیا۔ اس نے اسلام کی کھڑی دیوار گرانے میں اس بدعتی کی مدد کی اور اعانتِ جرم میں وہ بھی مجرم ہو گیا۔ حضرت ابراہیم بن میسرہؒ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الاسلام۔“

ترجمہ: جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

علامی طیبی (۷۴۳ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وذالك لان المبتدع مخالف للسنة ومائل عن الاستقامة لان معاونة نقيض الشئ معاونة لدفع ذلك الشئ وكان من حق الظاہر ان يقال من وقر المبتدع فقد استخف السُنة ...... فاذا كان حال الموقر هٰذا فما حال المبتدع "

علّامہ شاطبی (۷۹۰ھ) بھی لکھتے ہیں:

"ان الشرع يا مربزجره واهانته واذ لا له بما هواشد من هذا كالضرب والقتل فصار توقيره صدودًا عن العمل بشرع الاسلام واقبالًا علٰی ما يضاده دينا فيه۔"

ترجمہ: بیشک شریعت اسے جھڑکنے کا حکم دیتی ہے اس کی توہین اور تذلیل اس سے زیادہ چاہتی ہے اس کی پٹائی ہو یا اسے جان سے مارا جائے پس اس کی توقیر شرع اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ بنے گی یہ وہ کام ہے جو شریعت کی ضد ہو گا اور اس کے خلاف ہو گا

بدعات پر خاموشی اختیار کرنے والے عالم کا انجام

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا حَدَثَ فِي أُمَّتِي الْبِدَعُ، وَشُتِمَ أَصْحَابِي، فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔[1]

جب میری امّت میں بدعتیں اٹھیں اور میرے صحابہؓ کو بُرا کہا جانے لگے تو عالم کو اپنا علم سامنے لانا چاہیے جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ کی لعنت فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

اس حدیث میں صحابہؓ کا ذکر بتلاتا ہے کہ یہ انجام بدعت فی العقائد کے مجرموں کا بتایا جارہا ہے لیکن حضور ﷺ کی دوسری حدیث "من احدث فی امرنا هذا" عام ہے جو بدعت فی العقائد اور بدعت فی الاعمال دونوں طرح کی بدعات کو شامل ہے اور اس روایت کا پہلا جزو" إِذَا حَدَثَ فِي أُمَّتِي الْبِدَعُ " بھی ہر دو کی طرح بدعات کو شامل ہے۔

یہاں بدعات کو سب صحابہؓ سے جوڑ کر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اہل بدعت اپنے اعمال بدعت میں

---

١ کتاب الاعتصام جلد ۱ ص ۵۸

صحابہؓ سے ضرور منحرف ہوں گے۔ اگر وہ صحابہؓ کو اپنے لیے معیار سمجھتے تو کبھی بدعات کے گڑھے میں نہ گرتے۔ خارجی ہوں یا رافضی یا عام بدعتی کسی کو حوضِ کوثر پر پہنچنا نصیب نہ ہو گا۔ حافظ ابن عبد البر (۴۶۳ھ) میں لکھتے ہیں:

کل من احدث فی الدّین فهو من المطر و دین عن الحوض کالخوارج والروافض وسائر اهل الا

بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمّت آثارِ صحابہ اکرامؓ سے

پیارے پیغمبر ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کو جس طرح آپ ﷺ کی سنّتوں سے از حد درجہ محبت تھی انہوں نے اپنی زندگیوں کو پیارے پیغمبر ﷺ کی زندگی کے آئینہ میں سجایا، ان کی زندگیاں پیارے پیغمبر ﷺ کی زندگی کی بولتی چالتی، جیتی جاگتی عملی تصویر تھی جتنا ان کو سنّتوں سے پیار تھا، تو اسی قدر بدعات سے از حد درجہ نفرت تھی۔ وہ کسی طرح بھی یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں کوئی رخنہ اندازی کرے، اس لئے پیارے پیغمبر ﷺ نے بدعات سے بچنے کی جو وصیّت فرمائی تھی، اس کی صحابہ کرامؓ نے پوری پوری تعمیل فرمائی۔ اور بدعات کے بارے میں کسی قسم کی رواداری اور کمزوری روا نہیں رکھی۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد ائمہ وفقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجدّدین و مصلحین اور علمائے ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی، اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول اور رواج پزیر ہونے سے روکنے کی جان توڑ کوشش کی، ان بدعات میں عوام اور خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو مقناطیسی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے، اور ان سے پیشہ ور، دنیادار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں جس کی تصویر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں کھینچی ہے۔:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ التوبہ ۳۴) اے ایمان والو! اکثر احبار ورہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں۔

اس کی بناء پر ان کو سخت مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور اس کو اپنے وقت کا جھاد اور شریعت کی حفاظت کا، اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدّس کام سمجھا، ان مخالفین بدعت، اور حاملین لواء سنّت کو اپنے زمانہ کے عوام، یا خواص کالعوام سے جامد، روایت پرست، مذہب دشمن وغیرہ کے خطابات بھی ملے، لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی، ان کے اس لسانی اور قلمی جھاد احقائق حق اور ابطال باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا معاشرہ اور تمدّن کی بعض تاریخوں میں ذکر کیا گیا ہے، اور جو باقی ہیں ان کے خلاف علمائے حقّانی اب بھی

صف آرائیں:

یوں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی کا ایک ایک گوشہ سنّت مطہّرہ سے عشق ومحبّت، اور بدعات اور اہل بدعت سے بُغض وعناد کا درس دے رہا ہے۔ مگر ہم یہاں پر ان کے بدعات سے متعلقہ چند واقعات، اقوال، اٰثار، اور نصائح پر اکتفا کرتے ہیں، اگر کوئی شخص بدعات کے حقیقی مفاسد، اور محافظت شریعت کی حکمت و اسرار سے واقف نہ ہو، تو ان کو تشدّد اور غلو پر محمول کرے گا، لیکن اگر کوئی شخص مذاہب کی تاریخ سے واقفیت رکھتا ہے، تو وہ ان حضرات کی تفقہّ اور حکمت دین کی داد دے گا، کہ اگر دوسری ہی نسل میں (یعنی دور صحابہ کرام میں) مذہب کو اپنی اصلی شکل میں باقی رکھنے کی حفاظت نہ کی جاتی تو وہ اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

ام المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرآن کریم کی آیت کریمہ:

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (الروم:۳۱،۳۲)

ترجمہ: سب رجوع ہو کر اس کی طرف اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو مشرکین میں سے۔ جنھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے اور پارٹیاں ہر ایک پارٹی اپنے طرز پر خوش ہے۔)

کی تفسیر میں نقل فرماتی ہیں کہ اس سے مراد اہلِ بدعت کی پارٹیاں ہیں۔

نیز امّ المؤمنین کے بڑے بھائی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کے یہاں اولاد نہ ہوتی تھی، ان کے یہاں کسی عورت نے کہا کہ اگر عبد الرحمٰنؓ کے یہاں بچّہ ہوا تو ہم عقیقہ میں اونٹ ذبح کریں گے، امّ المؤمنین نے جب یہ سنا تو فرمایا:

لا بل السُنَّة افضل! عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة۔ (مستدرک ج۴ ص۲۳۸)

کہ نہیں بلکہ سنّت ہی افضل ہے، (اور سنّت یہ ہے کہ) لڑکے کی جانب سے دو بکریاں کافی ہیں اور لڑکی کی جانب سے ایک۔

اگر اونٹ کے گوشت اور دو بکریوں کے گوشت کا موازنہ کیا جائے تو نمایاں فرق ہے، مگر امّ المؤمنین نے سنّت

کی علاوہ کسی دوسرے طریقہ کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ سنّت ہی افضل ہے اور اس کی پابندی لازم ہے۔

امیر المؤمنین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد

قول أبو بكر رضي الله عنه .فَقَد رأى اِمرأةً لا تَتَكَلَّم . فلمّا سأل عنها قالوا إنّها حجت مصمتة . فقال لها أبو بكر رضي الله عنه (تكلّمي فإنّ هذا لا يحل، هذا مِن عَمل الجَاهليّة)

(رواه البخاري)

سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ بات چیت نہیں کر رہی، پس جب آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس نے خاموشی کی نذر مانی ہے۔ سیّدنا ابو بکر صدیقؓ نے اس سے فرمایا، کہ بات چیت کرو اس قسم کی منّت حلال و جائز نہیں یہ جاہلیت کا عمل ہے۔

وذكر الحافظ ابن حجر في الفتح [۷/۱۵۰] أنّ في بعض الروايات أنّها حلفت أن لا تتكلم، ومع هذا فقد أمرها أبو بكر رضي الله عنه أن تتكلم لأن الصمت من بدع الجاهلية .

اور حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ بات نہیں کرے گی، اس پر سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسے حکم دیا کہ بات کرو، اس لئے کہ اس طرح کی خاموشی جاہلیّت کی بدعات میں سے ہے۔

امیر المؤمنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد

۲۔ قَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ — رَضِيَ اللهُ عنهُ ''إِيَّاكُمْ وَأَصحَابَ الرَّأْيِ، فَإِنَّهُمْ أَعْدَاءُ السُّنَنِ، أَعْيَتْهُمُ الأَحَادِيثُ أَنْ يَحْفَظُوهَا، فَقَالُوا بِالرَّأْيِ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا'' (الفتح (۱۳/۳۰۲) وعزاه للبيهقي)

امیر المؤمنین سیّدنا حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں تم اصحابِ رائے سے بچو! کیونکہ وہ پیارے پیغمبر ﷺ کی سنّتوں کے دشمن ہیں وہ احادیث کی حفاظت سے عاجز رہے۔ اور اس کے بجائے انہوں نے اپنے قیاس سے کام لیا، سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

عمر رضي الله عنه .فقد رأى أقواماً يقصدون مكاناً يصلّونَ فيه بين مكّة وَالمدينة فسألهم فقالوا (مسجد صلى فيه النبي صلى الله عليه وسلم) فقال (إنّما هلك من كان قبلكم

أنهم اتخذوا آثار أنبيائهم بيعاً ، من مر بشيء من تلك المساجد فحضرت الصلاة فليصلِّ ، وإلا فليمض) رواه عبدالرزاق في المصنف [۱۱۸/۲].

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ نماز پڑھنے کے قصد وارادے سے جارہے ہیں، آپؓ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہاں ایک مسجد ہے جس میں پیارے پیغمبر ﷺ نے نماز پڑہی تھی (اس لئے ہم بھی بطور برکت وہاں نماز پڑھنے کے لئے جارہے ہیں) حضرت فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے کہ انہوں نے انبیاءؑ کے اٰثار کو سجدہ گاہ بنالیا تھا، تم میں سے اگر کسی پر وہاں سے گزرتے ہوئے نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز پڑھ لے، ورنہ اپنا سفر جاری رکھے (اور خاص نماز کے ارادے سے سے وہاں نہ جائے)۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا وہاں پر نماز پڑھنے سے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے وہاں قصداً نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ اتفاقیہ طور پر نماز کا وقت آجانے پر آپ ﷺ نے وہاں نماز ادا کی تھی، اور آپ ﷺ نے اس جگہ کو نماز کے لئے متعیّن نہیں فرمایا تھا، تو جس چیز کو آپ متعیّن نہ فرمائیں اور ہم اپنی طرف سے اس کی تعین کرلیں تو اس میں آپ ﷺ کی اتباع نہیں۔

اسی سے اس بات کا بھی اندازہ لگالیجئے کہ حضرت فاروق اعظمؓ اُس جگہ پر نماز پڑھنے سے صحابہ اکرامؓ کو روک رہے ہیں جس مقام پر پیارے پیغمبر کا نماز پڑھنا ثابت ہے، اگر وہاں پر نماز کے قصد وارادے سے جانا بدعت ہے تو پھر کسی بزرگ یاولی، یا کسی نیک بندے کی جائے پیدائیش، یااس کے چلہ کاٹنے کی جگہ کو، یااسکے مزار اور قبر کو عید گاہ بنانا، وہاں پر عبادت کرنا، ذکرواذکار کرنا، دعائیں مانگنا، میلے ٹھیلے اور عرس کرنا جس طرح بعض جاہل لوگ کرتے ہیں کس طرح جائز ہو گا۔

* فعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، أنه كان يضرب المتنفلين بالصلاة بعد العصر ، فقيل له : أتُضرب على الصلاة؟ فقال : بل على خلاف السنة .

حضرت عمر بن الخطابؓ عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنے والوں کو مارتے تھے، آپ سے کہا گیا کیا آپ ہمیں نماز پڑھنے پر مار رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سنّت کی خلاف ورزی پر۔

ایک مرتبہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد الصّلوٰۃ ،الصّلوٰۃ، کے الفاظ سے لوگوں کو نماز کے لئے بلانا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تیری اذان میں جو دعوت تھی وہ لوگوں کو بلانے کے لئے کافی نہ تھی؟ چونکہ ان الفاظ میں دین کے اندر زیادتی کا اشتباہ تھا اس لئے فاروق اعظمؓ نے اس سے منع فرمادیا۔

فرمان سیّدنا حضرت علیؓ

۳: اِنَّ رَجُلا یومَ الْعِیْدِ اَرَادَ اَن یُّصَلیّٰ قبل صَلوٰۃِ الْعِید فَنَہَاہُ علی رضی اللہ عنہ فقال الرَّجُل یَا اَمِیْر المُؤمِنین اِنِّی اَعْلَمُ اَنَّ اللہ لا یعذب علی الصَّلوٰۃ فقال علی رضی اللہ عنہ وانّی اَعْلمُ اَنَّ اللہ تَعالیٰ لایُثیبُ عَلیٰ فعل حَتیّٰ یَفعله رسُولُ اللہ ﷺ او یحث علیه فَیَکُون صَلوٰتک عَبثًا وَالْعَبث حَرامٌ ، فَلَعلّہ تَعالیٰ یُعذبک بِه لِمُخَالِفتِک لِرَسُولِ اللہ ﷺ۔ (حکاہ صاحب المنار فی تعلیقاتہ کما فی الجنۃ ص ۱۶۵)

ایک مرتبہ ایک شخص نے نماز عید سے قبل نماز نفل پڑھنا چاہی تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسے منع فرمادیا، اس نے کہا کہ امیر المؤمنینؓ ! میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا، حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ہاں، اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس فعل کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو، پس تیری یہ نماز فعل عبث ہو گی، اور فعل عبث حرام ہے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے۔

سیدنا حضرت علیؓ کی یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ چونکہ پیارے پیغمبر ﷺ سے نماز عید سے قبل یہ نماز نہ قولاً ثابت ہے نہ فعلاً، اس لئے یہ فعل عبث ہے، اور فعل عبث حرام ہے، اور چونکہ یہ نماز پیارے پیغمبر ﷺ سے ثابت نہیں اس لئے کچھ بعید نہیں کہ اللہ رب العزت آپ ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے نماز جیسی اہم عبادت پر بھی اس کو سزا دے۔

ایک مرتبہ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک مؤذن کو عشاء کی نماز کے لئے تثویب کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو (تثویب کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن اذان کے بعد ''الصلوٰۃ ،الصلوٰۃ'' کہہ کر لوگوں کو بلاتا پھرے چونکہ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، اس لئے اس پر بدعت ہونے کا فتوےٰ دیا ہے۔

حضرت ابی ابن کعبؓ کا ارشاد

۳۔ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «عَلَيْكُمْ بِالسَّبِيلِ وَالسُّنَّةِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى

سَبِيلٍ وَسُنَّةٍ ذَكَرَ الرَّحْمٰنَ عَزَّ وَجَلَّ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَمَسَّهُ النَّارُ، وَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى سَبِيلٍ وَسُنَّةٍ ذَكَرَ الرَّحْمٰنَ فَاقْشَعَرَّ جِلْدُهُ مِنْ مَخَافَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا كَانَ مَثَلُهُ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ يَبِسَ وَرَقُهَا فَبَيْنَا هِيَ كَذٰلِكَ إِذْ أَصَابَتْهَا الرِّيحُ فَتَحَاتَّتْ عَنْهَا وَرَقُهَا إِلَّا تَحَاتَّتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا تَحَاتَّ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ وَرَقُهَا، وَإِنَّ اقْتِصَادًا فِي سَبِيلٍ وَسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنَ اجْتِهَادٍ فِي خِلَافِ سَبِيلِ اللهِ وَسُنَّتِهِ. فَانْظُرُوا أَعْمَالَكُمْ، فَإِنْ كَانَتِ اجْتِهَادًا أَوِ اقْتِصَادًا أَنْ تَكُونَ عَلَى مِنْهَاجِ الْأَنْبِيَاءِ وَسُنَّتِهِمْ» (۷)(حلیۃ الأولیاء ج۱ ص۲۵۳، ۲۵۲)

حضرت ابیؓ بن کعبؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ راہ حق اور طریقۂ رسالت کو لازم پکڑنا تم پر واجب ہے۔ کیونکہ جس بندہ نے طریق حق تعالیٰ وسنّت رسول اللہ ﷺ پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم، کو یاد کیا اس کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تو یہ نہ ہو گا کہ اس کو آگ چھو جائے، اور روئے زمین پر کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جس نے راہ حق اور سنّت رسول اللہ ﷺ کو اختیار کیا، اور حق تعالیٰ شانہ کو اپنے دل میں یاد کیا جس سے اس کے بدن پر (خوفِ خداوندی اور خشیۃ الٰہی کی وجہ سے) رونگٹے کھڑے ہوگئے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے (سردی کے دنوں میں) درختوں کے پتے خشک ہو جاتے ہیں اور جب ان پر تیز ہوا چلتی ہے تو اس کی وجہ سے ان سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (اسی طرح وہ بندہ جس نے راہ حق اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ کو اختیار کیا، اور خوف خداوندی اور خشیۃ الٰہی کی وجہ سے اس کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوگئے) تو اس کے گناہ بھی اس سے اسی طرح جھڑ جائیں گے جس طرح (خزاں کے موسم میں) درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ اور فرمایا طریق حق تعالیٰ وسنّت رسول اللہ ﷺ میں میانہ روی اختیار کرنا بہتر ہے، خلاف طریق حق تعالیٰ وسنّت رسول اللہ ﷺ پر بہت کوشش کے ساتھ عبادت کرنے سے۔

اس لئے جُہد اور کوشش اور تمام اعمال کرنے سے پہلے یہ یقین کرلو کہ (تمہارا ہر قدم) اور تمہارے تمام اعمال انبیاءؑ کے طریقے اور سنّت کے مطابق ہوں۔

حضرت حذیفہؓ کا ارشاد

قَالَ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقِيمُوا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا وَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔[البخاری۔ الفتح ۱۳ (۷۲۸۲)]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا اے جماعت قراء، راہ راست پر قائم رہو تم بہت دور نکل چکے ہو اور اگر تم نے ادھر اُدھر دائیں بائیں کا راستہ اپنایا تو پھر بڑی دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

یہ حضرت حذیفہؓ کس کو وصیت فرما رہے ہیں؟ قراء کو وصیّت فرما رہے ہیں جو قرآن اور سنّت کے علماء ہیں، تو ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو علم اور فضل میں ان سے کم ہیں، اور پھر حضرت حذیفہؓ اپنے زمانے کے (جو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا زمانہ ہے، خیر القرون کا زمانہ) علماء کو یہ وصیّت فرما رہے ہیں کہ وہ سنّت پر قائم رہیں اور اس کو لازم پکڑیں اور مُحدثات اور گمراہی کو ترک کریں حالانکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور وہ لوگ کتاب و سنّت اور ہر عمل خیر میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے تھے، تو وہ لوگ جو خیر القرون کے بعد آئے جو علم اور عمل میں ان کے پائے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے، تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا؟

☆ اور آپؓ فرماتے ہیں کہ: ہر وہ عبادت جو صحابہ کرامؓ نے نہیں کی تم بھی وہ عبادت نہ کرو، کیونکہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کو یہ پورا کریں اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اور پہلے لوگوں (صحابہ کرامؓ) کے طریقے کو اختیار کرو۔ (الاعتصام ج ا ص ۳۱۰)

☆ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ: خدا کی قسم آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ اس نے سنّت ترک کر دی ہے۔

☆ اسی طرح حضرت خذیفہؓ سے مروی ہے: فرمایا کہ میں دو جماعتوں کو جانتا ہوں جو جہنّم میں جائیں گی۔ ایک وہ قوم جس کا کہنا ہے، ایمان سارا محض کلام ہے، جس میں عمل کی ضرورت نہیں، اور یہ مرجیئہ کا عقیدہ ہے۔ اور دوسری قوم جو کہے گی کہ پانچ نمازوں کی کیا ضرورت ہے؟ دو نمازیں کافی ہیں۔ (ابن جریر)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد

۵۔ عَن عَمْرو بن زُرَارَة قَالَ ''وقف عَلَيّ عبد الله بن مَسْعُود وَأَنا أقص فَقَالَ يَا عَمْرو لقد ابتدعت بِدعَة ضَلَالَة أَو أَنَّك لاهدى من مُحَمَّد صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَأَصْحَابه فَقَالَ عَمْرو بن زُرَارَة فَلَقَد رَأَيْتهمْ تفرقُوا عني حَتَّى رَأَيْت مَكَانِي مَا فِيهِ أحد''[1]

---

۱ قال المنذري: رواه الطبراني في الكبير بإسنادين أحدهما صحيح (۱/۸۹) وهو في معجم الطبراني الكبير (۹/۱۳۶) برقم (۸۶۳۷)

حضرت عمرو بن زرارہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں قصہ گوئی کر رہا تھا تو اچانک حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے اے عمرو، تم نے یہ نہایت تاریک بدعت اور گمراہی ایجاد کی ہے۔ یا کیا تم علم اور ہدایت میں جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے آگے بڑھ گئے ہو۔

٦۔ عَنْ عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا نَجْلِسُ عَلَى بَابِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، فَإِذَا خَرَجَ، مَشَيْنَا مَعَهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَجَاءَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: أَخَرَجَ إِلَيْكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ قُلْنَا: لَا، بَعْدُ. فَجَلَسَ مَعَنَا حَتَّى خَرَجَ، فَلَمَّا خَرَجَ، قُمْنَا إِلَيْهِ جَمِيعًا، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ آنِفًا أَمْرًا أَنْكَرْتُهُ وَلَمْ أَرَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ إِلَّا خَيْرًا. [ص:] قَالَ: فَمَا هُوَ؟ فَقَالَ: إِنْ عِشْتَ فَسَتَرَاهُ. قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَسْجِدِ قَوْمًا حِلَقًا جُلُوسًا يَنْتَظِرُونَ الصَّلَاةَ فِي كُلِّ حَلْقَةٍ رَجُلٌ، وَفِي أَيْدِيهِمْ حصًا، فَيَقُولُ: كَبِّرُوا مِائَةً، فَيُكَبِّرُونَ مِائَةً، فَيَقُولُ: هَلِّلُوا مِائَةً، فَيُهَلِّلُونَ مِائَةً، وَيَقُولُ: سَبِّحُوا مِائَةً، فَيُسَبِّحُونَ مِائَةً، قَالَ: فَمَاذَا قُلْتَ لَهُمْ؟ قَالَ: مَا قُلْتُ لَهُمْ شَيْئًا انْتِظَارَ رَأْيِكَ أَوِ انْتظارَ أَمْرِكَ. قَالَ: «أَفَلَا أَمَرْتَهُمْ أَنْ يَعُدُّوا سَيِّئَاتِهِمْ، وَضَمِنْتَ لَهُمْ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ» ، ثُمَّ مَضَى وَمَضَيْنَا مَعَهُ حَتَّى أَتَى حَلْقَةً مِنْ تِلْكَ الْحِلَقِ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: «مَا هَذَا الَّذِي أَرَاكُمْ تَصْنَعُونَ؟» قَالُوا: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ حصًا نَعُدُّ بِهِ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ وَالتَّسْبِيحَ. قَالَ: «فَعُدُّوا سَيِّئَاتِكُمْ، فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ، وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ، وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ» . قَالُوا: وَاللهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ. قَالَ: «وَكَمْ مِنْ مُرِيدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيبَهُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَنَّ» قَوْمًا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ "، وَايْمُ اللهِ مَا أَدْرِي لَعَلَّ أَكْثَرَهُمْ مِنْكُمْ، ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ. فَقَالَ عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ: رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولَئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُونَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ۔ (٣) الدارمي (١/٦٠-٦١)

عمر بن یحیٰ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا جو اپنے والد یعنی میرے دادا سے یہ واقعہ نقل کرتے تھے کہ ہم لوگ صبح کی نماز سے قبل حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے دروازے کے باہر بیٹھ کر ان کے نکلنے کا انتظار کیا کرتے تھے جب وہ گھر سے نکلتے تو ہم ان کے ساتھ مسجد چلتے، ایک دن جب ہم ان کا انتظار کر رہے تھے تو ہمارے پاس حضرت ابو موسیٰ الاَشعریؓ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ کیا ابو عبد الرحمٰن نکل چکے ہیں؟ ہماری طرف سے نفی میں جواب ملنے پر وہ بھی ہمارے ساتھ انتظار میں بیٹھ گئے یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ باہر تشریف لائے اور ہم سب ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو موسیٰ الاَشعریؓ نے عرض کیا اے ابو عبد الرحمٰن میں نے ابھی مسجد میں ایک ایسا عمل ہوتے ہوئے دیکھا ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی ہوتے ہوئے نہیں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ تم نے کیا دیکھا؟ فرمایا کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا ان کے ہاتھوں میں سنگریزے ہیں ہر حلقہ میں ایک آدمی ان سے کہتا جاتا ہے کہ سو مرتبہ اللہ اکبر کہو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے سو مرتبہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہو، تو لوگ سو مرتبہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو مرتبہ سُبحان اللّٰہ کہو، تو لوگ سو مرتبہ سُبحان اللہ کہتے ہیں۔ فرمایا تم نے ان سے کیا کہا؟ تو ابو موسیٰ الاشعریؓ فرمایا کہ میں نے انھیں کچھ نہیں کہا اور میں آپ کی رائے کا منتظر تھا۔ فرمایا کہ تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہدیا کہ تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کیا کرو۔ اور میں اس کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہو گا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم ان کے ساتھ ان حلقوں میں سے ایک حلقے پر پہنچے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ان سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ اے ابو عبد الرحمٰن ہم ان سنگریزوں پر تکبیر، تہلیل، تسبیح اور تحمید (یعنی اللہ اکبر، لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ، سُبحانَ اللّٰہ اور اَلحَمدُلِلّٰہ) پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا کہ تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کیا کرو (یعنی استغفار کرو)۔ اور میں اس کا ضامن ہوں کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہو گا۔ تعجب ہے تم پر اے امّت محمد ﷺ کیا ہی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک صحابہ کرام بکثرت تم میں موجود ہیں، اور اب تک حضرت رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور آپ ﷺ کے کھانے پینے کے برتن نہیں ٹوٹے۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو تم لوگ محمد ﷺ کی سنّت اور طریقے سے بڑھ کر اپنے آپ کو کسی طریقے پر سمجھتے ہو، یا تم نے بے جا ظلم سے بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھول لیا ہے۔ (تم اصحاب محمد ﷺ سے بھی اپنے نزدیک علم میں بڑھ چلے ہو؟) انھوں نے عرض کیا اے ابو

عبد الرحمٰن ہمارا مقصد نیک تھا۔ فرمایا کہ کتنے ہی خیر کہ چاہنے والے ایسے ہیں کہ ان کو کچھ بھی ہاتھ نہیں لگتا ہم سے پیارے پیغمبر ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کی گردنوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ ان میں سے اکثریت تمہاری ہی ہو (حضرت ابن مسعودؓ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تسبیح و تحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوتی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز و طریقہ پیارے پیغمبر ﷺ کا بتلایا ہوا نہیں ہے بلکہ تمہارا خود ایجاد کردہ ہے لہٰذا گمراہی ہے)۔ راوی نے بیان کیا کہ واللہ ہم نے اس کے بعد دیکھا کہ اس جماعت والوں میں سے اکثر نہروان کے دن خارجیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ (۳)(الدارمی ج ۱ ص ۶۰) الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث ص ۱۲)

۷۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ: ذُكِرَ لِابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَاصٌّ يَجْلِسُ بِاللَّيْلِ، وَيَقُولُ لِلنَّاسِ: قُولُوا كَذَا، فَقَالَ: «إِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَأَخْبِرُونِي»، قَالَ: فَأَخْبَرُوهُ، فَجَاءَ عَبْدُ اللهِ مُتَقَنِّعًا، فَقَالَ: «مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي فَأَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ، تَعْلَمُونَ أَنَّكُمْ لَأَهْدَى مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ، أَوْ إِنَّكُمْ لَمُتَعَلِّقُونَ بِذَنَبِ ضَلَالَةٍ»[1]

ایک روایت میں قیس ابن ابی حازمؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے ذکر کیا کہ یھاں کچھ لوگ رات کے وقت بیٹھتے ہیں اور ان میں ایک قصّہ گو شخص لوگوں سے کہتا ہے کہ تم ایسا اور ایسا کہو (یعنی اتنی مرتبہ سُبحان اللہ کہو، اور اتنی مرتبہ اَلحمد للہ کہو، اور یہ لوگ اس کے کہنے کے موافق کرتے جاتے ہیں)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ جب تم انھیں ایسا کرتے دیکھو تو میرے پاس آکر بروقت مجھے خبر کر دینا کہ اب وہ لوگ بیٹھے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس نے وقت پر آکر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو خبر کر دی چنانچہ اس کے خبر دار کرنے پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس موقعہ پر پہنچے اور آپ سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا جو مجھ کو جانتا ہے سو جانتا ہے، اور جو مجھ کو نہیں جانتا تو میں بتائے دیتا ہوں کہ میں عبد اللہ بن مسعود ہوں۔ (معاذ اللہ) تم جانتے ہو (یعنی تمہارا اپنے بارے میں یہ خیال ہے) کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے زیادہ تم ہدایت پر ہو؟ یا پھر تم نے ایک بہت بڑی بدعت ایجاد کی ہے، یا تم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ پر علم میں فضیلت

---

[1] رواه الطبراني في الكبير (۱۲۵/۹) رقم (۸۶۲۹)

حاصل کر چکے ہو۔؟

یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے، یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہؓ کے ہاتھ بھی نہ آئی تھی، خواہ بے خبری سے خواہ سستی سے، پس تم طریق عبادت کے علم میں صحابہؓ سے غالب ہو نکلے (اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کا اس طرح اجتماعی رنگ میں ذکر کرنا ناگوار گزرا اور اس کو انھوں نے بدعت ضلالہ اور بدعت عظمیٰ سے تعبیر کیا۔(۴) (رواہ الطبرانی فی الکبیر ج۹ص۱۲۵)

۸۔ عَن بن مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ ''قَدْ أَصْبَحْتُمْ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنَّكُمْ سَتُحْدِثُونَ وَيُحْدَثُ لَكُمْ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مُحْدَثَةً فَعَلَيْكُمْ بِالْهَدْيِ الْأَوَّلِ''[1]

سیّدنا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بار بار اپنے خطبہ میں اور اپنی مجلسوں میں اسوۂ مبارکہ اور طریقہ صحابہؓ اپنانے کی تلقین وترغیب دیتے اور ان کے فضائل بیان فرما کر اس کی طرف راغب ہونے کی تاکید کرتے اور بدعات سے اجتناب کی وصیّت کرتے۔

☆ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: تم فطرت پر ہو(یعنی یہی موروثی دین تمہارے لئے کافی ہے)۔ فرمایا تم بھی نئے نئے کام نکالوگے اور لوگ بھی تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے جب تم پر ایسے حالات آجائیں تو تم پر پہلی ہدایت یعنی عہد اوّل صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنی لازم ہے۔(۱) الفتح ج۱۳ص۲۵۳)

۹۔ وَقَالَ– رَضِيَ اللهُ عَنْهُ– ''الِاقْتِصَادُ فِي السُّنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الِاجْتِهَادِ فِي الْبِدْعَةِ''[2]

اور فرمایا سنّت کے طریقے میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت کے طریقے پر بہت کوشش کے ساتھ عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

☆ اور فرماتے تھے کہ نئی نئی بدعتوں سے بچو، کیونکہ ایمان یکبارگی دل سے نہیں جاتا، لیکن شیطان تمہارے لئے روز بدعتیں پیدا کرتا ہے، حتّٰی کہ تمہارے دل سے ایمان نکل جائے گا۔

۱۰۔ (وقالَ: «تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ، وَقَبْضُهُ أَنْ يَذْهَبَ أَهْلُهُ. أَلَا وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَطُّعَ،

۱　الفتح (۱۳/۲۵۳)

۲　الحاكم (۱/۱۰۳) وقال: على شرطهما ووافقه الذهبي والدارمي (۱/۸۳) وقال: اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم

وَالتَّعَمُّقَ، وَالْبِدَعَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيقِ» وفي رواية أخرى: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ سَتُحْدِثُونَ وَيُحْدَثُ لَكُمْ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مُحْدَثًا فَعَلَيْكُمْ بِالْأَمْرِ الْأَوَّلِ»[١]

اور فرمایا کہ علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ علم اٹھالیا جائے اور علم کے اٹھالئے جانے سے مراد اہل علم کا اٹھالیا جانا ہے۔ اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادت میں مبالغہ اور تعمّق نہ کرو، پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو۔ اور ایک مرتبہ فرمایا تم بھی نئے نئے کام نکالوگے اور لوگ بھی تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے جب تم پر ایسے حالات آجائیں تو تم پر پہلے امر یعنی عہد اول صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنی لازم ہے۔

١١۔ وَقَالَ "إِنَّا نَقْتَدِي وَلَا نَبْتَدِي، وَنَتَّبِعُ وَلَا نَبْتَدِعُ، وَلَنْ نَضِلَّ مَا تَمَسَّكْنَا بِالأَثَرِ"[٢]

اور فرمایا کہ ہم اقتدا کرنے والے ہیں، ابتدا کرنے والے نہیں، اور (دین) کی اتباع کرنے والے ہیں، دین میں نئی بدعت ایجاد کرنے والے نہیں، اور ہم ہرگز اس وقت تک گمراہ نہ ہوں گے جب تک ہم اثر کو مضبوطی سے پکڑے رہیں گے۔

١٢۔ وَقَالَ: «عَلَيْكُمْ بِالطَّرِيقِ فَالْزَمُوهُ وَلَئِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَتَضِلُّنَّ ضَلَالًا بَعِيدًا»[٣]

اور فرمایا کہ تم پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کا طریقہ پہچان کر اسی کو لازم پکڑو اور اگر تم نے اِدھر اُدھر دائیں بائیں کا راستہ اپنایا تو پھر بڑی دور کی گمراہی میں پڑجاؤ گے۔

١٣۔ وَقَالَ: «إِنَّ أَصْدَقَ الْقَوْلِ قَوْلُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنَّ أَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ، وَإِنَّ شَرَّ الرَّوَايَا رَوَايَا الْكَذِبِ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيبٌ»[٤]

اور فرمایا: بیشک بہترین کلام، اللہ ربّ العزّت کا کلام ہے، اور بہترین طریقہ اور طرزِ عمل محمد ﷺ کا طریقہ اور طرزِ عمل ہے۔ اور محروم (بدبخت) وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں محروم ہوا، اور بیشک بدترین روایات جھوٹی روایات ہیں، اور

---

١ الدارمي (٥٩/١) واللالكائي (٨٧/١) نحوه۔

٢ اللالكائي (٨٦/١)

٣ الدارمي (٦٠/١، وذكره السيوطي في الأمر بالا تباع (٨٩)۔

٤ البخاري۔ الفتح (٢٤٩/١٣) والدارمي (٨٠/١) وهذا لفظه۔

بدترین امور دین میں محدثات اور نئی نئی چیزوں کا ایجاد کرنا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ارشاد

۱۶۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ (كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَإِنْ رَآهَا النَّاس حَسَنَة)[1]

حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے حسنہ یعنی اچھا سمجھیں۔

(اللالکائی ج۱ ص۹۲)

☆ حضرت مجاہدؒ (المتوفی ۱۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ہمراہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے داخل ہوا، اذان ہو چکی تھی، ایک شخص نے تثویب شروع کردی (یعنی ''الصلوۃ، الصلوۃ'' کے الفاظ سے لوگوں کو نماز کی دعوت دی) تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس سے فرمایا تو پاگل ہے؟ تیری اذان میں جو دعوت تھی، کیا لوگوں کو بلانے کے لئے وہ کافی نہ تھی اور پھر حضرت ابن عمرؓ نے مجاہدؒ سے فرمایا:

اخرج بنا فان هذه بدعة (ابوداؤد ج۱ ص۷۹)۔

مجھے یہاں سے لے چل اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: اخرج بنا من عند هذا المبتدع ولم يصل فيه

(ترمذی ج۱ ص۷۹)۔

مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل، اور آپ نے اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔ حضرت ابن عمر اس مسجد سے چلے گئے اور وہاں نماز تک نہ ادا کی۔ اسی سے اندازہ لگائیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو بدعت اور اہل بدعت سے کس قدر نفرت تھی کہ انہوں نے ان کی مسجد میں نماز تک پڑھنا گوارہ نہ کی۔

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا ارشاد

۱۷۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا يُوصِي عُثْمَانَ الأَزْدِيَّ: «عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰہِ، وَالِاسْتِقَامَةِ، اتَّبِعْ وَلَا تَبْتَدِعْ»[2]

---

۱ اللالكائي (۹۲/۱)۔

۲ الدارمي (۵۰/۱)

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ عثمان الازدی کو وصیّت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تقویٰ کو اور استقامت کو لازم پکڑو، سنّت کا اتّباع کرو اور بدعت نہ نکالو۔

۱۸۔ وَقَالَ: إِنَّ أَبْغَضَ الْأُمُورِ إِلَى اللهِ تَعَالَى الْبِدَعُ۔[۱]

اور فرمایا بیشک تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض بدعت ہے۔

۱۹۔ وَقَالَ: ''عَلَيْكُمْ بِالاسْتِقَامَةِ وَالأَثَرِ وَإِيَّاكُمْ وَالْبِدَعَ''۔[۲]

اور فرمایا کہ استقامت اور طریق اصحاب کو لازم پکڑو اور بدعات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

۲۰۔ قَالَ أَيْضًا: فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: { يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ } [آل عمران:۱۰۶] فَأَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَأُولُو الْعِلمِ۔ { وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ } [آل عمران:۱۰۷]، فَأَهْلُ الْبِدَعِ وَالضَّلَالَةِ".[۳]

سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ قرآن کریم کی اس آیت کہ: جس دن بعض چہرے سفید اور بعض سیاہ ہوں گے : کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ فَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ (یعنی وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے سے مراد اہل سنّت والجماعت اور اولوا العلم ہیں۔ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ (اور وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے) سے مراد اہل بدعت اور ضلالت ہیں۔

۲۱۔ قَالَ: "مَنْ أَحْدَثَ رَأْيًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ، وَلَمْ تَمْضِ بِهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ لَمْ يَدْرِ مَا هُوَ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ.[۴]

اور ایک مرتبہ فرمایا جس نے اپنی رائے سے کوئی بات کہی جو نہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب میں تھی اور نہ ہی سنّت رسول اللہ ﷺ میں، وہ نہیں جانتا کہ اسکی اس بات کا اس پر کیا وبال پڑے گا جب اللہ عزّوجل سے اس کی ملاقات ہوگی۔

---

١ (البيهقي (۳۱۶/۴)

٢ الاعتصام (۸۱/۱)

٣ أصول الاعتقاد (۸۲/۱)

٤ (الاعتصام (۱۰۱/۱)

اور فرمایا کہ جو کوئی طریقہ سنّت پر ہو اور بدعت سے منع کرتا ہو، اور طریقۂ رسالت کی وصیّت کرتا ہو تو ایسے شخص کو دیکھنا عبادت ہے۔ (کیوں کہ یہ ولی ہے اس کے دیکھنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ یاد آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کی یاد اچھّی عبادت ہے۔)

* وعن عبدالله بن عباس رضي الله عنهما .صح عنه قوله (ما يأتي على الناس عام إلا أحدثوا فيه بدعة وأماتوا سنة ، حتى تحيا البدع وتموت السنن)[1]

اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آئندہ لوگوں پر کوئی نیا سال ایسا نہ آئے گا، جس میں وہ کوئی بدعت ایجاد نہ کریں گے اور کسی سنّت کو مردہ نہ کر دیں گے، یہاں تک کہ بدعتیں زندہ اور سنّتیں مردہ ہو جائیں گی۔ (الاعتصام ج۱ ص۶۱)

* وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال لا تجالس اهل الأهواء ، فان مجالستهم ممرضة القلوب۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اهل هواء (یعنی خواہشات نفسانی کے پیچھے چلنے والوں) کے ساتھ نہ بیٹھو، اسلئے کہ ان کی مجلسیں دلوں کو بیمار کر دیتی ہیں۔

☆ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت طاؤس تابعیؒ کو عصر کے بعد نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے انہیں منع کیا حضرت طاؤسؒ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت کی روایت کی تاویل پیش کی تو اس پر حضرت ابن عباسؓ نے سخت لہجہ میں ارشاد فرمایا:

ما ادری ایعذب ام یو جر لانَّ الله تعالیٰ یقول وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُه اَمْراً اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (مستدرک ج۱ ص۱۱۰)

میں نہیں جانتا کہ اس کو اس نماز پر سزا ملے گی یا اجر ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ: کسی مؤمن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کوئی فیصلہ کریں تو وہ اپنے خیال کو اس میں جگہ دیں۔

اس روایت میں آپ نے دیکھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے خلاف سنّت نماز پڑھنے پر بھی حضرت طاؤسؒ کو سزا کا

---

١ رواه اللالكائي في السنة [٩٢/١]

مستوجب گردانا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن دیلمیؒ کا ارشاد

۲۲۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الدَّيْلَمِيِّ , قَالَ: «إِنَّ أَوَّلَ ذَهَابِ الدِّينِ تَرْكُ السُّنَّةِ , يَذْهَبُ الدِّينُ سُنَّةً سُنَّةً , كَمَا يَذْهَبُ الْحَبْلُ قُوَّةً قُوَّةً»[1]

عبد اللہ بن دیلمیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ دین کے اٹھنے کی ابتدا سنّتوں کے چھوڑنے سے ہو گی، دین ایک ایک سنّت کر کے جاتا رہے گا، جیسے رسّی ایک ایک بل ٹوٹ کر جاتی رہتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کا ارشاد

۲۳۔ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَدْرَكَ السَّلَفَ الْأَوَّلَ ثُمَّ بُعِثَ الْيَوْمَ مَا عَرَفَ مِنَ الْإِسْلَامِ شَيْئًا , قَالَ: وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى خَدِّهِ ثُمَّ قَالَ: إِلَّا هَذِهِ الصَّلَاةَ , ثُمَّ قَالَ: أَمَا وَاللهِ مَا ذَلِكَ لِمَنْ عَاشَ فِي هَذِهِ النَّكْرَاءِ , وَلَمْ يُدْرِكْ هَذَا السَّلَفَ الصَّالِحَ , فَرَأَى مُبْتَدِعًا يَدْعُو إِلَى بِدْعَتِهِ , وَرَأَى صَاحِبَ دُنْيَا يَدْعُو إِلَى دُنْيَاهُ , فَعَصَمَهُ اللهُ عَنْ ذَلِكَ , وَجَعَلَ قَلْبَهُ يَحِنُّ إِلَى ذَلِكَ السَّلَفِ الصَّالِحِ , يَسْأَلُ عَنْ سَبِيلِهِمْ , وَيَقْتَصُّ آثَارَهُمْ , وَيَتَّبِعُ سَبِيلَهُمْ ؛ لِيُعَوَّضَ أَجْرًا عَظِيمًا , فَكَذَلِكَ فَكُونُوا إِنْ شَاءَ اللهُ "[2]

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی سلفِ اوّل کا زمانہ پائے اور پھر آج کے زمانے میں مبعوث ہو تو وہ اسلام میں سے کچھ بھی نہ پائے، راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی رخسار پر رکھتے ہوئے کہا سوائے اس نماز کے، پھر فرمایا اللہ کی قسم اسی طرح جو شخص منکرات میں زندہ رہا اور اس نے سلف صالحین کا زمانہ نہیں پایا اس نے بدعتی کو بدعت کی طرف بلاتے ہوئے دیکھا اور دنیا دار کو دنیا کی طرف بلاتے ہوئے دیکھا، لیکن اس نے اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائے رکھا، اور اپنے دل کو سلف صالحین کے طریقے کی طرف متوجہ رکھتے ہوئے ان کے طریقے کی جستجو کرتا رہا، اور

---

۱ سنن الدارمي (۸۵/۱)

۲ الاعتصام (۲۶/۱)

ان کے آثار اور طریقے کی تابعداری کرتا رہا تاکہ اسے اجر عظیم حاصل ہو، تو انشاء اللہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔

۲۴۔ قَالَ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَوْ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ مَا عَرَفَ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَيْهِ هُوَ وَأَصْحَابُهُ إِلَّا الصَّلَاةَ. قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: فَكَيْفَ لَوْ كَانَ الْيَوْمَ؟ قَالَ عِيسَى بْنُ يُونُسَ: فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ الْأَوْزَاعِيُّ هَذَا الزَّمَانَ؟[1]

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر آج (کے زمانے میں) رسول اللہ ﷺ تم لوگوں میں تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ سوائے نماز کے کسی بھی چیز پر امّت کو نہ پائیں جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ تھے۔ اس پر امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آج کا زمانہ دیکھتے تو کیا حال ہوتا؟ اور عیسیٰ ابن یونس فرماتے ہیں کہ آج اگر امام اوزاعیؒ ہی آجائیں تو ہمارے زمانے کے لوگوں کے بارے میں ان کا کیا تصوّر ہوتا۔؟

۲۵۔ قَالَ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ: "لِأَنْ أَرَى فِي الْمَسْجِدِ نَارًا لَا أَسْتَطِيعُ إِطْفَاءَهَا، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَرَى فِيهِ بِدْعَةً لَا أَسْتَطِيعُ تَغْيِيرَهَا"[2]

حضرت ابو ادریس خولانیؒ فرماتے ہیں ہیں کہ اگر میں مسجد میں آگ بھڑکتی ہوئی دیکھوں جس کے بجھانے کی میرے اندر طاقت نہ ہو تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہاں بدعت ہوتی ہوئی دیکھوں جس کے بدلنے کی مجھ میں سکت نہ ہو۔

۲۶۔ قَالَتْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: دَخَلَ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ غَضْبَانُ، فَقُلْتُ: مَا أَغْضَبَكَ؟ فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَعْرِفُ فِيهِمْ شَيْئًا مِنْ أَمْرِ مُحَمَّدٍ إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا.[3]

حضرت امّ الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو الدرداءؓ غصّہ کی حالت میں (گھر میں) داخل ہوئے، میں نے ان سے غصّے کی وجہ پوچھی کہ کس چیز نے آپ کو غضبناک کر دیا ہے؟ تو فرمانے لگے اللہ کی قسم آج لوگوں میں، میں امر محمد ﷺ میں سے کچھ بھی نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ سب نماز پڑھتے ہیں۔ (الاعتصام ج ۱ ص ۲۶)

حضرت ابو درداءؓ کے اس فرمان کو سامنے رکھیں اور آج کے زمانے کی حالات کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ اگر آج

---

۱ المرجع السابق (۲۶/۱)

۲ المرجع السابق (۸۲/۱)

۳ الاعتصام (۲۶/۱)

حضرت ابوالدرداءؓ ہماری حالت دیکھتے تو کیا وہ ہمیں مسلمان بھی سمجھتے ؟ جب کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت سے بھی آج ہم نابلد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا ارشاد

قول عبد الله بن مغفل رضی اللہ عنہ لابنه فی الجهر بالبسملة ایاک والحدث ولم یرادرجه تحت دلیل عام (احکام الاحکام ج۱ ص۵۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا برکت اور ثواب کا عمل ہے اور اس کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے لیکن اس کو ایک مخصوص ہیئت اور کیفیّت سے خاص اوقت کے اندر پڑھنا بدعت ہو جائے گا، علاّمہ ابن دقیق العیدؒ نقل کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ جہر سے بسم اللہ پڑھنے کی بدعت سے گریز کرنا۔(علاّمہ فرماتے ہیں) کہ اس کو عام دلیل کے تحت انہوں نے درج نہ کیا بلکہ اس کو بدعت کہا اور اس سے بچنے کی تلقین کی۔۔

حضرت عثمان بن العاصؓ کا ارشاد

حضرت عثمان بن العاصؓ کو ایک مرتبہ کسی نے ختنہ کی دعوت میں بلایا تو آپؓ نے انکار کر دیا، انکار کی وجہ پوچھی گئی تو صاف صاف فرمادیا:

انا کنا لا نأتی الختان علیٰ عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعیٰ له۔ (مسند احمد ج۴ ص۲۱۷)

کہ ہم لوگ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ختنوں میں نہیں جایا کرتے تھے اور نہ ہی ہمیں اس کے لئے دعوت دی جاتی تھی۔یعنی جو داعیہ اِس وقت ہے وہ اُس وقت بھی موجود تھا، لیکن اس کے باوجود نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اَمر فرمایا، اور نہ ہی صحابہ کرامؓ ایسے مواقع کے لئے دعوت کا انتظام کیا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ داعیہ کی موجودگی کے باوجو سنّت نہیں بلکہ بدعت ہو گا۔

بدعت اور اہل بدعت کی مذمّت اقوالِ تابعینؒ سے

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد تابعینؒ، ائمہ کرام اور فقہائے اسلام نے اعلیٰ درجہ کے فہم دین، اور ایسی عزیمت اور استقامت کا ثبوت دیا جو انبیا کرام کے جانشینوں کے شایان شان ہے، انھوں نے ہمیشہ اپنے زمانے کی بدعات کی بڑی سختی سے مخالفت کی، مبتدعین کا علمی و عملی مقاطعہ کیا، اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول، اور ان کے علمبر داروں کو باعزّت اور باوقار بننے سے روکنے کی کوشش کی، اور ان کو اہل علم کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے گرادیا۔

بالخصوص فقہائے احناف نے جو شدید احتساب کیا اور جس باریک بینی کے ساتھ اپنے زمانہ میں ہونے والی بدعات اور رسومات کی مخالفت کی، اور سنّت اور بدعات کے امتیاز کے لئے جو حکمت عملی اپنائی، اور فقہی احتیاطیں برتیں، وہ ان کی تفقّہ فی الدّین کی بہترین مثالیں ہیں۔

جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ بدعات کس تیزی اور سرعت سے معاشرے میں پھیلتی اور مقبولیّت حاصل کرلیتی ہیں وہ ان بزرگوں کی ہمّت، دلیری اور کامیابی کی داد دیں گے کہ کس طرح انھوں نے مخالفین کی مخالفت اور ان کے طعن و تشنیع کی پرواہ کئے بغیر ان بدعات کی بیخ کنی کی اور ان کو نیست و نابود کیا، ذیل میں ان کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابو العالیہؒ کا ارشاد

عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ: – رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى " تَعَلَّمُوا الْإِسْلَامِ، فَإِذَا تَعَلَّمْتُمُوهُ: فَلَا تَرْغَبُوا عَنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ: فَإِنَّهُ الْإِسْلَامُ، وَلَا تُحَرِّفُوا يَمِينًا وَلَا شِمَالًا، وَعَلَيْكُمْ بِسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ وَمَا كَانَ عَلَيْهِ أَصْحَابُهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْتُلُوا صَاحِبَهُمْ وَمِنْ قَبْلِ أَنْ يَفْعَلُوا الَّذِي فَعَلُوا، قَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَقْتُلُوا صَاحِبَهُمْ وَمِنْ قَبْلِ أَنْ يَفْعَلُوا الَّذِي فَعَلُوا، وَإِيَّاكُمْ وَهَذِهِ الْأَهْوَاءَ الَّتِي تُلْقِي بَيْنَ النَّاسِ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فَحُدِّثَ الْحَسَنُ بِذَلِكَ فَقَالَ: " رَحِمَهُ اللَّهُ، صَدَقَ وَنَصَحَ ".[1]

---

١ (المرجع السابق (١/٨٥) وهو في الحلية بمعناه (٢/٢١٨)۔ وسير أعلام النبلاء (٤/٢١٠)

حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ: اسلام کو سیکھو، اور جب اسے سیکھ لو تو پھر اس سے اعراض نہ کرو، اور سیدھے راستے کو لازم پکڑو جو کہ اسلام ہے، اور دائیں بائیں کے راستوں کی طرف انحراف نہ کرو، اور اپنے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور آپ کے صحابہ کی سنّتوں کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور اپنے آپ کو ان اھواء، بدعات اور خواہشات سے بچاؤ جو لوگوں کے درمیان عداوت، دشمنی اور بُغض پیدا کرتیں ہیں، حسن بصریؒ کے سامنے جب ان کی یہ بات بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے سچّی اور صحیح نصیحت کی۔

* قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ–رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: «مَا أَدْرِي أَيُّ النِّعْمَتَيْنِ أَفْضَلُ؟ أَنْ هَدَانِيَ اللهُ لِلْإِسْلَامِ، أَوْ عَافَانِي مِنْ هَذِهِ الْأَهْوَاءِ»[1]

اسی طرح ابو العالیہؒ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان دو نعمتوں میں سے کونسی افضل ہے؟ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت عطا فرمائی، یا یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ان اھواء یعنی خواہشات اور بدعات سے بچایا۔

حضرت سعیدؒ بن المسیّبؒ کا ارشاد

* ورأى سعيد بن المسيب رضي الله عنه رجلاً يصلي بعد ركعتي الفجر فنهاه. فقال الرجل "يا أبا محمد يعذبني الله على الصلاة؟ قال: لا، ولكن يعذبك على خلاف السّنة". انظر هذه الآثار في الباعث [۱۰۷–۱۰۹]

نماز پڑھنا کوئی گناہ کا کام نہیں لیکن شریعت اسلام نے اس کے لئے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں، ان حدود سے تجاوز کرنا شریعت کی مخالفت کرنا ہے، جس پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے پکڑ ہے۔ ایک شخص فجر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھا کرتا تھا، اس نے حضرت سعیدؒ بن المسیّبؒ سے پوچھا: اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے کی وجہ سے سزا دے گا؟ حضرت سعیدؒ بن المسیّبؒ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ تجھے سنّت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی مخالفت کی وجہ سے ضرور سزا دے گا۔

حضرت سعیدؒ بن المسیبؒ بھی یہی کچھ ارشاد فرمانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ نفس نماز پر اللہ تعالیٰ کسی کو سزا نہیں دے گا، کیونکہ وہ ایک عبادت ہے مگر ایسی نماز پر جس میں سنّت کی خلاف ورزی ہو، اللہ تعالیٰ ضرور سزا دیگا۔

---

۱ حلية الأولياء (۲۱۸/۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

*قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ –رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: سَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُلَاةُ الْأُمُورِ بَعْدِهِ سُنَنًا، الْأَخْذُ بِهَا تَصْدِيقٌ لِكِتَابِ اللهِ، وَاسْتِكْمَالٌ لِطَاعَةِ اللهِ، وَقُوَّةٌ عَلَى دِينِ اللهِ، لَيْسَ لِأَحَدٍ تَبْدِيلُهَا وَلَا تَغْيِيرُهَا، وَلَا النَّظَرُ فيما خالفها! من اقتدى بها فهو مُهْتَدٍ، وَمَنِ اسْتَنْصَرَ بِهَا فهو مَنْصُورٌ، وَمَنْ خَالَفَهَا وَاتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ، وَلَّاهُ اللهُ مَا تَوَلَّى، وَأَصْلَاهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔[1]

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے کچھ سنّتیں جاری فرمائی ہیں ۔اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے کچھ سنّتیں جاری فرمائی ہیں ان کا اعتبار کرنا، کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت الٰہی کی تکمیل، اور اللہ کے دین میں قوّت کا حاصل کرنا ہے، کسی طرح بھی ان میں تغیّر و تبدل کرنا جائز نہیں، اور نہ اس کے خلاف کسی چیز پر نظر کرنا جائز ہے۔ جو شخص ان سنّتوں پر عمل کرے گا، ہدایت پائے گا، اور جو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا چاہے گا اس کی مدد ہو گی اور جو ان سنّتوں کی خلاف ورزی کرے گا، اس نے مسلمانوں کے راستے سے الگ راستہ اختیار کر لیا، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو اس کی تجویز و اختیار پر چھوڑ دے گا، اور پھر جہنّم میں جلائے گا، اور جہنّم برا ٹھکانا ہے۔

*وَقَالَ–رَحِمَهُ اللهُ " وَاللهِ لَوْلَا أَنْ أُنْعِشَ سُنَّةً قَدْ أُمِيتَتْ، أَوْ أَنْ أُمِيتَ بِدْعَةً قَدْ أُحْيِيَتْ، لَكَرِهْتُ أَنْ أَعِيشَ فِيكُمْ فَوَاقًا ".[2]

اور آپؒ کا یہ بھی ارشاد ہے: بخدا! اگر میں کسی سنّت کو زندہ اور بلند نہ کر سکوں جو مِٹ چکی ہے، اور کسی بدعت کو مٹا نہ سکوں جو زندہ کر دی گئی ہے، (یا حق اور انصاف کی راہ پر چل نہ سکوں) تو میں ایک گھڑی بھی زندہ رہنا پسند نہیں کروں گا۔

*وَعَنْهُ–رَحِمَهُ اللَّهُ: أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ فِي كُتُبِهِ: ''إِنِّي أُحَذِّرُكُمْ مَا مَالَتْ إِلَيْهِ الْأَهْوَاءُ وَالزَّيْغُ الْبَعِيدَةُ ". وَلَمَّا بَايَعَهُ النَّاسُ؛ صَعِدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: " أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَيْسَ بَعْدَ نَبِيِّكُمْ نَبِيٌّ، وَلَا بَعْدَ كِتَابِكُمْ كِتَابٌ، وَلَا بَعْدَ سُنَّتِكُمْ سُنَّةٌ، وَلَا بَعْدَ أُمَّتِكُمْ أُمَّةٌ، أَلَا

---

۱ إغاثة اللهفان (۱/۱۵۹) والاعتصام (۱/۸۲)

۲ الاعتصام (۱/۳۳)

وَإِنَّ الْحَلَالَ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ حَلَالٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. أَلَا وَإِنَّ الْحَرَامَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. أَلَا وَإِنِّي لَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ وَلَكِنِّي مُتَّبِعٌ۔''[1]

اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں: کہ میں صاف صاف بتائے دیتاہوں جو بات میرے دل میں ہے اور جو اہم مقصد میرے پیش نظر ہے ،وہ یہ ہے کہ تم کتاب اللہ اور اس کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنّت کی پیروی کرو اور ان تمام امور سے اجتناب کرو، جن کی طرف نفسانی خواہشات اور فکری زیغ کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ جو شخص عملی زندگی میں کتاب وسنّت کو چھوڑ دیتاہے اسے دنیااور آخرت میں کبھی عزّت اور سربلندی نصیب نہ ہوگی۔

جب لوگوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور اور لوگوں کو خطبہ دیا،اس میں فرمایا : لوگو! تمہارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کوئی نبی نہیں،نہ اس کتاب کے بعد جو آپ پر نازل کی گئی ہے کوئی کتاب ہے۔جو چیزیں اللہ تعالیٰ اللہ نے اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زبان سے حلال ٹھرادیں وہ قیامت تک حلال رہیں گی،اور جن چیزوں کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زبانی حرام قرار دیا ہے وہ قیامت تک حرام رہیں گی۔میں کوئی نیا راستہ نہیں نکالوں گا،بلکہ پہلوں کے راستے پر چلوں گا۔

*وَعَنْهُ–رَحِمَهُ اللّٰهُ –أَيْضًا: «خُذُوا مِنَ الرَّأْيِ مَا يُصَدِّقُ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، وَلَا تَأْخُذُوا مَا هُوَ خِلَافٌ لَهُمْ ، فَإِنَّهُمْ خَيْرٌ مِنْكُمْ وَأَعْلَمُ»[2]

اور آپؒ نے یہ بھی فرمایا: میری اس رائے اور حکم کو قبول کرنا جس کی تصدیق تم سے پہلے لوگ کرتے ہوں،اور میرے کسی ایسے حکم کو مت اختیار کرنا جو ان کے طریقے کے خلاف ہو، پس بیشک وہ تم سے بہت بہتر اور زیادہ علم رکھنے والے تھے۔

*عَنْ أَبِي الصَّلْتِ، قَالَ: كَتَبَ رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَسْأَلُهُ عَنِ الْقَدَرِ، فَكَتَبَ: ''أَمَّا بَعْدُ، أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالِاقْتِصَادِ فِي أَمْرِهِ، وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَرْكِ

---

۱ المرجع السابق (۸۶/۱)

۲ الحلية (۲۷۰/۵)

مَا أَحْدَثَ الْمُحْدِثُونَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ، وَكُفُوا مُؤْنَتَهُ، فَعَلَيْكَ بِلُزُومِ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا لَكَ بِإِذْنِ اللهِ عِصْمَةٌ، ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يَبْتَدِعِ النَّاسُ بِدْعَةً إِلَّا قَدْ مَضَى قَبْلَهَا مَا هُوَ دَلِيلٌ عَلَيْهَا أَوْ عِبْرَةٌ فِيهَا، فَإِنَّ السُّنَّةَ إِنَّمَا سَنَّهَا مَنْ قَدْ عَلِمَ مَا فِي خِلَافِهَا وَلَمْ يَقُلْ ابْنُ كَثِيرٍ مَنْ قَدْ عَلِمَ مِنَ الْخَطَإِ وَالزَّلَلِ وَالْحُمْقِ وَالتَّعَمُّقِ، فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِيَ بِهِ الْقَوْمُ لِأَنْفُسِهِمْ، فَإِنَّهُمْ عَلَى عِلْمٍ وَقَفُوا، وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوا، وَهُمْ عَلَى كَشْفِ الْأُمُورِ كَانُوا أَقْوَى، وَبِفَضْلِ مَا كَانُوا فِيهِ أَوْلَى. فَإِنْ كَانَ الْهُدَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَقَدْ سَبَقْتُمُوهُمْ إِلَيْهِ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّمَا حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَا أَحْدَثَهُ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ وَرَغِبَ بِنَفْسِهِ عَنْهُمْ، فَإِنَّهُمْ هُمُ السَّابِقُونَ، فَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ بِمَا يَكْفِي، وَوَصَفُوا مِنْهُ مَا يَشْفِي، فَمَا دُونَهُمْ مِنْ مَقْصَرٍ، وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ مَحْسَرٍ، وَقَدْ قَصَّرَ قَوْمٌ دُونَهُمْ فَجَفَوْا، وَطَمَحَ عَنْهُمْ أَقْوَامٌ فَغَلَوْا، وَإِنَّهُمْ بَيْنَ ذَلِكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ، كَتَبْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْإِقْرَارِ بِالْقَدَرِ فَعَلَى الْخَبِيرِ بِإِذْنِ اللهِ وَقَعْتَ، مَا أَعْلَمُ مَا أَحْدَثَ النَّاسُ مِنْ مُحْدَثَةٍ، وَلَا ابْتَدَعُوا مِنْ بِدْعَةٍ هِيَ أَبْيَنُ أَثَرًا وَلَا أَثْبَتُ أَمْرًا مِنَ الْإِقْرَارِ بِالْقَدَرِ''[1]

حضرت ابی صلتؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی طرف ایک خط لکھا جس میں تقدیر کے بارے میں ان سے دریافت کیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کو جواب میں تحریر فرمایا:

أما بعد ، أوصيك بتقوى الله والاقتصاد في أمره واتباع سنّة نبيه صلى الله عليه وسلم وترك ما أحدث المحدثون بعد ما جرت به سنّته ، وكفوا مؤنته . فعليك بلزوم السنّة فإنّها لك – بإذن الله – عصمة . ثمّ اعلم أنّه لم يبتدع النّاس بدعة إلا قد مضى قبلها ما هو دليل عليها أو عبرة فيها ، فإنّ السنّة إنّما سنّها من قد علم ما في خلافها من الخطأ والزّلل والحمق والتعمق ، فارض لنفسك ما رضي به القوم لأنفسهم ، فإنهّم على علم وقفوا ، وببصر نافذ كفوا ، وهم على كشف الأمور كانوا أقوى ، وبفضل ما كانوا فيه أولى ، فإن كان الهدٰى ما أنتم عليه لقد

---

۱ ابو داؤد(۴/۲۰۲، ۲۰۳) رقم (۴۶۱۲)

سبقتموهم إليه ، ولئن قلتم : إنّما حدث بعدهم ، ما أحدثه إلا من اتبع غير سبيلهم ورغب بنفسه عنهم ، فإنهّم هم السابقون ، فقد تكلموا فيه بما يكفي ...) إلخ .[۱]

اللہ کی حمد وثناء کے بعد!

میں تجھے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے حکم میں میانہ روی اختیار کرنے، اور اس کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنّت کے اتباع کرنے کی وصیّت کرتا ہوں کہ اہل بدعت نے جو بدعات ایجاد کی ہیں ان کو چھوڑ دینا، کیونکہ سنّت اس سے قبل جاری ہے، اور اسے کافی سمجھو، بدعت کے ایجاد کی کیا ضرورت؟ تم سنّت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیرے لئے اس میں حفاظت ہے۔ جان لو کہ جو بدعت ایجاد ہوئی ہے، اس سے قبل وہ سنّت گزر چکی ہے جو اس پر دلیل ہو سکتی تھی، یا اس میں عبرت ہو سکتی ہے، کیونکہ سنّت ان پاک نفوس کی طرف سے آتی ہے جنھوں نے اس کے خلاف خطاء، لغزش، حماقت، اور تعمّق کو بغور دیکھ لیا تھا اور اس کو اختیار نہ کرو۔ لہٰذا تو بھی صرف اس چیز پر راضی رہ جس پر وہ قوم (یعنی صحابہ کرامؓ) راضی ہو چکی ہے، کیونکہ انہوں نے علم پر اطلاع پائی ہے، اور دور رس نگاہوں سے دیکھ کر بدعت سے اجتناب کیا ہے، اور وہ معاملات کی گہرائی تک پہنچنے پر قوی تر تھے، اور جس حالات پر وہ تھے، وہ افضل تر حالت تھی۔ سو اگر ہدایت وہ ہے جس پر تم گامزن ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان سے فضیلت میں بڑھ گئے (حالانکہ ایسا سمجھنا باطل اور مردود ہے۔)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے ایک مکتوب میں کتاب اور سنّت کی اتباع پر زور دیتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

جن لوگوں کے سامنے میرے اس خط کا ذکر آئے انہیں معلوم رہنا چاہیے کہ بخدا! یہ بات مجھے زیادہ محبوب ہو گی کہ میں سب سے پہلے مر جاؤں بہ نسبت اس کے کہ میں لوگوں کو ان کے رب کی کتاب اور ان کے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت کے علاوہ کسی اور چیز پر عمل کرنے کی اجازت دوں لوگ اس پر جئیں اور مریں تو اس پر مریں۔ میں چاہتا ہوں کہ کتاب و سنت کے اتباع کی حرص و اشتیاق پر میرا خاتمہ ہو۔ میرے نزدیک ایسے شخص کا تلف ہو جانا یا غمزدہ ہونا نہایت معمولی چیز ہے جس سے کتاب و سنت کی خلاف ورزی کی ذرا بھی توقع کی جائے یہی چیز تو ہے جس نے ہمیں پستی سے بلندی، بے قدری سے قدر و منزلت اور ذلّت سے عزّت بخشی۔ معاذ اللہ! کہ اب ہم اس کے بدلے کسی اور چیز کو قبول کریں: معاذ اللہ! کہ ہم

---

۱ انظر سنن أبي داود [۴۶۱۲]

اس کی پناہ کو چھوڑ کر کسی اور کی پناہ میں آئیں۔ جب تم اپنی مجلسوں میں گفتگو کرو یا ایک آدمی اپنے بھائی سے تنہائی میں بات چیت کرے تو صرف اسی چیز کا مذاکرہ ہونا چاہیے۔ جس کی میں نے تمہیں ترغیب دی ہے یعنی کتاب و سنت کا احیاء اور ان کے ماسوا کا ترک، کیونکہ حق کے بعد صرف باطل ہے بینائی کے بعد اندھا پن ہے، لوگوں کو ہدایت کے بعد گمراہی سے اور بینائی کے بعد اندھا پن سے ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ صالح علیہ السّلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ’’اور جو ثمود تھے۔ سو ہم نے ان کو راستہ دکھا دیا تھا۔ مگر انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی چنانچہ ان کی بداعمالیوں کی بدولت ان کو ذلت کے عذاب کی کڑک نے آدبوچا۔‘‘ بس جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرو اور اپنی ذات (اور اس کی دنیاوی شان و شوکت) کو میرے سامنے پیش نہ کرو کیونکہ الحمد للہ اس کے سوا میرے لیے مسرت کا کوئی سامان نہیں۔ بخدا! تم میں سے جو شخص کتاب و سنت کی خلاف ورزی کرتا ہو۔ اسے ذہن میں یہ بات ضرور رکھنی چاہیے کہ جس شخص کو تمہاری دنیا کی کوئی حاجت نہ ہو۔ جو تمہارے دینی زیغ کو برداشت کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ اور جس کے لیے بے مقصد چیزوں میں تمہارا جھگڑنا ناقابلِ برداشت ہو، وہ ایسے شخص کی خون ریزی میں نہایت جری ہو گا جو کتاب اللہ سے انحراف کرے جو دین سے کنارہ کشی کرے اور جو اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال دے۔ یہ میرے عزائم کا کچھ حصّہ ہے جو میں نے تمہارے سامنے واضح کر دیا۔ میں فوج اور فوج کے سربرآوردہ لوگوں سے کہتا ہوں کہ بخدا! تمہیں ناپسندیدہ روش ترک کرنی ہو گی اور بہترین مواعظ اور نصائح پر عمل درآمد کرنا ہو گا۔ انشاء اللہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی رحمت اور اپنے وسیع فضل کے صدقے ہدایت والوں میں اضافہ فرمائے اور گنہگار کو عافیت دے کر توبہ کی توفیق بخشے اور جو شخص اس کی کتاب اور اسے کے نبی ﷺ کی سنت کی مخالفت کا ارادہ رکھتا ہو اس کے بارے میں بہت جلد ایسا فیصلہ فرمائے جو اسے ٹھکانے لگا دے۔ یقیناً وہ اس پر قادر ہے اور میں اسی کی طرف التجا کرتا ہوں اور یہ کہ عامۃ الناس کا انجام بخیر کرے اور بدکاروں کے گناہ میں ہمیں نہ پکڑے۔

ایک بدعت کی اصلاح فرمانے کے لئے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ امراء لشکر کو لکھتے ہیں:

اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے امراء، افواج کے نام۔ اما بعد: لوگ جب تک کتاب اللہ کی پیروی کرتے رہیں گے تو دنیا میں ان کے دین و معاش میں بھی اور موت کے بعد اللہ کے دربار میں حاضری کے موقعہ پر بھی یہ ان کے لیے کارآمد ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ’’اے ایمان والو! آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔‘‘ حضرت محمد رسول اللہ پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں، برکتیں اور درود و سلام نازل ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم فرمایا: ’’اور آپ اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے

رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔'' (سورۂ محمد: ۱۹)

بہر حال مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر درود اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کا حکم فرمایا ہے، سُنا ہے کہ بعض واعظوں نے آنحضرت ﷺ اور مومنین کے لیے دعا و درود کے بجائے امراء و خلفاء پر درود پڑھنے کی بدعت ایجاد کرلی ہے، جب میرا یہ خط تمہیں پہنچے تو فوراً اپنے واعظوں سے کہو کہ وہ آنحضرت ﷺ پر درود پڑھا کریں، اور ان کی دعا و نماز کی طوالت اسی میں صرف ہونی چاہیے، بعد ازاں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں، ان کا سوال عام مسلمانوں کے لیے ہونا چاہیے۔ اس کے ماسوا اور جو دعائیں چاہیں کریں، ہم اللہ تعالیٰ سے تمام امور میں توفیق، بھلائی راہ راست اور اس کی رضاء اور پسندیدگی کے مطابق ہدایت کی درخواست کرتے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم والسلام۔

☆ سیدنا حضرت حسان تابعیؒ کا ارشاد ہے:

کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں ان سے سنّت اٹھالے گا اور پھر قیامت تک ان کو وہ سنّت واپس نہیں دے گا۔

☆ سیدنا شریحؒ فرماتے ہیں کہ:

سنّت تمہارے خیالات سے پہلے آچکی ہے اس لئے تم سنّت کا اتباع کرو بدعت اختیار نہ کرو، اگر تم نے سنّت کا دامن پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

اور امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ عنقریب ایسے لوگ ہونے والے ہیں جو ہر ایک بات اپنی اٹکل اور گمان سے کہیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام ٹوٹ جائے گا۔

☆ امام ابن سیرینؒ کا ارشاد:

قَالَ ابْنُ سِيرِينَ : ''مَا أَخَذَ رَجُلٌ بِبِدْعَةٍ فَرَاجَعَ سُنَّةً''[1]

امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی آدمی بدعت میں مبتلا ہوتا ہے تو سنّت اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔

---

۱ الدارمي (۱/۸۰)

صالح فرماتے ہیں کہ میں ابن سیرینؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور تقدیر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ گفتگو کرنے کے لئے کھولا، تو ابن سیرینؒ نے اس سے فرمایا کہ تو اٹھ جا، یا میں ہی اٹھ جاتا ہوں۔ ابن ابی مطیعؒ سے روایت ہے کہ ایک بدعتی نے کہا کہ آپ سے ایک کلمہ کہوں؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ آدھا بھی مت کہو۔

* قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ– رَحِمَهُ اللّٰهُ: '' لَمْ يَكُونُوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ، قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ ''[1]

فرمایا محمد بن سیرینؒ نے کہ پہلے وہ اسناد کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے، لیکن جب فتنہ واقعہ ہوا تو انہوں نے کہا: کہ تم رجال کے نام پیش کرو (یعنی اسناد پیش کرو) اہل سنّت کو دیکھ کر ان کی احادیث قبول کی جائیں، اور اہل بدعت کو دیکھا جائے اور ان کی احادیث مت قبول کی جائیں۔

* قَالَ مُجَاهِدٌ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ)–قَالَ: الْبِدَعُ وَالشُّبُهَاتُ''[2]

فرمایا مجاہدؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَلا تَتَّبِعُوا السُّبُل'': اور نہ تابعداری کرو سُبُل کی (یعنی دائیں بائیں کے راستوں کی) فرمایا مجاہدؒ نے اس سے مراد بدعات اور شبہات ہیں۔

* وَقَالَ–رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى –'' دَخَلْتُ أَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، جَالِسٌ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ، وَإِذَا نَاسٌ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَى، قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ " ثُمَّ قَالَ لَهُ: "كَمِ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: أَرْبَعًا''[3]

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عروہ بن زبیرؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرہ شریفہ کے پاس تشریف رکھتے ہیں اور کچھ لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں، ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ پھر ان سے کہا گیا کہ رسول

١ مسلم في المقدمة (١٥/١)

٢ الاعتصام (٥٨/١)

٣ البخاري–الفتح ٣ (١٧٧٥)۔ و مسلم (١٢٥٥)

اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کئے؟ فرمایا چار۔

چاشت کی نماز صحیح اسانید کے ساتھ متعدد صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، لیکن چونکہ آپ کے زمانۂ مبارک میں اجتماعی حیثیت کے ساتھ خاص اہتمام اس کے لئے نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ كَيْفَ مَا اِتَّفَقَ جہاں جہاں بھی کوئی ہوتا تھا وہاں ہی وہ نماز چاشت پڑھ لیتا تھا، اور یہ نفلی نماز ہے اور نفلی نماز کو بجائے مسجد کے گھر میں پڑھنے کی فضیلت حدیث میں زیادہ وارد ہوئی ہے، حضرت ابن عمرؓ نے جب لوگوں کو اس نماز کے لئے مسجدوں میں اس خاص اجتماع سے دیکھا تو ان کے اس فعل کو انہوں نے بدعت قرار دیا۔ حضرت ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کرکے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع واہتمام کرنا بدعت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ اصل سے چاشت کی نماز ہی بدعت ہے۔

* قَالَ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ — رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى — ثَلَاثٌ لَا تَبْلُوَنَّ نَفْسَكَ بِهِنَّ: «لَا تَدْخُلُ عَلَى السُّلْطَانِ وَإِنْ قُلْتَ آمُرُهُ بِطَاعَةِ اللهِ وَلَا تُصْغِيَنَّ بِسَمعِكَ اِلىٰ هَوِى فَاِنَّكَ لَا تدرى ما يَعلِقُ بِقَلبِكَ مِنه وَلَا تَدْخُلُ عَلَى امْرَأَةٍ وَإِنْ قُلْتَ أُعَلِّمُهَا كِتَابَ اللهِ.»[۱]

میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ: تین چیزوں کے ساتھ اپنے نفس کو آزمائش میں نہ ڈال۔ بادشاہ کے پاس مت داخل ہو، اگرچہ تم یہ کہو کہ میں اس کو اللہ کی اطاعت کا حکم دینے جارہا ہوں، اور ھوٰا اور خواہشات کی طرف اپنا کان مت لگا، پس بیشک تو نہیں جانتا کہ تیرا دل ان میں سے کس چیز کے ساتھ معلّق ہوجائے اور ان میں سے کون سی چیز تیرے دل میں اتر جائے، اور نہ داخل ہو (تنہائی میں اجنبی) عورت پر اگرچہ تو یہ کہے کہ میں اس کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دینے اور سکھلانے کے لئے جارہا ہوں۔

☆ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

* قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ — رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى — إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَشَعَّبَتْ بِهِمُ السُّبُلُ، وَحَادُوا عَنِ الطَّرِيقِ، فَتَرَكُوا الْآثَارَ وَقَالُوا فِي الدِّينِ بِرَأْيِهِمْ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.[۲]

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بیشک تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے جب متفرّق ہوگئے ان پر راستے، اور

---

۱ سیر آعلام النبلاء (۵/۷۷)

۲ الاعتصام (۱/۱۰۲)

ہٹ گئے وہ راستوں سے اور آثار کو چھوڑ دیا اور دین میں اپنی رائے زنی کی پس وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

* سُئِلَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ – رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى – عَنِ الصَّلَاةِ خَلْفَ صَاحِبِ الْبِدْعَةِ فَقَالَ: ((صَلِّ خَلْفَهُ وَعَلَيْهِ بِدَعَتُهُ))[1]

حسن بصریؒ سے بدعتی کے پیچھے نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو، فرمایا کہ اس کے پیچھے نماز پڑھو، اور اس کی بدعت کا وبال اس پر ہوگا۔

* وَقَالَ– رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى –''لَنْ يَزَالَ لِلّٰهِ نُصَحَاءُ فِي الْأَرْضِ مِنْ عِبَادِهِ، يَعْرِضُونَ أَعْمَالَ الْعِبَادَ عَلَى كِتَابِ اللهِ، فَإِذَا وَافَقُوهُ، حَمِدُوا اللهَ، وَإِذَا خَالَفُوهُ، عَرَفُوا بِكِتَابِ اللهِ ضَلَالَةَ مَنْ ضَلَّ، وَهُدَى مَنِ اهْتَدَى، فَأُولَئِكَ خُلَفَاءُ اللهِ۔''[2]

اور آپ رحمہ اللہ کا یہ بھی فرمانا ہے کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایسے لوگ رہیں گے جو لوگوں کی اصلاح کرتے رہیں گے، جو بندوں کے اعمال کو اللہ کی کتاب پر پیش کرتے رہیں گے، اگر ان کے اعمال اللہ کی کتاب کے موافق ہوں تو وہ اللہ کی حمد بیان کریں گے، اور جب ان کے اعمال اس کے خلاف پائیں گے تو اللہ کی کتاب سے گمراہوں کی گمراہی کو پہچانیں گے اور ہدایت یافتاؤں کی ہدایت کو، پس یہ (لوگ) اللہ کے خلفاء ہیں۔

* وَقَالَ– رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى – قَالَ لَا يَقْبَلُ اللهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً حَتَّى يَدَعَهَا۔''[3]

اور فرمایا اللہ رب العزّت بدعتی کا نہ توروزہ قبول فرمائیں گے اور نہ نماز، اور نہ حج اور نہ عمرہ جب تک کہ وہ بدعت کو چھوڑ نہ دے۔

* وَقَالَ: ''صَاحِبُ الْبِدْعَةِ لَا يَزْدَادُ اجْتِهَادًا، صِيَامًا وَصَلَاةً إِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللهِ بُعْدًا.''[4]

اور فرمایا بدعتی جتنا زیادہ روزہ اور نماز میں مجاہدہ کرتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔

---

١ ذكره الحافظ في فتح الباري (١٨٨/٢)

٢ الاعتصام (٣٣/١)

٣ الأمر بالاتباع (ص 78)

٤ الاعتصام (٨٢/٢)

* وَقَالَ ''لَا تُجَالِسْ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَإِنَّهُ يُمْرِضُ قَلْبَكَ''[1]

اور فرمایا کہ بدعتی کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔

* جَاءه رَجُلٌ يَسْأَلُه فَقَال (يَا أَبَا سَعِيْد مَا تَرٰى فِي مَجْلِسِنَا هٰذَا ؟ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ السُّنّـةِ وَالْجَمَاعَةِ لا يَطْعَنُوْنَ عَلٰى أَحَدٍ ، نَجْتَمِعَ فِي بَيْتٍ هٰذا يَوْماً وفي بيت هذا يوماً فنقرأ كتاب الله وندعوا ربّنا ونصلّي على النَّبي صَلّى الله عليه وسلَّم وَنَدْعُوْا لأنفسنا ولعامَةِ المُسْلِمِيْن ؟ فنهى الحسن عن ذلك أشد النّهي۔[2]

ایک آدمی آپؒ کے پاس سوال کرنے کے لئے آئے اور کہا اے ابو سعید ! آپ ہماری اس مجلس کے بارے میں کیا کہتے ہیں ؟ کہ ہم اہل سنّت والجماعت میں سے کچھ لوگ جو کسی پر طعن و تشنیع نہیں کرتے ، کبھی اس گھر میں اور کبھی اس گھر میں جمع ہوتے ہیں (یعنی مختلف گھروں میں مجلسیں منعقد کرتے رہتے ہیں جہاں) اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ تو حضرت حسن بصریؒ نے شدّت سے انہیں اس سے روکا اور منع فرمایا۔

☆ اور فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ پُل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنّت میں چلے جاؤ تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی طریقہ مت پیدا کرو۔

* قَالَ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا. ثُمَّ لَمْ يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.[3]

کہا حسان بن عطیہؒ نے کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی اپنے دین میں مگر اللہ تعالیٰ اسی قدر ان سے سنّت کو اٹھا لیتا ہے، پھر قیامت تک وہ سنّت ان کی طرف نہیں لوٹائی جاتی۔

☆ حضرت ایوب سختیانیؒ کا ارشاد

* قَالَ أَيُّوب: "مَا ازْدَادَ صَاحِبُ بِدْعَةٍ اجْتِهَادًا، إِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللهِ بُعْدًا".

---

۱ (المرجع السابق (۱/۸۳)

۲ (انظر البدع لابن وضاح [۴۸] .

۳ الدارمي (۱/۵۸) رقم (۹۸) و سنده صحيح

حضرت ایوبؒ فرماتے ہیں بدعتی جتنی زیادہ محنت، کوشش اور جدوجہد کرتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔

☆ اور فرمایا کہ میں طریقۂ نبوّت پر عمل کرنے والوں میں سے جب کسی کی موت کی خبر سنتا ہوں تو اس کا جانا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میرے بدن کا کوئی حصّہ جاتا رہا۔

☆ اور فرماتے تھے کہ عرب وعجم دونوں کی نیک بختی کے آثار میں سے یہ ہے کہ اللہ ان میں اہل سنّت کا عالم عطا فرما دے۔ (یعنی ایسا عالم ان کا پیشوا کرے جو طریقۂ رسالت کا عالم ہو، سنّت پر مستقیم ہو۔ اس زمانے میں لوگ عالم کی تعظیم و اقتدا کرتے تھے۔ اب تو ربّانی عالم کے دشمن ہو جاتے ہیں اور شیطانی، مکّار، جاہل اور طالب دنیا کی پیروی کرتے ہیں۔)

☆ حضرت ایوبؒ سے ایک بدعتی نے کہا اے ابو بکر! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، تو آپ نے اس سے منہ موڑتے ہوئے فرمایا کہ میں تجھ سے آدھی بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔

☆ حضرت یحیٰ بن کثیرؒ کا ارشاد

* قَالَ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ: ''إِذَا لَقِيتَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فِي طَرِيقٍ فخذ في طريقٍ آخَرَ.''[1]

حضرت یحیٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہاری راستے میں کسی بدعتی سے ملاقات ہو تو تم دوسرا راستہ اختیار کرلو۔ (یہ اس لئے کہ تاکہ بدعتی سے اظہار ناخوشی ہو، اور اس سے ملاقات کی صورت میں اس کی تعظیم لازم نہ آئے۔)

☆ حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

صاحب بدعت سے بات چیت مت کرو، نہ اس سے بحث ومباحثہ کرو، اندیشہ ہے وہ تمہارے دل میں فتنہ کا بیج ڈال دے گا۔

* قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ –رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى– ''اصْبِرْ نَفْسَكَ عَلَى السُّنَّةِ وَقِفْ حَيْثُ وَقَفَ الْقَوْمُ وَقُلْ بِمَا قَالُوا وَكُفَّ عَمَّا كَفُّوا وَاسْلُكْ سَبِيلَ سَلَفِكَ الصَّالِحِ فَإِنَّهُ يَسَعُكَ مَا وَسِعَهُمْ''[2]

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اپنے نفس کو طریقۂ سنّت پر تھامے رکھو اور وہاں کھڑے رہو جہاں

---

۱ الاعتصام (۱/۸۴)

۲ اللالكائي في شرح السنة (۱/۱۵۴)

صحابہ کرامؓ ٹھہرے رہے، اور جہاں انہوں نے کلام کیا وہاں تو کلام کر، اور رکے رہو اس چیز سے جس سے وہ رکے رہے، اور اپنے دین کے سلف صالحین (صحابہؓ) کے راستے پر چلتے رہو، کیوں کہ جہاں ان کی سمائی ہوئی تیری بھی سمائی ہو گی۔(یعنی تو بھی جنّت عالیہ میں ان کے ساتھ پہنچ جائے گا۔

☆ حضرت سالم بن عبیدؒ کا طرز عمل

حضرت سالم بن عبیدؒ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اسے چھینک آئی تو اس نے کہا کہ السّلام علیکم۔ حضرت سالمؒ نے اس سے فرمایا، وَعَلَیکَ وَعَلیٰ اُمِّكَ، (تجھ پر بھی سلام ہو اور تیری ماں پر بھی) **فکاَنّ الرّجل وَجَدَ فی نفسه فقال اما انّی لم اقل الا مَا قال النّبی** ﷺ۔(ترمذی ج۲ ص۹۸) اس شخص کو یہ بات ناگوار گزری اور ناراض ہوا ، حضرت سالمؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے صرف وہی بات کہی ہے جو پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی تھی تو اس نے اس پر کہا "السّلام علیکم" پیارے پیغمبر ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا عَلَیکَ وَعَلیٰ اُمِّكَ، اور پھر فرمایا کہ یاد رکھو! جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہے۔

یعنی شریعت مطہّرہ نے جس مقام کے لئے جو چیز تجویز کی ہے اسے اسی مقام پر رکھا جائے اس کے اندر کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے کیونکہ یہ تشریع جدید اور تبدیل دین ہے، جس کا نام دوسرے الفاظ میں بدعت ہے۔

☆ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ آثار اور طریقہ صالحین پر جم جاؤ، ہر ایک نئی بات سے بچو کہ وہ بدعت ہے۔

☆ امام صاحب بصرہ کے ایک عالم دین علامہ عثمان البتی کو ان کے لکھے ہوئے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں سنو! کہ:

جو چیز اللہ عزّوجلّ سے دوری کا باعث ہو وہ شرعی طور پر عذر نہیں بن سکتی، اور یہ کہ کوئی انسان اپنی بنائی ہوئی باتوں سے کبھی راہ ہدایت اور صداقت نہیں پا سکتا، شرعی طور پر کلمۂ حق اور قولِ فیصل اگر کوئی چیز بن سکتی ہے تو وہ صرف تین چیزیں ہیں۔(۱) قرآنی ہدایت (۲) سنّت رسول ﷺ (۳) اصحاب رسول اللہ ﷺ کا عمل۔

اس کے علاوہ سب کچھ بندوں کی ایجاد ہے، اور ایک لحاظ سے بدعت کی تعریف میں آتی ہیں۔(امام اعظم کی وصیتیں ص۳۰)

☆ امام اعظمؒ اپنی آخری بیماری میں اپنے احباب اور شاگردوں کو وصیّت فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جان لو! علم عقائد میں طبقۂ اہل سنّت والجماعت کا رکن شمار کئے جانے کے لئے بارہ(۱۲) خصلتیں یا نشانیاں ہیں، اور جو شخص ان عادات اور خصلتوں کو اپنے اندر پیدا کرے گا اور پھر ان پر مستقل مزاجی سے قائم رہے گا، وہ کبھی اہل بدعت اور طبقۂ ھوا وہوس میں سے نہ ہوگا۔

میرے دوستو اور بھائیو تم لازمی طور پر ان عادات اور خصلتوں کو اختیار کرو تا کہ قیامت کے دن پیارے پیغمبر ﷺ کی شفاعت کے حصّہ دار بن سکو اور دنیا میں اللہ کی مدد اور نصرت کی ہوئی جماعت اہل سنّت والجماعت میں شامل ہو جاؤ۔

(۱) ایمان کی حقیقت اور اس کے ارکان،(یعنی زبان سے اقرار اور دل سے یقین اور اعمال کا بجالانا)۔(۲) ایمان اور عمل کا تعلق(۳) اچھی اور بری تقدیر کا حکم (۴) اللہ تعالیٰ کا عرش پر استوٰی (یعنی اللہ کا عرش پر مستوی ہونا) (۵) قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا(۶) امّت میں افضل ترین شخص سیّدنا حضرت ابو بکر الصدیقؓ، اس کے بعد حضرت عمر الفاروقؓ اس کے بعد حضرت عثمان ذو النّورین اور اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔(۷) انسان اپنے تمام اوصاف سمیت مخلوق ہے۔(۸) انسان کے عمل کرنے کی طاقت عمل سے پہلے ہے یا بعد میں(۹) موزوں پر مسح کرنا (۱۰) اللہ تعالیٰ نے قلم سے صحیفۂ تقدیر لکھو حشر میں جمع کیا جانا۔

بدعت اور اہل بدعت کی مذمّت

اقوالِ آئمہ مجتہدین سے

☆ حضرت امام ابویوسفؒ کا ارشاد

حضرت امام ابویوسفؒ کا ارشاد ہے دین کے بارے میں شک لڑائی، کج بحثی اور جدال چھوڑ دو، اس لئے کہ دین بالکل واضح ہے، خدا نے اس کے فرائض بھی مقرر کر دیئے ہیں اور اس کی سنّتیں بھی، اور اس کی تمام حدود بھی مقرر فرما دی ہیں، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام کر دیا ہے، جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ - (المائدہ:۳)

تم اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو، قرآن کی محکم یعنی واضح آیات پر عمل کرو، اور جو مُتَشَابِہ آیات ہیں ان پر ایمان اور یقین رکھو، اس کے اندر جو مثالیں ہیں ان سے عبرت حاصل کرو، صحابہ کرام نے ایمانیات میں کبھی قیل و قال نہیں کیا، انہوں نے خدا کے تقویٰ اور اس کی اطاعت پر بس کیا، انہوں نے سنّت متواترہ کو مضبوط پکڑ لیا تھا، اور مُبتدعین نے جو نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔[1]

☆ حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد

* قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ: (البِدْعَةُ أَحَبُّ إِلى إِبْلِيسَ مِن المعصيَة، المعصيَةُ يُتَابُ منها، والبِدْعَةُ لا يتُابُ منها)[2]

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کو گناہ کی نسبت بدعت زیادہ پسند ہے، کیونکہ گناہ سے تو گناہ سمجھ کر توبہ

---

۱ (تبع تابعين ص۸۶)

۲ تلبيس إبليس (ص۱۳).

کی جاتی ہے۔(یعنی گناہ کو گناہ گار بھی گناہ سمجھتا ہے اس لئے توبہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے) مگر بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ ہی نہیں کی جاتی کیونکہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ: **اَلْبِدْعَةُ شَرٌّ مِنَ الْمَعْصِيَةِ**۔ کہ بدعت گناہ سے بھی زیادہ بری ہے اور اس پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک آدمی جس کا نام عبد اللہ تھا اور حمار کے لقب سے مشہور تھا جو پیارے پیغمبر ﷺ پر ہنستا تھا اور بہت زیادہ شراب پیتا تھا، پیارے پیغمبر ﷺ نے اس پر حد جاری کی، صحابہؓ میں سے کسی نے اس پر لعنت کی تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمایا کہ اس پر لعن طعن نہ کرو، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

شراب پینا گناہ ہے لیکن جب صحیح اعتقاد کے ساتھ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ محبت کرتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کی اس محبت کی گواہی دی اور اس پر لعن طعن سے منع کر دیا۔

☆ اور فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے علم سنا تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کو نفع نہ دے گا، اور جس نے بدعتی سے مصافحہ کیا تو اس نے اسلام کو صدمہ پہنچایا۔

(**وَقَالَ سُفْيَانَ أَيْضًا: دَعِ الْبَاطِلَ۔ أَيْنَ أَنْتَ عَنِ الْحَقِّ؟ اتَّبِعِ السُّنَّةَ وَدَعِ الْبِدْعَةَ**)[1]

اور اسی طرح سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ باطل کو چھوڑو۔ تم حق پر کہاں ہو گے

(جب تم باطل سے کنارہ کشی اختیار نہ کرو گے) اس لیئے سنّت کی تابع داری اختیار کرو اور بدعت کو چھوڑو۔

اور فرماتے تھے کہ کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو، اور کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنّت کے مطابق نہ ہو۔

☆ حضرت امام مالکؒ کا ارشاد

* **قَالَ ابْنُ الْمَاجِشُونِ – رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى –: سَمِعْتُ مَالِكًا – رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى – يَقُولُ: "مَنِ ابْتَدَعَ فِي الإسلام بدعة يراها حسنة فقد زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ، لأَنَّ اللهَ يَقُولُ: {اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ} فَمَا لَمْ يَكُنْ يومئذٍ دِينًا، فلا يكون اليوم ديناً.**[2]

---

۱ شرح السنة للبغوي (۲۱۷/۱) وذكره في الأمر بالاتباع (ص ۸۳)

۲ المرجع السابق (۴۹/۱)

ابن ماجشونؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے تو وہ گویا یہ دعوٰی کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذاللہ امانت ورسالت (کی ادائیگی) میں خیانت کی، (اور وہ اس طرح کہ یہ بدعتی عبادات، اعتقادات اور اقوال واعمال کے بارے میں ایسی باتیں بیان کرتا ہے جس کے بارے میں اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور قرب حاصل ہوتا ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ ہمیں ضرور اس کے بارے میں بتاتے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے کوئی ایسا عمل خیر نہیں چھوڑا جس کے بارے میں ہمیں بتایا نہ ہو، اور کوئی ایسا شر نہیں چھوڑا جس سے ہمیں روکا نہ ہو۔ جب کہ یہ بدعت کا ارتکاب کرنے والا یہ کہہ کر کہ یہ عمل باعث اجر وثواب ہے اور اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، تو اس طرح وہ پیارے پیغمبر ﷺ کی امانت ودیانت پر تہمت لگاتا ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ۔۔ آج میں نے تم پر تمہارا دین مکّمل کر دیا۔

اس لئے امام دار الہجرت حضرت انس بن مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز اس زمانے میں دین نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

* **قَالَ مَالِكٌ: ''بِئْسَ الْقَوْمُ هَؤُلَاءِ أَهْلُ الأَهْوَاءِ لَا يُسَلَّمُ عَلَيْهِمْ''.**[1]

فرمایا امام مالکؒ نے: خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے (یعنی بدعتی گمراہ وبدکردار لوگ) برے لوگ ہیں خود انہیں سلام نہ کیا جائے، اور ان سے دور رہنا بہتر ہے۔

☆ اشہب فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ فرماتے تھے بدعات سے بچو۔ عرض کیا گیا کہ بدعتیوں میں کون کون داخل ہیں فرمایا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی صفات علم کلام وغیرہ میں فضول گفتگو کرتے ہوں اور جن مسائل سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعینؒ خاموش رہے ہیں ان میں خاموش نہ رہتے ہوں وہ بدعتی ہیں۔

☆ فرمایا اگر کوئی شخص شرک سے محفوظ رہنے کے بعد گناہوں میں مبتلا ہو جائے لیکن گمراہی، اور بدعتوں میں مبتلا نہ ہو اور صحابہؓ کی شان میں گستاخی نہ کرے تو اس کی نجات کی قوی امید ہے۔

---

۱ ذكره في الأمر بالاتباع (ص ۸۳) وعزاه لشرح السنة

* قَالَ أَصْبَغُ – تِلْمِيذُ الإِمَامِ مَالِكٍ – رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى – لِمَنْ سَأَلَهُ عَنْ دُعَاءِ الْخَطِيبِ لِلْخُلَفَاءِ الْمُتَقَدِّمِينَ: '' هُوَ بِدْعَةٌ وَلَا يَنْبَغِي الْعَمَلُ بِهِ، وَأَحْسَنُهُ أَنْ يَدْعُوَ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً. قِيلَ لَهُ: دُعَاؤُهُ لِلْغُزَاةِ وَالْمُرَابِطِينَ؟ قَالَ: ''مَا أَرَى بِهِ بَأْسًا عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ، وَأَمَّا أَنْ يَكُونَ شَيْئًا يَعْمُدُ لَهُ فِي خُطْبَتِهِ دَائِمًا، فَإِنِّي أَكْرَهُ ذَلِكَ.''[1]

حضرت امام مالکؒ کے تلمیذ رشید اصبغؒ نے فرمایا اس سائل کے جواب میں جس نے خطیب کے خلفائے متقدمین کے لئے دعا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تھا، تو فرمایا کہ یہ بدعت ہے، اور اس پر عمل کرنا مناسب نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ عمومی طور پر تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے، پھر ان سے پوچھا گیا کہ غازیوں اور مرابط (یعنی وہ لوگ جو سرحدات پر حفاظت کا پہرہ دیتے ہیں) ان کے لئے۔؟ فرمایا جب اس کی ضرورت ہو تو میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا۔ لیکن خطبہ میں کسی ایک ہی چیز کا ہمیشہ اہتمام کرنے کو میں مناسب نہیں سمجھتا۔

* كَانَ مَالِكٌ كَثِيْرًا مَا يُنْشِدُ:

وَخَيْرُ أُمُوْرِ الدِّيْنِ مَا كَانَ سُنَّةً
وَ شَرُّ الأُمُوْرِ الْمُحْدَثَاتُ الْبَدَائِعُ[2]

امام مالک رحمۃ اللہ کثرت سے یہ شعر پڑھا کرتے تھے:
یعنی دین کی وہ چیز سب سے بہتر ہے جو سنّت سے ثابت ہے:
اور بدترین کام دین میں ایجاد کردہ بدعات ہیں۔

* وذكر ابن وضاح أن الإمام مالكاً وغيره من علماء المدينة كانوا يكرهون إتيان تلك المساجد وتلك الآثار للنبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة ما عدا قباء وأحداً.

ابن وضاح بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ اور مدینہ منوّرہ کے دیگر علماء کرام مدینہ منوّرہ کی مساجد اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے آثار کی زیارت کے لئے جانے کو پسند نہیں کرتے تھے سوائے مسجد قُباء اور اُحد کے۔

---

۱ الاعتصام (۲۷/۱، ۲۸)

۲ المرجع السابق (۸۵/۱)

* وروی ابن وضاح بإسناده عن الإمام مالك أنه سئل عن قراءة { قُلۡ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ } مراراً في ركعة ، فكره ذلك وقال (هذا من محدثات الأمور التي أحدثوها) .[1]

اور ابن وضاح یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ امام مالکؒ سے جب یہ پوچھا گیا کہ سورۃ اخلاص (قل ھو اللہ احد) کا ایک رکعت میں بار بار پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے اسے اچھا نہیں سمجھا اور فرمایا کہ یہ دین میں نئی نکالی ہوئی چیزوں میں سے ہے جو انھوں نے نکالی ہے۔

جَاءَ رجل إلى الإمام مَالك بن أنس – رحمه الله – فَقَالَ من أَيْن احرم؟ فَقَالَ من الْمِيقَات الَّذِي وَقت رَسُول الله (صلى الله عَلَيْهِ وَسلم) وَأحرم مِنْهُ. فَقَالَ الرجل: فَإِن أَحرمت من أبعد مِنْهُ؟ فَقَالَ مَالك: لَا أرى ذَلِك. فَقَالَ مَا تكره من ذَلِك؟ قَالَ أكره عَلَيْك الْفِتْنَة. قَالَ: وَأي فتْنَة فِي ازدياد الْخَيْر؟ فَقَالَ مَالك: فَإِن الله تَعَالَى يَقُول { فَلۡيَحۡذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنۡ أَمۡرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمۡ فِتۡنَةٌ أَوۡ يُصِيبَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ } [سُورَة النُّور: ٦٣] وَأي فتْنَة اعظم من أَنَّك خصصت بِفضل لم يخْتَص بِهِ رَسُول الله (صلى الله عَلَيْهِ وَسلم)

ایک آدمی حضرت امام مالک بن انسؒ کے پاس آئے اور پوچھا کہ میں احرام کہاں سے باندھوں؟ تو آپ نے فرمایا اس میقات سے جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی ہے اور آپ ﷺ نے وہاں سے احرام باندھا ہے، اس آدمی نے کہا کہ اگر میں اس سے دور سے احرام باندھوں (اور میقات سے نہ باندھوں) تو؟ امام مالکؒ نے فرمایا میں اس کو ٹھیک نہیں سمجھتا، اس نے کہا اس میں تمھیں کون سی چیز اچھی نہیں لگتی؟ آپ نے فرمایا کہ میں تم پر فتنہ کا اندیشہ رکھتا ہوں، اس نے کہا نیک اور اچھے کام کی زیادتی میں کونسا فتنہ ہے؟ تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار (دردناک عذاب) نہ آن پڑے۔ اور اس سے بڑا اور فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ تم اپنے لئے وہ چیز مخصوص کرو، (اور اسے زیادہ باعث اجر وثواب سمجھو) جو رسول اللہ ﷺ نے مخصوص نہ کی ہو۔

---

١ انظر البدع لابن وضاح [٩٢-٩٤]

☆ حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد

الإمام الشافعي رحمه الله . قال الإمام أحمد عنه (ما رأيت أحداً أتبع للأثر من الشافعي)[۱].

حضرت امام شافعیؒ: امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ کسی کو اثار (صحابہ) کا تابع نہیں دیکھا۔

* وقال أبو ثور (ما تركنا بدعتنا حتى رأينا الشافعي)[۲]

ابو ثور فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی بدعتوں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا تھا جب تک کہ ہم نے امام شافعیؒ کو دیکھ نہ لیا۔

* وروى بإسناده عن الربيع قال: سمعت الشافعي يقول (رأيي ومذهبي في أصحاب الكلام أن يضربوا بالجريد ويجلسوا على الجمال ويطاف بهم في العشائر والقبائل وينادى عليهم: هذا جزاء من ترك الكتاب والسّنّة وأخذ في الكلام)[۳].

اور ربیع سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا، کہ میری رائے اور مذہب یہ ہے کہ جو لوگ اہل کلام ہیں انہیں کھجور کی ٹہنیوں کے ساتھ مارا جائے، اور اونٹوں پر بیٹھا کر مختلف خاندانوں اور قبائل میں پھرایا جائے اور یہ اعلان کروایا جائے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنّتوں کو چھوڑ کر کلامیہ عقیدہ اختیار کرتے ہیں ان کی یہ سزا اور بدلہ ہے۔

* وقوله (إذا وجدتم لرسول الله صلى الله عليه وسلم سنّة فاتبعوها ولا تلتفتوا إلى قول أحد)[٤].

اور آپ کا ارشاد ہے جب تم رسول اللہ ﷺ کی سنّت پاؤ تو اس کی تابعداری کرو اور کسی اور کے قول کی

---

١ حلية الأولياء [٩/١٠٠]

٢ الحلية [٩/١٠٣]

٣ الحلية [٩/١١٦].

٤ انظر الحلية [٩/١٠٧]

طرف متوجہ نہ ہو۔

☆ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے: اگر میں کسی بدعتی کو ہوا میں بھی اڑتا دیکھ لوں، تو بھی اس کو ہرگز قبول نہ کروں۔

☆ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس نے کوئی نئی بات ایجاد کی اور وہ کتاب و سنّت یا قول و فعل صحابہؓ یا اجماع کے مخالف ہو، وہ ضلالت ہے۔ اور جو ایسی نہیں ہے تو وہ بری نہیں۔

* قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقُولُ لأَنْ يَلْقَى اللّٰهَ الْعَبْدُ بِكُلِّ ذَنْبٍ مَا خَلا الشِّرْكَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَلْقَاهُ بِشَيْءٍ مِنْ هَذِهِ الأَهْوَاءِ

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات اس حال میں ہو کہ سوائے شرک کے اس کے پاس ہر طرح کے گناہ ہوں تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کی ملاقات اھواء اور بدعات کے ساتھ ہو۔

☆ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد

روى اللالكائي في السنة [۱/۱۵۶] بإسناده عنه أنه قال (أصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم والاقتداء بهم وترك البدع ، وكل بدعة فهي ضلالة ...) .

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ:

ہمارے نزدیک سنّت کا اصول یہ ہے کہ اس چیز کو اختیار کیا جائے جس پر پیارے پیغمبر ﷺ کے صحابہ کرامؓ تھے اور ان کی اقتداء کرنا، اور بدعات کا ترک کرنا، اور ہر بدعت کا کہ وہ گمراہی ہے۔

☆ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کو سلام کرنے والا گویا ان سے دوستی رکھتا ہے (اس لئے انہیں سلام بھی نہ کرو۔)

☆ ابو بکر مروزی فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو بلند مرتبہ کس چیز سے ملا؟ تو فرمایا صدق سے۔ (یعنی ان کا ظاہر و باطن ایک ہو اور سنّت کے مطابق ہو)

☆ حضرت لیث بن سعدؒ کا ارشاد

حضرت لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

اگر میں کسی بدعتی کو دیکھوں کہ پانی پر چلتا ہے، تب بھی اس کو قبول نہ کروں گا۔

امام شافعیؒ نے جب امام لیثؒ کا یہ کلام سنا، تو فرمایا کہ آپ نے پھر بھی کم کہا ہے، میں تو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھوں تو تب بھی اسے قبول نہ کروں۔

بدعت اور اہل بدعت کی مذمّت اقوالِ علمائے امّت، اہل اللہ اور حضراتِ صوفیائے کرام سے

بدعات و محدثات ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے اکثر حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی پناہ لیتے ہوئے ان بدعات کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں پر بدعات کی مذمّت اور اتباع سنّت کے لئے علمائے امّت صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کے فرمودات اور ارشادات کو بھی نقل کیا جاتا ہے، تاکہ عوام الناس اہل بدعت کے اس دھوکے سے بچ سکیں کہ اہل طریقت اور حضرات صوفیاء کرام بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے۔

☆ امام طریقت حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد

* قَالَ فُضَيْلَ بْنُ عَيَّاضٍ – رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى –: مَنْ جَلَسَ إِلَى صَاحِبِ بِدْعَةٍ فَاحْذَرُوْهُ۔ وَقَالَ: مَنْ أَحَبَّ صَاحِبَ بِدْعَةٍ أَحْبَطَ اللهُ عَمَلَهُ وَأَخْرَجَ نُورَ الْإِسْلَامِ مِنْ قَلْبِهِ۔[1]

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے اس سے بچو۔ اور فرمایا جو کسی بدعتی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے نیک اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتے ہیں۔ (اسی سے اندازہ لگائیں کہ بدعتی سے محبّت کرنے پر یہ وعید ہے تو جو آدمی خود بدعت کا ارتکاب کرنے والا ہے اس کا کیا حال ہو گا)

* وَقَالَ: إِذَا رَأَيْتَ مُبْتَدِعاً فِي طَرِيْقٍ فَخُذْ فِي طَرِيْقٍ آخَرَ، وَلَا يَرْفَعُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ إِلَى اللهِ – عَزَّ وَجَلَّ – عَمَلٌ، وَمَنْ أَعَانَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ۔[2]

اور فرماتے ہیں کہ جب تم کسی بدعتی کو راستے میں دیکھو تو اپنا راستہ بدل لو اور دوسرا راستہ اختیار کرو۔ اور فرماتے

---

۱ تلبيس إبليس (ص۱۴)

۲ المرجع السابق نفسه، والصفحة نفسها

تھے کہ بدعتی کا کوئی بھی عمل اللہ کی بارگاہ میں بلند نہیں کیا جاتا، اور جس نے کسی بدعتی کی اعانت کی تو خوب یادرکھو اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (۱۱) تلبیس ابلیس ص ۱۵)

* وَقَالَ: مَنْ زَوَّجَ كَرِيمَتَهُ مِنْ مُبْتَدِعٍ فَقَدْ قَطَعَ رَحِمَهَا"[1]

اور فرمایا کہ جس نے اپنی لڑکی کی شادی کسی بدعتی سے کی تو اس نے قرابت پدری کا ناطہ اس سے توڑ لیا۔

وَقَالَ: "إِذَا عَلِمَ اللهُ مِنْ رَجُلٍ أَنَّهُ مُبْغِضٌ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ رَجَوْتُ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُ سَيِّئَاتِهِ"[2]

اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جس بندہ کو جانتا ہے کہ جو اہل بدعت کے ساتھ بغض اور دشمنی رکھتا ہے تو میں اللہ کی ذات سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ اس کے گناہوں اور سیّاٰت کو بخش دے گا خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہوں۔

* وَقَالَ: "اتَّبِعْ طُرُقَ الْهُدَى وَلَا يَضُرُّكَ قِلَّةُ السَّالِكِينَ، وَإِيَّاكَ وَطُرُقَ الضَّلَالَةِ وَلَا تَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ الْهَالِكِينَ"[3]

اور فرمایا کہ ہدایت والے راستے کی تابعداری اختیار کرو، اگرچہ اس پر چلنے والوں کی تعداد کم ہو مگر یہ کمی تیرے لئے کوئی نقصان دہ نہیں۔ اور گمراہوں کے راستے پر چلنے سے بچو (اگرچہ اس پر چلنے والوں کی تعداد زیادہ ہو کیونکہ ان کا انجام ہلاکت اور تباہی ہے) اور ہلاکت میں پڑنے والوں کی کثرت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔

* وَقَالَ: "مَنْ جَلَسَ مَعَ صَاحِبِ بِدْعَةٍ لَمْ يُعْطَ الْحِكْمَةَ"[4]

اور فرمایا کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اس کو حکمت (یعنی دینی معرفت) نہیں دی جاتی۔

* وَقَالَ: "مِنْ عَلَامَةِ الْبَلَاءِ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ صَاحِبَ بِدْعَةٍ"[5]

اور فرمایا کہ کسی کا بدعتی ہونا (اور بدعت میں مبتلا ہونا) اس آدمی کی بدبختی کی علامت ہے۔

☆ اور فرماتے تھے کہ اہلِ بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کر دئے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ

---

۱ المرجع السابق نفسه، والصفحة نفسها

۲ تلبيس إبليس (ص ۱۴)

۳ الاعتصام (۱/۸۳)

٤ الاعتصام (۱/۸۳)

٥ الحلية (۸/۱۰۸)

اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے۔ اور جو شخص اہلِ بدعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے، خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہوں۔

☆ حضرت ابو بکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

* قَالَ أَبُو بَكْرٍ التِّرْمِذِيُّ- رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى-: ''لَمْ يَجِدْ أَحَدٌ تَمَامَ الْهِمَّةِ بِأَوْصَافِهَا إِلَّا أَهْلُ الْمَحَبَّةِ، وَإِنَّمَا أَخَذُوا ذٰلِكَ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ وَمُجَانَبَةِ الْبِدْعَةِ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَعْلَى الْخَلْقِ كُلِّهِمْ هِمَّةً، وَأَقْرَبَهُمْ زُلْفَى''[۱]

سیدنا ابو بکر ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

کمالِ ہمّت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہلِ محبّت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اور یہ درجہ ان کو محض اتباعِ سنّت اور ترکِ بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ صاحبِ ہمّت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے۔

ہمّت اصطلاحِ صوفیہ میں تصرّف اور توجہ کو کہتے ہیں، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیّل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے، اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو، مگر پیارے پیغمبر ﷺ سے تصرّف اور ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحۃً ثابت نہیں۔ اس لئے غالباً اس جگہ ہمّت کے لغوی معنیٰ مراد ہیں، یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی۔ واللہ اعلم

☆ حضرت ابو الحسن ورّاق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

* وَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْوَرَّاقُ- رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى-: ''لَا يَصِلُ الْعَبْدُ إِلَى اللهِ إِلَّا بِاللهِ، وَبِمُوَافَقَةِ حَبِيبِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَرَائِعِهِ، وَمَنْ جَعَلَ الطَّرِيقَ إِلَى الْوُصُولِ فِي غَيْرِ الِاقْتِدَاءِ، يَضِلُّ مِنْ حَيْثُ يظن أَنَّهُ مُهْتَدٍ''[۲]

---

۱ الاعتصام (9219،۹۲/۱)

۲ المرجع السابق (۹۲/۱)

حضرت ابوالحسن وراقؒ فرماتے ہیں کہ:

بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور اس کے حبیب ﷺ کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سوائے اقتداء رسول کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے، وہ ہدایت حاصل کرنے کی خاطر گمراہ ہو گیا۔

☆ حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

* سُئِلَ إِبْرَاهِيمُ الْخَوَّاصُ –رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى–: عَنِ الْعَافِيَةِ؟ فَقَالَ: "الْعَافِيَةُ أَرْبَعَةُ أَشْيَاءَ: دِينٌ بِلَا بِدْعَةٍ، وَعَمَلٌ بِلَا آفَةٍ، وَقَلْبٌ بِلَا شُغْلٍ، وَنَفْسٌ بِلَا شَهْوَةٍ".

ابراہیم الخواصؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: عافیت چار چیزیں ہیں۔(۱) دین بغیر بدعت کے،(۲) اور عمل بغیر آفت کے،(یعنی بدعات و مخترعات کے بغیر) (۳) اور قلبِ فارغ جس کو(غیر اللہ) کا شغل نہ ہو، (۴) اور نفس جس میں شہوت کا غلبہ نہ ہو۔

اور فرمایا کہ: علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے، بلکہ عالم صرف وہ شخص ہے جو اپنے علم کا متبع ہو، اور اس پر عمل کرے، اور سنّت نبوی ﷺ کی اقتدا کرے اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو۔

اور فرمایا کہ (حقیقی) صبر یہ ہے کہ احکام کتاب و سنّت پر مضبوطی سے قائم رہے۔

☆ حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت ابراہیم بن شیبانؒ جو حضرت ابراہیم خواصؒ اور حضرت ابو عبد اللہ مغربی کے اصحاب میں سے ہیں، بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے کتاب و سنّت کے طریقے پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ ائمہ متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے، یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن منازلؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبانؒ تمام فقراء اور آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجّت ہیں۔

☆ حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت جنیدؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے اصحاب میں سے تھے فرماتے ہیں

کہ: زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے، جن کو ان کی عقلیں مستحسن (یعنی اچھا) سمجھتی تھیں، پھر پیارے پیغمبر ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا، پس عقل سلیم وہی ہے جو محسنات شرعیہ کو اچھّا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔

☆ حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کئے، مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباعِ علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا، اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں پڑ جاتا، بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (مگر وہ اختلاف جو تجرید توحید میں ہو کہ وہ رحمت نہیں) اور اتباع صرف اتباع سنّت کا نام ہے (کیونکہ علمِ سنّت کے علاوہ دوسری چیز علم کھلانے کے مستحق نہیں)۔

☆ ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن میں تشریف لائے، شہر میں ان کی ولایت وبزرگی کا چرچا ہوا، حضرت ابویزید بسطامیؒ نے بھی زیارت کا قصد کیا، اور اپنے ایک رفیق سے کہا چلو اس بزرگ کی زیارت کر آویں۔

ابویزید اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان تشریف لے گئے، یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو جانب قبلہ میں تھوک دیا، ابویزید یہ حالت دیکھتے ہی وہیں سے واپس ہوگئے اور ان کو سلام بھی نہ کیا، اور فرمایا کہ یہ شخص نبی کریم ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب کو نہیں ادا کر سکتا تو اِس سے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ابویزید کا ارشاد ایک اصل عظیم ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنّت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا، اگرچہ ترک سنّت بوجہ ناواقفیت کے ہوئی ہو۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ جو شخص علانیہ ترکِ سنّت اور احداثِ بدعت پر مصر ہو اس کو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے۔؟

☆ حضرت ابو محمد بن عبد الوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں جو صواب اور درست ہوں اور صواب و درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص (اس کے لئے ہوں) اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں جو سنّت کے مطابق

ہوں۔

☆ حضرت ابویزیدؒ

نیز حضرت ابویزیدؒ کا ارشاد ہے کہ: اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو، یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑنے لگے تو اس سے ہر گز دھوکہ نہ کھاؤ اور اس کی بزرگی وولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظتِ حدود اور آدابِ شریعت کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے۔

☆ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے، مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ عادل گواہ کتاب و سنّت ہیں۔

☆ حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ :

سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دارو گیر کسی شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے، فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہو گیا ہے (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے وہ اس کا ماتحت اور تحت القدرت ہو، یا یہ یقین ہو کہ ہماری وہ بات مان لے گا، وغیرہ ذٰلك) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا، اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اس کو نجات ہو جاوے گی۔

☆　نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے اس کو اپنا قصور اور مردان راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں، کیونکہ یہی حضرات اہل سنّت ہیں۔

☆ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ :

کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللّٰہ حاصل کرتے ہیں، حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میں تو ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تو اپنے اختیار سے اعمال برِّ (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرّہ بھی کم نہ کروں، ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں تو دوسری بات ہے۔

☆ اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں، وہ سب کے سب بجز اتباعِ آثار رسول اللہ ﷺ کے تمام مخلوق پر بند کر دئے گئے، (یعنی بغیر اقتداء رسول اللہ ﷺ کے کوئی شخص ہر گز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو دعوٰی کرے وہ کاذب ہے۔

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب و سنّت کے ساتھ مقیّد ہے۔

☆ نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ نہ کرے، اور حدیث رسول ﷺ کو نہ لکھے اس معاملہ (یعنی تصوّف) میں اس کی اقتداء نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنّت کے ساتھ مقیّد ہے اور فرمایا کہ حدیث رسول ﷺ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابو الحسین نووی رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں جس کو تم دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدّعی ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے باہر نکال دے تو تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

☆ حضرت محمد بن فضل بلخیؒ رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے۔ ایکؔ یہ کہ لوگ علم پر عمل نہ کریں، دوسرؔے یہ کہ علم کے خلاف عمل کریں، تیسرؔے یہ کہ جس چیز کا علم ہو اس کو حاصل نہ کریں، چوتھے یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے، اور ہمارے زمانے کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہو گیا

ہے۔

☆ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے رسول کا سب سے زیادہ متّبع ہو۔

☆ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو محارم سے محفوظ رکھّے، اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے، اور باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے، اور ظاہر کو اتباعِ سنّت سے آراستہ کرے، اور اپنے نفس کو اکلِ حلال کی عادت ڈالے، تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

☆ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔

☆ حضرت ابو العبّاس ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ :

جو سیّد الطائفہ حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر آداب الٰہیہ کو لازم کرلے ، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نورِ معرفت سے منوّر فرما دیتا ہے اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ واشرف نہیں ہے کہ بندہ اللہ کے حبیب ﷺ کے اوامر اور اخلاق میں ان کا متبع ہو، نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے ربّ سے غافل ہو اور یہ کہ اس کے آداب معاملہ سے غافل ہو۔

☆ حضرت بنان حمّال رحمۃ اللہ علیہ :

سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے؟ فرمایا(چار چیزیں) اوّل یہ کہ جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے، اس میں اس پر اعتماد و توکّل کرنا، (یعنی رزق) دوسؔرے احکام الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہنا، تیسؔرے قلب کی حفاظت (لایعنی تفکرات سے)، چوتھے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذاتِ حق کی طرف رکھنا۔

☆ حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے، اس پر چلنا بھی سہل و آسان ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ

تک پہنچانے والے راستے کے لئے کوئی رہبر ورہنما بجز سنّت رسول اللہ ﷺ کے احوال وافعال واقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

☆ حضرت ابواسحاق رقاشی رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبّت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی متابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے اور دلیل اس کی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** ۔

فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

☆ حضرت ممشاد دنیوری رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام وعظمت کا التزام کرے اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے۔

☆ حضرت ابو علی روزباری رحمۃ اللہ علیہ :

سے کسی نے ذکر کیا، بعض صوفیاء غِناء مزامیر سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا ہے کہ وہ پہنچ گیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ تک نہیں جہنّم تک۔

☆ حضرت ابو عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ :

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضے کو ضائع کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرما دیتے ہیں، اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے ، وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے

☆ حضرت امام عبد اللہ بن مبارکؒ کی بدعت سے نفرت

حارث جو ان کے اصحاب اور تلامذہ میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک مبتدع کے ہاں کھانا کھالیا، حضرت عبد اللہ بن مبارک کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اب میں ایک مہینہ تک تم سے

بات نہیں کروں گا۔

☆ حضرت ابو عثمان نیسابوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

قَالَ أَبُو عُثْمَانَ النَّيسَابُورِيُّ –رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى–: ''مَنْ أَمَّرَ السُّنَّةَ عَلَى نَفْسِهِ قَوْلًا وَفِعْلًا; نَطَقَ بِالْحِكْمَةِ، وَمَنْ أَمَّرَ الْهَوَى عَلَى نَفْسِهِ قَوْلًا وَفِعْلًا; نَطَقَ بِالْبِدْعَةِ; قَالَ اللهُ تَعَالَى: {وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا} [النور: ۵۴].

حضرت ابو عثمان نیسابوریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنّت کو حاکم بنادے گا، وہ حکمت کے ساتھ گویا ہو گا، اور جو قول و فعل میں خواہشات واہوا کو حاکم بنائے گا، وہ بدعت کے ساتھ گویا ہو گا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا۔ یعنی اگر تم نبی کریم ﷺ کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤ گے۔

☆ اور فرماتے تھے کہ:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیّت اور صحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے، ایک حسنِ ادب، دوسرے دوام ہیبت، تیسرے مراقبہ، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحبت و معیّت، اتباعِ سنّت اور ظاہر شریعت کے احترام کے ساتھ ساتھ اولیاء اللہ کی صحبت و معیّت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔

آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا تو صاحبزادہ نے بوجہ شدّت غم والم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، ابو عثمان نے آنکھ کھولی اور فرمایا بیٹا! ظاہر اعمال میں خلاف سنّت کرنا یہ باطن میں ریاء ہونے کی علامت ہے۔

☆ حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

وَقَالَ ذُو النُّونِ الْمِصْرِيُّ– رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى–:''إِنَّمَا دَخَلَ الْفَسَادُ عَلَى الْخَلْقِ مِنْ سِتَّةِ أَشْيَاءَ. الْأَوَّلُ: ضَعْفُ النِّيَّةِ بِعَمَلِ الْآخِرَةِ، وَالثَّانِي: صَارَتْ أَبْدَانُهُمْ مُهَيَّئَةً لِشَهَوَاتِهِمْ، وَالثَّالِثُ: غَلَبَهُمْ طُولُ الْأَمَلِ مَعَ قِصَرِ الْأَجَلِ، وَالرَّابِعُ: آثَرُوا رِضَاءَ الْمَخْلُوقِينَ عَلَى رِضَاءِ اللهِ، وَالْخَامِسُ: اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَنَبَذُوا سُنَّةَ نَبِيِّهِمْ ﷺ۔ وَالسّادِسُ: جَعَلُوا زَلَّاتِ السَّلَفِ حُجَّةً لِأَنْفُسِهِمْ، وَدَفَنُوا أَكْثَرَ مَنَاقِبِهِمْ''

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں۔

پہلا یہ کہ عمل آخرت کے متعلق ان کی ہمّتیں اور نیّتیں ضعیف ہو گئی ہیں،

دوسرے یہ کہ ان کے اجسام ان کی خواہشات کا گھوارہ بن گئے ہیں،

تیسرے یہ کہ ان پر طولِ اَمل غالب آ گیا، یعنی دنیوی سامان میں قرنوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، حالانکہ عمر قلیل ہے،

چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضاء کو حق تعالیٰ شانہ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی سنّت کو چھوڑ بیٹھے۔

چھٹے یہ کہ مشائخ سلف اور بزرگانِ متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہو گئی تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنالیا اور ان کے فعل کو اپنے لئے حجّت سمجھا اور ان کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔

اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی محبّت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور سنن میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کیا جائے۔

☆ ایک شخص کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا کہ:

تمھیں چاہئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو، اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع فرمایا ہے اس کے پاس بھی نہ جاؤ، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود سکھایا ہے وہ بہت بہتر ہے اس طریقے سے جو تم خود اپنے لئے ایجاد کرو اور اس کو زیادہ باعث اجر وثواب سمجھو، جیسے بعض لوگ سنّت کے خلاف رہبانیّت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے، اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے اس سے بچے۔

☆ حضرت ذوالنّون مصری کے پاس محدثین علماء میں سے کچھ لوگ آئے، اور ذوالنّون سے نفسانی خطرے اور شیطانی وساوس کو دریافت کیا (یعنی اس کی کیا حقیقت ہے)، تو شیخ ذوالنّون نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں کوئی گفتگو نہیں کرتا کیوں کہ ایسی گفتگو نئی نکالی ہوئی (بدعت) ہے۔ تم مجھ سے کچھ نماز سے یا حدیث سے متعلق پوچھو۔

☆ ذوالنّون نے اپنے بیٹے کو سرخ موزہ پہنے دیکھ کر فرمایا کہ اے فرزند یہ شہرت کی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پہنا بلکہ آپ ﷺ نے سادہ سیاہ موزے پہنے ہیں۔

☆ شیخ بندار بن حسینؒ: فرماتے ہیں:

صُحْبَۃُ اَھْلِ البدع تورث الاعراض عن الحق۔

اہل بدعت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حق سے دوری پیدا کر دیتا ہے۔

☆ حضرت خواجہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ:

(۷۲۵ھ) فرماتے ہیں: بدعت از معصیت بالاتر است، وکفر از بدعت بالاتر، بدعت بہ کفر نزدیک است۔ کہ بدعت کا درجہ معصیّت سے اوپر ہے، اور کفر کا درجہ بدعت سے اوپر، لیکن بدعت کفر سے نزدیک ہے۔ (البتہ اثر کے لحاظ سے یہ کفر سے بھی زیادہ خطرناک منزل ہے)۔ (فوائد الفوائد ص ۱۰۹)

☆ حضرت اسلم بن الحسین باروسیؒ:

فرماتے ہیں کہ جس پر بھی نور ایمان سے کچھ ظاہر ہوا وہ محض اتباع سنّت اور بدعت کی مخالفت واجتناب سے ہوا، اور جس جگہ تم ظاہری مجاہدہ، محنت اور کوشش زیادہ دیکھو، مگر اس میں نورانیّت ظاہر نہ ہو تو سمجھو کہ یہاں کوئی بدعت چھپی ہوئی ہے۔ (نفحات الانس ص ۱۵۸)

☆ حضرت ابو علی جوازنی رحمۃ اللہ علیہ:

سے کسی نے سوال کیا کہ اتباع سنّت کا طریقہ کیا ہے، فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جن پر علمائے اسلام کے صدرِ اوّل کا اجماع ہے اور ان کی اقتداء کو لازم سمجھنا۔

☆ نیز فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک نیّتی کی علامت یہ کہ اس پر خدا اور رسول کی اطاعت آسان ہو جائے اور اس کے افعال مطابق سنّت کے ہو جائیں اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جائے، اور اپنے احباب واخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو، اور خلق اللہ کے لئے اس کا نیک سلوک عام ہو اور مسلمانوں کی غم خواری اس کا شیوہ ہو اور وہ اپنے اوقات کی نگہداشت کرے (یعنی ضائع ہونے سے بچائے)۔

☆ احمد بن ابی حواریؒ کا ارشاد

* سُئِلَ أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الْحَوَارِيّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى-: عَنْ الْبِدْعَةِ؟ فَقَالَ: ''التَّعَدِّي فِي الْأَحْكَامِ، وَالتَّهَاوُنُ فِي السُّنَنِ، وَاتِّبَاعُ الْآرَاءِ وَالْأَهْوَاءِ، وَتَرْكُ الِاتِّبَاعِ وَالِاقْتِدَاءِ''[1]

احمد بن الحواریؒ سے بدعت کے بارے میں سوال کیا گیا؟ پس فرمایا احکام میں تعدّی اور سنن میں کمی، اور آراء، خواہشات اور بدعات کا اتباع، اور سلف کی اتباع واقتداء کا ترک۔

اور فرماتے ہیں کہ: جو شخص کوئی عمل بلا اتباعِ سنّت کرتا ہے اس کا عمل باطل ہے۔

☆ علّامہ ابن تیمیہؒ کا ارشاد

* قَالَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ – رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى – :''وَالْعِبَادَاتُ مَبْنَاهَا عَلَى الشَّرْعِ وَالِاتِّبَاعِ، لَا عَلَى الْهَوَى وَالِابْتِدَاعِ؛ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ مَبْنِيٌّ عَلَى أَصْلَيْنِ: أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَحْدَهُ، وَأَنْ نَعْبُدَهُ بِمَا شَرَعَهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْبُدُهُ بِالْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ.

فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَعْبُدَ اللهَ إِلَّا بِمَا شَرَعَهُ رَسُولُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَاجِبٍ وَمُسْتَحَبٍّ، لَا أَنْ نَعْبُدَهُ بِالْأُمُورِ الْمُبْتَدَعَةِ''[2]

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں عبادات کی بنیاد شریعت اور اتباع پر ہے، نہ کہ خواہشات اور بدعات پر، پس بیشک اسلام کی بنیاد دو اصولوں پر ہے، ان میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں۔ اور دوسرے یہ کہ ہم اس کی عبادت کریں اس طریقے پر جو اس نے اپنے رسول ﷺ کی زبان پر مشروع فرمایا ہے، نہ کہ خواہشات اور بدعات کے طریقے پر۔

پس نہیں ہے کسی ایک کے لئے مناسب اور سزاوار کہ وہ اللہ کی عبادت کرے، مگر اس طریقے پر جو اس کے رسول ﷺ نے مشروع فرمایا ہے واجبات اور مستحبات میں سے، نہ کہ ہم اس کی عبادت کریں اپنی خواہشات اور نئے نئے

---

۱ المرجع السابق (۹۰/۱)

۲ (الفتاوی (۸۰/۱) بتصرف

ایجاد کردہ طریقوں اور بدعات کے ساتھ۔

☆ علامہ ابن قیمؒ کا ارشاد

* ''اَلْقُلُوْبُ إِذَا اشْتَغَلَتْ بِالْبِدَعِ أَعْرَضَتْ عَنِ السُّنَنِ''[1]

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ قلوب (دل) جب بدعات کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں تو سنتّوں سے اعراض اور پہلو تھی برتی جاتی ہے۔

☆ حضرت علامہ شاطبیؒ کا ارشاد

* قَالَ الشَّاطِبِيُّ –رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى– :فانّ الخير كلّه فى الاتّبَاع والشّر كله فى الابتداع۔

علامہ ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ: بھلائی ساری کی ساری اتباع میں ہے، اور برائیوں کی جڑ ابتداع (یعنی مسائل گھڑنے) میں ہے۔

نیز علامہ ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ:

تم جان لو کہ بدعت کے ساتھ نہ نماز قبول ہوتی ہے نہ روزہ اور نہ صدقہ اور نہ کوئی نیکی۔ صاحبِ بدعت کے پاس بیٹھنے والے سے اللہ کی حفاظت اُٹھ جاتی ہے اور وہ شخص اپنے نفس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ بدعتی کے پاس جانے والا اس کی تعظیم کرنے والا اسلام کو گرانے میں مدد کرنے والا ہے تو صاحبِ بدعت کے بارے میں کیا گمان ہو گا۔ وہ بدعتی شریعتِ مطہرہ کی نظر میں ملعون ہے اور جوں جوں عبادت کرے اللہ سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ بدعت عداوت اور بغض پیدا کرنے والی ہے اور ان سنّتوں کو اُٹھانے والی ہے جو ان بدعات کے بالمقابل ہوں۔ اور اس کے موجد پر ان کا گناہ بھی ہے جو اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ شفاعتِ محمّدیہ سے محروم کرنے والی ہے۔ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ بدعتی پر ذلّت اور خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ بدعتی قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے حوضِ کوثر سے دُور رکھا جائے گا۔ بدعتی پر خطرہ ہے کہ کہیں کفّار میں شمار نہ پائے اور ملّت سے نہ نکل جائے۔ اور بدعتی کے سوءِ خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔ اور ڈر ہے کہ بدعتی کا چہرہ آخرت میں سیاہ ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے بدعتی سے براَت ظاہر کر دی ہے اور اس سے اہل اسلام بھی بَری ہیں۔ بدعتی پر

---

۱ إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان (۱/۲۱۳)

دُنیامیں فتنہ کا خطرہ ہے اور آخرت میں عذاب کی زیادتی کا ڈر ہے۔(نعیاذ باللہ)

☆ حضرت شیخ موفق الدینؒ:

فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کی کتابوں کو دیکھنا منع ہے، اکابرین اہل بدعت کی صحبت سے روکتے اور ان کی کتابوں کو دیکھنے اور ان کی باتوں کو سننے سے منع فرماتے تھے۔

☆ علامہ برکلی الحنفیؒ:

فرماتے ہیں: تم جان لو کہ فعل بدعت ترک سنّت سے زیادہ نقصان دہ ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب کوئی حکم سنّت اور بدعت کے درمیان وارد ہو تو اس کا ترک کرنا ضروری ہو گا۔

☆ علامہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ: لکھتے ہیں:

جس نے بھی کوئی چیز ایجاد کی اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا جب کہ اس کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ راجع ہو تو وہ گمراہی ہے، اور دینِ اسلام اس سے بری ہے ،خواہ وہ ایجاد کردہ چیزیں اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال ظاہرہ و باطنہ۔ رہا سلف کے کلام میں بعض بدعات کے حسن کا ثبوت تو (یاد رکھو کہ) وہ حسن لغوی بدعات میں ہے نہ کہ شرعی بدعات میں۔(المنہاج الواضح ص۱۵۷)

☆ علامہ جلال الدّین سیوطیؒ: لکھتے ہیں:

اہل بدعت کے مختلف گروہوں نے باطل اعتقادات قائم کر لئے اور قرآن کریم سے اپنی باطل آراء پر استدلال کر کے اپنی مرضی پر اس کو ڈھال لیا، حالانکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام میں ان کا کوئی بھی پیش رو نہیں، نہ رائے میں اور نہ ہی تفسیر میں، آگے چل کر لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ کہ جس نے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے مذاہب اور ان کی تفسیر سے اعراض کیا، اور اس کے خلاف کو اختیار کیا تو وہ شخص خطاکار بلکہ مبتدع ہو گا کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے معانی کو زیادہ جانتے تھے جیسا کہ وہ اس حق کو زیادہ جانتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے رسول برحق ﷺ کے ذریعہ بھیجا تھا۔

☆ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ :

ایک حدیث پاک کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اتباع جیسے فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں بھی اتباع ہو گا، سو جس نے کسی ایسے کام پر ہمیشگی کی جو شارع علیہ السلام نے نہیں کی تو وہ بدعتی ہو گا۔ ایسا ہی حضراتِ محدّثین نے بھی فرمایا ہے۔

☆ حضرت لیث بن سعدؒ:

فرماتے تھے کہ اگر میں بدعتی کو دیکھوں کہ وہ ہوا پر اڑتا پھرتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کروں۔

☆ حضرت ہشام بن عروہؒ :

(۱۴۶ھ) فرماتے ہیں لوگوں سے یہ نہ پوچھو کہ تم نے یہ کیا بدعات ایجاد کیں ہیں، کیونکہ انہوں نے اس کے لئے ایک جواب تیار کر لیا ہے، لیکن ان سے سنّت کے بارے میں دریافت کرو کیونکہ وہ سنّت کے بارے میں نہیں جانتے۔

☆ حضرت سفیان بن عینیہؒ :

(۱۹۸ھ) فرماتے ہیں جو شخص بدعتی کے جنازے کے ساتھ جائے تو جب تک واپس نہ آجائے اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر لعنت فرمائی ہے۔

☆ حضرت امام غزالیؒ:

(۵۰۵ھ) اہل بدعت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو بدعتی اپنی بدعت کی طرف دوسروں کو بلائے، اگر اس کی بدعت ایسی ہے جس سے کفر لازم آئے تو اس کا معاملہ ذمّی سے بڑھ کر ہے، اور اگر ایسی بدعت ہو کہ اس سے کفر لازم نہ آتا ہو تو اس کا معاملہ جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے کافر کی نسبت زیادہ خفیف ہے۔

☆ محمد بن سہل البخاریؒ :

فرماتے ہیں کہ ہم لوگ امام غزالیؒ کے پاس تھے انھوں نے بدعتیوں کی مذمّت شروع کی، تو ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہم کو حدیث سناتے تو ہم کو زیادہ پسند تھا۔ امام غزالیؒ یہ سن کر بہت غصہ ہو گئے، اور فرمایا کہ

بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔ (تلبیس ابلیس ص۳۸)

☆ امام ابن امیر الحاجؒ:

(۷۳۷ھ) فرماتے ہیں: جس کام کو نبی کریم ﷺ یا کسی صحابی نے نہ کیا ہو بلاشبہ اس کا نہ کرنا ہی افضل ہو گا اور اس کا کرنا بدعت مانا جائے گا۔

ایک اور مقام پر ایک بدعت کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمہارے اسلاف کا یہ طریقہ نہ تھا، حالانکہ وہی سبقت کرنے والے پیشوا ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے، ہم تو محض ان کی متابعت کرنے والے ہیں، ہمارے لئے اسی حد تک کسی فعل کی گنجائش ہے جہاں تک ان کے لئے تھی اور خیر و برکت اور رحمت انہی کے اتباع میں ہے۔

☆ علاّمہ حافظ ابن کثیرؒ:

اہل سنّت والجماعت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ اہل سنّت کے نزدیک جو قول و فعل جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو تو اس کا کرنا بدعت ہے، کیونکہ اگر وہ کام اچھا ہوتا تو ضرور صحابہ کرامؓ ہم سے پہلے اس کام کو کرتے، اس لئے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خصلت کو نہیں چھوڑا جس میں وہ سبقت نہ لے گئے ہوں۔ (الاعتصام ص۱۸۸)

☆ حضرت ابو ادریس خولانیؒ کا ارشاد ہے:

ما احدثت امة فی دینها بدعة الا رفع الله بها عنهم سنة۔

جب بھی کوئی امت اپنے دین میں کوئی نئی بات یعنی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے سنّت اٹھا لیتے ہیں ۔یعنی بدعت اور احداث ایک ایسا مذموم عمل ہے کہ اس کے وجود میں آنے اور معاشرہ میں پھیلنے کی وجہ سے امت سنّت جیسی اہم عبادت کی برکات سے محروم ہو جاتی ہے۔

☆ حضرت سہل بن عبد اللہ تستریؒ :

فرماتے ہیں کہ : بندہ جو فعل بغیر اقتداءِ رسول ﷺ کے کرتا ہے، خواہ وہ اطاعت ہو یا معصیت، وہ عیشِ نفس

ہے، اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے، وہ نفس پر عتاب اور مشقّت ہے۔ کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء و اتباع میں نہیں ہو سکتی اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ھواء سے بچیں۔

نیز فرمایا کہ ہمارے (صوفیائے کرام کے) سات اصول ہیں، ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، دوسرے سنّت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اقتداء، تیسرے اکلِ حلال (یعنی کھانے، پینے اور استعمال کرنے میں حرام اور ناجائز چیز کے استعمال سے اجتناب،) چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا، پانچویں گناہوں سے بچنا، چھٹے توبہ، اور ساتویں ادائے حقوق۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عالی ظرفی کیا چیز ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اتباعِ سنّت۔

☆ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ:

سے کسی نے دریافت کیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ**۔ مجھ سے دعائیں مانگو میں قبول کروں گا، اسمیں دعا قبول فرمانے کا وعدہ ہے، مگر ہم بعض کاموں کے لئے زمانۂ دراز سے دعا کر رہے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے قلوب مر چکے ہیں، اور مردہ دل کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اور دل کے مردہ ہونے کے دس اسباب ہیں:

(۱) یہ کہ تم نے حق تعالیٰ شانہ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔

(۲) تم نے کتاب اللہ کو پڑھا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔

(۳) تم نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ محبّت کا دعویٰ تو کیا، مگر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنّتوں کو چھوڑ بیٹھے۔

(۴) شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔

(۵) تم کہتے ہو کہ ہم جنّت کے طالب ہیں، مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے، اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کیں۔ اس ارشاد میں حضرت ابراہیم بن ادہم نے دعاؤں کی عدم قبولیت کی وجہ دلوں کا مردہ ہونا بیان فرمایا، اور دلوں کی موت کا سبب ترکِ سنّت کو قرار دیا ہے۔

☆ حضرت بشر الحافیؒ:

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اے بِشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں حق تعالیٰ نے سب اقرآن پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے، میں نے عرض کیا،

یارسول اللہ ﷺ میں واقف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم میری سنّت کا اتباع کرتے ہو اور نیک لوگوں کی عزّت کرتے ہو، اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو، اور میرے صحابہ اور اہل بیت سے محبت رکھتے ہو۔

☆ فرماتے ہیں میں نے مریسی (بدعتی پیشوا) کے مرنے کی خبر بیچ بازار میں سنی، اگر وہ مقام شہرت نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ میں شکر کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتا کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَمَاتَہٗ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے اس بدعتی مفسد کو موت دی، تم بھی ایسا ہی کہا کرو۔

☆ حضرت ابو بکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ:

جو حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے تھے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان سے گزر رہا تھا، جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے اور نکل نہ سکتے تھے، جس کو وادی تیہہ کہا جاتا ہے، اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ (خیال) گزرا کہ علمِ حقیقت، علمِ شریعت سے مخالف ہے، اچانک مجھے غیبی آواز آئی۔

کلّ حقیقۃ لا تتبع بالشّریعۃ فھی کفرٌ۔

ترجمہ: جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے وہ کفر ہے۔

☆ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے اقوال:

فرماتے ہیں: ہر مومن کو سنّت اور جماعت کی پیروی کرنا واجب ہے، سنّت اس طریقہ کو کہتے ہیں، جس پر رسول اکرم ﷺ چلتے رہے، اور جماعت اسے کہتے ہیں جس پر چاروں خلفاء راشدینؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اتفاق کیا، یہ لوگ سیدھی راہ دکھانے والے تھے کیونکہ انہیں سیدھی راہ دکھائی گئی تھی۔

☆ فرماتے ہیں: ہوشیار اور عقلمند مومن کے لئے بہتر یہ ہے کہ آیات و احادیث کے ظاہری معنوں کے مطابق عمل کرے اور ان آیات و احادیث کا تابعدار رہے، نئی نئی باتیں نہ نکالے نہ اپنی طرف سے کمی بیشی کرے نہ تاویلیں کرے ایسا نہ ہو کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ کر ہلاک ہو جائے۔

☆ اہل بدعت کے ساتھ میل جول نہ رکھا جائے نہ ہی اُن کے ساتھ بحث میں پڑے نہ انہیں سلام کرے۔

☆ اہل بدعت کے قریب نہ جانا، ان کے ساتھ نہ بیٹھنا، نہ ان کی کسی خوشی کے موقعہ پر انہیں مبارکباد دینا، نہ ان

کے جنازہ میں شرکت کرنا، اگر کہیں ایسے لوگوں کا ذکر ہوتا ہو تو ان کے بارے میں رحمت کے کلمے بھی نہ کھنا، بلکہ ان سے دور رہ کر ان سے دشمنی کرنا، یہ دشمنی محض اللہ کے لئے ہو اور اس نیّت سے کہ ان کا مذہب جھوٹا ہے ان (اہل بدعت) کی دشمنی سے ہمیں ثواب ملے گا۔

اس کے برعکس جو شخص بدعتی کے ساتھ ہنسی خوشی ملے جو اس کی خوشی کا باعث ہو اس شخص نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوئی۔

☆ جب تو کسی بدعتی کو جاتا دیکھے تو وہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلا جا۔ (غنیۃ الطالبین ص ١٨٥)

☆ حضرت ابو حفص حدادؒ :

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنّت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو متہم (یعنی نا قابل اطمینان) نہیں سمجھتا اس کو مردانِ راہ تصوّف میں شمار نہ کرنا، نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ احکام میں تعدّ ی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا اور تَہَاوُن فِی السُّنن، یعنی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنّتوں میں سستی کرنا اور اتّباعُ الآراء وَالاَھْوَاء ، یعنی اپنی خواہشات اور غیر معتبر آراء رجال کی پیروی اور ترک الاتّبَاع والاقتداء ، یعنی سلف صالح کے اتباع واقتداء کو چھوڑنا اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوئی۔

اسی طرح آپ سے جب بدعت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا خدا کے احکام میں زیادتی کا ارتکاب سنّتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں سستی وغفلت اپنی خواہشات کا اتباع، اور سلف صالحین کی اقتداء واتباع کو ترک کردینے کا نام بدعۃ

اہل بدعت کی مذمّت حضرات مجدّدِ دین کے اقوال سے

☆ سیّدنا ملا علی قاریؒ کا ارشاد

حضرت مولانا ملّا علی قاری الحنفی (۱۰۱۴ھ) ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں بدعت اور منکر کام پر اصرار کرنا تو کُجا رہا، اگر کوئی شخص امرِ مندوب اور مستحب پر یا رخصت پر بھی اصرار کرے گا تو وہ شیطان کا پیرو ہو گا۔[1]

ایک جگہ لکھتے ہیں: ”والمتابعه کما تکون فی الفعل یکون فی الترك ایضًا فمن واظب علی فعل لم یفعله الشارع فهو مبتدع“[2]

ترجمہ متابعت جیسے فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی متابعت ہوتی ہے جس نے کسی کام پر مواظبت کی جو شارع نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے۔

ایک حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: ”من شامة ارتکاب البدعة یحرمون من برکات السنة“[3]

ترجمہ: بدعت کے ارتکاب کی شامت یہ ہے کہ سنّت کی برکات سے محرومی ہو جاتی ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ”وان سنة من حیث انّها سنة افضل من بدعة ولوکانت مستحسنة مع قطع النظر عن کونها متعدیة او قاصرة او دائمة اور منقطعه۔ الاتریٰ“

ان ترك سنة ای سنة تکا سلا یو جب اللوم والعتاب و ترکها استخفافا یثبت العصیان والعقاب۔ وانکار ها یجعل صاحبه مبتدعا بلا ارتیاب۔ والبدعة و لو کانت مستحسنة لا یترتب علی ترکها شئ من ذٰلك۔

ترجمہ: بے شک سنّت اس اعتبار سے کہ وہ سنّت ہے بدعت سے گو وہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو افضل ہے۔ قطع نظر اس

---

۱ مرقات جلد ۲ ص
۲ مرقات جلد ۱ ص ۴۱
۳ مرقات جلد ۱ ص ۲۵۷

سے وہ بدعت متعدی ہو یا قاصرہ۔ مسلسل ہو یا کبھی کبھار کی کیا تم نہیں دیکھتے کہ سنّت کو سستی کے باعث عملاً چھوڑنا کوئی سنّت کیوں نہ ہو ملامت اور عتاب لاتا ہے لیکن اسے استخفافاً ترک کرنا (اہمیت نہ دیتے ہوئے عمل میں نہ لانا) عصیان و عقاب لازم کرتا ہے اور اس کا انکار بلاشبہ اس کے مرتکب کو بدعتی بناتا ہے اور بدعتِ حسنہ ہی کیوں نہ ہو اس کے ترک پر ان میں سے کوئی بات مرتب نہیں ہوتی۔

☆ حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ:

اپنے مکتوبات میں اتّباعِ سنّت اور بدعات سے اجتناب پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، چنانچہ وہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''وآں راہ دیگر بزعم فقیر التزام متابعت سنت سنیہ است عَلٰی صاحبھا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ واجتناب از اسم ورسم بدعت —— تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، وباحیائے سنت لب کشائد۔

اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت۔ بدعتہائے پہن شہدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتویٰ می دہند۔ ومردم رابدعت دلالت می نمایند۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ: وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے) اس فقیر کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام و رسم سے بھی اجتناب کرنا ہے آدمی جب تک بدعت سیئہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی بو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج کل از بس دشوار ہے۔ کیونکہ جہان کا جہان دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم مارے؟ یا کسی سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔

اس دور کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔''

ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ فقیر حق سبحانہ وتعالیٰ سے نہایت تضرع وعاجزی کے ساتھ دُعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا کی گئی ہیں اور بدعات ایجاد کی گئی ہیں جو خیر البشر ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں موجود نہ تھیں، اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی طرح سفید ہوں پھر بھی خدا تعالیٰ اس فقیر کو ان سے محفوظ رکھے اور ان میں مبتلا نہ کرے۔

جو لوگ بدعات میں حسن کے قائل ہیں اس کی تردید کرتے ہوئے حضرت الشیخ فرماتے ہیں یہ فقیر ان بدعات میں کسی بدعت میں حسن اور نُورانیت نہیں دیکھتا۔ ان میں ظلمت وکدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو نصف بصارت کے باعث طراوت وتازگی میں دیکھیں لیکن کل جب کہ بصیرت تیز ہو گی تو دیکھ لیں گے اس کا نتیجہ خسارت وندامت کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت

کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

"صبح کے وقت تجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس کے عشق میں ساری رات گزاری ہے۔"

حضرت خیر البشر ﷺ فرماتے کہ "من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منه فھو ردّ" جب وہ مردود ہے تو اس میں حُسن ونُورانیت کہاں؟

پس جب محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت، تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے۔ نیز جو کچھ احادیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ ہر بدعت سنّت کو اُٹھانے والی ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں۔ پس ہر بدعت سیئہ ہے۔

ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:۔

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کو اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے سنتِ سنیّہ کی تابعداری کریں اور بدعت سے بچیں..... سعادتمند ہے وہ شخص جو اس دَور میں سنّتوں میں سے کسی سنّت کو زندہ کرے اور رائج بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب ایک ایسے جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنّت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام آپ نے سُنا ہو گا۔ سو پُورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف

متوجہ ہونا چاہیے کہ سنّتوں میں سے کوئی سنّت جاری ہو جائے اور بدعات میں سے کوئی بدعت دُور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنوں میں اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں کہ سنّت کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور بدعت کو ختم کیا جائے۔ گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ خیال کیا۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا۔ بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کل بدعة ضلالة۔

اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانے میں کہ سلامتی سنّت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے۔ (فقیر) ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنّت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں۔ خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو۔ کیونکہ سنّت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

گذشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کے اندھیروں (ظلمات) کو اُٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نُور اسلام کی چمک میں نُورانی معلوم ہوتے ہوں گے اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں گے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نُورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے یہ بدعات کی ظلمت کو نہیں اُٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتویٰ جاری نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔ اس وقت تمام جہاں بدعت کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے اور سنّت کا نُور باوجود غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر جاتا ہے۔ سنّت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نُور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی بدعات کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنّت کے نُور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ الا انّ حزب الله هم المفلحون۔ الا ان حزب الشيطان هم الخاسرون۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جُھوٹ کی کثرت کا اندازہ کریں تو چاہیے کہ سنّت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتّباعِ سنّت بے شک

نجات دینے والی ہے اور خیرات وبرکات کے بخشنے والی ہے اور غیر سنّت کی اتباع میں خطرہ ہی ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ۔ قاصد پر حکم کا پہنچا دینا ہے۔ ہمارے مشائخ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہ کی اور سنّت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع وعزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ فقیر حضرت سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت تضرّع، وزاری، التجا مسکینی، عاجزی اور انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر دعاء کرتا ہے کہ:

جو کچھ دین میں نئی نئی بدعتیں پیدا ہو گئیں ہیں اور لوگوں نے ایجاد کر لی ہیں جو حضرت خیر البشرؐ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں نہ تھیں اگرچہ وہ چیز صبح روشن کی مانند ہو، اس ضعیف کو اس جماعت کے ساتھ جن کے لئے وہ (بدعات) مستند ہیں اس نئے کام کے کرنے میں گرفتار نہ کیجیو اور اس نئی چیز (بدعت) کی خوبی کا دیوانہ نہ بنائیو، بحرمۃ سیّد الابرار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے حسنہ اور سیئہ (یعنی نیک اور بد) بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدین کے بعد ظاہر ہوا ہو، اور رافع سنّت نہ ہو، (یعنی سنّت کو دور کرنے والا نہ ہو)۔ اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنّت ہو (یعنی سنّت کو دور کرنے والی ہو)۔

مگر یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیّت مشاہدہ نہیں کرتا، اور سوائے ظلمت وکدورت کے کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر بالفرض کوئی نیا عمل آج اپنی ضعف بصارت کی وجہ سے تازہ اور خوشنما معلوم ہوتا ہے تو کل (یعنی بروز قیامت) جب نظر تیز ہو جائے گی تو سوائے نقصان اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

بیت:

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت   کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

صبح محشر روز روشن کی طرح   رات تیری سب عیاں ہو جائے گی

حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات فرماتے ہیں:

من احدث فی امرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد۔

یعنی جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابل رد ہے (یعنی مردود ہے) بھلا جو چیز مردود ہو اس میں حسن (بھلائی) کہاں سے آئے گی۔

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

امّا بَعْد فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ الله وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَا تُهَا وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ اس کے بعد واضح ہو کہ اچھی کلام کتاب اللہ ہے اور بہتر راستہ حضرت محمد ﷺ کا راستہ ہے اور تمام امور سے بدتر محدثات ہیں اور ہر ایک بدعت ضلالت ہے۔"

اور نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:۔

أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بدعة ضَلَالَةٌ

"میں آپ کو وصیّت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اُس کے حکموں کو مانو اور اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تمہیں لازم ہے کہ میری سُنت اور خلفائے راشدین مھدییّن کی سُنّت کو لازم پکڑو۔ اور اس کے ساتھ پنجہ مارو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑو اور نئے پیدا ہوتے ہوئے کاموں سے بچو۔ کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔"

پس جب ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی ہوئے؟

نیز جو کچھ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں۔ پس ہر بدعت سیّئہ ہے۔

آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے:۔

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلَهَا مِنَ السُّنَّةِ. فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ

"جب کوئی قوم بدعت کو پیدا کرتی ہے تو اُس جیسی ایک سُنّت اُٹھائی جاتی ہے۔" پس سُنّت کو پنجہ سے تھامنا بدعت کے پیدا کرنے سے بہتر ہے۔

اور حسّان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

مَاابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ اِلَّا يَرْفَعَ اللهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدهَا اِلَيْهِمْ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

"کسی قوم نے دین میں بدعت کو جاری نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس جیسی ایک سُنّت کو اُن میں سے اُٹھالیا۔ پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اُس سنت کو اُن تک نہیں پھیرتا"۔

جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء ومشائخ نے سُنّت سمجھا ہے جب ان میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سُنّت کی رفع کرنے والی ہیں۔

مثلاً میّت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہی بدعت رافع سُنت ہے۔ کیونکہ عدد مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے۔ حالانکہ سُنّت شملہ کا دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا ہے۔ ظاہر ہے کہ کہ بدعت رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود ارادہ دلی کے زبان سے بھی نیت کہنی چاہیے۔ حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحاب کرامؓ اور تابعین عظام سے کہ اُنہوں نے زبان سے نیّت کی ہو۔ بلکہ جب اقامت کہتے تھے فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے۔ اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت رفع سُنت تو بجائے خود رہا۔ فرض کو بھی رفع کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی تجویز میں اکثر لوگ زبان ہی پر کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ ڈر نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو نیّت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ تمام مبتدعات و محدثات کا یہی حال ہے۔ کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہیں۔ اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع سنت ہے۔

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی متابعت پر کمربستہ رہیں اور اصحاب کرامؓ کی اقتداء کریں کیونکہ:

فانّهم كالنّجوم بايهم اقتديتم اهتديتم ۔

وہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔

☆ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (۱۱۶۷ھ) تحریر فرماتے ہیں:

اقول الفرقة الناجية هم الاٰخذون فی العقيدة والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب والسنّة وجری عليه جمهور الصحابة والتابعين ..... وغيرالناجية كل فرقة افتحل عقيدة خلاف عقيدة السلف او عملاً دون اعمالهم[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ صرف وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دنوں میں کتاب اور سنّت کی اور جس پر جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعین کاربند تھے کی پیروی کرے...... اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے سلف کے عقیدہ کے خلاف کوئی اور عقیدہ یاان کے عمل کے خلاف کوئی اور عمل اختیار کرلیا۔

☆ حضرت سید احمد شہیدؒ:

فرماتے ہیں: قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑو کیونکہ یہ دونوں چیزیں حل مشکلات کے لئے کلید ہیں۔۔۔ قرآن مجید جو نجات کے لئے بہترین ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسّر ہے، پس (چاہئیے کہ ہر مسلمان) اس کے اتباع کو بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ غنیمت سمجھے، اور حقیقت میں ہے بھی ایسا ہی، اس لئے کہ قرآن وحدیث کی پوری متابعت ولایت ہے۔(صراط مستقیم ص۹۰)

اے میرے بھائی اور میری بہن، اس کتاب کا مطالعہ فرمانے والے میرے قاری:

آپ نے قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ، حضرات صحابہ کرامؓ، حضراتِ تابعینؒ، علمائے امّت، مجددین ملّت، اور حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ کے اقوال اور ارشادات کے ذریعہ یہ جان لیاہے کہ بدعات ساری کی ساری مردود ہیں ، ان میں سے کچھ بھی مقبول نہیں، اور ساری کی ساری قبیح ہیں ان میں کوئی حسن نہیں، اور سب کی سب گمراہیاں ہیں، ان میں کوئی هدایت نہیں، اور سب کی سب باطل ہیں ان میں کوئی حق نہیں، بدعت میں ظلمت ہے، ضلالت ہے، گمراہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسولِ برحق ﷺ کے نزدیک عمل وہی مقبول ہے جو اخلاص اور اتباعِ سنّت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو، اگرچہ وہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو، اور ہر ایسا عمل رائیگاں ہے جس میں اخلاص اور اتباعِ سنّت کی جان وروح موجود نہ ہو، اگرچہ وہ دیکھنے میں پہاڑ جتنا کیوں نہ نظر آئے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ملک میں رہنے والے شہری کے لئے تو اس ملک کے آئین اور قانون کی پابندی ضروری ہو اور اس آئین اور قانون کی تشریح اور توضیح کی ہر کس و ناکس کو اجازت نہ ہو، بلکہ وہی تعبیر معتبر مانی جاتی ہو جو اس ملک کی سپریم کورٹ کرے، اس ملک کے کسی فوجی آفیسر اور کسی پولیس مین کو دوسرے ملک کی وردی پہننے کی اجازت نہ ہو اور اس کو غداری تصور کیا جائے، تو پھر کیا غضب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق ﷺ کے متعیّن کئے ہوئے طُرقِ عبادات میں اپنی طرف سے تغیّر و تبدّل کی ہر کس و ناکس کو اجازت ہو، اور اس پر گرفت بھی نہ ہو۔؟

یاد رکھئے: اللہ ربّ العزّت نے ہمارے اعمال کا ایک معیار، ہمارے افعال کا ایک مقیاس اور ہماری زندگی کا ایک نمونہ بتا یا ہے، اور وہ اسوہ رسول ﷺ، سیرت رسول ﷺ، اور اتباع رسول ﷺ ہے۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ، و تابعیؒن اور تبع تابعینؒ اس نمونے پر صحیح اترنے والے ہیں۔ اس اسلامی یونیفارم اور اس اتباعِ سنّت کی وردی کے خلاف تمام فیشن، جملہ رسوم، اور ہر قسم کی بدعات حق تعالیٰ شانہ، اور اس کے رسولِ برحق ﷺ کے کامل و مکمّل آئین اور نظام میں مردود ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے والا کوئی بھی شخص کسی طرح حقیقی نجات و فلاح کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ سنّت اور بدعت کے مقام اور اس کی صحیح پوزیشن کو سمجھنے والے کے لئے یہ چند حروف بھی کافی ہیں۔ اور نہ ماننے والے کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی۔

اس لئے سنّتوں کو زندہ کیجئے، اور ان کی ہمیشہ پاسداری کیجئے، اور بدعات سے اپنے آپ کو بچایئے، اس لئے کہ خیر سب کی سب اتّباع میں ہے، اور شر سب کا سب ابتداع (بدعات) میں ہے۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات و رسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة، ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

۱۲: اپریل ۲۰۱۳)

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّار (الحدیث)

تجہیز و تکفین کے وقت ہونے والی بدعات

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب جامع مسجد مکیؓ شفیلڈ یو کے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اسلام کامل و مکمل دین ہے۔
اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں

دین میں جو نئی چیز نکالی جائے وہ مردود ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے اس دین میں وہ کام جاری کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔[۱]

دین اسلام ایک صاف، سچا کامل و مکمل دین ہے۔ رہی دنیا تک اس کا ہر ہر حکم محفوظ ہے۔ کیسے ہی احوال بدل جائیں اور کیسے ہی انقلابات آجائیں لیکن اسلام اپنی جگہ اٹل ہے۔ اُس کی کسی چیز میں بدلنے کی گنجائش نہیں، انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے قوانین اسلام نے ایسے وضع کیے ہیں کہ ان سے بہتر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ اور نہ آج تک کوئی پیش کر سکا۔ اسلام کامل اس قدر ہے کہ اسلام کے نہ نظام حکومت میں تبدیلی کی گنجائش ہے نہ اس کے نظام اقتصادیات میں کسی اضافہ یا کمی کی ضرورت ہے، نہ اس کے نظام معاشرت میں کسی تبدیلی کا موقع ہے نہ اس کے وضع کردہ طرق معاملات کے متعلق کسی ترمیم کی حاجت ہے، غرضیکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام جاری و ساری ہے اور اس میں کہیں بھی کسی جگہ تبدیل و ترمیم کی ضرورت نہیں اور کیونکر تبدیلی کی ضرورت ہو سکتی ہے؟ جب کہ اللہ جل شانہ "اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ" کا اعلان فرما چکے ہیں۔

پھر اسلام کے احکامات میں کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ہے جس کی وجہ سے سمجھنے یا عمل کرنے میں دقّت پیش آئے، بلکہ اس کا ہر فیصلہ دوٹوک اور ہر حکم صاف اور صریح اور ہر قانون ظاہر اور بیّن ہے۔

---

۱ رواہ: البخاری و مسلم

الترغیب والترہیب میں ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:

''لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لا يزيغ عنها عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ''

ترجمہ: البتہ میں نے تم کو ایسے صاف راستہ پر چھوڑا ہے جس کا رات اور دن برابر ہے، اس سے وہی ہٹے گا جو ہلاک ہو گا (یعنی اپنی جان کو دوزخ میں ڈالنے کو تیار ہو گا۔)

بدعت کی مُذمت اور قباحت:

جب کہ دین اسلام کامل و مکمل اور صاف و صریح دین ہے جس میں ذرا سی بھی ترمیم اور اضافہ کی گنجائش نہیں ہے تو اب اس میں کسی بدعت کا نکالنا اور اپنی طرف سے کسی ایسے کام کو دین میں داخل کرنا جو دین میں نہیں ہے، سراسر گمراہی ہو گی اور دین میں اپنی طرف سے پنچر لگانا ہو گا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''مَنْ اَتیٰ بِدْعَةً ظَنَّ اَنَّ مُحَمَّدًا اَخْطَاءَ الرِّسَالَةَ'' یعنی جس نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ محمد ﷺ نے اللہ کا حکم پہنچانے میں غلطی کی ہے اور پورا دین نہیں پہنچایا اور احکام ٹھیک نہیں بتلائے ہیں۔ لہٰذا میں اس میں اپنی طرف سے کوئی عمل جاری کر کے ناقص دین کی تکمیل کرتا ہوں (اللہ کی پناہ) بدعت والے یُوں تو ہرگز نہیں کہتے کہ ہم بدعت کر رہے ہیں بلکہ اپنے اعمال کو عین دین سمجھتے ہیں، اس لیے بدعت سے توبہ بھی نہیں کرتے نہ ان کی انہیں توفیق ہوتی ہے۔

بدعت کے علاوہ کوئی کتنا ہی بڑا گناہ ہو، چونکہ انسان اسے گناہ سمجھتا ہے اس لیے اس کے کرنے سے ڈرتا بھی ہے اور توبہ بھی کرتا ہے، قیامت کے دن کی پکڑ کا بھی خیال اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بدعت کو چونکہ نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے اس لیے اس سے توبہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، شیطان کی سب سے بڑی چال یہی ہے کہ انسان کو ایسے عمل پر ڈال دے جو حقیقت میں گناہ ہو اور کرنے والا اسے نیکی سمجھتا ہو، الترغیب والترہیب میں ہے۔

''اِنَّ اِبْلِيْسَ قَالَ اَهْلَكْتُهُمْ بِالذُّنُوْبِ فَاَهْلَكُوْنِيْ بِالْاِسْتِغْفَارِ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذٰلِكَ اَهْلَكْتُهُمْ بِالْاَهْوَاءِ فَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ فَلَا يَسْتَغْفِرُوْنَ''

ترجمہ: یعنی ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہ کرا کے ہلاک کیا (یعنی دوزخ کا مستحق بنایا) تو انہوں نے مجھے اس طرح ہلاک کر دیا کہ گناہ کر کے توبہ کر لی (اور) میری محنت پر توبہ کر کے پانی پھیر دیا، جب میں نے یہ ماجرا دیکھا تو میں

نے ایسے عمل جاری کر دیئے جو نفسوں کی خواہشوں کے موافق ہیں (اور حقیقت میں گناہ ہیں) اب وہ ان کاموں کو چونکہ نیکی سمجھتے ہیں (اس لیے اپنے کو ہدایت پر جانتے ہیں، لہٰذا استغفار نہیں کرتے۔

جب اہل بدعت کو کسی بدعت پر تنبیہ کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے تو بجائے اس کو ترک کرنے کے الٹا منع کرنے والے پر اعتراض کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم نے اس پر اعتراض جڑ دیا اس لیے ہمارا عمل بدعت نہیں رہا، مثلاً جب کسی بدعتی سے کہا جاتا ہے، کہ تمہارا یہ عمل بدعت ہے تو جھٹ یُوں کہنے لگتے ہیں کہ ریل بھی بدعت ہے، ہوائی جہاز بھی بدعت ہے تم ان میں کیوں سوار ہوتے ہو، یہ چیزیں حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کہاں تھیں؟ بلکہ بعضے اپنی جہالت کا مضبوط ثبوت دیتے ہوئے یُوں کہہ دیتے ہیں کہ تمہارا وجود بھی بدعت ہے، تم حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں یا خلافت راشدہ کے دَور میں کہاں تھے؟ بدعتیوں نے اپنی بدعت پر جمنے کے لیے یہ حیلہ خوب تراشا ہے اور سمجھتے ہیں کہ بدعتیں جائز کرنے کے لیے ہم بہت دُور کی کوڑی لائے ہیں۔

شرعاً بدعت کا مفہوم کیا ہے؟

ان لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بدعت کسے کہتے ہیں، بدعت کا تعلق دینی اعمال سے ہے دنیاوی انتظامات اور استعمال اشیاء سے نہیں ہے، بدعت کا یہ مطلب کہ جو بھی کوئی چیز عہد نبوت اور خلافت راشدہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے چاہے دنیاوی منافع کی چیزیں ہوں چاہے نئی ایجادات ہوں چاہے انسانوں کا وجود ہو یہ بالکل غلط ہے! بدعت کیا ہے؟ اس کو تو حضور اقدس ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمادیا "مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" (یعنی جو شخص ہمارے اس دین مین کوئی نئی بات نکالے، جو ہمارے دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے) معلوم ہوا کہ بدعت کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو نئی نکالی جائیں اور دین میں داخل کی جائیں، بس ریل اور ہوائی جہاز کی مثال دینا بالکل جہالت کی بات ہے، ان لوگوں سے گذارش ہے کہ اگر ریل، ہوائی جہاز بدعت ہے تو آپ اس سے بچیں کیونکہ حدیث شریف میں "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" فرمایا ہے (یعنی ہر بدعت گمراہی ہے) جو چیز بدعت ہے آپ اس سے پرہیز کریں، دوسروں کا الزام دینے سے خود بدعت کرنا کیسے جائز ہو جائے گا؟[1]

جو کوئی عالم بتائے کہ تم بدعت کر رہے ہو اگر اس بتانے والے پر بھروسہ نہ ہو تو دوسرے کسی عالم سے پوچھو جو

---

۱ رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ

واقعی عالم ہو، اور بدعتیوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی رضا کے مطابق مسئلہ نہ بتائے، اور جب کسی چیز کا بدعت ہونا، ثابت ہو جائے تو اُسے چھوڑ دو، کٹ حجتی اور الٹے سیدھے سوال و جواب کرنے سے بدعت نیکی نہ بن جائے گی، بلکہ بدعت ہی رہے گی اور آخرت میں مواخذہ کی باعث ہو گی۔

بعض لوگ اپنے عمل کو بدعت تو مانتے ہیں لیکن یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے حالانکہ حسب فرمان نبی اکرم ﷺ "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر بدعت سیئہ ہے، کوئی بدعت حسنہ نہیں ہے، بعض چیزیں جن کو بعض علماء نے بدعت حسنہ کہہ دیا ہے، وہ درحقیقت بدعت نہیں ہیں وہ سنتیں ہی ہیں۔

ان کی اصل عہد نبوت اور عہدِ صحابہؓ اور عہد تابعین میں ملتی ہیں چونکہ ان صورت احوال کے اعتبار سے کچھ بدل گئی، اس لیے اس کو بعض علماء نے قوی اعتبار سے بدعت حسنہ کہہ دیا ہے اگر بعض علماء نے بعض چیزوں کو بدعت حسنہ کہہ دیا ہے تو اس سے ہر بدعت حسنہ کیسے ہو جائے گی؟ جتنی بدعتیں ہیں ان کو اہل بدعت حسنہ ہی کہتے ہیں، اسی طرح سے تو چودہ سو سال سے لے کر گویا اب تک بدعت کا وجود ہوا ہی نہیں، بدعتوں میں مبتلا رہیں اور ہر بدعت کو حسنہ کہے جائیں اس طرح سے تو کوئی بدعت، بدعت نہیں رہتی۔ اور سرورِ عالم ﷺ کے "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" کا کوئی معنی و مصداق باقی ہی نہیں رہتا۔

بدعت کے اعمال مقرر نہیں ہیں بلکہ بے شمار ہیں، اور ہر ملک اور ہر صوبہ میں علیحدہ علیحدہ بدعتیں ہیں، عوام سے مرعوب ہو کر بہت سے علاقوں میں علماء بھی بدعتوں میں شریک نظر آتے ہیں۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ عوام میں جو بھی کوئی عمل ہوتا دیکھیں اُسے قرآن و حدیث اور سُنت خلفاء راشدین و عمل صحابہ ب میں تلاش کریں، اگر نہ ملے تو پوری کوشش صرف کریں کہ وہ عمل چھوٹ جائے اور اس کی جگہ سُنتِ نبویہ (علیٰ صاحبها الصلوٰة والتحية) پر عمل ہونے لگے۔، شادی بیاہ، مرنے جینے میں ہر جگہ بے شمار بدعتیں ہوتی ہیں، قبروں پر بے شمار و بے انتہا گناہ ہوتے ہیں، جن کو کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں بدعت ہوتے ہیں۔ تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی ثواب پہنچانے کے گھڑے ہوئے خود ساختہ طریقے، قبروں کے عرس، قبروں پر چادریں یا پھول چڑھانا، قبروں کو غسل دینا، پختہ بنانا، قبروں پر روٹیاں یا غلہ تقسیم کرنا، شبِ براَت کا حلوہ، حضرت جعفر کے کونڈے، حضرت پیرانِ پیر کی گیارہویں، مولود میں قیام، بی بی جی کی صحنک وغیرہ بے شمار بدعتیں رائج ہیں، اور ان کے مٹانے کے لیے اللہ کے سچے بندے جان توڑ کوشش کر چکے ہیں، لیکن چونکہ ان چیزوں کو نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے، اس لیے چھوڑنے کے بجائے علماء کرام ہی کو بُرا کہہ دیا جاتا ہے اور عورتیں تو

رسموں اور بدعتوں کی ایسی پابند ہیں کہ ہرج مرض، تنگی ترشی، امیری غریبی ہر حال میں اُن کے انجام دینے کو فرض سمجھتی ہیں، فرض نمازوں کو چھوڑ دیں گی، مگر بدعتیں اور رسمیں نہ چھوڑیں گی، اللہ تعالیٰ سمجھ دے اور ہر مسلمان کو ہر بدعت سے بچائے۔

سینکڑوں سنتیں موجود ہیں حدیث شریف کی کتابوں میں صحیح سند سے مروی ہیں ان کو چھوڑ کر خود تراشیدہ طریقوں کو اختیار کرنا، اور بدعت حسنہ کہہ کر ان پر مضبوطی سے جمنا (جبکہ قرآن وحدیث کا بھرپور علم رکھنے والے ان کو بدعت بتارہے ہوں) یہ کونسی سمجھ داری اور دین داری ہے؟ آخر سنتوں پر چلنا کیوں ناگوار ہے؟ بس یہی بات ہے نا کہ نفسوں کو بدعتوں سے مانوس کرلیا ہے، اور سنتوں پر چلنے کے لیے نفسوں کو راضی نہیں کرتے۔

تجہیز و تکفین کی بدعات

موت، میّت اور پسماندگان کے متعلق جو فطری دستور العمل اسلام نے دیا ہے وہ حدیث اور فقہ کی مستند و معتبر کتابوں کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکا ہے، یہی وہ معتدل اور متوازن طریقِ کار ہے جو قرآن و سنت اور فقہ میں مسلمانوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں آپ ﷺ کے کتنے ہی لختِ جگر اور عزیز و قریب فوت ہوئے، اور کتنے ہی جاں نثار صحابہؓ داغِ مفارقت دے گئے، کوئی میدانِ کارزار میں شہید ہوا، کسی نے بستر علالت پر جان دی، کوئی لاوارث رُخصت ہوا، کسی نے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو غمگین چھوڑا، کسی کا ترکہ تجہیز و تکفین کے لیے بھی کافی نہ ہوا، اور کسی کا مال و دولت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوا۔

ان طرح طرح کے حالات میں رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی ان سب کی رہبر و رہنما تھی، جس طرح کا واقعہ پیش آیا اس کے مناسب شرعی اَحکام و آداب اسی ذاتِ اقدس نے بتائے اور سکھلائے، زبانی تعلیم بھی دی اور عملی تربیت بھی، آپ ﷺ اپنے صحابہ کو جہاں ایمان اور زُہد و عبادت سے لے کر جہاں بانی تک کے ضابطے اور آئین سکھلا رہے تھے وہیں شادی اور غمی کے اَحکام و آداب کی بھی تعلیم و تربیت دے رہے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت ہی یہ تھا کہ اُمت کے لیے زندگی کا ہر گوشہ آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات سے روشن ہو جائے۔

چنانچہ آپ ﷺ اُن کی ہر شادی و غمی میں شریک رہے، اُن کی عیادت بھی فرمائی اور تجہیز و تکفین بھی، نمازِ جنازہ اور دفن کے انتظامات بھی فرمائے اور تعزیت و ایصالِ ثواب بھی، قبروں کی زیارت بھی فرمائی اور اُن کے ترکہ کی تقسیم، قرضوں کی ادائیگی، وصیتوں پر عمل اور تقسیمِ میراث بھی، پسماندگان کے ساتھ غمگساری، بیواؤں کی خبر گیری اور یتیموں کی سرپرستی، غرض موت، میّت اور پسماندگان سے متعلق ایک مکمل دستور العمل اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ اُمت کو دے گئے، کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جو تشنہ رہ گیا ہو یا جو ہمیں کسی اور قوم سے لینے یا خود ایجاد کرنے کی ضرورت ہو۔

اس پاکیزہ دستور العمل میں انسانی ضرورتوں اور فطری جذبات کی رعایت قدم قدم پر نمایاں ہے، اس میں غمزدوں کے لیے تسلی و غمگساری کا بھی پورا سامان ہے اور عدل و انصاف کا بھی نہایت معتدل اور جامع انتظام، میّت کا احترام بھی ہر

جگہ ملحوظ ہے، اور اس کا اُخروی راحت و آرام بھی، اور طریقِ کار ایسا رکھا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی تہذیب آج تک اس سے زیادہ آسان، پاکیزہ، باوقار اور سادہ طریقِ کار تجویز نہیں کر سکی۔

اس دستور العمل کو آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے سیکھ کر تاحیات اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کیا، اور اس کی زبانی و عملی تعلیم اپنی نسلوں کو کر گئے، محدثینِ کرام ؒ نے اس کو بعینہٖ اپنی کتابوں میں محفوظ کیا، ائمہ مجتہدین نے اس کی تشریح و توضیح فرمائی، اور بعد کے فقہائے کرام ؒ نے اپنی کتابوں کے ذریعہ ہم تک اسے من و عن پہنچا دیا، انہیں حضرات کی بے مثال کاوشوں کی بدولت آج یہ ہمارے سامنے مکمل و مستند شکل میں موجود ہے۔

لیکن ایک نظر اس دستور العمل پر ڈالنے کے بعد جب دُوسری نظر اُن بدعتوں اور رُسوم و رواج پر ڈالی جاتی ہے جو موت، میّت اور پسماندگان کے متعلق ہمارے معاشرے میں آج وباء کی طرح پھیل چکی ہیں، تو حیرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، یہ المیہ حیرتناک اور حسرتناک نہیں تو پھر کیا ہے؟ کہ جس اُمت کے پاس ایسا قیمتی اور بے نظیر دستور العمل موجود ہے وہ اُسے چھوڑ کر اپنے خود ساختہ یا دیگر مذاہب کی تقلید میں بیہودہ رسموں اور بدعتوں کی جکڑ بند، تفریط اور طرح طرح کی خرافات میں گرفتار ہے۔

ہماری شامتِ اعمال کے نتیجے میں یُوں تو ہمارے ہر مذہبی شعبہ میں بدعتوں اور خود ساختہ رسموں کا رواج بڑھتا جارہا ہے، لیکن اُن کی جتنی بھرمار موت اور میّت کے معاملے میں ہے شاید ہی اتنی کسی اور شعبہ میں ہو، جس گھر میں موت ہو جاتی ہے مہینوں بلکہ برسوں تک بھی یہ خرافات اُس گھر کا پیچھا نہیں چھوڑتیں، کہیں ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لی گئی ہیں، کہیں پارسیوں کی، کہیں انگریزی رسم و رواج کو شامل کر لیا گیا ہے، کہیں خود ساختہ بدعتوں کو اور ان کی ایسی پابندی کی جاتی ہے جیسے یہ اُن پر فرض یا واجب کر دی گئی ہوں، ان جاہلانہ رسموں اور بدعتوں میں کتنا وقت، کتنی محنت اور کتنی دولت برباد کی جاتی ہے، اگر کوئی ان کے اعداد و شمار جمع کرے تو سر پیٹ کر رہ جائے، بسا اوقات ان رسموں میں اخراجات میّت کے ترکہ سے کیے جاتے ہیں، جو یتیم وارثوں پر کھلا ہوا ظلم ہے، غرض ہم رحمۃ للعالمین ﷺ کے لائے ہوئے دستور العمل اور نمونۂ زندگی کو چھوڑ کر کہیں دُوسری قوموں کی مشرکانہ رسموں میں مبتلا ہیں، کہیں خود ساختہ بدعتوں کی بھول بھلیوں میں، حالانکہ قرآنِ کریم اپنے واشگاف انداز میں اب بھی یہ اعلان کر رہا ہے کہ:-

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔

ہم پیچھے بھی کئی مقامات پر غلط رسموں اور بدعتوں کی نشاندہی کرتے آئے ہیں، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ یہاں بدعت کے موضوع پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا جائے اور اُن بدعتوں کی خاص طور پر نشاندہی کی جائے جو زیادہ رائج ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

"إِذَا حَدَثَ فِي أُمَّتِي الْبِدَعُ، وَشُتِمَ أَصْحَابِي، فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ، فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" (کتاب الاعتصام للشاطبی ج:۱ص:۸۸)

ترجمہ: جب میری اُمت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں، اور میرے صحابہ کو بُرا کہا جائے تو اُس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم دُوسروں تک پہنچائے، اور جو ایسا نہ کرے گا تو اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی۔
(سنت و بدعت ص: ۲۶، بحوالہ کتاب الاعتصام)

بدعات کے متعلق ان اُصولی گزارشات کے بعد اب ہم اُن کوتاہیوں، غلط رسموں اور بدعتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو بیماری، موت، میّت اور پسماندگان کے متعلق آج کل زیادہ رائج ہو گئی ہیں، اور سہولت کے لیے ان کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

۱۔ موت سے پہلے کی رسمیں اور کوتاہیاں۔

۲۔ عین وقتِ موت کی رسمیں۔

۳۔ موت کے بعد کی رسمیں۔

اور اُمید کرتے ہیں کہ قارئین خود بھی ان سے اجتناب فرمائیں گے اور دوسروں کو بھی حکمت اور نرمی کے ساتھ روکنے کی۔

موت سے پہلے کی رسمیں اور کوتاہیاں

مرنے سے پہلے جس بیماری میں مرنے والا مبتلا ہوتا ہے اس میں میّت اور اہلِ میّت طرح طرح کی کوتاہیاں کرتے ہیں، ملاحظہ ہوں:۔

نماز کی پابندی نہ کرنا:

☆ ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض مریض نماز کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ ممکن ہے یہ زندگی کا آخری مرض ہو، کیونکہ ہر بیماری موت کی یاد دہانی کراتی ہے، صحت میں فکر نہ کی تو اب بھی غافل رہنا اور اہتمام نہ کرنا بڑے ہی اندیشہ اور خطرہ کی بات ہے۔(اصلاحِ انقلاب اُمت ص: ۲۲۶)

☆ بعض مریض زمانۂ تندرستی میں تو نماز کے پابند ہوتے ہیں، مگر بیماری میں نماز کا خیال نہیں رکھتے اور خیال نہ رکھنے کی عمومی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بیماری یا وسوسہ کی بناء پر کپڑے یا بدن ناپاک اور گندے ہیں یا وضو اور غسل نہیں کر سکتے اور تیمم کو دِل گوارا نہیں کرتا کہ اس سے طبیعت صاف نہیں ہوتی، اس لیے نماز قضاء کر دیتے ہیں، یہ سخت جہالت اور نادانی کی بات ہے ایسے موقع پر اہلِ علم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا چاہیے اور شریعت کی عطا کردہ سہولتوں پر عمل کرنا چاہیے، ان وجوہات کی بنیاد پر نماز قضاء کرنا جائز نہیں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج: ۱،ص:۲۲۴)

☆ بعض مریض نماز کے پورے پابند ہوتے ہیں، مگر بیماری کے غلبہ سے یا نماز کے وقت نیند کے غلبہ سے یا بہت زیادہ ضعف و نقاہت سے آنکھیں بند ہو کر غفلت سی ہو جاتی ہے اور نماز کے اوقات وغیرہ کی پوری طرح خبر نہیں ہوتی، یہاں تک کہ نماز قضاء ہو جاتی ہے، حالانکہ اگر انہیں نماز کی اطلاع کی جائے تو ہرگز کوتاہی نہ کریں، لیکن اُوپر کے لوگ خدمت کرنے والے مریض کی راحت کا خیال کر کے نماز کی اطلاع نہیں کرتے اور اگر بیمار کو کسی طرح اطلاع بھی ہو جائے تو اُلٹا منع کر دیتے ہیں یا اس کی امداد نہیں کرتے، مثلاً وضو، تیمم، کپڑوں کی تبدیلی، قبلہ رُخ کرنا وغیرہ کچھ نہیں کرتے، جس سے خود بھی گنہگار ہوتے ہیں، ایسا کرنا نہ مریض کے ساتھ خیر خواہی ہے، نہ اپنے ساتھ۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱،ص:۲۲۶)

☆ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب مریض ہوش میں نہیں ہے تو نماز معاف ہے، یہ بھی دُرست نہیں، کیونکہ ہر بیہوشی میں نماز معاف نہیں ہوتی، جس میں نماز معاف ہوتی ہے وہ، وہ بیہوشی ہے جس میں خبردار کرنے سے بھی آگاہ نہ ہو

اور متصل چھ نمازیں بیہوشی میں گزر جائیں، ایسی شکل میں نماز بالکل معاف ہے، قضاء بھی واجب نہیں، اور اگر اس سے کم بیہوشی ہو مثلاً چار یا پانچ نمازیں اس حالت میں گزر جائیں تو اس وقت تو مریض بیہوشی کی بناء پر نمازیں ادا کرنے کا مکلّف نہیں، البتہ ہوش آنے پر اُنکی قضاء واجب ہے، اور اگر قضاء میں سستی کی تو مرنے سے پہلے اُن نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۲۷)

نماز کے فرائض وواجبات میں کوتاہی کرنا:

☆ بعض مریض یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وضو کچھ مضر نہیں پھر تیمم کر لیتے ہیں، بعض مرتبہ خدمت گزار یا دُوسرے خیر خواہ وضو سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں شرع میں آسانی ہے، تیمم کر لو، یہ سخت نادانی ہے، جب تک وضو کرنا مضر نہ ہو تیمم کرنا جائز نہیں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۲۷)

☆ بعض بیمار کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھتے ہیں مگر پھر بھی وہ بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں، حالانکہ جب تک کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی قدرت ہو بیٹھ کر نماز ادا کرنا جائز نہیں، لہٰذا بڑی احتیاط سے نماز کو پورا کرنا چاہیے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۲۷)

☆ بعض مریض نماز میں باوجود اس کے کہ کراہنے کو ضبط کر سکتے ہیں لیکن ''آہ، آہ'' خوب صاف لفظوں سے کہتے ہیں اور اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ نماز رہے گی یا جائے گی، یاد رکھنا چاہیے کہ قدرتِ ضبط ہوتے ہوئے نماز میں ''ہائے، ہائے'' یا ''آہ''، ''اُوئی'' وغیرہ کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے، نماز بڑے احتیاط کی چیز ہے، خیال سے ادا کرنی چاہیے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۲۷)

عذرِ شرعی کے باوجود تیمم نہ کرنا:

☆ بعض مریض یہ بے احتیاطی کرتے ہیں کہ خواہ اُن پر کیسی ہی مصیبت گزرے، خواہ کیسا ہی مرض بڑھ جائے، جان نکل جائے، مگر تیمم جانتے ہی نہیں، مر جائیں گے مگر وضو ہی کریں گے، یہ بھی غلو (انتہاپسندی) اور در پردہ حق تعالیٰ شانہ کی عطا کردہ سہولت کو قبول نہ کرنا ہے، جو سخت گستاخی اور بے ادبی ہے، جس طرح وضو حق تعالیٰ کا حکم ہے، تیمم بھی اُنہی کا حکم ہے، بندہ کا کام حکم ماننا ہے نہ کہ دِل کی چاہت اور صفائی کو دیکھنا، بندگی تو اسی کا نام ہے کہ جس وقت جو حکم ہو جان و دل سے اطاعت کرے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۲۷)

بلاضرورت مریض کا ستر دیکھنا:

☆ ایک کوتاہی عام طور پر یہ ہو رہی ہے کہ بیمار کا ستر (وہ اعضاء جن کو چھپانا شرعاً واجب ہے) چھپانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، زانو کھل گیا تو کوئی پروا نہیں، ران کھل گئی تو کچھ خیال نہیں، مریض اگر تکلیف کی شدت سے اس کا خیال نہ رکھ سکے تو اُوپر والوں کو اس کا پورا خیال رکھنا لازم ہے، بلا ضرورت اس کا ستر دیکھنا جائز نہیں۔ (اصلاحِ انقلاب اُمت ج:۱، ص:۲۲۸)

☆ ایک کوتاہی اکثر یہ ہوتی ہے کہ مریض کو مثلاً انجکشن لگوانے یا آپریشن یا مرہم پٹی کروانی یا معالج کو مرض کی جگہ دکھلانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ جتنا بدن کھولنے کی ضرورت ہے صرف اتنا ہی کھلے، اور صرف اُن لوگوں کے سامنے کھلے جن کا تعلق علاج معالجہ سے ہے، بے دھڑک معالج اور غیر معالج سب کے سامنے بدن کھول دیا جاتا ہے، حالانکہ غیر متعلقہ حضرات کو مریض کے ستر کا حصہ دیکھنا جائز نہیں، اس میں بہت ہی زیادہ غفلت ہے، اس کا بہت خیال رکھیں۔ (اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۲۸)

دعا کی طرف توجہ نہ دینا:

☆ ایک کوتاہی یہ ہے کہ مریض کی صحت یابی کے لئے دوا دارو، علاج معالجہ اور دیگر تمام تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، لیکن دُعا کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ اس کا خیال ہی نہیں آتا، حالانکہ یہ دُعاءِ منصوص عظیم ترین تدبیر ہے اور اس کی توفیق نہ ہونا سخت محرومی کی بات ہے، مریض کو اگر ہو سکے تو خود دُعا کرنی چاہیے، کیونکہ حالتِ مرض میں دُعا قبول ہوتی ہے، (ورنہ اُوپر والوں کو اور اعزہ واقارب کو) پوری توجہ اور دھیان سے دُعا کرنا چاہیے، گھر کے ایک فرد کا بیمار ہونا اور تمام اہل خانہ کا پریشان ہونا خود حق تعالیٰ کی طرف توجہ دلا رہا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اپنے خالق ومالک کی طرف توجہ کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے اور صحت وعافیت کی دعا کی جائے۔ (اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۰)

دُعا کا غلط طریقہ:

☆ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ دُعا میں شرعی حدود کو ملحوظ نہیں رکھتے، شکایت کے انداز میں دُعا کرنے لگتے ہیں، مثلاً یُوں دُعا کرتے ہیں: ”اے اللہ کیا ہو گا؟ بس میں تو بالکل ہی تباہ ہو جاؤں گا یا تباہ ہو جاؤں گی، یہ بچّے کس پر ڈالوں گی،

میرے بعد اُن کا کون ہو گا، خدایا ایسا نہ کیجیو، بس جی میرا تو کہیں بھی ٹھکانا ہی نہ رہے گا" وغیرہ، گویا شکایت الگ کی جاتی ہے اور مشورہ الگ دیا جاتا ہے، استغفر اللہ! کیا حق تعالیٰ کا یہی ادب ہے، اسی کا نام عظمت ہے؟ دُعا ہمیشہ ایک عاجز غلام کی طرح کرنی چاہیے، اس کے بعد خدائے پاک جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہنا واجب ہے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۱)

صدقہ کے متعلق کوتاہیاں:

☆ مریض یا اس کے متعلقین صدقہ کرنے میں ایک غلطی یہ کرتے ہیں کہ کسی بزرگ مرحوم کے نام کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں یا کھلاتے ہیں، اور اس میں اُن کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خوش ہو کر کچھ سہارا لگا دیں گے، یہ عقیدہ شرک ہے، بعض لوگ بجائے مدد کے اُن کی دُعا کا یقین رکھتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اُن کی دُعا رَدّ نہیں ہو سکتی، ایسا اعتقاد بھی خلافِ شرع ہے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۱)

☆ بعض لوگ صدقہ میں جان کا بدلہ جان ضروری سمجھتے ہیں اور بکرے وغیرہ کو تمام رات مریض کے پاس رکھ کر اور بعض لوگ مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں یا مریض کے پاس بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے بعد خیرات کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کا بکرے پر ہاتھ لگانے سے تمام بلائیں گویا اس کی طرف منتقل ہو گئیں، پھر خیرات کرنے سے وہ بھی چلی جاتی ہیں، اور جان کے بدلے جان دے دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی، یاد رکھیے! ایسا اعتقاد خلافِ شرعی ہے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۱)

☆ بعض لوگ کھانا، گندم، آٹا اور روپیہ پیسہ مریض کے پاس رکھ دیتے ہیں اور مریض کے چاروں طرف تین یا پانچ یا سات مرتبہ گھما کر اور مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں، اس میں بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے مریض کی بیماری اور بلائیں اس شے میں منتقل ہو کر خیرات کرنے سے سب چلی جاتی ہیں، یہ اعتقاد بھی خلافِ شرع ہے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۱)

☆ بعض لوگوں نے صدقہ کے لیے خاص خاص چیزیں مقرر کر رکھی ہیں، جیسے ماش، تیل اور پیسے جن میں مشترک سیاہ رنگ کی چیز معلوم ہوتی ہے، گویا بلا کو کالی سمجھ کر اس کو دُور کرنے کے لیے بھی کالی چیزیں منتخب کی گئی ہیں، یہ سب من گھڑت باتیں ہیں اور خلافِ شرع ہیں، شرعاً مطلق صدقہ دافع بلا ہے، کوئی خاص شے یا خاص رنگ بالکل طے نہیں ہے۔ (اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۲)

وصیت خلافِ شرع کرنا:

☆ بعض مرتبہ مریض اپنے بعد کے لیے خلافِ شرع وصیت کرتا ہے، لیکن دوسرے اس کو بالکل تنبیہ نہیں کرتے کہ جس سے اس کی اصلاح ہو جائے اور ناجائز وصیت سے باز رہے یا پھر جائز وصیت کرے۔ (اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۳)

☆ بعض دفعہ دُوسرے لوگ مریض کو خلافِ شرع وصیتوں کی رائے اور ترغیب دیتے ہیں، مثلاً اپنے تہائی سے زیادہ مال کی وصیت یا کسی وارث کے حق میں وصیت یا کسی جائز وارث کے محروم کرنے کی وصیت یا تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنے یا قبر میں عہد نامہ رکھنے کی وصیت وغیرہ، یہ سب شرع کے خلاف ہیں، اُن کی ترغیب دینا بھی جائز نہیں، بلکہ اگر مریض خود ہی اُن کی وصیت کرنے لگے تو دُوسروں کو اسے منع کر دینا چاہیے اور اس کی اصلاح کر دینی چاہیے، بالفرض مریض ایسی وصیتوں سے باز نہ آئے تو ایسی خلافِ شرع وصیت لازم نہیں ہوتی، بلکہ بعض پر تو عمل جائز بھی نہیں۔

عین وقتِ موت کی رسمیں

رُوح نکلنے سے پہلے جو حالت انسان پر طاری ہوتی ہے اس میں انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اس حالت کو "عالم نزع" اور "جاں کنی کا عالم" کہتے ہیں، اس حالت کی پہچان یہ ہے کہ سانس اُکھڑ جاتا ہے اور جلدی جلدی چلنے لگتا ہے، ٹانگیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں، کھڑی نہیں ہوسکتیں، ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور کنپٹیاں بیٹھ جاتی ہیں۔

ٹھیک یہی یا اس سے ملتے جلتے آثار جب دکھلائی دیں تو سمجھ لیجیے کہ یہ وقت "نزع" کا ہے، اللہ پاک سب پر آسان فرمائے، آمین۔

اس وقت بھی طرح طرح کی کوتاہیاں اور غلطیاں کی جاتی ہیں، خاص طور پر عورتیں اُن میں زیادہ مبتلا ہوتی ہیں، اب اُن باتوں کو لکھا جاتا ہے، توجہ سے پڑھیں اور ان کا ارتکاب نہ ہونے دیں۔

رونا، پیٹنا اور گریبان پھاڑنا:

عام طور پر ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ میّت کی جاں کنی کے وقت بجائے اس کے کہ کلمہ پڑھیں، سورۂ یٰسین پڑھیں، میّت کی سہولتِ نزع اور خاتمہ بالخیر کی دُعا کریں، عورتیں رونا پیٹنا پھیلاتی ہیں، مریض کو اگر کچھ ہوش ہو تو وہ پریشان ہوتا ہے، جس میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں، پھر اس غریب کو نزع کی تکلیف ہی کیا کم ہے، مزید یہ تکلیف دیتی ہیں، یاد رکھیے! بلند آواز سے رونا چلّانا، ماتم کرنا اور گریبان پھاڑنا سب حرام اور گناہ ہے، البتہ رونا آئے تو چیخے چلّائے بغیر صرف آنسوؤں سے رونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۳)

بیوی بچّوں کو سامنے کرنا:

☆ ایک نامعقول حرکت یہ کی جاتی ہے کہ بعض عورتیں مرنے والے کی بیوی کو سامنے کھڑا کر دیتی ہیں یا بیوی خود ہی سامنے آجاتی ہے اور پھر مریض سے پوچھتے ہیں کہ اس کو یا مجھ کو کس پر چھوڑے جاتے ہو؟ اور اس غریب کو جواب دینے پر مجبور کرتی ہیں، بڑے ہی افسوس کی بات ہے، اس کا یہ وقت خالق کی طرف متوجہ ہونے کا ہے، مگر یہ نالائق اس کو اب بھی مخلوق کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، جو اس غریب پر سراسر زیادتی ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر وہ خود بھی بلاضرورتِ شرعیہ (مثل وصیت وغیرہ) کے اس عالم کی طرف متوجہ ہو تو اس کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف پھیر دی جائے۔ (اصلاحِ انقلابِ

اُمت ج:۱، ص:۲۳۴)

بعض اوقات مریض کے بچّوں کو اس کے سامنے لاتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ ان کا کون ہو گا؟ انہیں پیار کر لو، ان کے سر پر ہاتھ تو رکھ دو، جس سے وہ غریب اور پریشان ہو جاتا ہے اور آخری وقت میں مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کا نقصان الگ ہوتا ہے، دُوسری طرف بچّے کس قدر شکستہ دل ہوتے اور نااُمید ہوتے ہیں، یہ وقت تو ایسا ہے کہ اگر وہ خود بھی بچّوں کو یاد کرتا تو اس کو حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنے کی تلقین کی جاتی۔

اور اگر وہ بہت ہی یاد کرے تو سرسری طور پر سامنے کر دیں تاکہ اس کا دِل اُن میں اٹکا نہ رہے، لیکن اگر وہ خود یاد نہ کرے تو ہرگز اس کو یاد نہ دِلائیں، اسی طرح بعض مرد بھی جو زنانہ مزاج رکھتے ہیں وہ بھی یہی مذکورہ بالا ناشائستہ حرکات کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ جاں کنی کے وقت میّت کے پاس دیندار اور سمجھدار لوگ ہوں، گھر کی عورتیں اتفاق سے ایسی سمجھدار اور دیندار ہوں تو اُن کے رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جو لوگ بھی رہیں ان تمام اُمور کی احتیاط رکھیں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۴)

بدفالی سے یٰسٓ نہ پڑھنا اور میّت سے دُور رہنا:

☆ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ بدفالی کے خیال سے یا دین کی عظمت دِل میں نہ ہونے سے نہ اُس وقت سورۂ یٰسٓ پڑھیں اور نہ اس کا پڑھنا گوارا کریں اور نہ کلمہ کا اہتمام کریں، نہ میّت کو کلمہ کی طرف متوجہ کریں، جبکہ اس کو ہوش ہو، اور نہ خود ہی اس میں مشغول ہوں، بلکہ فضول باتوں اور اُن کاموں میں لگ جاتے ہیں جن کی ضرورت بعد میں ہو گی، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، ان سے بچنا لازم ہے۔

بعض جگہ میّت کے ورثا اس کے مال و دولت، روپیہ پیسہ اور دیگر ساز و سامان پر قبضہ کرنے کی فکر میں بھاگتے پھرتے ہیں، مریض کے پاس کوئی نہیں رہتا اور وہ تنہا ہی ختم ہو جاتا ہے، بڑی ہی نادانی اور ظلم کی بات ہے، اور پھر مرنے والے کے مال پر اس طرح قبضہ کرنا کہ جس کے قبضے میں جو آ جائے وہ اس کا مالک بن بیٹھے، جائز نہیں، مرحوم کے تمام ترکہ کو شرع کے مطابق تقسیم کرنا فرض ہے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۴)

☆ بعض لوگ مریض کے پاس اس بناء پر نہیں بیٹھتے کہ انہیں بیماری لگ جانے کا خوف رہتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری کسی کو نہیں لگ سکتی، اگر کہیں لگ گئی ہو تو وہ بھی خالق کی حکمت و مشیت سے ہے، بغیر ان کی مشیت

کے کچھ نہیں ہوتا، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر جگہ کچھ بھی نہیں ہوتا، اس لیے ایسا کرنا بڑی سنگدلی کی بات ہے، ہرگز وہم نہ کریں، مریض کو تنہا نہ چھوڑیں اور اس کی دل شکنی نہ کریں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۵)

کلمہ کی تلقین میں حد سے تجاوز کرنا:

☆ بعض لوگ مرنے والے کو کلمہ پڑھوانے میں اس قدر سختی کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں، وہ ذرا غافل ہوا، خاموش ہوا، فوراً توبہ، استغفار اور کلمہ کا تقاضا شروع کر دیتے ہیں اور برابر اس کے سر رہتے ہیں، وہ بیچارہ تنگ آکر تکلیف جھیل کر کسی طرح پڑھ لے تو اس پر بھی کفایت نہیں کرتے، یہ چاہتے ہیں کہ برابر پڑھتا ہی رہے دَم نہ لے، یہ سراسر جہالت کی بات ہے، خدا بچائے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۶)

☆ بعض لوگ اس سے بڑھ کر یہ زیادتی کرتے ہیں کہ مرنے والے سے اخیر تک باتیں کرانا چاہتے ہیں، ذرا اسے ہوش آیا اس کو پکارتے ہیں: میاں فلانے! ذرا آنکھیں تو کھولو، مجھ کو تو دیکھو میں کون ہوں؟ تم کیسے ہو؟ کچھ کہو گے؟ کس بات کو دل چاہتا ہے؟ اس طرح کی خرافات اور لغویات میں اُس کو تنگ کرتے ہیں جو کسی طرح درست نہیں، البتہ شرعاً کسی بات کو دریافت کرنا ضروری ہو مثلاً کسی کی امانت کو پوچھا جائے کہ تم نے کہاں رکھی ہے؟ یا قرضدار اور لین دین کے بارے میں پوچھا جائے کہ جس کا حال کسی اور سے معلوم نہیں ہو سکتا یا اسی قسم کا کوئی اور حقِ واجب ہو تو اسے دریافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ضروری ہے، بشرطیکہ مریض کو بتلانے میں ناقابلِ برداشت تکلیف نہ ہو۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۶)

☆ بعض لوگ جاہل لوگ اُس بیچارے کو قبلہ رُخ کرنے میں یہ کرتے ہیں کہ اس کا تمام بدن اور منہ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اگر وہ نزع کے عالم میں بدن یا گردن کو حرکت دے جو اختیاری طور پر ہوتی ہے تو پھر مروڑ تروڑ کر رُخ بدل دیتے ہیں، یہ بھی غلط اور جہالت کی بات ہے، یاد رکھو! قبلہ رخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب مریض پر شاق نہ ہو یا جب وہ بالکل بے حس و حرکت ہو جائے اُس وقت قبلہ رُو کر دیا جائے، نہ یہ کہ زبردستی کر کے اس کو تکلیف پہنچائیں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۷)

نزع میں نامحرم مرد کو دیکھنا:

☆ ایک بے احتیاطی یہ ہوتی ہے کہ نزع کی حالت میں نامحرم عورتیں بھی اس کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں، اور اُس وقت پردہ کو ضروری نہیں سمجھتیں، یہ بڑی جہالت کی بات ہے، کیونکہ اگر اس کو اتنا ہوش ہے کہ وہ دیکھتا اور سمجھتا ہے تب تو اس کے سامنے آنا اور دیکھنا جائز نہیں، اور اگر اتنا ہوش نہیں ہے تو بہت سے بہت مریض نے نہ دیکھا، مگر ان عورتوں نے تو

بلا ضرورت نا محرم کو دیکھا، اور حدیث شریف میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے، اس لیے نامحرم عورتیں ہرگز مریض کے سامنے نہ آئیں، اسی طرح بعضے مرد بھی ایسی حالت میں نامحرم عورت کے سامنے چلے جاتے ہیں اور دیکھنے لگتے ہیں، سو اُن کے لیے بھی ایسا کرنا جائز نہیں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۷)

نزع کی حالت میں عورت کے مہندی لگانا:

☆ بعض جگہ یہ قبیح رسم ہوتی ہے کہ جب کسی عورت کے انتقال کا وقت قریب ہوتا ہے تو دُوسری عورتیں اس کے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہیں، اور اس کو مسنون سمجھتی ہیں، واضح رہے کہ یہ مسنون نہیں، بلکہ ناجائز ہے۔[1]

موت کے وقت مہر معاف کرانا:

☆ ایک کوتاہی جو بہت ہی عام ہے، یہ ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کر دے۔ وہ معاف کر دیتی ہے، اور خاوند اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے آپ کو دَینِ مہر سے سبکدوش سمجھتا ہے اور کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا، یاد رکھیے! اوّل تو اس وقت اس طرح معاف کرانا بڑی سنگدلی کی بات ہے، دوسرے اگر وہ پوری طرح ہوش میں ہو اور خوش دِلی سے معاف بھی کر دے تو بھی مہر معاف نہ ہوگا، کیونکہ مرض الموت میں معافی بحکم وصیت ہے اور وصیت شوہر کے لیے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، البتہ اگر عورت کے دوسرے وارث جو عاقل بالغ ہوں وہ اپنا اپنا حصۂ میراث اس مہر میں سے بخوشی چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن جو وارث مجنون یا نابالغ ہو اس کا حصہ اس کی اجازت سے بھی معاف نہ ہوگا۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۳۸)

☆ ایک کوتاہی بعض لوگوں میں یہ ہوتی ہے کہ جس کا انتقال ہونے لگے، اگر اس نے مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کی بیوی کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنا مہر معاف کر دے، حالانکہ بیوی اس پر بالکل راضی نہیں ہوتی، مگر لوگوں کے اصرار یا رسم سے مجبور ہو کر شرما شر بس، بڑا ظلم ہے۔

---

۱ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل مدلل ج:۵، ص:۲۲۵)

موت کے بعد کی رسمیں

اظہارِ غم میں گناہوں کا ارتکاب:

☆ بہت سی جگہ رونے پیٹنے میں عورتیں بے پردہ ہو جاتی ہیں اور پردہ کا مطلق خیال نہیں رکھتیں۔

بعض جگہ اس سے بڑھ کر یہ غضب ہوتا ہے کہ نوحہ کرنے والوں اور والیوں کی تصویریں کھینچی جاتی ہیں اور اخبارات میں شائع کی جاتی ہیں، یہ بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

☆ بعض جگہ عورتیں فرطِ غم سے اپنے نامحرم عزیزوں مثلاً دیور، چچازاد، تایازاد اور خالہ زاد بھائی وغیرہ سے لپٹ لپٹ کر روتی ہیں، یہ بھی حرام ہے، کیونکہ رنج و غم میں شریعت کے اَحکام ختم نہیں ہو جاتے۔

☆ بعض جگہ اُوپر کی عورتیں دیدہ و دانستہ ایسی باتیں کرتی ہیں جس سے رونا آئے اور بعض عورتیں بن بن کر بہ تکلف روتی ہیں، یہ سب غلط ہے اور منع ہے۔(اصلاح الرسوم)

☆ بعض جگہ گھر کی اور برادری کی عورتیں میّت کے گھر سے نکلتے وقت نوحہ کرتی ہوئی گھر کے باہر تک آجاتی ہیں، اور تمام غیر مردوں کے سامنے بے حجاب ہو جاتی ہیں، یہ سب ناجائز و حرام ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے نوحہ کرنے یعنی چیخنے چلانے کو جاہلیت کی باتوں میں شمار کیا ہے۔

''أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالِاسْتِقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ۔ وَقَالَ: ''النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ''

فرمایا کہ جاہلیت کی چار باتیں ایسی ہیں جن کو میری امت نہیں چھوڑے گی، ذات پات پر فخر کرنا، نسب کے طعنے دینا، اور ستاروں کے ذریعے بارش کا طلب کرنا، اور نوحہ کرنا۔ اور اسی حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے قبل اس سے توبہ نہ کرے گی تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور اس پر قطران (جو کولتار کے مانند ایک چیز ہوتی ہے) کے بنے ہوئے کپڑے ہونگے اور آگ کی لپٹوں کی قمیص ہو گی۔(مسلم: ۱۵۵۰/ترمذی:۹۲۲/ابن ماجہ:۱۵۷۰)

نیز پیارے پیغمبر ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو ان سے اس بات کا اقرار بھی کراتے تھے کہ نوحہ نہیں کریں گی۔ امّ عطیہؓ فرماتی ہیں:

” أَخَذَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الْبَيْعَةِ أَلَّا نَنُوحَ. فَمَا وَفَّتْ مِنَّا امْرَأَةٌ إِلَّا خَمْسٌ: أُمُّ سُلَيْمٍ، وَأُمُّ الْعَلَاءِ، وَابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ أَوِ ابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ، وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ. “[رواه البخاري (۳/ ۱۳۷) ومسلم (۳/ ۴۶) واللفظ له، والبيهقي (۴/ ۶۲)]

اور فرمایا:

’’ليس منا من لطم الخدود، وشق الجيوب، ودعى بدعوى الجاهلية‘‘

اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جو رخسار پیٹے، اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے طور وطریق اختیار کرے۔

اس پر مزید وضاحت محرم کے مہینے میں ہونے والی بدعات کے ضمن میں دیکھ لیا جائے۔

پوسٹ مارٹم:

آج کل حادثات میں ہلاک یا قتل ہونے والوں کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے اور جسم کو چیر پھاڑ کر اندرونی حصے دیکھے جاتے ہیں، ان میں بیشتر صورتیں ایسی ہوتی ہیں جہاں پوسٹ مارٹم شرعی ضرورت کے بغیر کیا جاتا ہے، جو جائز نہیں، اور اگر کہیں شرعی ضرورت ہو یعنی کسی دُوسرے زندہ شخص کی جان بچانے یا کسی کا مال ضائع ہونے سے بچانے کے لیے پوسٹ مارٹم ناگزیر ہو تو اس میں بھی شرعی اَحکام مثلاً ستر اور احترامِ میّت وغیرہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اور فارغ ہونے کے بعد اس کے تمام اعضاء کو دفن کر دینا ضروری ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج:۱، ص: ۵۰۸ وکفیات المفتی ج:۴، ص:۱۸۸)

میّت کے سرمہ لگانا اور کنگھی کرنا:

☆ بعض لوگ میّت کی آنکھوں میں سرمہ اور کاجل لگاتے ہیں، سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو کنگھا بھی کرتے ہیں، بعض لوگ ناخن اور بال کتر دیتے ہیں، یہ سب ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل مدلل ج:۵، ص: ۲۴۸)

میّت کو سلا ہوا پائجامہ اور ٹوپی پہنانا:

☆ بعض جگہ علماء اور سرداروں وغیرہ کی میّت کو کفن کے تین کپڑوں کے علاوہ ایک عدد عمامہ بھی دیتے ہیں، سو یہ

عمامہ مکروہ ہے، خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین یمنی چادروں میں کفنایا گیا تھا، جس میں عمامہ نہیں تھا، احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج:۱، ص:۵۱۰، وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند مدلل ج:۵، ص:۲۵۹)

زیادہ قیمتی کفن خریدنا یا کفن میں زیادتی کرنا

☆ زیادہ قیمتی کفن خریدنا یا تین چادروں سے زیادہ کرنا جائز نہیں اس لئے کہ اس میں مال کا ضیاع ہے اور میّت کو اس سے کچھ نفع نہیں اور پیارے پیغمبر ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وقَالَ، وإِضاعَةَ المالِ، وكَثرةَ السؤالِ"

ترجمہ: اللہ رب العزت تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرماتے ہیں، زیادہ قیل وقال، مال کا ضائع کرنا، اور سوال کی کثرت۔

میّت کے کفن سے بچا کر امام کا مصلیٰ بنانا:

☆ ایک عام رسم یہ بھی ہے کہ میّت کے کفن سے کوئی گز بھر کپڑا بچا لیتے ہیں یا زائد خرید لیتے ہیں جو نمازِ جنازہ کے بعد امام کا حق سمجھا جاتا ہے، بعض جگہ اوپر کی چادر بھی امام کو دے دی جاتی ہے، سو یہ مصلیٰ اور چادر بنانا ہی غلط ہے، کفن کے مصارف سے اس کا کچھ تعلق نہیں، امام کا ان میں کوئی حق نہیں اور مشترک ترکہ سے اس کا صدقہ میں دینا بھی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ج:۱، ص:۳۷۹بزیادۃ)

میت کے سینے اور کفن پر کلمہ لکھنا اور شجرہ وعہد نامہ رکھنا:

☆ بعض لوگ روافض اور دیگر باطل فرقوں کی دیکھا دیکھی کفن پر کلمہ وغیرہ لکھتے ہیں اور قبر میں میّت کے سینے پر عہد نامہ رکھتے ہیں یہ بدعت ہے اس سے بچنا چاہئے پیارے پیغمبر ﷺ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے کسی سے کفنی پر لکھنا ثابت نہیں، اور فقہاء نے بھی اس کو منع کیا ہے۔ نیز اس میں کلمہ طیبہ وغیرہ کی بے حرمتی اور توہین کا اندیشہ ہے، کیونکہ میّت کی لاش کچھ عرصہ بعد پھٹ جاتی ہے۔ اگر کوئی زندہ شخص اپنے کپڑے پر اللہ تبارک وتعالیٰ، یارسول اللہ ﷺ کا نام نامی لکھ لے تو آپ یقیناً اسے بے ادبی سمجھیں گے، اسی طرح کفن بھی مردہ کا لباس ہے، اور پھولنے، پھٹ جانے کے بعد کفن ناپاک چیزوں سے بھی آلودہ ہو جائے گا، اس لئے اس پر کلمہ وغیرہ لکھنے میں اور بھی زیادہ بے ادبی اور زیادہ بے حرمتی

ہے۔(رد المختار ج ۱ ص ۶۶۸)

☆ بعض جگہ میّت کے سینہ یا پیشانی یا کفن پر کلمۂ طیّبہ، کلمۂ شہادت، آیۃ الکرسی اور دیگر آیات اور دُعائیں روشنائی وغیرہ سے لکھی جاتی ہیں، اس طرح لکھنا جائز نہیں، کیونکہ میّت کے پھٹنے سے بے حرمتی ہوگی، البتہ بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف اُنگلی سے کچھ لکھ دیا جائے کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ اس کو بھی مسنون یا مستحب یا ضروری نہ سمجھیں، ورنہ یہ بھی بدعت اور واجب الترک ہوگا۔(احسن الفتاویٰ ج:۱، ص:۳۵۱ بایضاح)

☆ بعض لوگ میّت کے سینہ پر عہد نامہ یا شجرہ یا سورۂ یٰسٓ وغیرہ رکھ دیتے ہیں یا پتھر پر لکھ کر اس کے ساتھ قبر میں رکھ دیتے ہیں، میّت کے گلنے سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے، لہٰذا اس کو بھی ترک کرنا چاہیے، البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہیں اُس کا قبر میں رکھ دینا دُرست ہے، جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۴۱)

کفنانے کے بعد امام کا خط میّت کو دینا:

☆ بعض لوگ میّت کو کفن پہنانے کے بعد امام مسجد کا لکھا ہوا خط میّت کے دونوں ہاتھوں میں دیتے ہیں، سو یہ بھی بے اصل اور لغو ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل ج:۵، ص:۲۵۶)

نمازِ جنازہ سے پہلے اور بعد اجتماعی دُعا کرنا:

☆ بعض جگہ یہ رسم ہے کہ میّت کو کفنانے کے بعد جنازہ تیار کر کے تمام حاضرین اجتماعی طور پر فاتحہ پڑھتے اور دُعا کرتے ہیں، اور بعض جگہ نمازِ جنازہ کے بعد بھی اجتماعی دُعا کی جاتی ہے۔

تو یاد رکھیے! کہ نمازِ جنازہ خود دُعا ہے، میّت کے لیے جو شریعت نے دُعا مقرر فرمائی ہے اُس میں اجتماعی طور پر جو دُعا پڑھی جاتی ہے وہ میّت اور تمام مسلمانوں کے لیے اتنی جامع اور مفید دعا ہے کہ ہم اور آپ عمر بھر سوچ بچار سے بھی اس سے بہتر دُعا نہیں کر سکتے، نمازِ جنازہ سے پہلے یا بعد اجتماعی دُعا یا فاتحہ پڑھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے یہ ناجائز اور بدعت ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ دعا تو تمام زندہ و مردہ مسلمانوں کے لیے ہر وقت جائز ہے، پھر اس موقع پر دُعا مکروہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ فقہائے کرامؒ نے انفرادی طور پر دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا، میّت کے وقتِ انتقال بلکہ اس سے بھی پہلے عیادت کے زمانے سے اس کے لیے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ثبوت احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، ہر مسلمان کو اختیار ہے بلکہ بہتر ہے کہ جب وہ کسی مریض کی عیادت کو جائے تو اس کے لیے دُعا کرے، اور اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے لیے مغفرت کی دُعا کرے، اور دفن تک بلکہ اپنی زندگی بھر میّت کے لیے دعا کرتا رہے، تلاوتِ قرآن کریم اور دیگر مالی و بدنی عبادتوں کا ثواب اُسے پہنچاتا رہے، ان تمام حالات میں فرداً فرداً دعا کرنے یا ایصالِ ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں، بشرطیکہ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات ایجاد نہ کرے جو شریعت کے خلاف ہو، اور کوئی ایسی شرط یا پابندی اپنی طرف سے نہ لگائے جو شریعت نے عائد نہیں کی۔

اور رحمتِ عالم ﷺ نے مسلمان میّت کے لیے اجتماع کے ساتھ دعا کرنے کا طریقہ صرف وہ مقرر فرمایا ہے، جسے نمازِ جنازہ کہتے ہیں، انفرادی طور پر ہر شخص ہر وقت دعا کر سکتا ہے، لیکن جمع ہو کر دُعا کرنے کا ثبوت صرف نمازِ جنازہ کے اندر ہے، اس سے پہلے یا اس کے بعد جن جن مواقع میں دعا کے لیے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے یہ لوگوں کی اپنی ایجاد ہے، اور فقہائے کرامؒ اسی اجتماع کو مکروہ اور بدعت فرماتے ہیں، فتاویٰ بزازیہ میں اس ممانعت کی صراحت موجود ہے۔ (دلیل الخیرت ص:۵۱ تا ۵۳ و امداد المفتین ص:۴۴۴)

آج کل اس پر مزید ستم یہ ہونے لگا ہے کہ جو شخص اس بدعت میں شریک نہیں ہوتا اس پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی بدعت اور جہالت و گمراہی سے محفوظ رکھے اور آنحضرت ﷺ کی سنت پر جینے اور اسی پر مرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کے بارے میں آگے جا کر انشاء اللہ ہم تفصیلی بحث کریں گے۔

نماز وحشت پڑھنا:

☆ اکثر گھرانوں میں جب میّت کو تدفین کے لئے قبرستان لے جایا جاتا ہے تو گھر میں باقی ماندہ عورتیں اور مرد مرنے والے کے لئے انفرادی طور پر برائے دورئی وحشتِ قبر نمازِ وحشت پڑھتے ہیں، یہ ایک دوگانہ نماز ہوتی ہے جو عموماً گھر ہی میں ادا ہوتی ہے، اور اس کا اہتمام زیادہ تر بوڑھی عورتیں کرتیں ہیں، اور ان کی بات مان کر اور لوگ بھی ان جاہلانہ اور بدعتی رسومات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یادرکھئے نمازِ وحشت کا ثبوت پیارے پیغمبر ﷺ ، آثارِ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ میں سے کسی سے بھی نہیں ملتا اور نہ ہی ائمہ دین میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ البتہ رافضی (شیعہ) حضرات کے ہاں نمازِ وحشت پڑھی جاتی ہے اور ان کی مذہبی کتابوں میں اس کا ذکر ہے لیکن اس کے جواز کی دلیل ان کی کتب میں بھی نہیں ملتی، اس لئے یہ ایک بدعت ہے اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئیے۔

میّت کے بارے میں عورتوں کی توہم پرستی:

☆ بعض علاقوں میں کہا جاتا ہے کہ لاش کو ہلانے اور اس کو اِدھر اُدھر کرنے سے میّت کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اگر اس کو سانس ہو تو سب کو چیر پھاڑ دے۔ اسی طرح بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو عورتیں، یہاں تک کہ بچیاں بھی میّت والے گھر میں جانے سے پرہیز کرتیں ہیں اور کہتی ہیں کہ ہمارا پرہیز ہے یا ہمیں تعویذ ہے اس لئے میّت کے گھر نہیں جاتیں اور میّت والے گھر کے سامنے سے بھی چالیس دنوں تک نہیں گزرتیں اس ڈر سے کہ ان کو میّت کی روح چمٹ جائے گی۔

یہ بھی توہم پرستی ہے اور غلط لوگوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی ہے جو سادہ لوح لوگوں کو ایسا تعویذ دیتے ہیں کہ وہ ساری عمر اِن کے چکر سے باہر نہ نکل سکیں لہٰذا اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

☆ اسی طرح چھوٹے بچوں کو کفن کے بجائے نئے کپڑے پہنا کر ان میں دفن کرنا خلافِ سنت ہے۔

☆ فوت شدہ دولہا یا دلہن کو کفن کے بجائے شادی کے کپڑے یا سہرا پہنا کر دفن کرنا۔

تجہیز و تکفین اور تدفین میں تاخیر

☆ بعض لوگ میّت کے مال و دولت کی جانچ پڑتال یا تقسیم ترکہ کے انتظام و اہتمام یا دوستوں اور رشتہ داروں کے انتظار یا نمازیوں کی کثرت یا ایسی ہی اور کسی غرض سے میّت کی تدفین میں دیر کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض جگہ کامل دو دن تک میّت کو پڑا رکھتے ہیں، یہ سب ناجائز و منع ہے۔(دلیل الخیرات)

☆ بعض جگہ یہ رسم ہے کہ میّت کی تجہیز و تکفین سے پہلے گٹھلیوں پر ایک لاکھ مرتبہ کلمۂ طیّبہ پڑھوانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کی تکمیل کے واسطے دُوسروں کو بلاوے دیئے جاتے ہیں اور انہیں خواہی نخواہی آنا پڑتا ہے، اور جو شخص نہ آئے یا نہ آسکے تو وہ تعزیت اور جنازہ میں بھی ندامت کے باعث شرکت نہیں کرتا، اس میں بھی متعدد خرابیاں ہیں، اور تجہیز و تکفین میں بھی تاخیر ہوتی ہے اس لیے یہ رسم بھی واجب الترک ہے۔(امداد الاحکام ج:۱، ص:۱۰۳)

حدیث میں صاف حکم ہے کہ جنازہ میں ہرگز تاخیر مت کرو، فقہاء نے بعض وقتی نمازوں سے اس کو مقدم لکھا ہے، اور اگر رونے پیٹنے میں دیر لگائی جائے تو وہ اور بھی زیادہ برا ہے۔

"عَن إِبْنِ عمر رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ سَمِعت رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَقُول إِذا مَاتَ أحدكُم فَلَا تَحْبِسُوهُ وأسرعوا بِهِ إِلَى قَبره" وثبت عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: "أَسْرِعُوا بِالْجِنَازَةِ فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ وَإِنْ تَكُنْ غَيْرَ ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ" [رواه أحمد والبخاري ومسلم وأصحاب السنن، وفيه تنبيه على الإسراع بتجهيزه أيضًا ليعجل به إلى الخير، أو ليستراح منه۔]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کو مت روکو اور اس کو جلد اس کی قبر تک پہنچاؤ۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازہ کو تیز قدموں سے لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو قبر اس کے لئے خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) اور جہاں تم تیز چل کر اس کو جلدی پہنچا دوگے۔ اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک آدمی کا نہیں ہے) تو ایک برا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے تم تیز چل کر جلدی اس کو

اپنے کندھوں سے اتار دوگے۔ اور اسی طرح کی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے:

عن أبي هريرة عن النبی ﷺ قال: ''أَسْرِعُوا بِالْجِنَازَةِ فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ وَإِنْ يک سوى ذَلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ '' أخرجه مسلم۔ أيضًا

البخاري: عَن أَبِي سعيد الْخُدْرِيّ قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذا وضعت الْجِنَازَة واحتملها الرِّجَال على أَعْنَاقهم فَإِن كَانَت صَالِحَة قَالَت قدموني قدموني وَإِن كَانَت غير صَالِحَة قَالَت يَا وَيْلَهَا أَيْن تذهبون بهَا فيسمع صَوتهَا كل شَيْء إِلَّا الْإِنْسَان وَلَو سَمعه الْإِنْسَان صعق۔ وقد تقدم من حديث أنس [أنها تقول]: ''يا أهلي، ويا ولدي'' الحديث

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنازہ تیار کر کے رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ مردہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی پہنچاؤ، مجھے جلدی پہنچاؤ، اور اگر وہ نیک نہیں ہوتا تو کہتا ہے کہ ہائے بربادی تم مجھے کہاں لے کر جارہے ہو؟ اس کے چلانے کی یہ آواز سوائے انسانوں کے ہر چیز سنتی ہے، اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا

بہت سے لوگ میّت کو کندھا دیتے وقت زور سے کلمہ شھادت پکارتے ہیں اور باقی لوگ جواب میں کلمہ شھادت پڑھنا شروع کر دیتے ہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط اور بدعت ہے حدیث شریف اور فقہ حنفی کی رو سے اس کی گنجائش نہیں ملتی کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کیا جائے۔ فقہائؒ نے لکھا ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو کوئی ذکر یا دعا اونچی آواز سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس موقع پر لوگوں کو طویل خاموشی اختیار کرنا چاہئے۔

☆ چنانچہ ردالمختار علیٰ الدر المختار ص۱۳۸، ج۳ باب صلاۃ الجنازۃ) میں لکھا ہے کہ:

كما كره فيها رفع صوت بذكر او قرأة وفيه عنها : وينبغي لمن تبع الجنازة ان يّطيل الصّمت، وفيه عن ظهيرية: فان اراد ان يّذكر الله تعالىٰ يذكره في نفسه، لقوله تعالىٰ '' انّه لا يحبُّ المعتدين'' اى الجاهرين بالدُّعاء۔

وعن ابراهيم انّه كان يكره ان يّقول الرّجل وهو يمشي معها : استغفروا له غفر الله لكم : اھ۔

قلت: واذا كان هذا في الدُّعاء والذكر فما ظنُّك بالغناء الحادث في هٰذا الزمان؟

ترجمہ: جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ طویل خاموشی اختیار کریں، اور اگر وہ ذکر کرنا چاہیں تو دل میں ذکر کریں، اس لئے کہ اللہ رب العزّت کا ارشاد ہے: '' انّه لا يحبُّ المعتدين''

کہ وہ ذکر اور دعا میں آواز بلند کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اس لئے جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو کوئی ذکر یا دعا اونچی آواز سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرح دوسروں کو اس کی ترغیب دینا بھی۔

☆ حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ جب جنازہ کے ساتھ چلتے تو خاموش رہتے اور اپنے دل میں موت کے متعلق گفتگو فرماتے۔

☆ ایک دوسری حدیث میں حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

انّ اللّٰه يُحبّ الصّمت عند ثلاث، عند تلاوة القرآن، وعند الزحف، وعند

الجنازة۔(تفسیر ابن کثیر ج۲،ص۲۱۹)

اللہ تبارک وتعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند فرماتے ہیں،(۱) قرآن کریم کی تلاوت کے وقت،(۲) جہاد کے وقت میدان جنگ میں،(۳) اور جنازہ کے ساتھ۔

☆ اس طرح حضرت قیس بن عباد سے مروی ہے کہ:

قال کان اَصْحَابُ رَسُول الله ﷺ یُکرھون الصَّوت عند ثلاثٍ، الجنائز، والقتال، والذکر۔(بحر الرائق ص۶۷ ج۵)

اصحاب رسول اللہ ﷺ تین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔جنازہ کے ساتھ،لڑائی میں،اور ذکر کے وقت۔

☆ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ لا تُتْبَعُ الجنازۃ بصوتٍ ولا نارٍ(رواہ احمد وابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنازے میں اونچی آواز یا آگ کے ساتھ نہ چلا جائے۔

☆ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ تین مقامات پر آواز بلند کرنا پسند نہیں کرتے تھے،(۱) قراۃ قرآن،(۲) جنازہ (۳) اور لڑائی کے وقت۔ (السیر الکبیر ج۱ ص۸۹)

☆ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال نھیٰ رسول الله ﷺ اَنْ تُتْبَعَ جنَازَۃٌ مَعَھَا رَانَّۃٌ (رواہ احمد وابن ماجہ)

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا ہے جس کے ساتھ نوحہ اور ماتم کرنے والی عورتیں ہوں۔

اور آثارِ صحابہ سے بھی اس کی ممانعت ہے کہ جنازہ کے ساتھ آواز بلند کی جائے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے وصیت فرمائی تھی:

"فإذا أنا مِتُّ فلا تَصْحَبْنِيي نائحةٌ ولا نارٌ" أخرجه مسلم (۷۸/۱) وأحمد (۱۹۹/۴)

اور قیس بن عُبادؓ فرماتے ہیں:

”كان أصحابُ النَّبي ﷺ يَكْرَهُون رفعَ الصوتِ عند الجنائز“ أخرجه البيهقي (۴/۷۴) وابن المُبارک في ”الزهد“ (۸۳) وأبو نعيم۔

اور اس لئے کہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے کہ جب وہ جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں تو اپنے غم کے اظہار کے لئے اپنی انجیل سے کچھ اذکار بلند آواز سے پڑھتے ہوئے چلتے ہیں۔

امام نوویؒ اپنی کتاب ”الاذکار“ کے صفحہ نمبر ۲۰۳) پر لکھتے ہیں:

”واعلم أن الصوابَ المختارَ ما كان عليه السلفُ رضي الله عنهم: السكوتُ في حال السير مع الجنازة، فلا يُرفع صوتٌ بقراءة، ولا ذكر، ولا غير ذلك، والحكمة فيه ظاهرة؛ وهي أنهُ أسكنُ لخاطره، وأجمعُ لفكره فيما يتعلق بالجنازة، وهو المطلوبُ في هذا الحال. فهذا هو الحقّ، ولا تغترَّ بكثرة من يُخالفه. فقد قال أبو عليّ الفُضَيْل بن عِياض رضي الله عنه ما معناه: الزمْ طرقَ الهدَى، ولا يضرُّكَ قلّةُ السالكين، وإياك وطرق الضلالة، ولا تغترَّ بكثرة الهالكين“ وقد رُوِّينا في ”سُنَن البيهقي“ ما يقتضي ما قلتُه (يشير إلى قول قَيْس بن عُبَاد)۔ وأمّا ما يفعلهُ الجَهَلةُ من القراءةِ على الجنازةِ بدمشقَ وغيرها من القرأءةِ بالتمطيطِ وإخراجِ الكلامِ عن مواضعهِ فَحرَامٌ بإجماعِ العُلَماء، وقد أوْ ضَحْتُ قُبْحة وَغِلَظَ تحريمهِ وفِسْقَ من تمكّن من إنكارهِ فلم يُنكرهُ في كتاب ”آدابِ القراءةِ“ والله المستعان“

اسی لئے فقہاء نے جنازہ کے ساتھ بلند آواز میں ذکر کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ دل ہی دل میں ذکر کرے۔

”ويكره رفع الصوت بالذكر خلف جنازة و يذكر في نفسه“ (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهنديه: ۴/۷۰، البحر الرائق: ۲/۱۹۴)

اس لیے اگر جنازہ کے ساتھ ذکر کرنا ہو تو آہستہ کرے، رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر کوئی خاص ذکر ثابت نہیں، اس لیے یہ بھی درست ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے خاموش رہیں، اور اپنے ذہن کو آخرت کی طرف متوجہ رکھیں، اور ذکر و استغفار یا مردہ کے لیے دعاء وغیرہ کا اہتمام کریں۔

جنازہ میں ساتھ چلنے کا مقصد عبرت و موعظت کا حاصل کرنا ہے، یعنی آدمی ساتھ چلتے ہوئے موت کا، آخرت کا اور قبر و حساب کا استحضار کرتا رہے، تاکہ اپنے اعمال کی اصلاح اور گناہوں سے بچنے کی طرف توجہ ہو سکے، خاموشی کی حالت عبرت آموزی اور غور و فکر کے لیے زیادہ موزوں ہوتی ہے، اس لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ خاموش رہے، اور اپنی آخرت کے بارے میں غور کرتا رہے، رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور صحابہؓ سے اس موقع پر کچھ پڑھنا ثابت نہیں، تاہم اگر ذکر کرنا چاہے تو فقہاء نے آہستہ آہستہ ذکر اور تلاوت کی اجازت دی ہے اور زور سے ذکر کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ''البحر الرائق'' میں ہے

''ینبغی لمن تبع جنازۃً أن یطیل الصمت و یکرہ رفع الصوت بالذکر و تلاوۃ القرآن و غیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم'' (البحر الرائق: ۱۹۴/۲)

ان تمام روایات کی بنا پر حضرات فقہاأ احناف نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم پڑھنا وغیرہ مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے:

''وعلیٰ متبعی الجنازۃ الصمت و یکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن۔''

کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ جانے والے ہوں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ خاموش رہیں، اور ان کے لئے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے (عالمگیری ص۱۷۲، ج۱)

امام سراج الدین اودی لکھتے ہیں کہ:

رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن ،وقولھم کل حیّ یموت ونحو ذالک خلف الجنازۃ بدعۃ۔ کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم پڑھنا، اور یہ کہنا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔(سراجیہ ص:۲۳)

اسی طرح بحوث علمیہ والافتاء جو علمائے اہل سنّت سعودی عرب کے استفتاء کا ایک ادارہ ہے اس کے مفتیان کرام اسی طرح کے ایک سوال کا کہ جنازہ کے ساتھ اجتماعی صورت میں با آواز بلند ذکر کرنے کا کیا حکم ہے؟ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

س۱: ما حکم رفع الصوت بالتھلیل الجماعي أثناء الخروج بالجنازۃ والمشي بھا إلی

المقبرة؟

ج۱: هدي الرسول صلى الله عليه وسلم إذا تبع الجنازة أنه لا يسمع له صوت بالتهليل أو القراءة أو نحو ذلك، ولم يأمر بالتهليل الجماعي فيما نعلم، بل قد روي عنه صلى الله عليه وسلم أنه «نهى أن يتبع الميت بصوت أو نار»، رواه أبو داود.

وقال قيس بن عباد وهو من أكابر التابعين من أصحاب علي بن أبي طالب رضي الله عنه: كانوا يستحبون خفض الصوت عند الجنائز وعند الذكر وعند القتال. (أخرجه الطبراني في ''الكبير'' (۲۱۳/۵) برقم (۵۱۳۰)أبو نعيم في)

وقال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله: لا يستحب رفع الصوت مع الجنازة لا بقراءة ولا ذكر ولا غير ذلك، هذا مذهب الأئمة الأربعة وهو المأثور عن السلف من الصحابة والتابعين ولا أعلم فيه مخالفا.

وقال أيضا: وقد اتفق أهل العلم بالحديث والآثار أن هذا لم يكن على عهد القرون المفضلة وبذلك يتضح لك أن رفع الصوت بالتهليل الجماعي مع الجنائز بدعة منكرة وهكذا ما شابه ذلك من قولهم: وحدوه، أو: اذكروا الله، أو قراءة بعض القصائد كالبردة.

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو: عبدالله بن قعود– عضو عبدالله بن غديان – نائب رئيس اللجنة: عبدالرزاق عفيفي – الرئيس: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز

(سکب العبرات للموت والقبر والسکرات ج۳ص۱۲۳)

ان تمام عبارات سے جو ذمہ دار فقہاۓ احناف کی ہیں سے معلوم ہو تا کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا،'' کل حَیّ یَمُوت ''وغیرہ پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنے اور ذکر کرنے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

جو لوگ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں وہ دلیل کے طور پر ایک تو قرآن کریم کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں ذکر کا تذکرہ اور اس کی فضیلت آئی ہے اور کہتے ہیں کہ اس سے جنازہ کے ساتھ ذکر بھی ثابت ہو گیا۔

جواب: ان کے اس استدلال کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ:

(۱) احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات درست نہیں ہوتا۔

(۲) قرآن کریم کی یہی آیات پیارے پیغمبر ﷺ، حضرات صحابہ کرامؓ، اور حضرات فقہاءِ احنافؒ کے سامنے بھی تھیں، مگر انھوں نے ان سے یہ نہیں سمجھا جو آج سمجھا جا رہا ہے۔

☆ دوسرا استدلال:

ان کی دوسری دلیل مولوی محمد عمر اپنی کتاب مقیاس حنفیّت میں یوں دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ قول " لا الہ الا اللہ " جنازہ میں زیادہ پڑھا کرو۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مَوتیٰ کے لئے "لا اِلٰہَ اِلا اللہ " کا سامان تیار کرو۔ تو ان مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ جنازہ کے ساتھ کلمے کا ذکر ثواب ہے اور میّت کو مفید ہے۔ اور اس زمانہ میں ذکر جہری بالمیّت کرنا اہل سنّت کے لئے ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کو وھابی اور حنفی کے جنازہ کا علم ہو جائے۔ (مقیاس الحنفیّت ص ۵۸۴)

جواب: (۱) اس کا ہماری طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ ہمارا اختلاف اس میں ہے کہ جو آدمی جنازہ کے ساتھ جا رہا ہو اس کے لئے با آواز بلند کلمہ پڑھنا یا ذکر کرنا جائز نہیں اور اپنے استدلال میں ہم نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ اپنے مفہوم میں نصّ صریح ہیں۔ جبکہ فریق مخالف کی پیش کردہ یہ روایات خَلْفَ الْجَنَازَہ یا متّبعی الْجَنَازَہ کے مفہوم کے بیان سے قاصر ہیں۔

جواب: (۲) پیارے پیغمبر ﷺ کی ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ وفات کے وقت مرنے والے کو کلمہ "لا الہ الا اللّٰہ" کی تلقین کرو۔

" لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ بِقَوْلِ لا الہ الا اللّٰہ " یہ سنّت سے ثابت ہے اور مسلمانوں میں تلقین شہادتین کا مسئلہ معمول بھا ہے۔

☆ تیسرا استدلال:

مفتی احمد یار صاحب اپنی کتاب جاأ الحق کے (ص ۳۸٦) پر امام زیلعیؒ کے حوالہ سے ایک حدیث لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قَالَ لَمْ يَكُنْ يُسمع مِن رَّسُوْلِ الله ﷺ وَهُو يَمْشِىْ خَلْفَ الْجَنَازَة الا قول لا اله الا الله مبديا و راجعاً۔

جواب: اس کے جواب میں ابو الزاہد حضرت مولانا سرفراز خان صفدر اپنی کتاب راہ سنّت ص ۲۲۴) پر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک راوی ہے جس کا نام ابراہیم بن ابی حمید ہے۔ اور امام ابو عروبہؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

''كانَ يَضعُ الحديث'' (لسان المیزان ج۱، ص۲۸)

کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ اس لئے یہ حدیث موضوع ہے۔

اسی طرح عرب کے مشہور مفتی شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

س۳: هل يجوز أن يتبع الميت بكلمة لا إله إلا اللهَ حتى يوارى في قبره؟

ج۳: الأصل في العبادات التوقيف؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد'' متفق عليه، ولمسلم: ''من عمل عملاً ليس عليه أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''، و سنته ﷺ في الصلاة على الجنائز و تشييعها و دفنها ثابتة معلومة لدى المسلمين، ولم يكن من ضمنها اتباع الجنازة بقول: لا إله إلا اللهَ. والخير كل الخير فى اتباعه صلوات اللهَ وسلامه عليه۔ وكذلك لا نعلم دليلاً يعتمد عليه أنها تقال عند حمل الأموات إلى القبور، بل هي بدعة۔

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو: عبدالله بن قعود– عضو عبدالله بن غديان –نائب رئيس اللجنة: عبدالرزاق عفيفي– الرئيس: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز (''الحلية'' (۵۸/۹)، والبيهقي (۷۴/۴)، وابن المبارك في ''الزهد'' (ص:۸۳) برقم (۲۴۷)

س: **کیا میّت کے ساتھ قبر میں دفنانے تک کلمہ " لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کا پڑھنا جائز ہے؟**

ج: اصل عبادات میں توقیف ہے اس لئے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں کسی ایسی چیز کو ایجاد کیا جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے اور ایک روایت میں ہے جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تھا تو وہ مردود ہے۔، اور میّت کی نماز جنازہ ادا کرنے اور اسے دفنانے کی جو سنّتیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور مسلمانوں کو معلوم ہیں ان میں کھیں اس کا ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے جنازہ کے ساتھ " لا الہ الا اللہ " کے ورد کا حکم دیا ہو، یا آپ ﷺ کے زمانے میں اس پر عمل ہوا ہو۔ اس لئے خیر و بھلائی آپ ﷺ کی سنتّوں کی تابعداری میں ہے۔

اسی طرح نہ ہی ہم کوئی قابل اعتبار دلیل اس بارے میں جانتے ہیں کہ جنازہ کو قبرستان لیجاتے ہوئے کلمہ کا ورد کیا گیا ہو، اس لئے یہ بدعت ہے (سکب العبرات للموت والقبر والسکرات ج۳ص ۱۲۳)

جنازہ دیکھتے ہی کھڑے ہو جانا

بریلوی اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ کسی بزرگ کا جنازہ نکلے تو عوام کا فرض ہے کہ اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں۔ اُن کے ہاں جب زندہ بزرگوں کے لیے قیام تعظیمی کیا جاتا ہے تو اُن کے جنازے کے لیے قیام تعظیمی کیوں نہ کیا جائے۔ اپنے اس مؤقف کی تائید میں بریلوی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا رایتم الجنازة فقوموا فمن تبعها فلا یقعدن حتی توضع۔ (جامع ترمذی ج:۱، ص:۱۲۴)

ترجمہ: جب تم کسی جنازہ کو آتے دیکھو تو دیکھتے ہی کھڑے ہو جاؤ جو اس کے پیچھے چلے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک (چارپائی) زمین پر نہ رکھ دی جائے۔

فقال ابو عیسیٰ حدیث ابی سعید فی هذا الباب حدیث حسن صحیح وهو قول احمد واسحاق قالا من تبع الجنازة فلا یقعد حتی توضع عن اعناق الرجال۔

یہ امام احمد اور احمام اسحاق کا مسلک ہے۔

ہم اس مسئلہ میں امام احمد اور امام اسحاق کے مسلک پر نہیں ہیں۔ کاش بریلویوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفی مذہب

بھی معلوم کیا ہوتا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) کے موطا میں اس پر ایک مستقل باب ہے۔ باب القیام للجنازہ اور اس میں یہ حدیث روایت کی ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کان یقوم اللجنازہ ثمہ جلس بعد قال محمد و بھٰذا نا خذ لا نری القیام للجنازہ کان ھذا شیاء فترك و ھوا قول ابی حنیفہ۔ (موطا امام محمد ص:۱۶۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے پھر اس کے بعد بیٹھ جاتے (امام) محمد کہتے ہیں یہی ہمارا موٴقف ہے ہم جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کا نہیں کہتے ایسا کچھ وقت کے لیے تھا پھر اُسے چھوڑ دیا گیا اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

امام ترمذی حضرت علیؓ کی اس حدیث کا حاصل ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

و معنی قول علی قام النبی ﷺ فی الجنازہ ثم قعد یقول کان النبی ﷺ یقوم اذا رای الجنازۃ ثم ترك ذلك بعد فکان لا یقوم اذا رای الجنازۃ۔ (جامع ترمذی ج:۱، ص:۱۲۴)

ترجمہ: حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے پھر بیٹھ جاتے اس کا معنی یہی ہے کہ ایسا پہلے ہوتا تھا پھر آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا پھر آپ ﷺ جنازہ دیکھتے کھڑا نہ ہوا کرتے تھے۔

پھر یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ یہ کھڑا ہونا کسی مسلمان کے لیے اعظاماً ہوتا تھا یا کسی کافر کا جنازہ بھی ہو تو یہ کھڑا ہونا بطورِ اظہارِ افسوس ہو سکتا تھا۔

ان للموت فزعاً فاذا رأیتم جنازۃ فقوموا (صحیح ابن حبان جلد:۵، ص۲۳)

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے۔

مُرّبنا جنازۃ فقام لھا النبی ﷺ وقمنا فقلنا یا رسول اللہ انھا جنازۃ یھودی قال فاذا رایتم الجنازۃ فقوموا (صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۷۵)

حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا الیست نفسا (کیا وہ (یہودی) جان نہیں) (صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۷۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو کی ایک روایت میں ہے انما قمنا اِعظامًا للذی یقبض (صحیح ابن حبان ج: ۵، ص:۲۴)

ہم حیران ہیں کہ جنازہ کے اس قیام سے بریلویوں نے یہ بات کہاں سے نکال لی کہ یہ عمل بزرگوں کے جنازہ کے لیے ہے اور پھر اس سے یہ لوگ تعظیمی قیام ثابت کرنے لگے ہیں۔(مطالعہ بریلویت)

نمازِ جنازہ کے فوٹو شائع کرنا:

☆ دورِ حاضر کی ایک لعنت یہ بھی ہے کہ نمازِ جنازہ کے فوٹو اخبارات میں شائع کیے جاتے ہیں، اور فوٹو میں ممتاز شخصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ تصویر کشی حرام ہے۔

میّت کے فوٹو کھینچنا:

☆ بعض لوگ نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر میّت کا منہ کھول کر اس کا فوٹو کھینچتے یا کھنچواتے ہیں، تاکہ بطورِ یادگار اس کو رکھیں، یاد رکھیے! تصویر کشی مطلقاً حرام ہے، لہٰذا میّت کا فوٹو لینا بھی حرام ہے، فوٹو کھینچنے اور کھنچوانے والے دونوں گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔(تصویر کے شرعی اَحکام)

جنازہ کے ساتھ اناج، پیسہ اور کھانا بھیجنا:

☆ بعض جگہ جنازہ کے ساتھ اناج یا پیسے یا کھانے کے خوانچے آگے آگے لے کر چلتے ہیں، جن میں مختلف کھانے اور میوے ہوتے ہیں، پھر یہ اناج، کھانے اور میوے قبرستان میں تقسیم ہوتے ہیں، سو واضح ہو کہ ایصالِ ثواب تو بہت اچھا کام ہے، لیکن ایصالِ ثواب کی یہ اپنی طرف سے طے کردہ صورت کہیں ثابت نہیں، متعدد وجوہ سے یہ بدعت اور ناجائز ہے۔(دلیل الخیرات)

جوتے پہن کر نمازِ جنازہ پڑھنا:

☆ ایک کوتاہی عام طور سے یہ بھی ہو رہی ہے کہ لوگ روزمرہ کے عام زیرِ استعمال جوتے پہن کر یا اُن کے اُوپر قدم رکھ کر جنازہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جوتے پاک بھی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ اگر جوتے پہنے پہنے نماز پڑھی جائے تو ضروری ہے کہ زمین اور جوتے کے اندر اور نیچے کی دونوں جانبیں پاک ہوں، ورنہ نماز نہ ہو گی، اور اگر جوتوں سے پیر نکال کر اُوپر رکھ لیے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ جوتوں کا اُوپر کا حصہ جو پیر سے متصل ہے پاک ہو، اگرچہ نیچے کا ناپاک ہو، اگر

اُوپر کا حصہ بھی ناپاک ہو تو اس پر نماز دُرست نہ ہو گی۔(امداد الاحکام ج:۱، ص:۷۴۰)

نمازِ جنازہ مکرر پڑھنا:

☆ ایک غلطی یہ بھی ہو رہی ہے کہ میّت پر متعدد بار جنازہ کی نماز ہوتی ہے، اور یہ عموماً اس وقت ہوتی ہے جب میّت کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کیا جائے، اس وقت دونوں شہروں میں نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، نمازِ جنازہ مکرر پڑھنا بدعت اور مکروہِ تحریمی ہے، البتہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر دُوسروں نے جنازہ کی نماز پڑھ لی ہو اور خود ولی نے ان کے پیچھے نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو اس کو دوبارہ پڑھنے کا حق ہے۔(امداد الاحکام ج:۱، ص:۷۳۵)

غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرنا:

فقہِ حنفی میں نمازِ جنازہ صحیح ہونے کے لیے میّت کا سامنے موجود ہونا شرط ہے، بغیر اس کے نمازِ جنازہ درست نہیں، لیکن اب غائبانہ نمازِ جنازہ کا بھی رواج ہو رہا ہے، فقہِ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، اس لیے حنفی مسلک رکھنے والوں کو اس میں شرکت کرنا دُرست نہیں۔(امداد الاحکام ج:۱، ص:۴۲)

جنازہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا:

☆ ایک رواج یہ عام ہو گیا ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال اس کے وطن کے علاوہ اور کسی شہر یا ملک میں ہو تو اسے وہیں دفن نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے وطن میں پہنچانا اور وہاں پر دفن کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور ہوائی جہاز تک کے اخراجات کو اس سلسلہ میں برداشت کیا جاتا ہے، یہ بھی حدِ شرعی سے تجاوز ہے، مستحب یہ ہے کہ جس شخص کا جہاں انتقال ہو اُسے وہیں دفن کیا جائے، ایک ملک سے دُوسرے ملک یا ایک شہر سے دُوسرے شہر دفن کے لیے لے جانا خلافِ اَوْلیٰ ہے، بشرطیکہ وہ دوسرا مقام ایک دو میل سے زیادہ دُور نہ ہو، اور اگر اس سے زیادہ دُور ہو تو پھر میّت کو دُوسری جگہ لے جانا جائز ہی نہیں ہے، اور دفن کرنے کے بعد کھود کر لے جانا تو ہر حالت میں ناجائز ہے۔(بہشتی گوہر ص:۹۲)

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

ویندب دفنه فی جهة موته) أي في أهل المكان الذي مات فيه أو قتل، وإن نقل قدر ميل أوميلين فلا بأس، شرح المنية، ويأتي الكلام على نقله۔ قلت: ولذا صح أمره ﷺ بدفن قتلى

أحد في مضاجعهم مع أن مقبرة المدينة قريبة، ولذا دفنت الصحابة الذين فتحوا دمشق عند أبوابها ولا بأس بنقله قبل دفنه) قيل مطلقاً. وقيل إلى مادون مدة السفر وقيده محمد بقدر ميل أو ميلين، لأن مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فيكره فيما زاد۔ قال في النهر عن عقد الفرائد: وهو الظاهر اهـ وأما نقله بعد دفنه فلا مطلقا ۔ قال في الفتح: واتفقت كلمة المشايخ في امرأة دفن ابنها وهي غائبة في غير بلدها فلم تصبر وأرادت نقله على أنه لا يسعها ذلك، فتجويز شواذّ بعض المتأخرين لا يلتفت إليه، وأما نقل يعقوب و يوسف عليهما السّلام من مصر إلى۔ (ردالمختار علی درالمختار ج۳ ص۱۴۶)

اسی طرح شرح فتح القدیر صفحہ ۱۴۹ ج ۲) میں ہے

المشايخ في أنه لا ينبش وقد دفن بلا غسل أو بلا صلاة فلم يبيحوه لتدارك فرض لحقه يتمكن منه به۔ أما إذا أرادوا نقله قبل الدفن أو تسوية اللبن فلا بأس بنقله نحو ميل أو ميلين۔ قال المصنف في التجنيس: لأن المسافة إلى المقابر قد تبلغ هذا المقدار، وقال السرخسي: قول محمد بن سلمة ذالك دليل على أن نقله من بلد إلى بلد مكروه، والمستحب أن يدفن كل في مقبرة البلدة التي مات بها، ونقل عن عائشة أنها قالت حين زارت قبر أخيها عبد الرحمٰن وكان مات بالشام وحمل منها: لو كان الأمر فيك إليّ ما نقلتك ولدفنتك حيث مت: ثم قال المصنف في التجنيس: في النقل من بلد إلى بلد لا إثم لما نقل أن يعقوب عليه السّلام مات بمصر فنقل إلى الشام، و موسى عليه السّلام نقل تابوت يوسف عليه السّلام بعد ما أتى عليه زمان من مصر إلى الشام ليكون مع أبائه انتهى، ولا يخفى أن هذا شرع من قبلنا ولم تتوفر فيه شروط كونه شرعاً لنا إلا أنه نقل عن سعد بن أبي وقاص أنه مات في ضيعة على أربعة فراسخ من المدينة فحمل على أعناق الرجال إليها ثم قال المصنف: وذكر أنه إذا مات في بلدة يكره نقله إلى وكفى بذالك كراهة

تدفین کے وقت کی بدعات

آدابِ قبرستان کی رعایت نہ رکھنا:

☆ ایک عام کوتاہی یہ ہے کہ قبرستان میں پہنچ کر بھی لوگ دنیا کی باتیں نہیں چھوڑتے، حالانکہ یہ عبرت کی جگہ ہے، قبر اور آخرت کے مراحل، اُن کی ہولناکیوں اور اپنے انجام کی فکر کرنے کی جگہ ہے۔

☆ قبرستان میں داخلہ کے وقت اہل قبرستان کو سلام کرنے کے جو کلمات منقول ہیں، اکثر لوگ اس سے غافل رہتے ہیں۔

☆ اکثر لوگ قبرستان میں داخل ہونے کا معروف راستہ چھوڑ کر قبروں کے اُوپر سے پھلانگ کر میّت کی قبر تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، بسا اوقات قبروں پر بھی چڑھ جاتے ہیں، یاد رکھیے! ایسا کرنا منع ہے، معروف اور مقررہ راستہ خواہ کچھ طویل سہی مگر اسی پر چلنا چاہیے۔

چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

فالزيارة الشرعية ان نّزور القبور لتذكرنا الآخرة ، وان نّدعو لاهل القبور با لرّحمة كما دعا لهم ﷺ۔

ومن ادب الزيارة ان لا نجلس على القبر فانّه منع ﷺ من الجلوس عليه . كما صحّ فى صحيح مسلم قوله ﷺ

''لا تُصَلُّوا الى القبور ولا تجلسوا عليها''۔

قبروں کی زیارت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ ہم قبروں کی زیارت آخرت کی یاد دہانی کے لئے کریں، اور قبرستان والوں کے لئے رحمت کی دعا کریں جیسے ان کے لئے دعاء کی پیارے پیغمبر ﷺ نے، اور قبرستان کی زیارت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ہم قبروں پر نہ بیٹھیں، اس لئے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا نہ تو قبروں کی طرف نماز پڑھو، اور نہ ہی ان پر بیٹھو۔

ويقول ﷺ في صحيح مسلم: ''لأن أجلس على جمر فتحترق ثيابي فتنفذ إلى جسمي

خير لي من أن أجلس على قبر۔''

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: اگر میں آگ کے انگارے پر بیٹھوں جو میرے کپڑوں کو جلا دے، اور اس کی جلن میرے جسم تک سرایت کر جائے تو یہ میرے لئے اس سے بھتر ہے کہ میں قبر پر بیٹھوں۔

☆ بعض لوگ قبرستان پہنچ کر میت کے ارد گرد جم کر بیٹھ جاتے ہیں، مقصد میّت کی تدفین کی کارروائی دیکھنا ہوتا ہے، لیکن اُن کے اس اجتماع سے اہلِ میّت اور قبر بنانے والوں کو بہت کلفت ہوتی ہے اور ہجوم کی بناء پر آپس میں بھی ایک دوسرے کو اذیت ہوتی ہے، پھر اکثر قرب و جوار کی دُوسری قبروں کو بھی اپنے پیروں سے بُری طرح روندتے ہیں، یاد رکھیے! دفن کی کارروائی دیکھنا کوئی فرض وواجب نہیں، لیکن دوسروں کو اپنے اس طرزِ عمل سے تکلیف دینا حرام ہے، اور قبروں کو کو روندنا بھی جائز نہیں، لہٰذا ان گناہوں سے اجتناب کیجیے، قبر کے پاس صرف کام کرنے والوں کو رہنے دیجیے تاکہ سہولت سے وہ اپنا کام کر سکیں، اور جب مٹی دینے کا وقت آئے مٹی دے دیجیے۔

☆ بعض لوگ مٹی دینے میں بھی بہت عجلت کرتے ہیں اور ایک دُوسرے پر چڑھ جاتے ہیں اور سخت تکلیف پہنچاتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔

میّت کا منہ قبر کو دکھلانا:

☆ بعض لوگ میّت کو قبر میں رکھ کر اس کا منہ کھول کر قبر کو دِکھلانا ضروری سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۴۱)

میّت کا صرف چہرہ قبلہ رُخ کرنا:

☆ بعض لوگ میّت کو قبر میں چت لٹا دیتے ہیں اور صرف میّت کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں، باقی سارے جسم کو کروٹ نہیں دیتے، یہ بھی فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے، بلکہ میّت کے تمام بدن کو اچھی طرح کروٹ دے کر قبلہ رُخ کرنا چاہیے۔(اصلاحِ انقلابِ اُمت ج:۱، ص:۲۴۰)

میّت کے سرہانے قل پڑھی ہوئی کنکریاں رکھنا:

☆ بعض لوگ قل پڑھی ہوئی کنکریاں یا مٹی کے ڈھیلے میّت کے سرہانے رکھا کرتے ہیں، شرع میں اُن کا بھی کوئی

ثبوت نہیں، لہٰذا بدعت ہے اور واجب الترک ہے۔ (علماء کا متفقہ فیصلہ) اور بعض لوگ میّت کے سرہانے دو روٹی اور سالن رکھتے ہیں، بعض لوگ قبر میں میّت کے نیچے گدّا بچھاتے ہیں، یہ دونوں باتیں بے اصل اور واجب الترک ہیں۔

امانت کے طور پر دفن کرنا:

☆ بعض جگہ لوگ میّت کو جو کسی دوسرے علاقے میں ہو گئی ہو تابوت وغیرہ میں رکھ کر امانت کہہ کر دفن کرتے ہیں، اور پھر بعد میں کسی موقع پر تابوت نکال کر اپنے علاقہ میں جا کر دفن کرتے ہیں، واضح رہے کہ دفن کرنے کے بعد خواہ امانتاً دفن کیا ہو یا بغیر اس کے، دوبارہ نکالنا جائز نہیں، اور امانتاً دفن کرنا بھی شرعاً بے اصل ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ج:۱، ص:۳۴۲)

ا) میّت کو قبر میں اتارتے وقت بسم اللہ وعلیٰ ملّۃ رسولِ اللہ پڑھنا مستحب ہے، مگر آج کل لوگ بجائے مذکورہ دعا پڑھنے کے اس وقت کلمہ شھادت پڑھتے ہیں۔ یہ درست نہیں کیونکہ اس موقعہ پر کلمہ شھادت پڑھنا شریعت سے ثابت نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے۔

ب) بعض علاقوں میں گورکن اپنی تن آسانی کے لئے لوگوں سے کھدیتے ہیں کہ کچّی قبر کے بیٹھنے کا خطرہ ہے اس لئے اندر سے پکّی رکھی جائے گی چنانچہ وہ معمولی سی کھدائی کرکے قبر میں چاروں طرف پکّی اینٹوں سے چنائی کرکے اس پر پلستر کر دیتے ہیں، یہ طریقہ خلاف سنّت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے،

ج) کچھ لوگ قبر میں چٹائی بچھانے پر زور دیتے ہیں یہ غلط ہے، کیونکہ اسے آگ چھو سکتی ہے اس لئے اس کا بچھانا مکروہ ہے۔

د) کچھ لوگ قبر میں کلمہ، قُلْ لکھی ہوئی چادریں اور پھول ڈالتے ہیں، کچھ قبر میں عھد نامہ وغیرہ رکھتے ہیں،، یہ غلط ہے، اوّل تو شریعت سے ثابت نہیں، دوسرے ان کی بے حرمتی کا اندیشہ ہے اس لئے اس سے گریز کیا جائے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور مابعد کے سوال کے جواب سے بھی ظاہر ہے۔

س۱: عندنا هنا ظاهرة نريد معرفة رأي الدين فيها وهي: يضعون في القبر مع الميت كتاباً اسمه ''الدوشان'' أو ''القدوة'' يقول كاتبوا هذا الكتب: إنها تثبت الميت في الجواب عن الأسئلة؟

ج۱: لا يجوز أن يوضع مع الميت كتاب لغرض تثبيته عند السؤال من الملكين ولأي غرض كان؛ لأن التثبيت من الله جل وعلا، كما قال تعالىٰ: [يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ] (ابراهيم: ۲۷)، ولأن هذا بدعة، وقد ثبت عن رسول الله ﷺ أنه قال: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''۔

ھ) تدفین کے بعد کچھ لوگ قبر پر عرقِ گلاب چھڑکتے ہیں یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے۔

و) بعض علاقوں میں تدفین کے بعد چالیس قدم دور جاکر پھر دعا مانگتے ہیں یہ بھی بدعت ہے شریعت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

قبر پر کتبہ وغیرہ لگانا:

☆ صحیح حدیث میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے ایک بھاری پتھر اُٹھا کر (علامت کے طور پر) اُن کی قبر پر رکھ دیا، اور فرمایا کہ: میں اس کے ذریعہ اپنے بھائی کی قبر کو پہچان سکوں گا۔ (مدارج النبوۃ، شامی)

مسئلہ: قبر پر کوئی چیز (نام وغیرہ) بطور یادداشت لکھنا بعض علماء کے نزدیک جائز نہیں، اور بعض علماء نے ضرورت ہو تو اس کی اجازت دی ہے، لیکن قبر پر یا اس کے کتبہ پر قرآن شریف کی آیت لکھنا یا شعر یا مبالغہ آمیز تعریف لکھنا مکروہ ہے۔ (شامی)

قبر کو پختہ بنانا:

☆ قبر کو پختہ بنانے کا رواج بہت عام ہو چکا ہے، بعض لوگ چونے، ریت سے پختہ کراتے ہیں، بعض سیمنٹ اینٹ لگواتے ہیں اور بعض لوگ سنگِ مرمر سے پختہ کرواتے ہیں، یہ سب ناجائز ہے، احادیث میں صاف صاف ممانعت موجود ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم مکمل مدلل ج:۵، ص:۳۷۷)

قبر پر عمارت بنانا ممنوع ہے:

☆ قبر پر کوئی عمارت مثل گنبد یا قبہ بنانا بغرضِ زینت حرام ہے، اور مضبوطی کی نیت سے بنانا مکروہ ہے۔(بہشتی گوہر)

ويكره تجصيص القبر وتطيينه، وكره أبو حنيفة۔ رحمه الله۔ البناء على القبر، وأن يعلم بعلامة، وكره أبو يوسف الكتابة عليه، ذكره الكرخي، لما روي عن جابر بن عبدالله عن النبي۔ ﷺ۔ أنه قال: ’’‘‘ لَا تُجَصِّصُوا الْقُبُورَ وَلَا تَبْنُوا عَلَيْهَا وَلَا تَقْعُدُوا وَلَا تَكْتُبُوا عَلَيْهَا‘‘ ولأن ذلك من باب الزينة، ولا حاجة بالميت إليها؛ ولأنه تضييع المال بلا فائدة، فكان مكروهاً، ويكره أن يزاد على تراب القبر الذي خرج منه، لأن الزيادة عليه بمنزلة البناء، ولا بأس برش الماء على القبر؛ لأنه تسوية له۔

قبر پر قبہ اور کٹہرا بنانا:

☆ بعض لوگ قبر کا بالائی حصہ تو کچا رکھتے ہیں، لیکن قبر کا باقی تعویذ یعنی دائیں بائیں اور آگے پیچھے کا حصہ پختہ بنواتے ہیں اور قبر کے چاروں طرف جالیوں یا سنگِ مرمر وغیرہ کا کٹہرا بنواتے ہیں، اور بعض لوگ اس سے بھی آگے بڑھ کر قبر کے اُوپر قبہ بنواتے ہیں، یہ سب ناجائز اور بدعت ہے، احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل مدلل ج:۵، ص:۳۹۵)

قبر پر چراغ جلانا:

☆ قبروں پر چراغ جلانے کی رسم بھی نہایت کثرت سے کی جاتی ہے، شبِ جمعہ، شبِ معراج، شبِ برأت اور شبِ قدر میں خاص طور پر اس کا اہتمام ہوتا ہے اور باقاعدہ برقی قمقمے اور لائٹیں لگوائی جاتی ہیں، یہ سب ناجائز اور بدعت ہے۔ (سنت وبدعت ص: ۸۲، ۸۳)

قبروں پر ختم قرآن کا اہتمام:

☆ بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ دفن میّت کے بعد قبر پر ختم قرآن کرتے ہیں۔ یہ عمل بایں التزام صحابہؓ کے ہاں نہیں دیکھا گیا نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اسے ایک جائز عمل مستنبط بتایا ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب بے شک

حضرت امام اعظم اور حضرت امام احمد کے ہاں مرحومین کو بھیجا جا سکتا ہے اور یہ بھی ملتا ہے کہ قبر کے پاس پڑھنے سے میّت اس سے مانوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ اکٹھے ہو کر کسی قبر پر ختم قرآن کرنا یہ عمل سلف میں کہیں نہیں پایا گیا۔

مولانا امیر باز سہارنپوری (۱۳۲۵ھ) سہارنپور کی جامع مسجد کے خطیب تھے سلسلہ قادریہ مجددیہ میں مجاز تھے۔ آپ مولانا محمد مظہر نانوتوی کی قبر پر ان کے یوم وفات پر قرآن خوانی کرتے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے حلقہ کے علماء نے ان سے اس میں اختلاف کیا اور اسے بدعت کہا۔ نزہۃ الخواطر میں ہے۔

حصل بينه و بين اساتذه مظاهر العلوم من اصحاب الامام رشيد احمد گنگوہی خلاف حسين قام نجم القرآن علیٰ قبر شيخه فی يوم وفاته وكان متوسعاً فی بعض المحدثات التی شاعت عند اهل العراق (نزهة الخواطر ص:۸۴)

ترجمہ: آپ میں اور مظاہر العلوم کے دوسرے اساتذہ میں (جو حضرت مولانا گنگوہی کے تلامذہ میں سے تھے) سخت اختلاف ہو گیا جب اپنے شیخ کی قبر پر ان کے یومِ وفات پر ختم قرآن کرتے تھے آپ بعض بدعات میں جو اہل عراق میں پھیل چکی تھیں کھلے دل سے چلتے۔

عورتوں کا قبرستان جانا:

☆ آج کل قبرستان بالخصوص بزرگوں کے مزارات پر عورتوں کا آنا جانا بکثرت ہے، جاننا چاہیے کہ عورتوں کے واسطے زیارتِ قبور کی یہ شرائط ہیں:

۱۔ جانے والی عورت جوان نہ ہو بُڑھیا ہو،

۲۔ خوب پردہ کے ساتھ جائے،

۳۔ پھر وہاں جا کر شرک نہ کرے،

۴۔ بدعت نہ کرے،

۵۔ قبر پر پھول نہ چڑھائے، چادر نہ چڑھائے،

۶۔ نہ صاحبِ قبر سے کچھ مانگے، نہ منّت مانے،

۷۔ رونا دھونا اور نوحہ بازی نہ کرے،

۸۔ اور بھی کسی خلافِ شرع کام کا ارتکاب نہ کرے۔

ان شرائط کی مکمل پابندی کرنے والی عورت قبرستان جاسکتی ہے، اور جو عورت ان شرائط کی پابندی نہیں کر سکتی اس کا قبرستان اور مزارات پر جانا حرام ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عورتیں ان شرائط کی قطعاً پابندی نہیں کرتیں، بالخصوص عرس وغیرہ کے موقع پر، جو آج کل سراسر منکرات، بدعات اور مفاسد سے مرکب ہوتا ہے، لہٰذا اس موقع پر ان کا جانا بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے، حدیث میں ایسی عورتوں پر لعنت آئی ہے۔ (امداد الاحکام ج:۱، ص:۷۲۰)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه. وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

۱۴: اپریل ۲۰۱۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا ۚ

نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کے احکامات

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکیؔ جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ الْحَمْدُ للهِ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا. مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَنشْهَدُ أَنْ لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا أَمَّا بَعْد.

وقد قال الله عزّ و جلّ: [تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ]

وقال [كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ]

وقال رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا لِي وللدُّنْيَا إِنَّمَا أَنَا وَالدُّنْيَا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا»

مذاہب عالم پر اگر غور کیا جائے تو ہر مذہب میں مرنے والے کے ساتھ جدا معاملہ کیا جاتا ہے، کوئی مرنے والے کو آگ لگاتا ہے، کوئی اس کی لاش کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیتا ہے، اور کوئی سمندر کے پانی میں میّت کی لاش کو بہادیتا ہے۔ جب کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو میّت کی لاش کا بھی احترام سکھاتا ہے اور اسے عزت و آبرو کے ساتھ اگلے جہان رخصت کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ ظاہر ہے میّت کو غسل دینا، کفن کی چادروں میں لپیٹنا، اس کی نماز جنازہ پڑھنا، اس کی چارپائی کو کندھوں پر اٹھا کر لیجانا، قبرستان پہنچ کر قبر میں اسے اتارنا، قبلہ رخ کرنا، اور" بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ " کہہ کر اسے سپردِ خاک کرنا وغیرہ یہ سب طریقے اسے ایک اعزازی شان دیتے ہیں جو کسی اور

مذہب کے پیروکار کو میسّر نہیں۔

ایک انسان جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو یہ وقت اس کے لئے نہایت ہی پریشانی اور لاچاری اور بے بسی کا ہوتا ہے، اس بے کسی کی حالت میں شریعت مقدّسہ نے اہلِ اسلام کے ذمّہ مرنے والے کی اعانت اور امداد کو ضروری قرار دیا ہے، اور کسی مسلمان کی وفات کے بعد اس کے عزیز واقارب اور دوست واحباب اس کی جو اعانت کرسکتے ہیں، اس کو جو بہترین تحفہ بھیج سکتے ہیں اور اس کے ساتھ جو حسنِ سلوک کرسکتے ہیں، وہ اس کو سپردِ خاک کرنے سے پہلے نہایت الحاح و زاری سے بارگاہ الٰہی میں اس کے حق میں دعاء کرنا ہے کہ اے پروردگار مرنے والے نے اپنی زندگی میں جتنے تیرے قصور کئے ہیں ان پر مؤاخذہ نہ فرمانا، اس کی مغفرت فرمادینا، اور اس کو اس نئے جہان میں آرام اور سکون عطا فرمانا۔

نمازِ جنازہ میں پڑھی جانی والی اس دعاء کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس مختصر سی دعاء میں زندہ اور مردوں کو، نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والوں اور کسی وجہ سے شرکت نہ کرنے والوں کو، چھوٹوں اور بڑوں کو، مردوں اور عورتوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا گیا جن کے لئے مغفرت کی، زندگی میں اسلام پر ثابت قدمی اور خاتمہ بالایمان کی درخواست اور دعاء نہ کی گئی ہو۔

بارگاہ ربّ العالمین میں یہ درخواست کس طرح پیش کی جائے؟

اس کی تعلیم ہمیں ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے پوری تفصیلات کے ساتھ دی ہے،

جو بارگاہ ربّ العالمین اور ذات صمدیّت سے پوری طرح آگاہ ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کی تعلیم ہر لحاظ سے مکمّل اور جامع ہے۔

لٰہذا مزید کسی ترمیم اور اصلاح، اور کمی اور اضافہ کی محتاج نہیں۔ کیونکہ تعلیم نبوی ﷺ کو بھی اگر محتاج اصلاح سمجھا جائے گا تو یہ درپردہ یہ دعوٰی ہوگا کہ دین نامکمّل اور ناقص ہے، اور میری ترمیم کا محتاج ہے، یا وہ اس کا مدّعی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت محمد ﷺ نے باوجود رؤف اور رحیم ہونے کے اپنی امّت کو بہتر، اعلیٰ اور مکمّل طریقہ نہیں بتایا، اور اب میری سمجھ اور رائے سے اس کی تکمیل ہوگی۔ اور اس میں تنقیصِ شان نبوی ﷺ ہے جو مستلزم کفر ہے۔

اسی لئے پیارے پیغمبر ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عِرْبَاضِ بْنَ سَارِيَةَ قَالَ (صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٌ فَمَاذَا تَعْهِدُ إِلَيْنَا فَقَالَ أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعُضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةَ ضَلَالَةَ) (مشكوٰة باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن پیارے پیغمبر ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، یعنی امامت کی، اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور خوب نصیحت کی اور وعظ فرمایا، جس کو سن کر ہماری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور دل ہل گئے۔ پھر ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ تو نصیحت گویا رخصت کرنے والے کی وصیّت لگتی ہے، تو آپ ﷺ ہمیں وصیّت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں وصیّت کرتا ہوں خدا سے ڈرنے کی، اور اپنے حاکموں کے احکام قبول کرنے کی خواہ وہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم میری سنّت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ اس کو ہاتھوں اور دانتوں سے مضبوط تھام لو، اور نئی نئی باتوں سے بچتے رہو، کیونکہ ہر نئی جاری کی ہوئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث کے پیش نظر اہل اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر کام میں سنّت طریقہ کو اپنا معمول بنائیں۔ اور عبادات اور تعلیمات نبویہ ﷺ پر کی جانی والی کمی اور زیادتی سے قطعی احتراز کریں۔

نمازِ جنازہ کی وہی شکل قابل عمل ہے جو خیر القرون میں موجود تھی

پس نمازِ جنازہ کی وہی شکل جو زمانہ نبوّت میں یا خیر القرون میں موجود تھی اسی پر عمل کیا جائے، اور اس پر ہونے والی زیادتی کو مردود ٹھہرایا جائے۔ اور ذخیرۂ احادیث اس پر شاہد ہے کہ خیر القرون میں، یعنی پیارے پیغمبر ﷺ کے تیئیس (۲۳) سالہ دور نبوّت میں، اور پھر صحابہ کرامؓ کے ایک سو دس (۱۱۰) ہجری تک کے زمانے میں دعاء مذکورہ کا نشان تک نہ تھا۔

پھر تابعینؒ، اور اتباع تابعینؒ کا دو سو بیس (۲۲۰) ہجری تک کے دور میں اس بدعت کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ ائمہ

اربعہ (۱) امام اعظم ابو حنیفہؒ، (۲) امام شافعیؒ، (۳) امام مالکؒ، (۴) امام احمد بن حنبلؒ میں سے بھی کسی نے اس دعاء کے متعلق فتوٰی نہیں دیا۔

اولیأامت میں سے رئیس الموحّدین، اعدا ٔ المبتدعین شیخ عبد القادر جیلانیؒ، بایزید بسطامیؒ، مجدد الف ثانیؒ، قطب الدین کاکیؒ، فرید الدین شکر گنجؒ، خواجہ محمد عثمان ہارونیؒ وغیرہ سے بھی دعاء بعد الجنازہ کا کوئی ثبوت منقول نہیں، اور نہ ہی کوئی فتوٰی صادر ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نماز جنازہ کی کیفیّت جو بطریق شہرت ثابت ہے، وہ صرف یہی ہے کہ تکبیرات ہیں، اور ان کے اثناء میں حمد، ودرود کے بعد دعاء ہے اور بعد ازاں سلام پھیر کر نماز ختم ہو جاتی ہے اور بس۔ انفرادی طور پر جس وقت بھی کوئی چاہے مرنے والے کی وفات کے بعد تاحیات اس کے لئے دعاء کرے۔ اس میں کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے اور نصوص شرعیہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ لیکن بصورت اجتماع میّت کے لئے دعاء کرنے کا ثبوت صرف نماز جنازہ کی صورت میں اور قبر پر تلقین شرعی کی شکل میں ہے اس کے علاوہ جہاں شریعت نے اجتماعی صورت میں دعاء کا طریقہ نہیں بتلایا، وہ درست نہیں ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ، حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اور اتباع تابعینؒ نے ایک دو نہیں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں جنازے پڑھے اور پڑھائے مگر کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے فوراًبعد اجتماعی رنگ میں دعاء مانگی ہو۔ اگر یہ دعاء خیر القرون میں مانگی جاتی ہوتی تو یقیناً منقول ہوتی، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے درمیان والی دعاء بہ صراحت بہت سی احادیث میں منقول ہو اور بعد والی منقول نہ ہو۔

نماز جنازہ پڑھنے کی کیفیّت

پیارے پیغمبر ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے نماز جنازہ کی جو کیفیّت منقول ہے وہ اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشیؒ کی نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، أَنّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «نَعَى النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، فَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى، فَصَفَّ بِهِمْ، وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ» (موطاامام محمد ص۳۴۹،ج۱)

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیبؓ سے (اور ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر دی گئی جس دن اس کا انتقال ہوا، تو پیارے پیغمبر ﷺ (اپنے صحابہؓ) کے ساتھ جنازہ گاہ

(جنت البقیع) تشریف لے گئے اور صفیں بنائی گئیں اور آپ ﷺ نے چار تکبیروں کے ساتھ اس کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

ایک مسکینہؓ کی نمازِ جنازہ میں پیارے پیغمبر ﷺ شرکت نہ فرما سکے، معلوم ہونے پر آپ ﷺ قبر پر تشریف لے گئے تو نمازِ جنازہ یوں پڑھا:

أَنَّ مِسْكِينَةً مَرِضَتْ. فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرَضِهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَسَاكِينَ، وَيَسْأَلُ عَنْهُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا مَاتَتْ فَآذِنُونِي بِهَا» ، قال فاتى بِجَنَازَتِهَا لَيْلًا، فَكَرِهُوا أَنْ يؤذنوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بالليل فَلَمَّا أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِهَا. فَقَالَ: «أَلَمْ آمُرْكُمْ أَنْ تُؤْذِنُونِي بِهَا؟» فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ كَرِهْنَا أَنْ نُخْرِجَكَ لَيْلًا، اونُوقِظَكَ. قال فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتَّى «صَفَّ بِالنَّاسِ عَلَى قَبْرِهَا. وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ»

ترجمہ: ایک مسکینہ بیمار ہوئی، پیارے پیغمبر ﷺ کو اس کی بیماری کی خبر دی گئی، آپ ﷺ مساکین کی عیادت فرماتے اور ان کا حال دریافت فرمایا کرتے تھے۔

راوی کہتے ہیں کہ، پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے اس کی اطلاع کر دینا، اس کا جنازہ رات کو لایا گیا اور انہوں نے مناسب نہ سمجھا کہ رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی جائے، جب صبح ہوئی تو پیارے پیغمبر ﷺ کو اس کی موت اور جنازہ کی خبر دی گئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ مجھے بلا لینا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، ہم نے اچھا نہ سمجھا کہ آپ ﷺ کو رات کے وقت گھر سے نکالا جائے، یا آپ کو جگایا جائے۔ راوی کہتے ہیں: کہ پیارے پیغمبر ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ نکلے، اس کی قبر پر تشریف لے گئے صف بنائی، اور اس کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی گئی، جس میں چار تکبیریں کہی گئیں۔ (موطا امام محمد ج ۱: ص ۳۵۱)

اسی طرح امام طحاویؒ نے بہت سی روایات میں پیارے پیغمبر ﷺ کی نماز جنازہ پڑھانے کا تکبیرات پر اختتام پزیر ہونا ثابت کیا ہے۔ نیز حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسنؓ، حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنھم وغیرہ صحابہ کا یہی معمول نقل کیا ہے۔ (طحاوی ج ۱، ص ۲۴۱)

ان احادیث سے تکبیرات ثابت ہوئیں، درمیانی دعاء و سلام وغیرہ احادیث ذیل سے ثابت ہے:

عَنْ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُولُ إِذَا صَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ: «اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا، وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا، وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا، وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا» (اخرجه الترجمذی: ۱۰۲۴، و ابو داؤد: ۳۲۰۱، وابن ماجه: ۱۴۹۸، والنسائی: ۱۹۸۸)

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہؒ شیبانؒ سے، اور وہ یحیٰ سے اور وہ ابی سلمۃ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ جب کسی میّت کی نماز جنازہ پڑھاتے تو یہ دعاء پڑھتے، اے اللہ ! ہمارے زندہ اور فوت شدہ، موجود اور غیر موجود، چھوٹے اور بڑے، مرد اور عورت کی مغفرت فرمادے۔

عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ , انه سأل ابا هريره كَيْفَ يصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا، لَعَمْرُ اللّٰهِ أُخْبِرُكَ، أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا، فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ، وَحَمِدْتُ اللّٰهَ، وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ، ثُمَّ أَقُولُ: اللّٰهُمَّ هذا عَبْدُكَ , وَابْنُ عَبْدِكَ , وَابْنُ أَمَتِكَ , كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ، اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا، فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ، وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا، فَتَجَاوَزْ عَنْه، اللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ، وَلاَ تَفْتِنَّا بَعْدَهُ۔۔۔الخ ۔(موطا ج۱)

حضرت سعید المقبریؒ کے والد حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ جنازہ پر کس طرح نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ انہیں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میں تجھے بتاتا ہوں، میں اس کے اہل سے (یعنی میّت کے گھر سے) اس کے پیچھے چلتا ہوں، پس جب جنازہ رکھا جاتا ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں، اور دوسری تکبیر کے بعد حضور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہوں، پھر تیسری تکبیر کے بعد یہ دعاء پڑھتا ہوں: اللهم عبدك، وابن عبدك، وابن امتك۔۔ آخر تک۔

اس حدیث میں نماز جنازہ کی ادائیگی کی جو ترکیب بتائی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کی دعاء کا تعلق اندر والی دعاؤں سے ہے نہ کہ نماز جنازہ کے بعد مانگی جانے والی اجتماعی دعاء سے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو ایک دوسری حدیث جس کے راوی بھی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں " اذا صلّيتم على الميّت فا خلصو ا له الدعاء " کا تعلق بھی نماز جنازہ کے اندر اخلاص سے دعاء مانگنے سے ہے اور اس کا تعلق بھی اندر والی دعاؤں سے ہے نہ کہ باہر والی دعاء سے

جس طرح اہل بدعت اس کو اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں، اس کو بعد میں انشاءاللہ ہم تفصیل سے اپنے مقام پر ذکر کریں گے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :«أَنَّ السُّنَّةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجِنَازَةِ أَنْ يُكَبِّرَ الْإِمَامُ، ثُمَّ يُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُخْلِصَ الدُّعَاءَ فِي التَّكْبِيرَاتِ الثَّلَاثِ، ثُمَّ يُسَلِّمَ تَسْلِيمًا خَفِيًّا. وَالسُّنَّةُ أَنْ يَفْعَلَ مَنْ وَرَاءَهُ مِثْلَ مَا فَعَلَ إِمَامُهُ» . قَالَ الزُّهْرِيُّ: سَمِعَهُ ابْنُ الْمُسَيِّبِ مِنْهُ فَلَمْ يُنْكِرْهُ، قَالَ: وَذَكَرْته لِمُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْد فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعْت الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ يُحَدِّثُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ فِي صَلَاةٍ صَلَّاهَا عَلَى الْمَيِّتِ مِثْلَ الَّذِي حَدَّثَنَا أَبُو أُمَامَةَ وضعفت رواية الشافعي، بمطرف، لكن قواها البيهقي في ''المعرفة'' بما رواه في ''المعرفة'' من طريق عبيد الله بن أبي زياد الرصافي، عن الزهري بمعنى رواية مطرف.

حضرت ابی امامہ بن سہلؓ فرماتے ہیں کہ انہیں پیارے پیغمبر ﷺ کے بہت سے اصحابؓ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ نماز جنازہ میں سنّت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے (اور پھر اللہ کی حمد وثناء کرے، پھر (دوسری تکبیر کے بعد) نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لئے اخلاص سے دعاء کرے، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

خلاصہ کلام یہ کہ احادیث مشہورہ سے پیارے پیغمبر ﷺ کا جنازہ پڑھنا صرف سلام پھیرنے تک منقول ہے اس کے بعد د ں شرعاً ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دعاء بعد نماز جنازہ کے عدم جواز پر حضرات فقہائے کرام کی تصریحات

چونکہ احادیث میں نماز جنازہ صرف سلام تک وارد ہے اور نماز جنازہ خود دعاء ہے اور میّت کے لئے استغفار ہے، اس کے بعد کوئی اور دعاء مسنون نہیں، اس لئے فقہائے کرامؒ نے بھی اتنی ہی نماز جنازہ بتلائی، اور نماز جنازہ کا میّت کے لئے دعاء ہونا، اور تیسری تکبیر کے بعد نماز جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دعاؤں کا پوری وضاحت سے بیان کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

نماز جنازہ خود میّت کے لئے دعاء اور استغفار ہے

(ا) والأتيان بالدّعوات استغفار للميّت والبداية با الثناء ثمّ با لصّلوٰة سنّة الدعاء۔

ترجمہ: دعاؤں کا ادا کرنا میّت کے لئے استغفار ہے اور ثناء سے شروع کرنا، اور درود شریف پڑھنا دعاء کے لئے سنّت طریقہ ہے۔ اور پھر اس کی دلیل حاشیہ میں اس طرح دی ہے کہ:

قوله: ''والبداية بالثناء ثم بالصلاة سنة الدعا''، دليله: ما أخرجه أبو داؤد عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو فِي صَلَاتِهِ، لَمْ يُمَجِّدِ اللهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَجل هَذَا". ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ اولِغَيْرِهِ: "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللهِ، عَزَّ وَجَلَّ، وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ ليدعُ [بَعْدُ] () بِمَا شَاءَ" (رقم :١٤٨١، باب الدعا).

ترجمہ: مصنّف کا یہ قول کہ ابتدا اللہ کی حمد وثناء اور پھر درود سے کرے یہ دعاء مانگنے کا مسنون طریقہ ہے، اور اس کی دلیل ابو داؤد کی وہ حدیث ہے جو انہوں نے صحابی رسول حضرت فضالۃ بن عبیدؓ سے روایت کی ہے کہ: پیارے پیغمبر ﷺ نے ایک آدمی کو دعاء کرتے ہوئے سنا، جس نے اپنی دعاء میں نہ تو اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور نہ ہی نبی کریم ﷺ پر

درود بھیجا۔ تو پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے جلدی کی، پھر اس کو بلایا اور اس سے فرمایا، یا کسی اور سے فرمایا (راوی کو شک ہے) کہ جب تم میں سے کوئی دعاء مانگے تو اسے چاہئے کہ پہلے اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کرے، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، اور پھر اس کے بعد جو چاہے دعاء مانگے۔

(ب) نماز جنازہ میں دوسری نمازوں کی طرح تمام شرائط اور ارکان نہیں پائے جاتے اس لئے اس کو دوسری نمازوں پر کلیۃً قیاس نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کو دوسری دعاؤں کی نظیر ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی کتاب مبسوط (ج۲ص۵۸) پر شہید پر نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں ایک روایت نقل فرمائی ہے:

قال النّبی ﷺ السّیف محاء الذُّنوب والصّلوٰۃ علیه شِفاعة له ودعاءٌ۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے، اور شہید پر نماز جنازہ پڑھنا اس کے لئے شفاعت اور دعاء ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ دراصل دعاء ہے۔ اس لئے اس کو دعاء کی نظیر قرار دینا قیاس میں معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے باب الجنائز میں ایک مسئلہ کے جواز میں لکھا ہے: اجزأهم فِي القياس لانّها دعاءٌ۔ قیاس میں ان کو کافی ہے کیونکہ یہ دعاء ہی تو ہے۔

(ج) عنایہ میں ہدایہ کے اس قول: والاتیان بالدّعوات استغفار للمیّت۔ کے نیچے لکھا ہوا ہے: اشارة الیٰ انّ المقصود هو الدعاء۔

حاشیہ فتح القدیر (ج۲ص۸۷) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اصل مقصود دعاء للمیّت ہے۔

(د) مبسوط شمس الائمہ سرخسیؒ جلد دوم (ص۶۴) پر ہے:

والمقصود بالصّلوٰة علی الجنازة استغفار للمیّت وشفاعة له ،فلهذا یأتی به و یذکر الدعاء المعروف ، اللّٰهم اغفر لحیّنا و میّتنا۔۔الخ

نماز جنازہ سے مقصود میّت کے لئے استغفار اور اس کی شفاعت ہے، لہٰذا دعاء میں مشہور دعاء اللّٰهم اغفر لحیّنا و میّتنا۔ آخر تک پڑھنی چاہئیے۔

آگے چل کر شمس الائمہ سرخسیؒ اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

لأنَّ هٰذه لیست بصلوٰة علی الحقیقة انّما هی دعاء واستغفار للمیّت ، واشتراط الطّهارة

،واستقبال القبلة فيها لا يدلُّ انّها صلوٰة حقيقة۔

کیونکہ یہ حقیقت میں نماز نہیں ہے، بلکہ محض میّت کے لئے دعاء واستغفار ہے۔ اور وضو کا شرط ہونا، اور قبلہ کی طرف منہ کرنا، اس میں یہ دلالت نہیں کرتا کہ وہ حقیقت میں نماز ہے۔

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی کہ نماز جنازہ سے اصل مقصود میّت کے لئے دعاء اور استغفار ہے۔ اور دوسری نمازوں کی طرح اس میں اذان اور اقامت نہیں ہے، نہ ہی تعوّذ، تسمیّہ، اور قرأت قرآن ہے، نہ قومہ، جلسہ، اور قعود ہے۔ اور نہ ہی تسمیع اور تحمید، رکوع، سجود، التحیّات اور تشہد ہے۔ پھر اس میں اوقات مکروہہ کے علاوہ کسی خاص وقت کی پابندی نہیں۔ صرف وضو کر کے قبلہ رخ کھڑے ہو کر چار تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ کتب فقہ کی روشنی میں

جس کا سنّت طریقہ کتب فقہ میں تفصیل سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

(۱) چنانچہ ہدایہ میں ہے:

والصلاة: أن يكبر تكبيرة يحمد الله عقيبها، ثم يكبر تكبيرة يصلي فيها على النبيﷺ، ثم يكبر تكبيرة يدعو، فيها لنفسه، وللميت، وللمسلمين، ثم يكبر الرابعة ويسلم؛ لأنهﷺ كبر أربعاً في آخر صلاة۔ (ہدایہ باب الجنائز ص۱۷۴، ج۱)

ترجمہ: نماز جنازہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و ثناء پڑھے، پھر دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے اور میّت اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعاء کرے، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

صاحب بنایہ

(ص، ۲۵۲ ج،۳) پر اس عبارت کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ:

پہلی تکبیر کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ۔ الخ، پڑھے جیسے تمام نمازوں میں پڑھتے ہیں، پھر دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے جیسے نماز کے اندر تشہد میں پڑھتے ہیں اور پھر تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جانے والی مختلف دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

(ثم يكبر تكبيرة) ثانية (ويصلي على النبي عليه السّلام) الصلاة المعروفة في التشهد۔ وقيل يقول في الثانية اللهم صلى على محمد النبي الأمي البشير النذير عبدك ورسولك، سيّد الأنبياء والمرسلين و خير الخلائق أجمعين، وعلى آل محمد، كما صليت على ابراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد، اللهم اجعل نواحي صلاتك وفواصل بركاتك،و تحيتك ورحمتك ورأفتك على عبدك ونبيك النبي الأمي وسلم تسليماً كثيراً۔

(ثم يكبر تكبيرة) ثالثة (يدعو فيها لنفسه وللميّت وللمسلمين) الدعاء فيها أن يقول اللّهم اغفر لحينا و ميتنا و شاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا و ذكرنا و انثانا ، اللّهم من أحييته منا، فاحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان، رواه أبو داؤد،وأحمد خصص هذا الميّت بالروح والراحة والرحمة والمغفرة والرضوان، اللهم إن كان محسناً فزد في إحسانه، وإن كانا مسيئاً فتجاوز عنه وفه الخير والكرامة والزلفى برحمتك يا أرحم الراحمين، اللهم اغفر لي والوالدي ولجميع المؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات الأحياء منهم والأموات، وتابع بيننا و بينهم بالخيرات۔ إنك مجيب الدعوات، منزل البركات ورافع السيئات، مقيل العثرات، إنك على كل شيء قدير، [رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ] (البقرة:۲۰۱)

وزاد في بعض شرح القدوري اللهم اجعل قلوبنا قلوب أخيارنا، اللهم آنس و حدته، وارحم غربته، وبرد مضجعه، ولقنه حجته، ووسع مدخله وأكرم منزله، وتقبل حسنته، وامح بعفوك سيئاته، اللهم كن له بعد الأحباب حبيباً، وبعد الأهل والأقارب قريباً، ولدعاء من دعى له سميعاً مجيباً، اللهم انه نزل بك وأنت خير منزل به فانه يفتقر إلى عفوك وغفرانك وجودك وإحسانك وأنت غني عن عذابه، اللهم اقبل شفاعتنا فيه وارحمنا ببركته يا أرحم الراحمين۔

وفي صحيح مسلم عن عوف بن مالك أنه عليه السّلام صلى على جنازة رجل فقال اللهم

واعف عنه وأكرم منزله وأوسع مدخله واغسله با لثلج والماء والبرد، ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، وابدله داراً خيراً من داره، وأهلاً خيراً من أهله، و زوجاً خيراً من زوجه، وادخله الجنة، وأعذه من عذاب القبر، ومن عذاب النار يا أرحم الراحمين۔

(ثم يكبر الرابعة) أي التكبيرة الرابعة ولا يدعو بعدها۔ وفي البدائع ليس في ظاهر المذهب بعد التكبيرة الرابعة سوى السّلام، وهو قول مالك وأحمد رحمهما الله،

اس میں صاحب بنایہ نے تیسری تکبیر کے بعد مختلف صیغوں کے ساتھ جو دعائیں روایات سے ثابت ہیں اور پڑھی جاتی ہیں ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، جن سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ خود میّت کے لئے دعاء ہے۔ پھر چوتھی تکبیر کے بعد دعاء کی نفی کی گئی ہے، ولا يدعو بعدها کے الفاظ کے ساتھ کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعاء نہ مانگے۔

(۲) اسی طرح تنویر کے شارح صاحب در مختار بھی یہاں خاموشی سے گزر گئے ہیں اور سلام کے بعد دعاء کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۳) نیز در مختار کے شارح علامہ شامیؒ نے دعاء کی زیادتی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۴) صاحب کنز بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ صاحب

بحر الرائق شارح کنز الدقائق

العلّامة الشّيخ زين الدّين بن إبراهيم بن محمّد المعرُوف بآبن نجيم المصري الحنفي المتوفى سَنة۔ ۹۷۰ھ

بحر الرائق (ج۳ص۳۱۹) پر کنز کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

وإن دفن بلا صلاة صلى على قبره ما لم يتفسخ وهي أربع تكبيرات بثناء بعد الأولى وصلاة على النبي بعد الثانية ودعاء بعد الثالثة وتسليمتين بعد الرابعة فلو كبر الإمام

ترجمہ: اور اگر میّت بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دی جائے تو پھر اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے جب تک اس کی لاش پھٹ نہ جائے، اور نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں، پہلی تکبیر کے بعد ثناء ہے، اور دوسری تکبیر کے بعد پیارے پیغمبر ﷺ پر درود ہے، اور تیسری کے بعد دعاء ہے اور چوتھی کے بعد دونوں طرف سلام پھیرنا ہے۔ اس میں دعاء مذکورہ کا

نشان تک نہیں بلکہ سلام تک بیان فرما کر آگے فلو کبّر الامام سے دوسرا مسئلہ شروع فرما دیا۔

صاحب بحر اس کی مزید تفصیل یوں فرماتے ہیں:

قوله: (وهي أربع تكبيرات بثناء بعد الأولى وصلاة على النبي ﷺ بعد الثانية ودعاء بعد الثالثة وتسليمتين بعد الرابعة) لما روي أنه عليه الصلاة والسلام صلى على النجاشي فكبر أربع تكبيرات وثبت عليها حتى توفي فنسخت ما قبلها۔ والبداءة بالثناء ثم الصلاة سنة الدعاء لأنه۔

جس طرح مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے نجاشیؒ کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس میں آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں اور پھر وفات تک اسی پر قائم رہے، اس لئے پہلی تکبیرات (جن کا عدد مختلف تھا) منسوخ ہو گئیں۔ اور ثناء سے شروع کرنا، اور درود شریف پڑھنا دعاء کے لئے سنّت طریقہ ہے اس لئے کہ یہ قبولیّت کے زیادہ قریب ہے۔

أرجى للقبول، ولم يعين المصنف الثناء وروى الحسن أنه دعاء الاستفتاح۔ والمراد بالصلاة الصلاة عليه في التشهد وهو الأولى كما في فتح القدير، ولم يذكر القراءة ل نهالم تثبت عن رسول الله ﷺ۔ وفي المحيط والتجنيس: ولو قرأ الفاتحة فيها بنية الدعاء فلا بأس به وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة اھ۔ ولم يعين المصنف الدعاء لأنه لا توقيت فيه سوى أنه بأمور الآخرة، وإن دعاء بالمأثور فما أحسنه وأبلغه۔ ومن المأثور حديث عوف بن مالك انه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول: "اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس وأبدله داراً خيراً من داره وأهلاً خيراً من أهله وزوجاً خيراً من زوجه وأدخله الجنة وأعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار" قال عوف: حتى تمنيت أن أكون أنا ذلك الميت، رواه مسلم۔ وقيد بقوله (بعد الثالثة) لأنه لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة۔ وعن الفضلي: لا بأس به۔ ومن لا يحسن الدعاء يقول: اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات۔ كذافي المجتبى۔ ولم يبين المدعو له لأنه يدعو

لنفسه أولاً لأن دعاء المغفور له أقرب إلى الإجابة۔ ثم يدعو للميّت وللمؤمنين والمؤمنات لأنه المقصد منها وهو لا يقضي ركنية الدعاء كما توهمه في فتح القدير لأن نفس الكتبيرات رحمة للميّت وإن لم يدع له۔ وأشاره بقوله ''وتسليمتين بعد الرابعة'' إلى أنه لا شيء بعدها هما وهو ظاهر المذهب۔

آگے صاحب بحرؒ نے ثناء اور درود شریف کی وضاحت کرنے (کہ ثناء سے مراد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ، اور درود سے مراد تشہد والا درود ہے) کے بعد تیسری تکبیر کے بعد حضرت عوف بن مالکؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ:

حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے تھے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اور میں نے آپ ﷺ کی دعاء میں سے یہ الفاظ یاد رکھے اللّٰهم سے النّار تک۔ جس کا ترجمہ ہے: یا اللہ بخش دے اس کو، اور رحم فرما، اور تندرستی عطا فرمادے اس کو، اور معاف فرما اس کو، اور اپنی عنایت سے میزبانی فرما اس کی، اور اس کی قبر کو کشادہ فرما، اور اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے، اور اس کو گناہوں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف ہو جاتا ہے، اور اس کے گھر کے بدلے اس سے بہتر گھر عطا فرما، اور اس کے لوگوں سے بہتر لوگ دے، اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما، اور اس کو جنّت میں داخل فرما، اور اس کو عذاب قبر ''یا فرمایا'' آگ کے عذاب سے بچا۔

حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آرزو کی کہ کاش یہ مردہ میں ہوتا
(اور پیارے پیغمبر ﷺ کی یہ دعاء مجھے پہنچتی)۔

آگے صاحب بحر فرماتے ہیں '' وقيد بقوله بعد الثالثة '' لأنّه لا يدعو بعد التّسليم كما في الخلاصة۔ بعد الثالثه کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ سلام کے بعد کوئی دعاء نہیں ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ سلام کے بعد دعاء نہیں بلکہ تیسری تکبیر کے بعد دعاء ہے۔

(۵) اسی طرح العلامۃ المحقّق مولانا قاضی محمد بن فراموزؒ (المتوفی ۸۸۵ھ) جو ملّا خسرو الحنفی کے نام سے مشہور ہیں اپنی **کتاب الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام** ص (۱۶۳، ج۱) میں سلام کے بعد دعاء کا ذکر نہیں کرتے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

(وهي) اى صلاته (أربع تكبيرات يرفع يده في الاولى فقط) وعند الشافعي في كلها (وثناء بعدها) أي بعد الاولىٰ كما في سائر الصلوات (وصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد الثانية)

کما یصلی فی الصلوات بعد التشہد (و دعاء بعد الثالثۃ) الدعاء للبالغین ھذا اللّٰھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا و ذکرنا و انثانا اللھم من أحیتہ منا فأحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان و حص ھذا المیّت بالرحمۃ والغفران اللھم ان کان محسنا فزد فی احسانہ وان کان مسیئا فجاوز عنہ ولقہ الامن والبشری والکرامۃ والزلفی برحمتک یا ارحم الراحمین (وتسلمیتین بعد الرابعۃ) وعند الشافعی یسلم واحدۃ بدأبھا من یمینہ ویختمھا فی یسارہ مدیرا وجھہ (لا قراءۃ فیھا) و عند الشافعی یقرأ الفاتحۃ (ولا تشھد ولو کبر) الامام تکبیرا (خامسا لم یتبع) لانہ منسوخ (لا یستغفر)۔

اس عبارت میں بھی صاحب الدرر نماز جنازہ کا طریقہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جائے گی جس طرح تمام نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اور دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے گا، جس طرح نمازوں میں بعد تشہد کے پڑھتے ہیں، اور تیسری تکبیر کے بعد دعاء پڑھی جائے گی، اور پھر " اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا "۔۔۔الخ۔۔والی دعاء ذکر کی ہے، اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام کا ذکر کرنے کے بعد کسی اجتماعی دعاء کا ذکر نہیں بلکہ دوسرے مسائل کا بیان شروع کر دیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ خود دعاء ہے اور اس کے بعد کوئی اور دعاء نہیں۔

''الباب فی شرح الکتاب''

(۶) اسی طرح الشیخ عبد الغنی الغنیمی، الدمشقی، المیدانی، الحنفیؒ، (جو تیرھویں صدی کے مشہور علماً میں سے ہیں) کی کتاب **''الباب فی شرح الکتاب''** علی المختصر المشتھر باسم ''الکتاب'' الذدی صنفہ الإمام أبو الحسین أحمد بن محمد، القدوری، البغدادی، الحنفی، المولود فی عام ۳۳۲ والمتوفی فی عام ۴۲۸ من الھجرۃ

اس کے صفحہ نمبر (۱۳۰) پر ہے:

وَالصَّلَاۃُ: أَنْ یکَبِّر تَکْبِیْرَۃً یَحْمَدُ اللهَ تَعَالَی عَقِیبَھَا، ثُمَّ یُکَبرَ تَکْبِیرَۃً وَیُصَلِّی عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، ثُمَّ یُکَبِّرَ تَکبِیرَۃً یَدْعُو فِیھَا لِنَفْسِہِ وَلِلْمیّت وَالِلمُسْلِمِیْنَ، ثُمَّ یُکَبِّرَ

تَكْبِيْرَةً رَابِعَةً وَيُسَلِّمَ۔

اور نمازِ جنازہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے، پھر تکبیر کہہ کر نبی کریمؐ پر درود بھیجے، پھر تکبیر کہہ کر اپنے لئے، میّت اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

(والصلاة) عليه أربع تكبيرات كل تكبيرة قائمة مقام ركعة، وكيفيتها: (أن يكبر تكبيرة) و يرفع يديه فيها فقط، بعدها (يحمد لله تعالى عقيبها): أى يقول: سبحانك اللهم وبحمدك۔ الخ (ثم يكبر تكبيرة) ثانية (و يصلى على النبىﷺ كما فى التشهد (ثم يكبر تكبيرة) ثلثة (يدعو فيها): أى بعدها بأمور الآخرة (لنفسه وللميّت وللمسلمين) قال فى الفتح: ولا توقيف فى الدعاء، سوى أنه بأمور الآخره، وإن دعاء بالمأثور فما أحسنه وما أبلغه، ومن المأثور حديث عوف بن مالک أنه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازه فحفظ من دعائه، اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزله و وسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، وأبدله داراً خيراً من داره، وأهلا خيراً من أهله، وزوجاً خيراً من زوجه، وادخله الجنة، وأعذه من عذاب القبر، ومن عذاب النار، قال عوف: حتى تمنيت أن كون ذلك الميت، رواه مسلم والترمذى والنسائى۔ اھ۔ (ثم يكبر تكبيره رابعة ويسلم) بعدها من غير دعاء، واستحسن بعض المشائخ أن يقول بعدها: ''ربنا آتنا فى الدنيا حسنه''

اس عبارت میں بھی صاحب اللّباب نمازِ جنازہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے، میّت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء مانگنے کے ذکر کے بعد حضرت عوف بن مالکؓ کی حدیث کا ذکر کرتے ہیں (جس کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے) اور سلام کے بعد کسی اجتماعی دعاء کا ذکر نہیں فرماتے بلکہ ''ولا يصلى علىٰ ميّت فى مسجد جماعة'' کہہ کر ایک دوسرا مسئلہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

(۷) اسی طرح صاحب: **المحيط البرهانى فى الفقه النعماني تاليف الامام العلامة بُرهان الدين أبي المعالى مَحمُود بن أحمد بن عبدالعزيز ابن مازة البخارى الحنفى المتوفى ۶۱۶ھ** کے

(ص۱۷۹، ج۳) پر صاحب المحیط البرھانی نماز جنازہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم قال: يكبر الأولى. ويحمد الله تعالى بعد الكتبيرة الأولى، ويثني عليه، ولم يوقت في الثناء ههنا شيئاً، وفي سائر الصلوات وقتوا في الثناء وهو قوله: سبحانك اللهم وبحمدك إلى آخره، قال شمس الأئمة رحمه الله: وقد اختلفوا في هذا الثناء بعد التحريم.

قال بعضهم: يحمد الله تعالىٰ بكل ذكر في ظاهر الرواية، وقال بعضهم: يقول سبحانك اللهم وبحمدك إلى آخره كما في الصلوات المعهودة.

ثم يكبر الثانية، ويصلي على النبي عليه السلام؛ لأن الثناء على الله تعالىٰ يعقبه الصلاة على النبي عليه السلام.

ثم يكبر الثالثة ويستغفر للميّت ويتشفع له: لأن الثناء على الله تعالىٰ والصلاة على النبي عليه السّلام يعقبه الدعاء والاستغفار، والمقصود بالصلاة على الجنازة الاستغفار للميّت والشفاعة له، والدليل عليه ما روي عن النبي عليه السّلام أنه قال: ''إذا أراد

ترجمہ: پھر فرمایا کہ پہلی تکبیر کہے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناءٔ بیان کرے، اور یہاں پر اللہ کی حمد وثناء کے لئے کوئی خاص الفاظ متعین نہیں کئے گئے جس طرح ساری نمازوں میں ثناء کے الفاظ مقرر ہیں، اور وہ ''سُبحَانَكَ اللّٰهمَّ'' آخر تک پڑھنا ہے۔ شمس الائمہؒ نے فرمایا ہے کہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء کے الفاظ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ کسی بھی ذکر سے جو ظاہر روایت کے مطابق ہو اللہ کی حمد و ثناء بیان کرلی جائے، اور بعض نے کہا ہے کہ جو نماز میں سبُحانَكَ اللّٰهمَّ وَبِحَمدِكَ آخر تک پڑھا جاتا ہے وہی پڑھ لیا جائے۔

پھر دوسری تکبیر کہہ کر پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود پڑھا جائے، کیونکہ اللہ کی حمد کے بعد درود لایا جاتا ہے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر۔

پھر تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لئے استغفار اور شفاعت کی جائے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء اور بنی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود بھیجنے کے بعد دعاء اور استغفار لایا جاتا ہے۔ اور نماز جنازہ سے مقصود میّت کے لئے استغفار اور اس کی شفاعت ہے، اور دلیل اس پر پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وہ روایت ہے جس میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اذا اراد أحدكم أن يدعو فليحمد الله تعالىٰ وليصل على النبي عليه السّلام ثم يدعو، قد روي ''أن النبي عليه السّلام رأى رجلاً فعل هكذا بعد الفراغ من الصلاة فقال عليه السّلام: ''ادع فقد استجيب لك''۔ ويذكر الدعاء المعروف: ''اللهم اغفر لحينا وميتنا'' إن كان يحسن ذلك، وإن كان لا يحسن ذلك يذكر ما يدعو به في التشهد ''اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات'' إلى آخره، وروي عن أبي حنيفة رحمه الله أن من صلى على صبي يقول: اللهم اجعله لنا فرطاً، اللهم اجعله لنا ذخراً، اللهم اجعله لنا شافعاً مشفعاً، ولا يستغفر له؛ لأنه لا ذنب له۔

جب ارادہ کرے تم میں سے کوئی ایک دعاء مانگنے کا تو وہ اللہ کی حمد وثناء بیان کرے، اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے، اور پھر دعاء کرے۔ اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے بعد اس طرح دعاء مانگتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا دعاء مانگتے رہو تمھاری دعاء قبول کی جائے گی۔ اور اس کے بعد بالغ مرد وعورت پر پڑھی جانی والی دعاء کا، اور نابالغ پر پڑھی جانے والی دعاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر چوتھی تکبیر کہے اور دونوں طرف سلام پھیرے۔

اس عبارت میں بھی صاحب المحیط البرھانی نماز جنازہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے اور میّت کے لئے دعاء کا ذکر فرماتے ہیں، اور سلام کے بعد کسی اجتماعی دعاء کا ذکر نہیں فرماتے بلکہ:

وإن زاد الامام على أربع تكبيرات فالمقتدي هل يتابع الامام في الزيادة أو لا يتابع؟ فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله لا يتابع، وروي عن أبي يوسف رحمه الله أنه يتابع؛ لأنه لم يظهر خطأ الامام بيقين فإنه روي أن علياً رضي الله عنه كبر خمساً، وهكذا روي عن رسول الله عليه السلام۔

کہہ کر ایک دوسرا مسئلہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ اگر امام چار تکبیرات سے زیادہ تکبیر کہے تو مقتدی اس زیادتی میں اس کی تابعداری کریں گے یا نہیں؟

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ خود دعاء ہے اور اس کے بعد کوئی اور دعاء نہیں۔

''بدائع الصنائع'' تاليف الامام علاء الدين أبي بكر بن مسعود الكاساني الحنفي المتوفى سنه ۵۸۷ھ

(۸) فقہ حنفی کی مشہور کتاب: **''بدائع الصنائع''** میں صاحب بدائع الصنائع (ص ۳۴۱، ج ۲) میں نماز جنازہ کا طریقہ یوں لکھتے ہیں:

وذكر الطحاوي: أنه لااستفتاح فيه، ولكن النقل والعادة أنهم يستفتحون بعد تكبيرة الفتتاح، كما يستفتحون في سائر الصلوات، وإذا كبر الثانية يأتي بالصلاة على النبي ﷺ وهي الصلاة المعروفة، وهي أن يقول: ''اللهم صلّ على محمد وعلى آل محمد'' الیٰ قوله: ''إنك حميد مجيد'' وإذا كبر الثالثة يستغفرون للميّت ويشفعون؛ وهذا لأن صلاة الجنازة دعاء للميت۔

اس عبارت میں بھی صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں کہ جب تیسری تکبیر کہے تو میّت کے لئے استغفار اور شفاعت کی جائے، اور یہ کیوں؟ ''وهٰذا لأن صلاة الجنازة دعاء للميّت''۔ یہ اس لئے کہ نماز جنازہ خود دعاء ہے میّت کے لئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ خود دعاء ہے اور اس کے بعد کسی اور اجتماعی دعاء کی ضرورت نہیں۔

والسنة في الدعاء أن يقدم الحمد، ثم الصلاة على النبي۔ ﷺ ثم الدعاء بعد ذلك؛ ليكون أرجى أن يستجاب۔

والدعاء أن يقول؛ اللهم اغفر لحينا و ميتنا، إن كان يحسنه، وِن لم يحسنه يذكر ما يدعو به في التشهد: اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات إلى آخره؛ هذا إذا كان بالغاً. فأما إذا كانا صبياً فإنه يقول: اللهم اجعله لنا فرطاً وذخراً وشفعه فينا؛ كذا روي عن أبي حنيفة، وهو المروي عن النبي ﷺ۔ ثم يكبر التكبيره الرابعة، (ويسلم) تسليمتين؛ لأنه جاء أوان التحلل، وذلك بالسلام، وهل يرفع صوته بالتسليم؟ لم يتعرض له في ''ظاهر الرواية''

آگے دعاء مانگنے کا مسنون طریقہ بیان کرتے ہیں، اور میّت کے لئے تیسری تکبیر کے بعد دعائے ماثورہ کا ذکر

فرماتے ہیں اور چوتھی تکبیر کے بعد کسی دعاء کا ذکر نہیں فرماتے بلکہ ''فان کبّر الامام خمسا'' کہہ کر دوسرا مسئلہ شروع فرما دیتے ہیں۔

خلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل تالیف / حسام الدین علی بن مکي الرازي

(۹) ایسے ہی خلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل (کتاب الصلاۃ ص۱۸۷، ج۱) میں ہے:

والصلاۃ: أن یکبر تکبیرہ یحمد اللہ تعالیٰ عقبیھا، ثم یکبر تکبیرۃً ویصلي علی النبيﷺ، ثم یکبر تکبیرً یدعو فیھا لنفسه وللمیّت وللمسلمین، ثم یکبر تکبیرۃً رابعۃً و یسلم۔

اس میں بھی تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے، میّت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء، اور سلام تک ذکر کرنے کے بعد کسی دعاء کا نام ونشان نہیں بلکہ:

ولا یصلی علی میّت في مسجدٍ جماعةٍ۔ فإذا حملوہ علی سریرہ أخذوا بقوائمه الأربع،

....

کی عبارت لا کر دوسرا مسئلہ بیان فرما دیا۔

مجمع الانھر

(۱۰) اسی طرح فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب: مجمع الانھر للمحقق الفقیه عبد الرحمٰن بن محمد بن سُلیمان الکلیبولي رعو بشیخي زادہ الحنفی ویُعرف بداماد افندي المتوفی سنه ۱۰۷۸ھ فی شرح ملتقی الابحر للإمام ابراھیم بن محمد بن ابراھیم الجلي المتوفی ۹۵۶ھ کے ص۲۷۱، ج۱) پر ہے:

ویکبر تکبیرۃ یثنی عقیبھا ثم ثانیة ویصلي علی النبي صلی اللہ علیه و سلم ثم ثالثة یدعو لنفسه وللمیّت وللمسلمین بعدھا ثم رابعة ویسلم عقیبھا فإن کبر خمساً لا یتابع ولا قراءۃ فیھا ولا تشھد ولا رفع ید إلا في الاولیٰ ولا یستغفر لصبي

اس میں بھی تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے، میّت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء، اور سلام تک ذکر کرنے کے بعد کسی دعاء کا نام ونشان نہیں بلکہ ''فان کبّر خمسًا'' کہہ کر دوسرا مسئلہ شروع فرمادیا گیا ہے:

شرح فتح القدیر

(۱۱) ایسے ہی ابن الهمام الحنفی اپنی کتاب شرح فتح القدیر تالیف الامام کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیراسي ثم السکندری المعروف با بن الهمام الحنفی المتوفی سنه ۸۶۱ھ کے (ص۱۲۶، ج۲، کتاب الصّلاۃ) میں نمازِ جنازہ کا طریقہ بیان کرتے ہیں:

ثم يكبر تكبيرة يصلي فيها على النبيﷺ، ثم يكبر تكبيرة يدعو فيها لنفسه وللميّت وللمسلمين ثم يكبر الرابعة ويسلم) لأنه عليه الصلاة والسلام كبر أربعاً في آخر صلاة صلاها فنسخت ما قبلها، (لو كبر الإمام خمساً لم (والصلاة أن يكبر تكبيرة يحمد الله عقيبها عن أبي حنيفة يقول:سبحنك اللهم وبحمدك إلى آخره، قالوا لا يقرأ الفاتحة إلا أن يقرأها بنية الثناء، ولم تثبت القراءة عن رسول الله ﷺ و في موطإ مالك عن مالك عن نافع ''أن ابن عمر كان لا يقرأفي الصلاة على الجنازة' ويصلي بعد التكبيرة الثانية كما يصلي في التشهد وهو الأولى، ويدعو في الثالثة للميّت ولنفسه ولأبويه وللمسلمين، ولا توقيت في الدعاء سوى أنه بأمور الآخرة۔ وإن دعاء بالمأثور فما أحسنه وأبلغه۔ ومن المأثور حديث عوف بن مالك 'أنه صلى مع رسول اللهﷺ على جنازة فحفظ من دعائه: اللهم اغفر له وارحمه، وعافه واعف عنه۔ وأكرم منزله ووسع مدخله۔ واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، وابدله داراً خيراً من داره، وأهلاً خيراً من أهله، وزوجا خيراً من زوجه، وأدخله الجنة، واعذه من عذاب القبر وعذاب النار، قال عوف: حتى تمنيت أن أكون أنا ذلك الميت' رواه مسلم والترمذي والنسائي، وفي حديث إبراهيم الأشهل عن أبيه قال 'كان رسول الله ﷺ إذا صلى على الجنازة قال: اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا، صغيرنا وكبيرنا، ذكرنا وانثانا' رواه الترمذي والنسائي، قال الترمذي: و رواه أبو سلمة بن

عبدالرحمٰن عن أبي هريرة عن النبیﷺ۔ وزاد فيه ''اللهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان وفي رواية لأبي داود نحوه۔ وفي أخرى ''ومن توفيته منا فتوفه على الإسلام۔ اللهم لا تحرمنا أجره، ولا تضلنا بعده'' وفي موطإ مالک عمن سأل أبا هريرة ''كيف يصلي على الجنازة فقال أبو هريرة: أنا لعمر الله أخبرك: أتبعها من عند أهلها، فإذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه، ثم أقول: اللهم عبدك وابن عبدك وابن أمتك، كان يشهد أن لا إله إلا أنت، وأن محمداً عبدك ورسولك، وأنت أعلم به۔ اللهم إن كان محسناً فزد في حسناته، وإن كان مسيئاً فتجاوز عن سيئاته۔ اللهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده'' وروى أبو داود عن واثلة بن الأسقع قال ''صلى بنا رسول اللهﷺ على رجل من المسلمين فسمعته يقول: اللهم إن فلان ابن فلان في ذمتك وحل في جوارك، فقه من فتنة القبر وعذاب النار، وأنت أهل الوفاء والحق: اللهم اغفرله وارحمه إنك أنت الغفور الرحيم'' وروي أيضاً من حديث أبي هريرة سمعته: يعني النبي عليه الصلاة والسلام يقول ''اللهم أنت ربها وأنت خلقتها وأنت هديتها للإسلام وأنت قبضت روحها وأنت أعلم بسرها وعلانيتها جئنا شفعاء فاغفرلها'' قوله: (ثم يكبر الرابعة ويسلم) من غير ذكر۔

اس میں بھی نماز جنازہ کا طریقہ بیان کرنے کے بعد، تیسری تکبیر کے بعد مختلف روایات میں جو دعائیں مذکور ہیں ان کا ذکر کیا گیاہے جن سے نماز جنازہ کا میّت کے لئے دعاء ہونا ثابت ہو تاہے اور چوتھی تکبیر کے بعد کسی دعاء کا ذکر نہیں ملتا۔

تحفۃ الفقہاء

(۱۲) فقہ حنفی کی ایک اور مشہور کتاب: ''تحفة الفقهاء'' لِعلاءِ الدّين السّمرقندي سنه ۵۳۹ھ کے (ص۲۴۹۔ج۱) میں نماز جنازہ کا طریقہ یوں بیان کیا گیاہے:

أن يقوم الإمام والقوم، فيكبر الإمام أربع تكبيرات، والقوم معه۔ فيكبرون التكبيرة الأولى، ويحمدون الله بما هوا أهله۔ كذا ذكر الكرخي، وروى الحسن عن أبي حنيفة

أنه يكبر الأولى ويقول: ''سبحانك اللهم وبحمدك (إلى آخره) ثم يكبرون الثانية ، ويصليون على النبى عليه السلام علىٰ ما هو المعروف'' ثم يكبرون الثالثة، ويدعون للميّت ولأموات المسلمين يستغفرون لهم۔ وإذا كان الميّت صبيا فيقول: ''اللهم اجعله لنا فرطا واجعله لنا ذخرا''۔ ثم يكبرون الرابعة ولا يدعون بعدها، ثم يسلم الإمام تسليمتين عنى مينه ويساره، والقوم معه، لأن كل صلاة لها تحريم بالتكبير ، فيكون لها تحليل بالتسليم

ترجمہ: **میّت پر نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ** : پس ہم کہتے ہیں کہ امام اور قوم کھڑی ہو، امام چار تکبیریں کہے، اور لوگ بھی ان کے ساتھ چار تکبیریں کہیں، پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد اس طرح بیان کی جائے جس طرح اسکی ذات کے لائق ہے، کرخیؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور امام حسنؒ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ پہلی تکبیر کے بعد سبحانک اللّٰھم۔ آخر تک پڑھے۔ پھر دوسری تکبیر کہے اور نبی کریم ﷺ پر معروف درود بھیجے، پھر تیسری تکبیر کہے اور میّت ، اور مسلمان مُردوں کے لئے دعاء اور استغفار کرے، اور اگر میّت بچّہ ہو تو ۔ اللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا۔ الخ والی دعاء پڑھے۔ پھر چوتھی تکبیر کہے اور اس کے بعد کوئی دعاء نہ مانگے۔ (اسمیں بھی کسی دعاء کا بعد سلام کے ذکر نہیں)۔

الاختیار لتعلیل المختار

(۱۳) اسی طرح چھٹیؔ صدی کے فقیہ اور محدّث امام عبد اللہ بن محمود الموصلی اپنی کتاب '' الاختیار لتعلیل المختار '' تاليف الامام الفقيه المحدّث عبدالله بن محمود الموصيلى ولد سنة ۵۹۹ھ و توفی سنة ۶۸۳ھ کے (ص ۳۱۳،۳۱۳،ج ۱) پر نماز جنازہ کا طریقہ بیان فرماتے ہیں:

والصَّلاة أربعُ تَكبِيراتٍ، و يَرفَعُ يَدَيهِ في الأُولى ولا يَرفَعُ بَعدَها۔ يَحمَدُ اللهَ تعالى بعد الأُولى، ....ويصلِّي على نبيّه عليه السّلامُ بعدَ الثَّانِيةِ، ويَدْعُو لِنَفسِه ولِلميّت ولِلمُؤمنينَ بعدَ الثَّالثةِ، و يُسَلِّمُ بعدَ الرَّابعةِ ، ويقُولُ في الصَّبِيّ بعدَ الثَّالثةِ: اللّٰهُمَّ اجعَلْه لنا فَرَطاً وذُخراً شافِعاً مشَفَّعاً ....

قال: (والصَّلاة أربعُ تَكبِيراتٍ) لقوله عليه السّلام في صلاة العيد: ''أربعٌ كأربعِ الجنائز''۔ (ويَرفَعُ يَدَيهِ في الأُولى) لأنها تكبيرةُ الافتتاح، (ولا يَرفَعُ بَعدَها) لقوله عليه

السّلام: ''لا تُرفَع الأيدي إلا في سبعة مواطِن'' ولم يذكرها۔

(يَحْمَدُ اللهَ تعالى بعدَ الأُولى) لأن سُنَّةَ الدعاء البدايةُ بحَمْد الله۔ وروى الحسنُ عن أبي حنيفةَ أنه يَستَفْتِح۔

(ويصَلِّي على نبيّه عليه السَّلامُ بعدَ الثّانِيةِ) لأن ذِكره عليه السلامُ يلي ذِكرَ ربّه۔ قال تعالى: [وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ] (النشرح: ۴) قيل: لا أُذكَرُ إلا وتُذكَر معي۔(، ويَدْعُو لِنَفسِه ولِلميّت ولِلمُؤْمنينَ بعدَ الثَّالثةِ) لأنَّ المقصودَ منها الدعاءُ، وقد قدّم ذكر الله وذكر رسوله، فيأتي بالمقصود فهو أقربُ للإجابة۔

(ويُسَلِّمُ بعدَ الرَّابعةِ) لأنه لم يبقَ عليه شيٌّ فيسلِّم عن يمينِه وعن شِمالِه كما في الصلاة، هٰكذا آخرُ صلاةٍ صلّاها ﷺ، وهو فِعلُ السَّلف والخَلَف إلى زَمانِنا۔ قال أبو حنيفةَ إن دعوتَ ببعض ما جاءت به السّنةُ فَحَسَنٌ، وإن دعوتَ بما يحضُرُك فحَسَنٌ۔

اور نماز(جنازہ) چار تکبیرات ہیں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے اور اس کے بعد نہ اٹھائے، اور پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔ اور دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے، اور تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے ،میّت کے لئے اور مؤمنین کے لئے دعاء کرے۔

اس میں بھی تیسری تکبیر کے بعد ذکر کیا ہے کہ اپنے لئے، اور میّت کے لئے اور مؤمنین کے لئے دعاء مانگے۔ اور پھر ساتھ ہی وضاحت کی ہے

''لأنّ المَقصود منها الدعاء''

کہ نماز جنازہ کا مقصود میّت کے لئے دعاء ہے۔

اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کا ذکر اس دعاء سے پہلے کیا گیا ہے اور پھر مقصود (یعنی دعاء) کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ طریقہ قبولیّت کے زیادہ قریب ہے۔

اور پھر چوتھی تکبیر کے بعد نماز کی طرح دائیں بائیں سلام پھیر لے کیونکہ اس نے میّت کا حق ادا کر دیا اور اب اس کے ذمّہ کوئی چیز باقی نہیں۔ اسی طرح پیارے پیغمبر ﷺ نے آخری نماز جنازہ ادا کی تھی، اور یہی سلف وخلف کا آج تک

معمول رہا ہے۔

رَدُّالمختار

(۱۴) رَدُّ المختار علی الدر لمختار شَرح تنویر الأبصار لخاتِمةِ المحققین محمّدامین الشہیر با بن عاَبدین کے کتاب الصلاۃ: باب الجنائز ص ۱۱۰۔ ج۳) میں ہے:

(وهي أربع تكبيرات) كل تكبيرة قائمة مقام ركعة (يرفع يديه في الأولى فقط) وقال أئمة بلخ: في كلها (ويثني بعدها) وهو ''سبحانك اللهم وبحمدك'' (ويصلي على النبيﷺ) كما في التشهد (بعد الثانية) لأن تقديمها سنة الدعاء (ويدعو بعد الثالثة) بأمور الآخرة والمأثور أولى، وقدّم- فيه الإسلام مع أنه الإيمان لأنه منبىء عن الانقياد. فكأنه دعاء في حال الحياة بالإيمان والانقياد؛ وأما في حال الوفاة فالانقياد وهو العمل غير موجود (ويسلم) بلا دعاء (بعد الرابعة) تسليمتين ناوياً الميّت مع القوم. يسرّ الكل إلا التكبير- زيلعي وغيره- لكن في البدائع: العمل في زماننا على الجهر بالتسليم-

ان تمام حوالوں میں آپ نے دیکھا کہ فقہاً اسلام نے تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لئے، اور نہ صرف میّت کیلئے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے دعاء مانگنے کا ذکر کیا ہے، اور سلام پر نماز جنازہ کو ختم کیا ہے، اور سلام کے بعد آگے دوسرا مسئلہ بیان کیا ہے۔ الغرض: تمام کتب فقہ میں نماز جنازہ کی یہی کیفیّت منقول ہے۔

ہمارا دعوٰی ہے کہ فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہو، اور اس میں سلام کے بعد دعاء کا اضافہ بھی ہو، بلکہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے اجماعی طور پر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دعاء بعد السّلام، نماز جنازہ کا جز ہونے کی حیثیت سے شرعاً ثابت نہیں۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ باقی ائمہ کی کتب فقہ سے بھی اس قسم کی نقول پیش کی جاسکتی ہیں جس طرح

دعاء بعد الجنازہ واجب التّرک ہے

(ا) پس جب ذخیرہ احادیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی رو سے یہ امر پائیہ ثبوت تک پہنچ گیا کہ دعاء مذکورہ، نماز جنازہ کا جز نہیں، اور تعلیم نبویؐ جسے تمام ائمہ مجتھدین نے بلا کسی اصلاح و ترمیم کے، یا کمی و زیادتی کے قبول کیا، وہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ دعاء پیارے پیغمبر ﷺ کی تعلیم پر زیادتی، اور زمانہ خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہوئی، جو بنصِّ حدیث ''من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو ردٌّ''۔ مردود ہوگی۔ نیز بنصِّ حدیث ''کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة''۔ یہ زیادتی مذکورہ بدعت اور گمراہی بنے گی، اس لئے یہ دعاء واجب الترک ہے۔

(ب) فقہ کے اس متّفقہ فیصلے سے کہ نماز جنازہ سلام پر ختم ہو جاتی ہے، یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں کہیں بھی کوئی ایسی صحیح قابل استناد حدیث موجود نہیں جس سے دعاء مذکورہ کے اثبات میں استدلال کیا جاسکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ائمہ ھدٰی اربعہ اور ان کے اصحاب پر ایسی حدیث مخفی رہ جاتی۔ اس لئے جو احادیث دعاء بعد السّلام کے جواز پر بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں، ایسی ساری احادیث یا تو صحیح اور قابل استناد ہی نہیں، یا پھر مفید مدعاء نہیں۔

تفصیل بالا سے واضح ہو چکا ہے کہ دعاء بعد الجنازہ، نہ نماز جنازہ میں رکن ہے، نہ شرط، اور نہ واجب، نہ سنّت، نہ مستحب بلکہ بدعت ہے، اس لئے واجب الترک ہے۔

(ج) اگر فرض کریں تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ بدعت نہیں تو بھی اس خصوصی محل کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اس کو مباح، یا مندوب کہا جائے گا، مگر عوام نے عملاً اور اعتقاداً، چونکہ اس دعاء کو واجب کر رکھا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جو دعاء نہ کرے اس پر شدید تنقید کی جاتی ہے، اور خود اس دعاء پر اصرار کرتے ہیں، (بلکہ راقم کا خود یہ ذاتی تجربہ رہا ہے پاکستان میں بھی اور یہاں انگلینڈ میں بھی کہ جب جنازہ کے بعد راقم اثیم نے دعاء مانگنے سے انکار کیا تو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ انگلینڈ میں آنے کے بعد یہاں راقم نے ایک نئی چیز یہ بھی دیکھی کہ خود مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام جنازہ کے بعد صفیں توڑ وا کر اجتماعی دعاء کرواتے

ہیں۔ راقم کا تعلق جس مسجد سے ہے، اس میں جب میں نے اس جاری بدعت کو ختم کیا تو انتظامیہ کی طرف سے شدید دباؤ ڈالا گیا، اور جب اس راقم اثیم نے اپنے ہی مسلک سے تعلق رکھنے والے احباب کی یہ کیفیت دیکھی تو بہت زیادہ صدمہ ہوا، اور یہی سبب بنا، اس بات کا کہ میں دعاء بعد الجنازہ، اور اس جیسی چند دیگر ہونے والی بدعاءت پر قلم اٹھاؤں)۔

گویا عوام بدوں دعائے مذکورہ کے جنازہ کے پڑھنے، یا نہ پڑھنے کو برابر سمجھتے ہیں۔ اور جب عوام کے فساد عقیدہ کی یہ حالت ہو چکی ہو، تو قاعدہ یہ ہے کہ جس مباح یا مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے فساد عقیدہ کا اندیشہ ہو، وہ مباح یا مستحب واجب الترک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پیارے پیغمبر ﷺ جو سورتیں نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے (مثلاً جمعہ کی فجر میں الٓمٓ سجدہ۔ اور دھر، یاسورۃ الاعلیٰ اور الغاشیہ وغیرہ) ان کا مذکورہ نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے، لیکن ان سورتوں کا اس طرح مقرر کرلینا کہ ان نمازوں میں ہمیشہ یہی سورتیں پڑھی جایا کریں، ایھام الجاھل کی وجہ سے تمام فقہاؒ نے اسے مکروہ لکھا ہے یعنی ایسی توقیت گناہ ہے جو واجب الترک ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (البنایہ شرح ھدایہ، ص۳۶۶) میں ہے:

(ویكره أن يوقت) أي يعين (بشيء من القرآن لشيء من الصلوات) مثل ما أخذ عين قراءة السجدة و (هل أتى على الإنسان) في فجر كل جمعة، ومثل تعيين قراءة

اور مکروہ ہے کہ قرآن کا کچھ حصّہ نمازوں کے لئے مخصوص کیا جائے۔ جیسے ہر جمعہ کی نماز فجر کے لئے "سورۃ الٓمٓ السجدہ" اور "ھل اتیٰ علی الانسان" کو متعیّن کرنا۔

سورة الجمعة والمنافقين في صلاة الجمعة (لما فيه) أي في توقيت السورة من القرآن بشيء من الصلوات (من هجر الباقي) لأن المواظبة على تعيين شيء من القرآن لشيء من الصلوات هجراً لباقي القرآن من غير المعين، فيدخل تحت قوله تعالى [وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا] (الفرقان:۳۰) ، أي متروكاً وأعرضوا عنه (وإيهام التفضيل) أي ولما فيه من إيهام تفضيل المعين على غيره، والقرآن كلام الله تعالىٰ كله سواء في التفضيل۔

اور جیسے نماز جمعہ کے لئے سورۃ الجمعۃ اور سورۃ المنافقون کو متعیّن کرنا، کہ اس طرح کرنے سے باقی قرآن کا ترک لازم آتا ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول میں داخل ہو گا: { وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا

الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ ”اور رسول ﷺ کہیں گے کہ: یارب! میری قوم اس قرآن کو بالکل چھوڑ بیٹھی تھی“۔ اور اس میں ایھام التفضیل ہے (یعنی معیّن کو غیر معیّن پر فضیلت دینا ہے جبکہ قرآن سارا کا سارا، اللہ کا کلام ہے اور فضیلت میں برابر ہے۔ اسی پر مزید بحث کرتے ہوئے تھوڑا آگے جا کر لکھتے ہیں:

ثم قال الاسبيجابي والطحاوي هذا الذي ذكر إذا رآه حتماً واجباً لا يجزي غيرها أو رأى القراءة بغيرها مكروهة. أما لو قرأها في تلك الصلاة تبركاً بقراءة رسول الله ﷺ بها او ناسياً به أو لأجل التيسير عليه، فلا كراهة في ذلك، لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحياناً لئلا يظن الجاهل الغبي أنه لا يجوز غير ذلك، وغالب العوام على اعتقاد بطلان الصلاة بترك سورة السجدة دون سورة (هل أتى) الإنسان،

یہ اس صورت میں ہے جب اس کے پڑھنے کو ضروری سمجھے اور اس کے سوا دوسری جگہ سے پڑھنے کو مکروہ سمجھے۔ لیکن اگر کوئی تبرکاً ان سورتوں کی تلاوت کرتا ہے آپؐ کی اقتدا میں، کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے بھی ان کی قرأت کی ہے، یا بھولے سے، یا اس وجہ سے کہ اس کو یہ سورتیں یاد ہیں اور اس کے لئے ان کا پڑھنا آسان ہے تو ایسی صورت میں کراہت نہ ہوگی، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کبھی دوسری سورتیں بھی تلاوت کرے تاکہ جاھل غبیؔ کو یہ گمان نہ ہو کہ اس کے سوا دوسری جگہ سے تلاوت جائز نہیں۔

اسی طرح علامہ شامیؒ، صاحب بحر سے وتر کی سورہ ثلاثہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ہمیشہ ان ہی کو پڑھنا درست نہیں۔

والسنّة السور الثلاث) اى الاعلیٰ ،والكافرون،والاخلاص۔ لكن فى النّهاية انّ التعيين على الدّوام يفضى الیٰ اعتقادِ بعض النّاس انه واجب وهو لا يجوز۔۔اھ(ص ۶۲۳،ج ا)

ترجمہ: سنّت یہ ہے کہ وتروں میں تین سورتیں، یعنی الاعلیٰ، الکافرون اور اخلاص پڑھی جائیں۔ لیکن نھایہ میں ہے کہ ہمیشہ انہی سورتوں کا پڑھنا لوگوں کو اس اعتقاد میں مبتلا کر دے گا کہ ان کا پڑھنا واجب ہے اور یہ جائز نہیں۔

دیکھئے ان سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے، مگر عوام کے خرابیٔ عقیدہ کے اندیشہ کی وجہ سے اسے مکروہ لکھا ہے، تو دعاء بعد نماز جنازہ جس کے بارے میں عوام کا فساد عقیدہ مشاہد ہے، کیونکر جائز ہوگی۔؟ اس لئے ہم کہتے ہیں

کہ اگر بالفرض دعائے مذکورہ کو مستحب بھی مان لیا جائے تو موجودہ حالات میں عوام کے عقیدہ کی اصلاح کے پیشِ نظر اس دعاء کو چھوڑ دینا چاہئے، اور یہ واجب الترک ہے۔

(د) دعائے مذکورہ کو مباح اور مستحب تو کیا، اگر بالفرض اس سے بڑھ کر اگر دعائے مذکورہ کا کسی درجہ میں سنّت ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جس کا دلائل کی روشنی میں قطعاً کوئی امکان نہیں، جیسا کہ مفصّل گزرا، تو پھر چونکہ اس میں بدعت ہونے کا قوی احتمال ہے لہٰذا قابلِ ترک ہو گی، اس لئے کہ جو فعل بدعت اور سنّت ہونے میں متردّد ہو جائے اسے چھوڑ دینا ہی ضروری ہو جاتا ہے، جیسا کہ فقہاؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ البنایہ میں ہے۔

ومنها: أن ما تردد به بين الواجب والبدعة يأتي به احتياطاً وما تردد به بين البدعة والسنة يترك۔

کہ جو فعل واجب اور بدعت ہونے میں متردّد ہو جائے تو احتیاطاً اسے عمل میں لایا جائے گا، اور جو فعل بدعت اور سنّت ہونے میں متردّد ہو جائے اسے چھوڑ دینا ہی ہو گا، پس یہ دعاء اس وجہ سے بھی قابلِ ترک ہے۔

(ھ) دعائے مذکورہ اس وجہ سے بھی قابلِ ترک ہے کہ محقّقین فقہاؒ نے بالتّصریح اس دعاء سے ممانعت فرمائی ہے۔ جس کے ثبوت اور حوالہ جات ابھی ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

مگر اس سے قبل ایک اصول ذہن نشین فرمالیجئے کہ ہر شخص قرآن کریم اور احادیث نبویہؐ سے قیاس و اجتہاد کر کے مسائل کو استنباط کرنے کی اہلیّت نہیں رکھتا، اس کے لئے علم کثیر ہونے کے ساتھ ساتھ تفقّہ فی الدّین کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے اندر قرآن اور احادیث سے مسائل کے استنباط کی صلاحیّت و استعداد موجود ہو اسے مقلّد بننا ہی درست نہیں، مقلّد وہی بنتا ہے جو اپنے اندر ایسی صلاحیّت نہیں پاتا۔ آج کل جو لوگ اس اصول شرعیہ سے برکنار رہ کر صرف اپنے قیاسِ فاسد سے اس دعاء کو جائز اور مستحب قرار دیتے ہیں وہ یقیناً غلطی میں مبتلا ہیں۔ اس لئے جب مسئلہ خود فقہ میں موجود ہو تو مقلّد کے لئے فقہ کی تصریحات ہی کافی ہوتی ہیں۔ ہم چونکہ مقلّد ہیں اور فقہ حنفی کی تقلید کرتے ہیں، اس لئے ہمیں فقہاؒ ... ں۔

فقہائے احناف اور دعاء بعد الجنازہ

اور محقّقین فقہاءِ احناف کثر اللہ تعالیٰ سوادھم نے میّت کے لئے اجتماعی شکل میں نماز جنازہ کے متّصل بعد دعاء کرنے سے منع فرمایاہے، اور اس کو مکروہ اور بدعت کہاہے چنانچہ ذیل میں چند عبارات فقہائے کرامؒ کی درج ہیں، جن سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگا کہ یہ دعاء غیر مشروع اور مکروہ ہے ملاحظہ ہو۔

البحر الرائق شرح کنز الدّقائق

البحر الرائق شرح كنز الدّقائق للشيخ الإمام أبي البركات عَبدالله بن أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدّين النسفي المتوفى سنه ۷۱۰ھ

(۱) صاحب بحر الرائق (ص۳۲۱، ج۲ کتاب الجنائز) میں لکھتے ہیں:

قوله: (وهي أربع تكبيرات بثناء بعد الأولى وصلاة على النبي ﷺ بعد الثانية ودعاء بعد الثالثة وتسليمتين بعد الرابعة) لما روي أنه عليه الصلاة والسلام صلى على النجاشي فكبر أربع

وقيد بقوله ''بعد الثالثة'' لأنه لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة۔

ترجمہ: اور (نماز جنازہ) کی چار تکبیریں ہیں، پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود، تیسری تکبیر کے بعد دعاء، اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام کا پھیرنا۔ جیسا کہ مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے جب نجاشیؒ کی نماز جنازہ پڑھی تو اس میں آپ ﷺ نے چار تکبیرات کہیں۔'' **والدعاء بعد الثّالثة**: کی قید اس لئے لگائی ہے، تاکہ بعد سلام کے کوئی اور دعاء نہ مانگے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔

اس میں صاحب بحر الرائق بڑی صراحت سے فرمارہے ہیں کہ جنازہ کے بعد دعاء نہ کی جائے۔

(۲) اسی بحر الرائق کتاب الجنائز ص ۳۲۵) پر صاحب بحر مسبوق کی نماز جنازہ میں شرکت کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأشار المصنف إلى أنه لو أدرك الإمام بعد ما كبر الرابعة فاتته الصلاة على قولهما خلافاً لأبي يوسف، وأفاد أنه لو جاء بعد التكبيرة الأولى فإنه يكبر بعد سلام الإمام عندهما خلافاً لأبي يوسف، ثم عندهما يقضي ما فاته بغير دعاء لأنه لو قضى الدعاء رفع الميّت فيفوت له التكبير، وإذا رفع الميّت قطع التكبير لأن الصلاة على الميّت ولا ميت

طرفین: (امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک اگر کوئی شخص ایسے وقت میں آیا کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی تو ایسی صورت میں جب امام سلام پھیرے تو یہ بعد میں آنے والا امام کے سلام پھیرنے اور جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ہی فوت شدہ تکبیروں کی قضا کرلے بغیر دعاء کے۔ اس لئے کہ اگر وہ دعاء میں مشغول ہو گا تو سامنے سے میّت اٹھا لی جائے گی، اور ایسی صورت میں اس کی تکبیریں فوت ہو جائیں گی۔ اور اگر میّت اٹھالی جائے تو پھر اسے تکبیرات منقطع کر دینی چاہئیں اس لئے کہ نماز جنازہ میّت پر پڑھی جاتی ہے اور اب اس کے سامنے میّت نہیں۔

معلوم ہوا کہ جنازہ کو نماز کے بعد فوراً اٹھالینا چاہئے، مسبوق کی تکبیروں کا بھی انتظار نہیں کرنا چاہئے، اور دوسری طرف مسبوق کو بھی دعاء وغیرہ میں لگ کر دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ کے بعد دعاء نہیں۔

(۳) اسی طرح البنایہ شرح ہدایہ ج۳ ص۲۶۰) پر ہے:

(ولو كبر الإمام تكبيرة أو تكبيرتين لا يكبر الآتي حتى يكبر الامام أخرى) أي تكبيرة أخرى (بعد حضوره) أي حضور الثّاني (عند أبي حنيفة و محمد) ثم أذا كبر الإمام يكبر معه، فإذا فرغ الامام كبر هذا الآتي ما فاته قبل ان ترفع الجنازة،

اگر کوئی شخص نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہوا جب امام ایک یا دو تکبیریں کہہ چکا ہو تو یہ آدمی انتظار کرے اور کوئی تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ (اس کے حاضر ہونے کے بعد) امام دوسری تکبیر کہے، (امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک) پھر جب امام تکبیر کہے تو یہ بھی اس کے ساتھ تکبیر کہے، پس جب امام سلام پھیرے تو یہ بعد میں آنے والا امام کے سلام پھیرنے اور جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ہی فوت شدہ تکبیروں کی قضا کرلے۔ (یہ تو قول ہے طرفین، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا)۔

(وقال أبو يوسف يكبر حين يحضر لأن الأولى) أي التكبيرة الأولى (للافتتاح) أي افتتاح الصلاة، كما في سائر الصلوات (والمسبوق يأتي به) أي تكبيرة الافتتاح بلا انتظار، كما في غير صلاة الجنازة، وبقوله قال الشافعي وأحمد في رواية، وعن أحمد أنه يكبر۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شامل ہوتے ہی فوت شدہ تکبیریں کہہ لے،

امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر، یعنی تکبیر افتتاح کے بعد آنے والا مسبوق کے مانند ہے۔ اور مسبوق تکبیر افتتاح شامل ہونے کے بعد ضرور کہتا ہے، لہٰذا یہ بھی کہے۔

(ولهما) أي ولأبي حنيفة ومحمد رحمهما الله (أن كل تكبيرة) من التكبيرات الأربع (قائمة مقام ركعة) فلا يجوز للمسبوق أن يقضي الفائت قبل أن يشرع مع الإمام، والدليل على ان كل تكبيره قائمه مقام ركعه انه لو ترك واحده منها لا يجوز صلاته، كما لو ترك ركعة، ولهذا قيل أربع كأربع الظهر، ثم عندهما يقضيها بعد السّلام مالم ترفع الجنازة۔ ولو رفعت بالأيدي ولم توضع على الأكفان يكبر في ظاهر الرواية، وعن محمد إن كانت إلى الأرض أقرب يكبر، وإن كانت إلى الأكتاف اقرب لا يكبر، وقيل لا يقطع حتى يتباعد۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص بلاشبہ مسبوق کے مانند ہے لیکن نماز جنازہ کی ہر تکبیر بمنزلہ ایک رکعت کے ہے۔ اسی وجہ سے نماز جنازہ کے بارے میں کہا گیا ہے اربع کاربع الظهر، اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مسبوق فوت شدہ رکعات کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرتا ہے نہ کہ پہلے، کیونکہ سلام سے پہلے قضا کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد کوئی اجتماعی دعاء نہیں، بلکہ سلام کے فوری بعد جنازہ اٹھایا جائے گا۔ اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مسبوق کو اپنی فوت شدہ تکبیریں امام کے سلام پھیرتے ہی بغیر دعاء پڑھے پے در پے کہہ لینا چاہئے، تاکہ وہ جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ہی تکبیروں سے فارغ ہو

سکے۔ معلوم ہوا کہ جنازہ کو نماز کے بعد فوراً اٹھالینا چاہئے، مسبوق کی تکبیروں کا بھی انتظار نہیں کرنا چاہئے، اور دوسری طرف مسبوق کو بھی دعاء وغیرہ میں لگ کر دیر نہیں کرنی چاہئے، جب مسبوق کے لئے بھی انتظار کا حکم نہیں تو پھر جنازہ کے بعد وعظ و نصیحت اور پھر دعاء کرنے کا شغل کیسے جائز ہو گا؟۔

(۴) امام ابو بکرؒ بن الحامد الحنفیؒ (معاصر ابوالحفص الکبیرؒ المتوفیٰ ۲۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ: **انّ الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہٌ**۔ (محیط باب الجنائز)

نماز جنازہ کے بعد دعاء مکروہ ہے۔ یاد رہے کہ ہم نے یہ حوالہ محیط سے نقل کیا ہے جو فقہ حنفی کی معتبر اور مشہور کتاب ہے یہاں صاف صاف دعاء بعد جنازہ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

(۵) امام شمس الائمہ حلوانی الحنفیؒ (المتوفیّ ۴۵۴ھ)، اور بخارا کے مفتی قاضی شیخ الاسلام علاّمہ سغدی الحنفیؒ (المتوفیّ ۴۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

لا یقوم الرَّجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ ۔ (قنیہ ص۶۵، ج۱)

نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لئے کوئی آدمی نہ ٹھرے۔

(۶) امام طاہر بن احمدؒ البخاری الحنفی (المتوفیّ ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں:

ولا یقوم با الدعاء فی قرأۃ القراٰن لاجل المیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ و قبلھا۔

اور نہ دعاء مانگی جائے میّت کے لئے قرآن پڑھ کر، نہ نماز جنازہ کے بعد اور نہ ہی اس سے پہلے۔[1]

(۷) امام حافظ الدیّن محمد بن شہاب کردری الحنفیؒ (المتوفیّ ۸۲۷ھ)

فرماتے ہیں کہ:

لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانّہ دعاء مرّۃً۔ (فتاویٰ بزازیہ ج۱ص۳۲۸)

نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لئے نہ ٹھرے کیونکہ اس نے ایک مرتبہ دعاء کرلی ہے۔ (یعنی نماز جنازہ کے اندر)۔

(۸) امام شمس الدّین محمد خراسانی کوہستانی الحنفیؒ (المتوفیّ ۹۶۲ھ) ترکیب نماز جنازہ اور تسلیم کے بعد لکھتے ہیں کہ: **ولا یقوم داعیًا لہ۔** (جامع الرموز ج۱ص۵۲۱) اور میّت کے حق میں دعاء کے لئے نہ ٹھرے۔

---

۱ خلاصۃ الفتاوٰی، ج۱: ص ۲۲۵

(۹) اور مفتی محمدّ نصیر الدّین الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ: وبعد ایستادہ نماند برائے دعاء۔(فتاوٰی برہنہ ص۶۳) نمازِ جنازہ کے بعد دعاء کے لئے نہ ٹھرے۔

(۱۰) اور حضرت ملاّ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ:ولا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لأنّه یشبه الزّیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔(مرقات ج۲، ص۹۱۲) نماز جنازہ کے بعد میّت کے لئے دعاء نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

(۱۱) اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعہ خانی میں ہے: دعاء نخواند وفتوٰی بریں قول است۔ (مجموعہ خانی قلمی ص۹۴۳) یعنی دعاء نہ کرے اور فتوٰی اس قول پر ہے۔

(۱۲) اور فتاوٰی سعدیہ میں مفتی سعد اللہ صاحب الحنفیؒ (المتوفّی ۲۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ: خالی از کراہت نیست زیراکہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع میکنند۔(فتاوٰی سعدیہ ص۱۳۰)
یعنی یہ کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر فقہاء کرام اس کو امر مسنون پر زائد ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔

(۱۳) علاّمہ سراج الدّین الحنفی الاودیؒ (المتوفّی فی حدود ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:
اذا فرغ من الصّلوٰۃ لا یقوم بالدعاء۔ (فتاوٰی سراجیہ ص۳۲)
جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعاء کے لئے نہ ٹھرے۔

(۱۴) اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں ہے:
کرہ ان یّقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصّلوٰۃ ویدعوا للمیّت و یرفع صو ته۔ (عالمگیری)
ترجمہ: نمازِ جنازہ کے لئے لوگ جمع ہوں اس وقت ایک آدمی کھڑے ہو کر با آواز بلند دعاء کرے یہ مکروہ ہے۔

(۱۵) الدرر الأحکام فی شرح غرر الأحکام (ج۱، ص۱۶۴) پر ہے۔
(قوله قبل رفع الجنازۃ) لم یبین هل المراد رفعها بالایدی أو علی الاکتاف وقال فی البحر عن الظهیریة انها اذا رفعت بالیدی ولم تواضع

علی الاکتاف ذکر فی ظاهر الروایة انه لایأتی بالتکبیر اھ و یخالفه ما قال فی البزازیة فان رفعت علی الایدی ولم توضع علی الاکتاف کبر فی الظاهر وعن محمد لا اذا کان أقرب الی الاکتاف وان اقرب الی الارض کبر اھ و ینبغی أن یقول علی ما فی البزازیة لانه کما قال فی فتح القدیر لو رفعت قطعِ التکبیر اذا رفعت علی الاکتاف وعن محمد ان کان الی الارض أقرب یأتی بالتکبیر لا اذا کان الی الکتاف أقرب وقیل لا یقطع حتی تباعد اھ ولا یخالفه ما سنذکر من انها لا یصح اذا کان المیّت علی أیدی الناس لانه یفتقر فی انبقاء مالا یفتقر فی الابتداء

اس عبارت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی فوت شدہ تکبیروں کی قضا فوراً کرلے ،اور اگر جنازہ اٹھالیا جائے تو جب تک وہ زمین کے قریب ہے، یا ہاتھوں میں ہے تو مسبوق تکبیرات کہتا رہے، لیکن اگر کندھوں تک پہنچ جائے اور زمین سے دور ہو جائے تو پھر تکبیرات منقطع کردے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ جنازہ کو نماز کے بعد فوراً اٹھالیا جائے گا اور مسبوق کی تکبیروں کا بھی انتظار نہیں کیا جائے گا۔اس سے بھی بعد الجنازہ اجتماعی دعاء کاعدم ثبوت ظاہر ہوا۔

(۱۶) اسی طرح اللّباب فی شرح الکتاب (ص ۱۳۰ ج،۱) میں ہے

ثم یکبّر تکبیرۃ رابعةً ویسلّم ،بعدها من غیر دعاء۔

پھر چوتھی تکبیر کہے اور اس کے بعد سلام پھیرے بغیر دعاء کے۔

(۱۷) فتاوٰی سراجیہ کے باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ میں (ص ۱۴۱) پر ہے:

اذا فرغ من الصّلوٰة لا یقوم با الدعاء۔ کہ جب فارغ ہو نماز جنازہ سے تو دعاء نہ مانگے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء ممنوع ہے۔

اور اسی فتاوٰی سراجیہ (ج،۱:ص ۹۲) کتاب الجنائز میں ہے:

وان لّم یکبّر مع الامام حتیٰ کبَّر الامام اربعاً ، کبر هو للافتتاح قبل ان یّسلّم الامام و یکبّر ثلاثاً قبل ان یّر فع الجنازة تتابعاً لا دعاء فیها ، فاذا رفعت الجنازة من الارض

يقطع التكبير۔

مسبوق نے اگر امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی، یہاں تک کہ امام نے چار تکبیریں کہہ لیں، تو وہ امام کے سلام پھیرنے سے قبل تکبیر افتتاح کہہ لے اور باقی تین تکبیریں جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے بغیر دعاء کے پے در پے کہے، پھر جب جنازہ زمین سے اٹھالیا جائے تو تکبیر کو ختم کردے۔

(۱۸) مبسوط کے (ص ۱۲۷ ج ۲) میں ہے کہ جب پانی نہ ہو یا دور ہو کہ اگر وہ وضو کے لئے جاتا ہے تو جنازہ اس سے فوت ہو جائے گا تو ایسی صورت میں وہ تیمّم کر کے جنازہ میں شریک ہو جائے، کیوں؟ اس کی وجہ آگے بیان کرتے ہیں کہ:

الصلاة على الجنازة دعاء وليست بصلاة على الحقيقة فأنه ليس فيها أركان الصلاة من القيام والقراءة والركوع والسجود والطهارة شرط صلاة مطلقة فكان ينبغى أن تتأدى الصلاة

کہ نماز جنازہ خود دعاء ہے اور یہ حقیقت میں نماز نہیں اسی لئے اس میں نماز کے ارکان جیسے قیام قرأت، رکوع سجود وغیرہ نہیں ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد اور کوئی دعاء نہیں ہے، کیوں کہ ایسی دعاء نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔

(۱۹) مشکوٰۃ المصابیح، باب الجنائز (ص ۱۴۷) میں حضرت مالک بن ھبیرہؓ سے روایت ہے:

۱۶۸۷۔ (۴۲) وعن مالك بن هبيرة، قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: ''ما من مسلم يموتُ فيُصلّي عليه ثلاثةُ صفوف من المسلمين، إلا أوجب''۔ فكان مالك إذا استقلّ أهلَ الجنازةِ جزّأهُم ثلاثةَ صفوف لهذا الحديث۔ رواه أبو داؤد۔

وفي رواية الترمذيِّ، قال: كان مالكُ بن هُبيرةَ إذا صلّى على جنازةٍ فتقالَّ النّاس عليها جزّأهم ثلاثةَ أجزاء، ثم قال: قال رسول الله ﷺ: ''من صلّى عليه ثلاثةُ صفوف أوجب''۔ وروي ابن ماجه نحوَه۔

کہ میں نے پیارے پیغمبر ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ نہیں کوئی مسلمان مرتا کہ

اس پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز جنازہ پڑھ لیں مگر اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے جنّت واجب کر دیتا ہے، پس مالک جب اہل جنازہ کو کم دیکھتے تھے تو ان کی تین صفیں بنا دیتے تھے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔

اس حدیث کے تحت حاشیہ مشکوٰۃ میں بحوالہ مرقات ملا علی قاری حنفیؒ المتوفی لکھتے ہیں:

ولا یدعو للمیّت بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ ۱۲

اور نہ دعاء مانگے کوئی بعد نماز جنازہ کے، کیوں کہ یہ دعاء نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جنازہ کی نماز میں شامل ہونے والے لوگ کم ہوتے تھے تو مالک بن ہبیرہؓ ان کی تین صفیں بنایا کرتے تھے تاکہ اس طریقہ سے پیارے پیغمبر ﷺ کے فرمان کے مطابق اس میّت کے لئے بھی جنّت واجب ہو جائے۔ اس کی شرح یہ بیان کی گئی کہ یہ طریقہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد تو اور کوئی دعاء نہیں ہے، کیوں کہ ایسی دعاء نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔

(۲۰) مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح (ج۲: ص،۱۱۵) میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے

نیز علماء یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ نمازِ جنازہ کے بعد میّت کے لیے دعاء نہ کی جائے (جیسا کہ دوسری نمازوں میں سلام پھیرنے کے بعد دعاء مانگی جاتی ہے) کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں اضافہ کا اشتباہ ہوتا ہے۔

(۲۱) اور علّامہ برجندی الحنفیؒ برجندی حاشیہ شرح وقایہ باب الجنائز میں ہے:

لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانّہ یشبہ الزّیادۃ فیھا۔ (کذا فی المحیط۔)

ترجمہ: نہ مانگے کوئی شخص دعاء بعد نماز جنازہ کے کیوں کہ وہ اس میں زیادتی کے مشابہ ہے، ایسا ہی محیط میں ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ دعاء بعد نماز جنازہ، نماز جنازہ میں زیادتی شمار ہوگی اور عبادات میں اپنی طرف سے زیادتی کا شرعاً کسی کو اختیار نہیں ہے۔

(۲۲) نور الأیضاح کے باب الجنائز میں ہے:

ویسلّم بعد الرّابعۃ من غیر دعاء فی ظاھر الرّوایۃ۔

اور سلام پھیر دے چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعاء کے یہی ظاہر روایت میں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ظاہر روایت میں سلام سے قبل یا سلام کے بعد کوئی اور دعاء معہود نہیں ہے۔

(۲۳) مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ: بعد نماز جنازہ کے دعاء کرنا مکروہ ہے۔ (نفع المفتی والسائل ص:۶۱)

(۲۴) مالابدّ منہ کے صفحہ ۵۷ کی عبارت، کہ بعد تکبیر چہارم سلام گوید کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ:

بعد تکبیر چہارم سلام گوید وبعد آں ہیچ دعاء نخواند۔ چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہے اور اس کے بعد کوئی دعاء نہ پڑھے۔ آگے چل کر اسی حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

بعد سلام برائے دعاء ایستادن ہم نشائید بلکہ در حمل جنازہ مشغول شوند، کذا فی در المختار۔ بعد سلام کے دعاء کے لئے کھڑا نہیں ہونا چاہئے بلکہ جنازہ کے اٹھانے میں مشغول ہونا چاہئے۔ ایسا ہی در مختار میں ہے۔

(۲۵) المحیط البرھانی (۱۷۸۔ج:۲) میں ہے:

ثم يكبر الثالثة ويستغر للميّت يتشفع له؛ لأن الثناء على الله تعالىٰ والصلاة على النبي عليه السلام يعقبه الدعاء والاستغفار. والمقصود بالصلاة على الجنازة الاستغفار للميّت والشفاعة له. والدليل عليه ما روي عن النبي عليه السلام أنه قال: ''إذا أراد

ترجمہ: پھر تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لئے استغفار اور شفاعت کی جائے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ پر درود بھیجنے کے بعد دعاء اور استغفار لایا جاتا ہے۔ اور نماز جنازہ سے مقصود میّت کے لئے استغفار اور اس کی شفاعت ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ خود دعاء ہے اس کے بعد کسی اور دعاء کی ضرورت نہیں۔

(۲۶) اسی محیط برھانی (ص ۱۸۲ ج ۲) میں آگے جاکر بیان کیا گیا ہے کہ:

وإن كانا مسبوقاً بثلاث يكبر ثلاث تكبيرات بعد سلام الإمام عند أبي حنيفة، ومحمد رحمهما الله؛ لأنه أتى بتكبيرة واحدة مع الإمام، وهي التكبيرة الرابعة للإمام وتكبيرة الافتتاح لهذا الرجل، وبقي عليه ثلاث تكبيرات، فيأتي بها بعد سلام الإمام۔

وهل يأتي بالأذكار المشروعة؟ وإن كان لا يأمن رفع الجنازة يتابع بين التكبيرات ولا يأتي بالأذكار بين التكبيرتين، ذكر الحسن رحمه الله في ''المجرد'' أنه إن كان يأمن رفع الجنازة فإنه يأتي بالأذكار المشروعة۔

وذکر المسألة في ''النوازل'': مطلقة من غير تفصيل۔ فقال: من فاته بعض التكبيرات على الجنازة يقضيها متتابعة بلا دعاء ما دامت الجنازة على الأرض؛ لأنه لو قضى مع الدعاء يرفع الميّت فيفوته التكبير۔

والحاصل: أنه ما دامت الجنازة على الأرض، فالمسبوق يأتي بالتكبيرات وإذا وضع الجنازة على الأكتاف لا يأتي بالتكبيرات، وإذا رفعت بالأيدي ولم توضع على الأكتاف ذكر في ظاهر الرواية أنه لا يأتي بالتكبيرات۔

وعن محمد أنه إن كانت الأيدي إلى الأرض أقرب، فكأنها على الأرض فيكبر، وإن كانت إلى الأكتاف أقرب، فكأنها على الأكتاف فلا يكبر،

خلاصہ یہ کہ مسبوق نے اگر امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی یہاں تک کہ امام نے چار تکبیریں کہہ لیں تو وہ امام کے سلام پھیرنے سے قبل تکبیر افتتاح کہہ لے، اور باقی تین تکبیریں جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے بغیر دعاء کے پے درپے کہے، پھر جب جنازہ زمین سے اٹھالیا جائے تو تکبیرات کو ختم کردے۔

(٢٧) ملتقی الاَ بحر (ص١٨٤) پر ہے: ویسلّم عقبها بلا دعاء بعد التسلمتين۔ اور بعد تکبیر چہارم کے دونوں طرف سلام پھیرے اور دعا نہ مانگے۔

(٢٨) جامع الفوائد (ص٦٤) میں ہے: لایجوز الفاتحة علی المیّت قبل الدفن۔ نہیں جائز فاتحہ میّت پر دفن سے پہلے۔

(٢٩) اسی طرح کافی کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنازہ کے بعد دعاء نہیں چنانچہ فرمایا:

وان فرغوا فعليهم ان يّمشوا خلف الجنازة الیٰ ان يّنتهوا الى القبر۔

اور جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائیں تو ان پر یہ حق ہے کہ جنازہ کے پیچھے قبر تک پہنچ جائیں۔

(٣٠) مصباح الہدایہ قلمی (ص٢٥) پر ہے بعد از چہارم سلام در راست وچپ بگوید ودراں حال دو دست بکشاید، وبعد از سلام بقرآۃ قرآن وہیچ دعاء مشغول نہ شود کہ مسنون نیست۔

چوتھی تکبیر کے بعد دائیں اور بائیں سلام پھیرے اور اسی وقت دونوں ہاتھ کھول دے، اور بعد سلام قرآن پڑھنے

اور کسی دعاء میں مشغول نہ ہو کہ سنت نہیں ہے۔

(۳۱) اسی مصباح الہدایہ میں دوسرے مقام پر ہے کہ: در مقام آخر گوید) مضمرات از طحاوی آوردہ است کہ بعد از سلام راست وچپ امام چیزے خواندنی نیست۔ کہ مضمرات میں طحاوی سے روایت لاتے ہیں کہ دائیں بائیں سلام پھیرنے کے بعد امام کو کوئی چیز نہیں پڑھنی۔

(۳۲) حاشیہ زاد الآخرت (فصل ۱۶) میں ہے: در کراہت خواندن دعاء بعد از نماز جنازہ:

در کنز وذخیرہ می آرد کہ خواندن دعاء بعد از نماز جنازہ مکروہ است زیرا کہ مشابہ بزیادتی می شود۔

ترجمہ: کنز اور ذخیرہ میں آتا ہے کہ پڑھنا دعاء کا بعد از نماز جنازہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہو گا۔

(۳۳) اسی طرح حاشیہ جواہر النفیس (ص۷۷) پر مجموعۃ الفتاوٰی کے حوالہ سے مذکور ہے:

لا یدعوا بعد السّلام ای ولا یقوم الامام بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ وعلیہ الفتوٰی۔ (وکذا فی مجموعۃ الفتاوٰی)

نہ دعاء مانگے بعد سلام کے یعنی نہ ٹھہرے، امام ساتھ دعاء کے بعد نماز جنازہ کے اور اسی پر فتوٰی ہے، اسی طرح مجموعۃ الفتاوٰی میں ہے۔

(۳۴) حاشیہ شرح الیاس صفحہ ۲۲۸) پر ہے:

انّ الدعاء بعد صَلوٰۃ الجنازۃ مکروہٌ۔ (حاشیہ شرح الیاس ص۲۲۸)

بے شک دعاء بعد نماز جنازہ کے مکروہ ہے۔

(۳۵) اسی طرح حجابۃ الفقہ میں ہے:

کرہ صلوٰۃ الجنازۃ فی مسجد جماعۃ وکذا القیام بعد ھا بالدعاء لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا۔ (حجابۃ الفقہ ص۱۳۹)

مکروہ ہے نماز جنازہ جماعت والی مسجد میں، اور اسی طرح مکروہ ہے ٹھہرنا دعاء کے لئے نماز جنازہ کے بعد، کیونکہ یہ مشابہ زیادت کے ہے بیچ نماز کے۔

(۳۶) قدوری کے (ص۴۶) پر، ثمّ یکبّر تکبیرۃ رابعۃ ویسلّم۔
کے حاشیہ پر شرح وقایہ اور برجندی کے حوالے سے لکھا ہے کہ دعاء بعد نماز جنازہ مکروہ ہے۔

(۳۷) پکّی روٹی (ص۵۷) پر ہے۔
وت سلام سجے اتے کھبے آکھے وت ہور دعاء کھلو کے نہ پڑھے کیونکہ ہور دعاء پڑھنی بدعت ہے بعد نماز جنازے دے۔ (پکی روٹی ص:۵۷)

(۳۸) اس کے علاوہ بھی متعدد حضرات فقہاءِ کرامؒ نے نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنے سے منع کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے فتاوٰی قاضی خان ص۹۰) مسائل مھمّہ، (درھم القیس ص ۴۷:۳۷) مدخل ج ۳ : ص۲۲، لابن امیر الحاجؒ، (دجیز الصراط ص۲۴) وغیرہ۔

(۳۹) حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے ہیں نماز جنازہ خود میّت کے لئے دعاء ہے جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز نہیں۔ (اغلاط العوام (ص ۷۱)
اسی طرح بہشتی گوہر میں جنازے کی نماز کے مسائل کے تحت فرماتے ہیں نماز جنازہ در حقیقت اس میّت کے لئے دعاء ہے ارحم الراحمین سے۔

انّ الصّلوٰۃ الجنازۃ ھی الدعاء للمیّت اذ ھو المقصود منھا۔ (ردالمختار ص۱۲۵، ج۳)

نماز جنازہ کا سلام پھیرتے ہی فوراً میّت کو اٹھا کر لے چلنا چاہئے، کچھ لوگ سلام کے بعد اجتماعی دعاء کرتے ہیں یہ غلط ہے، اس موقعہ پر دعاء نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے، تقریباً ہر صدی کے فقیہ نے لکھا ہے کہ نمازہ جنازہ کا سلام پھیر کر دعاء کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا اس سے گریز کرنا چاہئے۔
اگر غور کیا جائے تو نماز جنازہ حقیقت میں خود دعاء ہی ہے، کیونکہ جو امور دعاء میں ہوتے ہیں وہی اس میں بھی ہوتے ہیں۔ عام دعاء کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ کی حمد وثناء ہو پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے، پھر اپنا مقصد پیش کیا جائے نماز جنازہ میں بعینہ یہی ہوتا ہے۔

(۴۰) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی بذل الجوائز میں لکھتے ہیں کہ ذخیرہ کبریٰ میں ہے:
"لایقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ "۔ نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لئے نہ ٹھرے۔ (بذل الجوائز

ص:۹بحوالہ ذخیرہ کبریٰ)

مذکورہ بالا دلائل صریحہ سے صراحۃً یہ امر محقّق ہو چکا ہے کہ دعاء بعد الجنازہ پیارے پیغمبر ﷺ سے ثابت نہیں ، عھد صحابہؓ و تابعینؒ میں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ائمہ مجتھدین نے بھی اجماعی طور پر نماز جنازہ کی جو کیفیّت بتلائی ہے، اس میں یہ دعاء موجود نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ فقہاًنے اس دعاء کی صراحت کر کے اسے مکروہ و ناجائز لکھا ہے، جیسا کہ مفصّل بیان ہوا ہے۔ پس ایک منصف مسلمان کے لئے تفصیل بالا کے پیش نظر یہ بات بلکل صاف ہو جاتی ہے کہ دعاء بعد الجنازہ بدعۃ

دعاء بعد الجنازہ کے بارے میں اہل بدعت کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل نمبر :

عن ابن عبّاس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انّہما فاتتہما الصلوٰۃ علی الجنازۃ فلمّا حضرا ماذادا علی الأستغفار لہ۔

وعبداللّٰہ بن سلام رضی اللہ عنہ فاتتہ الصلوٰۃ علی الجنازۃ عمر رضی اللہ عنہ. فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔اھ (مبسوط سرخسی ص۶۷ج۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں کی ایک جنازہ پر نماز فوت ہوگئی، پس جس وقت وہ دونوں حاضر ہوئے تو اس کے لئے استغفار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ اور حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کی نماز حضرت عمرؓ کے جنازہ پر فوت ہوگئی، پس جس وقت وہ حاضر ہوئے تو کہا کہ اگر تم اس پر مجھ سے پہلے نماز پڑھ چکے ہو تو اب دعاء میں مجھ پر سبقت نہ کر سکوگے۔

جواب نمبر ا:

آثار مذکورہ سے متنازعہ فیہ دعاء کا ثابت کرنا محض دھوکہ یا خود فریبی ہے ان آثار کو مقصد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، امام سرخسیؒ اس مسئلہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ جب ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھی جاچکی ہو تو بعد میں آنے والوں کو اعادہ کا حق حاصل نہیں۔ جبکہ یہ غیر ولی ہوں، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔ مگر امام شافعیؒ اعادہ کے قائل ہیں، تو امام سرخسیؒ نے حنفیہ کے مسلک کی تائید میں آثارِ مذکورہ کو پیش کیا ہے کہ دیکھو ان حضرات نے جنازہ کا اعادہ نہیں کیا بلکہ صرف دعاء پر اکتفا کیا، جبکہ نماز جنازہ میں یہ حضرات شرکت نہیں کر سکے تھے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ جو لوگ نماز جنازہ پڑھیں وہ جنازہ

کے اختتام پر اسی اجتماعی حالت میں دعاء بھی مانگا کریں۔

نیز ان آثار میں یہ بھی مذکور نہیں کہ یہ حضرات نماز ہو چکنے کے کتنی دیر بعد پہنچے تھے، تقریباً دس منٹ، بیس منٹ، آدھ گھنٹہ، گھنٹہ، بلکہ آثار اس سے بھی ساکت ہیں کہ ان حضرات کی تشریف آوری جنازہ کی موجودگی میں ہوئی یا دفن کے بعد۔؟

نیز روایت میں دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس وقت بھی آئے صرف انہوں نے انفرادی طور پر میّت کے لئے استغفار کیا، کسی دوسرے کی ان کے ساتھ شرکت ثابت نہیں ہوتی۔ تو ان کی دعاء سے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ جنازہ کے متّصل بعد ہوئی یا کب ہوئی؟ نماز جنازہ کے متّصل بعد میں کی جانے والی دعاء کے اثبات پر استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب نمبر ۲:

فتح المعین میں ہے:

عن عبداللہ بن سلام لما فاتته الصلوٰۃ علی عمر قال ان سبقت بالصلوٰۃ فلم اسبق بالدعاء

یعنی جب عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جناب خلیفہ دوم امام عمرؓ کے جنازہ کی نماز نہ ملی تو فرمایا اگر نماز میرے آنے سے قبل ہو چکی ہے تو دعاء کی بندش نہیں میں اکیلا دعاء کروں گا۔ (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی) در رسالہ **النھی الحاجز عن تکرار الصلوٰۃ الجنائز**۔

معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نے اکیلے دعاء کی نہ بہیئۃ اجتماعیہ اکیلے دعاء مانگنا تو سب کے نزدیک درست ہے۔

اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ انفرادی طور پر جب چاہے دعاء مانگ سکتا ہے۔ اس میں نہ تو کسی کی تخصیص ہے اور نہ وقت کی قید، یہی مطلب ہے اس جملے کا کہ:

ان سبقتمونی بالصّلوٰۃ علیه فلا تسبقونی بالدعاء له۔

کہ اگر نماز جنازہ میں تم مجھ سے بازی لے گئے ہو کہ تم نے پڑھ لی، اور میں شامل نہیں ہو سکا، اور اس کا اعادہ بھی

ممکن نہیں ہے ، تو نفس دعائے مغفرت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو تمھارے ساتھ مخصوص ہو کہ تم کر سکو اور میں نہ کر سکوں! لہٰذا تم اس دعاء میں مجھ سے بازی نہیں لیجا سکو گے۔ اگر کہا جائے کہ سبقت مقتضی ہے فعل طرفین کو تو جواب یہ کہ پھر ''سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ'' میں بھی سبقت اسی کی متقاضی ہو گی، جس سے حضرت عبد اللہ بن سلام کا جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہو جائے گا، حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

جواب نمبر ۳:

یہ حدیث دفن کے بعد والی اجتماعی دعاء پر محمول ہے۔

جواب نمبر ۴:

اگر نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء ہوتی تو خود امام سرخسیؒ بھی اس کو بیان فرماتے، حالانکہ آپ نے بھی دیگر ائمہ اور فقہاؑ کی طرح نماز جنازہ کے بعد دعاء کا ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: ویسلّم تسلیمتین بعد الرّابعة ولانّه جاء اوان التحلل وذالک بالسّلام الی ان قال فان کبّر الامام خمساً۔ الخ۔(ص ۶۴ ج ۲) یہاں پر انہوں نے نماز جنازہ تسلمتین، تک بتانے کے بعد دوسرا مسئلہ شروع فرمادیا۔

اگر بعد میں دعاء ہوتی تو یقیناً بیان فرماتے کیونکہ محل بیان ہے۔ چنانچہ دیکھئے

صلوٰۃ کسوف میں نماز کے بعد دعاء ہے، تو سب فقہاؑ نماز کے اختتام پر دعاء کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے: ویدعو بعدھا حتّی تنجلی الشّمس۔(ص ۱۵۶ ج ۱)

صلوٰۃ خمسہ کے بعد دعاء ہے، اس لئے فقہاؑ اسے بیان فرماتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء ثابت ہو اور فقہاؑ بیان نہ فرمائیں۔

دلیل نمبر ۲:

اذا صلّیتم علی المیّت فاخلصوا له الدعاء۔ (ابو داوٗد) اس کی تفسیر میں ہے: افرغتم من الصلوٰۃ فاخلصوا له الدعاء۔(بیہقی)

یعنی جب تم جنازہ کی نماز پڑھ چکو، تو اس کے بعد متّصل بڑے خلوص سے دعاء مانگا کرو۔

جواب ۱ :

جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات دوسری بعض آیات کی تفسیر کرتی ہیں اسی طرح بعض احادیث دوسری حدیثوں کی شرح اور تفصیل ہوا کرتی ہیں۔

تو اسی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دوسری حدیث صاف صاف بتلاتی ہے کہ: **اذا صلّیتم علی المیّت فاخلصوا له الدعاء۔** کا تعلق اندر والی دعاؤں سے ہے۔ چنانچہ المدونۃ الکبریٰ میں حدیث مروی ہے۔

انّ رسول الله ﷺ قال فی الصّلوٰۃ علی المیّت اخلصوہ بالدعاء۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۴۸)

اس حدیث میں "**فی الصلوٰۃ علی المیّت**" کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ حدیث "**اذا صلّیتم علی المیّت**" کا تعلق نماز جنازہ میں پڑھی جانی والی دعاؤں سے ہے نہ کہ باہر والی دعاء سے۔ اور جو شخص اس کو نماز جنازہ کے اندر کی دعاء سے ہٹا کر بعد والی اجتماعی دعاء مراد لیتا ہے تو وہ پیارے پیغمبر ﷺ کی اس حدیث **انّ رسول الله ﷺ قال فی الصّلوٰۃ علی المیّت اخلصوہ بالدعاء۔** کی صریح مخالفت کر رہا ہے۔

نیز ابن ماجہ میں یہ حدیث: **باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ:** کے تحت درج ہے۔ اور اس باب کی پہلی حدیث یہی ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا۔ چونکہ اس حدیث میں صرف یہ ذکر ہے کہ خلوص سے دعاء مانگو، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون سی دعاء ہے۔ اس لئے اس کے بعد متّصل دوسری حدیث جو ذکر کی، اس کے الفاظ یہ ہیں: **کان رسول الله ﷺ اذا صلیٰ علی جنازۃ یقول اللّٰهم اغفر لحیّنا و میّتنا۔الخ**

دوسری حدیث نے پہلی حدیث کی تشریح کر دی کہ جس دعاء کو خلوص سے مانگنے کا حکم آیا ہے، وہ نماز کے اندر والی دعاء ہے۔ اگر یہ مطلب مراد نہ لیا جائے تو حدیث اوّل کی ترجمۃ الباب سے مناسبت نہ رہے گی۔

جواب ۲ :

اس حدیث سے اگر نماز جنازہ کے بعد والی دعاء ثابت ہو سکتی تو شارحین حدیث جیسے ملّا علی قاریؒ اس سے منع نہ فرماتے، اور محدّثین کرام اس حدیث کو ان ابواب کے نیچے نہ لاتے جن کا تعلق نماز جنازہ میں پڑھی جانی والی دعاؤں سے ہے۔

جیسے امام ابن ماجہؒ نے باب قائم فرمایا: "باب ما جآء فی الدعاء فی الصّلوٰۃ علی الجنازۃ۔" (ابن ماجہ ص۱۰۹) اس سے مراد دعاء فی صلوٰۃ الجنازہ ہے۔

امام بیہقیؒ نے باب قائم فرمایا: "باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ۔"

نیز صاحب مشکوٰۃ نے پہلے یہ حدیث نقل فرمائی: اذا صلّیتم علی المیّت فاخلصوا له الدعاء۔ یعنی جب تم میّت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے حق میں پر خلوص دعائیں کرو۔ (اس کے راوی بھی حضرت ابو ہریرہؓ جیسے پہلے گزرا) اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کی مروی دوسری حدیث نقل فرمائی:

کان رسول الله ﷺ اذا صلیٰ علی الجنازۃ قال اللّٰهم اغفر لحیّنا و میّتنا الخ۔ پس ثابت ہوا کہ محدّثین کے نزدیک اس حدیث میں جو پر خلوص طریقہ سے دعائیں مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے وہ یہی دعائیں ہیں جو نماز جنازہ کے اندر مانگی جاتی ہیں جیسے: اللّٰهم اغفر لحیّنا و میّتنا الخ وغیرہ۔

جواب۳:

حدیث مذکور کی یہ تفسیر من گھڑت ہے، بتلایا جائے کہ کس شارح سے یہ تفسیر منقول ہے، جب یہ تفسیر من گھڑت ہے تو حجّت نہیں، اور متنِ حدیث سے مدعاء ثابت نہیں ہوتا، پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہوا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو، تو میّت کے لئے اخلاص سے دعاء کرو، (کذا ترجم صاحب مظاہر حق فلیراجع)

یعنی وہی دعاء جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ الدعاء پر الف، لام، کا دخول معہودیت دعاء کی طرف مشعر ہے اور معہود دعاء، صرف وہی ہے جو تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے، نماز جنازہ کے بعد والی دعاء تو شرعاً ثابت ہی نہیں تو معہود کہاں سے ہوگی، بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ عظام نے تو اسے مکروہ لکھا ہے اور اس دعاء کے مانگنے سے منع کیا ہے۔ اس لئے دعاء بعد الجنازہ اس "الدعاء" کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتی، بلکہ وہی دعاء مراد ہے جو معہود فی الشّرع اور تمام ائمہ کے نزدیک مشروع ہے۔

اعتراض:

(۱) اذا صلّیتم شرط ہے اور فاخلصوا جزأ ہے، شرط اور جزا میں تغایر ہونا چاہئے نہ کہ اس میں داخل ہو۔

جواب:

(ا) اگر آپ کی تغایر سے یہ مراد ہے کہ نماز جنازہ دعاء کو شامل نہیں بلکہ دعاء نماز جنازہ سے الگ ہے تو اس قسم کا تغایر مراد لینانہایت مضحکہ انگیز ہے۔

(ب): اگر نماز جنازہ میں سے دعاء واستغفار ہی کو الگ کر دیا جائے، تو ایسی نماز سے میّت کو کیا فائدہ ہوا، اور ایسی نماز جنازہ پڑھنے والوں کو کیا ثواب حاصل ہو گا۔ میّت کا حق تو اسی طرح مسلمانوں کے ذمّہ باقی رہ جائے گا۔ نماز جنازہ سے اہم مقصود تو یہی دعاء واستغفار ہے۔ جیسا کہ کتب فقّہ کے حوالوں سے واضح ہے۔ اس حدیث میں بھی نماز جنازہ کے اندر کی دعاء کو اخلاص کے ساتھ مانگنے کا حکم فرمایا گیا۔

(ج): اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ کے اندر کی دعاء تو کسی نماز میں نہیں ہے اور اس میں اخلاص کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس حدیث میں تو نماز جنازہ کے بعد والی دعاء کو اخلاص کے ساتھ مانگنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ تو اپنے اس معنیٰ کی تائید میں کسی شارح حدیث اور فقیہ اور مجتہد کا قول نقل کر دینا چاہیئے تھا۔ صرف اپنی غلط تأویل سے حدیث نبویؐ کے معنیٰ میں تبدیلی کر کے اپنے مدعاء کو ثابت کرنا سراسر گمراہی ہے۔ اس قسم کے تغایر کو اس حدیث میں قطعاً مراد نہیں لیا جا سکتا، دیکھیے سورۃ الاٗحزاب کی اس آیت سے یہ قاعدہ درہم برہم ہو جاتا ہے:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ۔

اور جب تم ازواج مطھّرات سے سامان کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔ اس آیت میں "واذا سئلتموھنّ متاعاً" شرط ہے اور **فَسئَلوھنّ من وّرآءِ حجاب**۔ اس کی جزا ہے، اس میں آپ کے بیان کردہ قاعدہ کی رو سے تغایر کی صورت یہ ہو گی کہ، سامان کا سوال الگ ہے اور پردہ کے پیچھے سے سوال کرنے کا حکم الگ ہے، وہ سامان کا سوال نہیں بلکہ کوئی اور سوال ہو گا۔ کیونکہ شرط اور جزا میں تغایر ضروری ہے بقول آپ کے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں اس قسم کا تغایر ہر گز مراد نہیں ہے، بلکہ فعل سئلتموھنّ، میں جس متاع کے سوال کا ذکر ہے اسی متاع کے سوال کرنے کا حکم **فسئلوھنّ**، میں دیا گیا ہے۔

(د) اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ بعض وجوہ کے اعتبار سے صلوٰۃ ہے اور بعض وجوہ کے اعتبار سے دعاء للمیّت ہے۔ شرائط نماز، وضو، استقبال، قیام، قبلہ، ادا کر لئے تو اب تکبیر تحریمہ کے بعد سنّت طریق سے ثناء، اور درود

شریف پڑھ کے میّت کے لئے دعاء و استغفار کر لیا جائے تو اس قسم کا تغایر حنفیوں کے نزدیک مسلّم ہے، جس طرح دوسری نمازوں میں سجدہ رکوع سے متغایر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سجدہ اور رکوع نماز سے باہر ہیں، نماز کے اندر نہیں ہیں۔

بالکل اسی طرح نماز جنازہ میں بھی یہی سمجھ لینا چاہیئے کہ ثناء اور درود شریف اور دعاء للمیّت باہم متغایر ہونے کے باوجود نماز جنازہ کے اندر شامل ہیں اس سے باہر نہیں ہیں۔ جس سے یہی ثابت ہوا کہ اس حدیث سے بھی نماز جنازہ کے اندر کی دعاء مراد ہے، بعد کی نہیں۔

اعتراض ۲:

(۲) 'اذا صلّیتم' ماضی کا صیغہ ہے اور 'فاخلصوا' امر ہے جس سے معلوم ہوا کہ دعاء کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔

جواب:

اِذا: جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو اکثر استقبال کے معنٰی دیتا ہے، جیسا کہ شرح جامی میں آتا ہے:

ومنھا اذا وھی اذا کانت زمانیّۃ للمستقبل ای للزّمان المستقبل وان کانت داخلۃ علی الماضی۔

اور ظروف مبنیہ میں سے اذا ہے جب وہ زمانیہ ہو تو مستقبل کے لئے ہو گا۔ یعنی زمانہ استقبال کے لئے اگرچہ ماضی پر داخل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا خود ساختہ قاعدہ یہاں بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، اور نہ اس سے آپ کا مدعاء ثابت ہو سکتا ہے۔

اعتراض (۳):

حرف ''ف'' تعقیب کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد بلا تاخیر فوراً دعاء کی جائے۔

جواب: فا، ثمّ کی طرح تعقیب بالفعل کے لئے نہیں آتا بلکہ تعقیب مع الوصل کے لئے آتا ہے، اس میں لمحہ بھر کی تعقیب زمانی کرنی ہوتی ہے جیسا کہ کتب نحو اور اصول فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ جب امام اور مقتدی نماز میں قیام کر کے تکبیر تحریمہ کہہ لیں تو فوراً دعاء للمیّت کو سنّت طریق سے شروع کر دیں۔ پہلے رب العزّت کی ثناء، پھر حضور اکرم ﷺ پر درود شریف، پھر میّت کے لئے دعاء واستغفار کر کے سلام پھیر دیں۔

اس طریق سے دعاء قبولیّت کے زیادہ قریب ہو جاتی ہے، ثناء، درود شریف اور دعاء للمیّت کو نماز جنازہ سے الگ سمجھنا ہر گز درست نہیں ہے۔

اس حدیث کے یہ معنیٰ جس قاعدے سے ہم نے بیان کئے ہیں اس کی شہادت قرآن کی چند آیات اور احادیث نبویہ سے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) وَاِذَا قُرِئَى الْقُراٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَه وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

اور جب قرآن کریم پڑھا جائے پس اس کو سنو اور چپکے رہو، تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ یعنی قرآن کریم کی تلاوت کے شروع ہونے کے ساتھ ہی اس کے سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے نہ کہ تلاوت کے بعد۔ اس آیت میں قُرِئَ ماضی کا صیغہ ہے، اذا شرطیہ اس پر داخل ہے اور "فاستمعوا له" پر فا جزائیہ بھی آگئی ہے جس سے تعقیب کے معنی لئے جاتے ہیں مگر یہ تعقیب صرف اتنی ہے کہ اِدہر تلاوت شروع ہو اور اُدھر استماع اور انصات شروع ہو۔ ورنہ بعد قرأت کے استماع اور انصات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟۔

(۲) فاذا قرأناه فاتبع قراٰنه۔ پس جس وقت پڑھیں ہم اس کو، پس پیروی کر ہمارے پڑھنے کی۔

اتبع : کا معنیٰ صحیح بخاری میں استمع وانصت، آیا ہے (یعنی سن اور چپ رہ) جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جب جبرائیلؑ قرآن پڑھیں تو آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں بلکہ خاموشی سے سنتے رہیں یہ حکم خاموشی کا دوران تلاوت تھا نہ کہ بعد از تلاوت۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح کے (صفحہ ۱۰۱) پر ایک حدیث آتی ہے جس میں شرط اور جزا کے متعدد جملے آتے ہیں جیسے:

۱۱۳۸۔ (۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تُبَادِرُوا الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ فكبروا وَإِذا قَالَ: وَلَا الضَّالّين. فَقُولُوا: آمِينَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمد (متفق عليه) " إِلَّا أَنَّ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَذْكُرْ: " وَإِذَا

قَالَ: وَلَا الضَّالِّين "

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنے امام پر پہل نہ کیا کرو، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی اس کے ساتھ ہی تکبیر کہو، اور جب امام 'ولا الضَّالِّين' کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ، اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم "اللّٰھم ربنا ولک الحمد" کہو۔

١١٣٩۔ (٤) «وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهِ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا، فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: " إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ» ".

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهُ: " «إِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا» " هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامٌ لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. هَذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ. وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ إِلَى " أَجْمَعُونَ ". وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ. " «فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا» "

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی سفر میں پیارے پیغمبر ﷺ گھوڑے پر سوار تھے کہ اتفاقاً آپ ﷺ گھوڑے سے نیچے گر پڑے، اس کی وجہ سے آپ ﷺ کی داہنی کروٹ ایسی چھل گئی (کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر آپ ﷺ قادر نہ رہے) چنانچہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ان پانچ فرض نمازوں میں سے کوئی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی، ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم بھی رکوع سے اٹھو، اور جب وہ "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد کہو"، اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

حمیدیؒ اس قول کی تشریح میں (اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھو) فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد پہلی بیماری میں تھا اور اس کے بعد (مرض الموت میں وفات سے ایک دن پہلے) پیارے پیغمبر ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، اور آپ ﷺ نے انھیں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ اور اب پیارے پیغمبر ﷺ کے اسی فعل پر عمل کیا جاتا ہے جو آخری ہے۔ (یعنی پہلا فعل منسوخ اور دوسرا فعل ناسخ ہوتا ہے)۔ اور ایک دوسری روایت میں مسلم نے یہ الفاظ بھی مزید نقل فرمائے ہیں کہ (آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا) کہ امام کے خلاف نہ کرو۔ اور جب وہ امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

اس قسم کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے آپ کے بیان کردہ قاعدے کی خوب تردید ہوتی ہے، لیکن یہاں پر صرف انہی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس قاعدے سے آپ لوگوں نے حدیث، **اذا صلیتم علی المیّت فاخلصوا له الدعاء** کے معنی کئے ہیں، وہ کہاں تک درست اور صحیح ہیں؟

ظاہر ہے کہ اگر آپ کے بیان کردہ قاعدہ کے مطابق ان آیات اور احادیث کا ترجمہ کیا جائے تو وہ ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ: **فاذا صلیٰ قائما فصلوا۔۔الخ** کا اس قاعدہ کے تحت مطلب یہ ہو گا کہ جب امام نماز پڑھ چکے تو پھر تم نماز پڑھو اور جب وہ رکوع سے فارغ ہو جائے تو پھر تم رکوع کرو، اور جب وہ سجدہ سے فارغ ہو جائے تو پھر تم سجدہ کرو، اگر یہی مراد ہو تو امام کی اقتداء اور اتباع اور جماعت کا کیا فائدہ؟

تمام مفسرین کرام اور یہ لوگ خود بھی جہاں تعقیب کے معنی فاء میں متعذر ہوں وہاں کوئی فعل مقدر مان لیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے خود **اذا طعمتم فانتشروا** میں **فرغتم** فعل کو مقدر مان لیا ہے (یعنی جب تم طعام سے فارغ ہو جاؤ تو تم باہر نکل جاؤ) یا جس طرح انہوں نے **اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ** میں **اَرَدۡتُمۡ** فعل کو مقدر مان کر ارادۂ نماز مراد لیا ہے تاکہ نماز کے بعد وضو کرنا ثابت نہ ہو جو بے کار ہو گا بلکہ ارادہ نماز کے بعد وضو کرنا ثابت ہو جائے یا جس طرح اس آیت **فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ** میں ان کے بیان کردہ قاعدے کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ جب تو قرأت قرآن کر چکے تو اعوذ باللہ پڑھ۔ تو یہ معنی ان کے نزدیک بھی خلاف واقع ہوں گے یہ مولوی صاحبان خود "**اِذَا اردت قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ**" "یعنی جب تو قرأت قرآن کا ارادہ کرے تو اعوذ باللہ پڑھ" اس کا ترجمہ کرتے ہیں اور اردت کو مقدر مانتے ہیں تو اس حدیث میں بھی اگر ان کے نزدیک معنی متعذر تھے تو **قُمۡتُمۡ** کو مان لیتے تاکہ فاء تعقیب

اپنے موقع پر صحیح معنی دے سکتی۔ لیکن یہ صورت تو ہرگز جائز نہیں کہ اپنی مرضی اور خواہش نفسانی سے آیات و احادیث کے معنی تبدیل کر کے امر شریعت میں کوئی نیا کام جاری کر کے اس کو کار ثواب سمجھ لیا جائے۔

اس حدیث کے صحیح معنی یہی ہیں کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو اس نماز جنازہ میں دعاء للمیّت کو نہایت اخلاص سے پڑھو۔ شراح حدیث کے نزدیک بھی اس حدیث کے یہی معنی ہیں۔ جیسا کہ بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد چہارم ص ۲۰۶ پر اس حدیث کی شرح میں آتا ہے۔

اُدعو اله. باخلاص التام۔ میّت کے لیے نہایت اخلاص سے دعاء کرو۔ مرقاۃ علی المشکوٰۃ جلد دوم ص ۲۲۵ پر ملا علی القاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ۔ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فاخلصوا له الدعاء قال ابن الملک ای اُدعوا له با لاعتقاد والاخلاص وقال ابن حجر الدعاء للمیّت بخصوصه بعد التکبیرۃ الثالثة رکن۔

ترجمہ: پس اخلاص کے ساتھ اس کے لیے دعاء کرو کہا ابن مالک نے یعنی اس کے لیے اعتقاد اور اخلاص سے دعاء کرو۔ اور کہا ابن حجر نے دعاء میّت کے لیے خاص طور پر بعد تکبیر تیسری کے رکن ہے۔

جواب ۲:

فاخلصو اجزاء ہے صلیتم کی اور مقصود با لحکم جزاء ہوتی ہے۔ شرط اس کی قید ہے اس لیے اخلاص فی الدعا مقید بفعل صلوٰۃ ہے۔ بعد کی دعاء پر دلالت نہیں کرتا۔

مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کو باب المشی بالجنازہ والصلوٰۃ علیہما کی دوسری فصل میں پہلے نقل کیا گیا ہے اور سنن ابو داؤد جلد ثانی کتاب الجنائز ص ۱۰۰ میں بھی اس حدیث کو باب الدعا للمیّت میں پہلے لکھا گیا ہے اس کے بعد حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت کو نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا صلّٰی علیٰ الجنازۃ قال اللهم اغفر لحیّنا و میتنا وشاهدنا و غائبنا الخ

جب حضور ﷺ جنازہ پڑھتے فرماتے اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ اور ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے۔ الخ

جواب ۳:

اس حدیث میں صلّٰی ماضی پر اذا شرطیہ داخل ہے لیکن سب لوگ اس دعاء کو نماز جنازہ کے اندر تیسری تکبیر کے بعد پڑھتے ہیں کسی نے اس حدیث سے نماز جنازہ کے بعد کی دعاء کو ثابت نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث **اذا صلیتم علی المیّت فاخلصوا لہ الدعاء** میں اذا کے **صلیتم** ماضی پر آجانے سے دعاء بعد نماز جنازہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

سنن الکبری البیہقی جلد ثانی ص ۴۰ **کتاب الجنائز میں باب الدعا فی صلوٰۃ الجنازہ** کے تحت میں اس حدیث **اذا صلیتم علی المیّت فاخلصوا لہ الدعاء** کو نقل کیا گیا ہے۔ اس کے

بعد اور ماثورہ دعائیں جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہیں۔ ان سب کو نقل کر دیا گیا ہے جس سے یہی ثابت ہوا کہ اس حدیث سے بھی نماز جنازہ کے اندر کی دعاء کو اخلاص تام کے ساتھ مانگنے کا حکم ہے۔ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں جنازہ کی دعاؤں کا کوئی باب نہیں باندھا گیا کیونکہ ایسی دعاؤں کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔ بلکہ نماز جنازہ کے بعد باب التدفین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فتاویٰ سعدیہ کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھا ہے۔

آنچہ در سنن ابی داؤد ایں حدیث منقول است "اذا صلّیتم علی المیّت فاخلصوا لہ الدعاء مراد ازاں دعائیست کہ قبل تکبیر چہارم در نماز میخوانند نہ بعد آں زیرا کہ نہ فرمودہ است کہ اذا فرغتم عن الصلوٰۃ۔

ترجمہ: سنن ابی داؤد میں جو یہ حدیث منقول ہے "**اذا صلّیتم علی المیّت فخلصوا لہ الدّعاء**" مراد اس حدیث سے وہ دعاء ہے جو چوتھی تکبیر کے پہلے نماز کے اندر پڑھتے ہیں بعد کی نہیں کیونکہ حضور علیہ السّلام نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا مانگو۔

نماز اور مناسک حج کے ادا ہو جانے کے بعد اللہ کا ذکر کرنے کا حکم اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ اس میں اس قسم کے الفاظ اور صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (النساء: ۱۰۳) پس جب تمام کر چکو تم نماز کو پس یاد کرو اللہ کو، **فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ** (البقرہ: ۲۰۰) پس جب کر چکو تم عبادتیں اپنی پس یاد کرو اللہ کو۔

نماز پڑھنے کے بعد زمین میں پھیل جانے اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کا حکم دیا۔ تو اس طرح فرمایا:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعۃ: ۱۰)

پس جب تمام کی جائے نماز پس پھیل جاؤ بیچ زمین کے اور چاہو اللہ کے فضل سے۔

ان دلائل سے یہی ثابت ہوا کہ جنازہ کے اندر خلوص دعاء کا حکم ہے نہ کہ بعد میں۔ صرف اذا صلّیتم سے یہ معنٰی مراد نہیں لئے جاسکتے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، بلکہ اس مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے ایسے الفاظ ہونے چاہئیں جن سے صاف طور پر یہ سمجھا جاسکے کہ دعاء کا حکم نماز جنازہ کے بعد ہے، نہ کہ درمیان میں۔ جیسے فرغتم یا قضیتم وغیرہ۔ (مذہب اہل سنّت والجماعت ص ۴۵۳)

اس لئے نماز جنازہ کے متصل بعد اجتماعی دعاء کو اس حدیث سے ثابت کرنا سینہ زوری اور جہالت پر مبنی ہے۔

دلیل نمبر ۳:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۔ (المؤمن: ۶۰)

دلیل نمبر ۴:

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (الحج: ۷۷)

دلیل نمبر ۵:

عن عمل البر کله نصف العبادۃ والدعاء نصف۔

دلیل نمبر ۶:

اذا اراد اللّٰہ بعبد خیرا الجاء قلبه للدعاء ۔۔اھ

(ا) اور امام سیوطی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے بیٹے نے اپنے باپ سے پوچھا۔؟

ما افضل ما یقال عند المیّت قال الاستغفار له۔ اھ

(ب) اوولد صالح یدعواله۔ (مشکوٰۃ شریف)

(ج) یرفع العذاب عن دعاء الاحیاء۔ (زہرۃ الریاض)

(د) لا تعجزوا عن الدعاء فانه لن یهلک مع الدعاء احد (مسند حاکم)

(ھ) ان اللّٰہ یغضب من لا یسئل اللہ تعالیٰ اھ۔

جواب دلیل نمبر (۶،۵،۴،۳)

جواب: سے قبل ایک مقدمہ ذہن نشین کر لیجئے تا کہ فہمِ جواب میں سہولت ہو۔ اور وہ یہ کہ دلیل مطلق سے کسی مخصوص دعوٰی کا ثابت کرنا درست نہیں، نہ عقلاً، نہ شرعاً، مثال کے طور پر زید قتل کے جرم میں ماخوذ ہے، مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے، تو گواہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ زید سے قتل کا جرم ہمارے سامنے سرزد ہوا ہے بلکہ ان کی گواہی صرف اتنی ہے کہ قتل کا وقوع ضرور ہوا ہے، لیکن قاتل کون ہے اس سے وہ خاموش ہیں اور قاتل کی کوئی تعیین نہیں، تو ایسے میں ان کی گواہی سے کیا زید کے اوپر فرد جرم عائد کر دی جائے گی؟ دنیا کے کسی بھی عقل مند کے نزدیک ایسا کرنا درست نہ ہو گا۔ کیونکہ دعوٰی خاص ہے اور گواہی مطلق ہے، پس دلیل مطلق سے دعوٰی خاص ثابت نہیں ہو سکے گا۔

بالکل اسی طرح شریعت میں بھی ہے کہ کسی امر کی فضیلت میں اگر کوئی نص مطلقاً وارد ہو تو اس نص مطلق سے امر مذکور کے کسی خاص موقعہ پر مستحب ہو جانے کا قول کرنا درست نہیں ہوتا، چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:

ذکر اللہ کی عام حالت میں بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مخصوص ذکر پر، کسی مخصوص وقت میں خاص اجر و ثواب کا وعدہ ذکر کرے، یا اس وقت خصوصی استحباب کا قائل ہو جائے۔

چنانچہ بحر الرائق میں ہے: **لان ذکر اللہ اذا قصد بہ التّخصیص بوقت دون وقت او بشئی دون شئی لم یکن مشروعاً مالم یرد بہ الشرع۔** (۲/۱۷۲)

اسی طرح مصافحہ کرنا عام حالات میں سنّت ہے مگر اس کے لئے کسی خاص وقت کی تخصیص کرنا درست نہیں، چنانچہ بعض لوگوں میں نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا رواج پڑ گیا تھا، مگر فقہأ نے اس مخصوص مصافحہ کو دلیل مطلق کے تحت داخل نہ فرماتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا ہے، اور ناجائز ٹھہرایا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نماز صلوٰۃ الرغائب کے نام سے ایجاد کی تھی، مگر فقہأ نے لوگوں کو اس سے بڑی سختی سے منع فرمایا، اور نماز کے فضائل میں وارد ہونے والی مطلق احادیث کے تحت اس نماز کو داخل نہیں سمجھا، بلکہ اس کے واضع کو ملعون قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوٰۃ مع ان

المصافحة سنّة وما ذاک الا لکونها لم تو ثر فی خصوص هٰذالموضع ، فالموا ظبة علیها توهم العوام بانها سنّة فیه ، ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرغائب التی احدثها بعض المبتدعین لانّها لم تؤثر علی هٰذه الکیفیة فی تلک اللّیالی المخصوصة وان کانت الصلوٰة هی خیر مو ضوع الخ۔۔

پس جب یہ دعوٰی محقّق ہو گیا کہ دلیل مطلق سے دعوٰی خاص پر استدلال کرنا باطل ہے، تو اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ دعاء بعد الجنازۃ کے اثبات کے لئے کسی ایسی حدیث یا آیت سے استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے، جو آیت، یا حدیث مطلق دعاء کی فضیلت میں وارد ہوئی ہو، کیونکہ دعوٰی؛ دعائے مخصوص کا ہے، اور دلیل جو دی جارہی ہے وہ مطلق دعاء کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

جو لوگ پیارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنّتوں پر اپنی رسومات کو ترجیح دینے کے عادی ہیں، وہ لوگ اس مخصوص طریقہ دعاء کو قرآن اور حدیث سے زبردستی ثابت کرنے کی سعی ناتمام کرتے ہیں، اور جو آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں وہ عام ہیں، جیسے اوپر دلائل میں پیش کی گئی ہیں، اور عام دلائل سے ایک خاص طریقہ عبادت ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ ان کو تو چاہئے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ایسے دلائل پیش کریں، جن سے ان کا خاص طریقہ دعاء ثابت ہو، نہ یہ کہ عمومات سے استدلال کریں، جیسے انہوں نے اپنے دلائل میں قرآن اور احادیث کی عبارتیں پیش کی ہیں جیسے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ (البقرہ: ۱۸۶)

یا وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ (المؤمن: ۶۰)

یا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۩ (الحج: ۷۷)

یا وہ احادیث جن میں مطلق دعاء کی فضیلت وارد ہوئی ہے، جیسے:

ــہ عن عمل البر کله نصف العبادة، والدعاء نصف۔

ــہ اذا اراد اللّٰه بعبد خیرا الجأ قلبه للدعاء اھ

ۓ اور امام سیوطی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے بیٹے نے اپنے باپ سے پوچھا،

ما افضل ما یقال عند المیّت؟ قال الاستغفار له۔ اھ

ـــہ او ولد صالح يدعوا له۔(مشکوٰۃ شریف)

ـــہ يرفع العذاب عن دعاء الأحيأ۔(زہرۃ الریاض)

ـــہ لا تعجزوا عن الدعاء فانّه لن يّهلك مع الدعاء احد (مسند حاکم)

ـــہ انّ اللّٰه يغضب من لا يسئل الله تعالىٰ اھ۔ وغیرہ وغیرہ

حالانکہ ان آیات اور احادیث میں نہ جنازہ کے متّصل بعد دعاء کا تذکرہ ہے، نہ ہی ہاتھ اٹھانے کا ثبوت ہے اور نہ ہی اجتماعی رنگ کا تذکرہ ہے، اور نہ ہی صفیں توڑ کر بیٹھ جانے کا حکم ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر عبارات مندرجہ بالا کا مدعاء سے کیا تعلق۔؟

اگر فرض کریں یہ عبارات دعاء بعد الجنازہ کے لئے مثبت ہیں تو پھر دعاء قبل الجنازہ کے لئے بھی مثبت ہیں۔ تو پھر بعد الجنازہ ہی کیوں دعاء کی جاتی ہے، قبل از جنازہ بھی اجتماعی طور پر کرنی چاہیئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعاء بہت فضیلت رکھتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے جس عبادت کا چاہیں جزو بنادیں، اور جس مقام پر چاہیں امّت کے ذمہ اس کا مانگنا فرض، واجب، سنّت یا مستحب قرار دے دیں۔ مثلاً دیکھئے نماز کی احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے، مگر ان فضائل کے پیش نظر کسی مجدّد کے لئے اس کی اجازت نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ ظھر کی چار سنّتوں سے پہلے دو رکعت پڑھنا سنّت ہے اور اسے امّت کے ذمّہ عملاً لازم قرار دے۔ یاد رکھیئے عمل خاص کی مشروعیّت واستحباب کے لئے نصّ خاص کا وارد ہونا ضروری ہے۔ امام ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں:

الا ترٰی ان ابن عمر رضی الله عنهما قال فی صلوٰة الضّحٰی انّها بدعة لانّه لم يثبت عنده فيها دليل ، ولم يرا دراجها تحت عمومات الصّلوٰة لتخصيصها بالوقت المخصوص ، وكذالك قال فی القنوت كان يفعله النّاس فی عصره انه بدعة ولم يراد راجه تحت عمومات الدعاء الخ۔۔(احکام الاحکام ص ۵۲)

اس لئے دعاء بعد الجنازہ کے ثبوت کے لئے کوئی ایسی صحیح حدیث پیش کی جائے جس میں بالتّصریح مذکور ہو کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کی جاوے۔

دلیل نمبر ۷:

اذا فرغ احدکم من صلوٰۃ فلیدع۔

جواب:

اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے، اور مطلق کا استعمال جب بغیر کسی قید کے کیا جائے تو اس سے فرد کامل مراد ہوا کرتا ہے۔ والمطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل۔ قاعدہ کلیہ ہے، اور صلوٰۃ کا فرد کامل صلوٰۃ مکتوبہ ہے۔ پس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہوگی، تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز کے بعد دعاء کی جائے، کیونکہ محل اجابت دعاء ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے۔

عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللّٰہ ﷺ ایّ الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر و دبر صلوٰۃ المکتوبات۔ (مشکوٰۃ ص۷۹)

اس لئے اس حدیث سے دعاء بعد الجنازہ کا اثبات غلط ہے۔

دلیل نمبر ۸:

سورۃ الم نشرح (پ۳۰) میں ہے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۚ

جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بعد میں اللہ سے دعاء کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بعد میں اللہ سے دعاء مانگو، نماز جنازہ ہو یا اور تو اس کے بعد وہیں ٹھرے رہنا اور بحکم الٰہی وہیں دعاء مانگنا ضروری ہوا۔

جواب:

اگر ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا ضروری ہے تو پھر آپ لوگ کیوں اس کے خلاف، نماز عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے بعد دعاء نہیں مانگتے، اور نماز کے بعد فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہو۔؟

نیز اس آیت کی تفسیر کے ساتھ یہ فقرہ کہ نماز جنازہ ہو یا اور، آپ لوگوں نے اصل تفسیر پر از خود بڑھالیا ہے، ان تفسیروں میں نماز جنازہ اور نماز عیدین کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صلوٰۃ مکتوبہ کے بعد دعاء مانگنے کا حکم ہے۔ دیکھئے قتادہ، ضحاک،

مقاتل، کلبی اور مجاہدؒ فرماتے ہیں:

اذا فرغت من الصّلوٰۃ المکتوبۃ فانصب الیٰ ربک فی الدعآء وارغب الیہ فی المسئلۃ یعطک۔

جب تو نماز مکتوبہ سے فارغ ہو تو کوشش کر تو طرف رب اپنے کے دعاء کرنے میں اور رغبت کر اس کی طرف سوال کرنے میں وہ تجھے عطا کرے گا۔

دلیل نمبر ۹:

امام محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔

''قال محمد بن الفضل لا باس بہ''

محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ اس دعاء میں کوئی حرج نہیں

جواب ۱:

اکثر فقہا اس دعاء کو مکروہ کہتے ہیں لہٰذا اکثریت کا قول ایک محمد بن افضل رحمہ اللہ کے قول پر راجح ہو گا۔ نیز لا باس بہ کے لفظ سے اس دعاء کی فرضیت، وجوب یا سنیت واستحباب ثابت نہیں ہوتا بلکہ غیر اولیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حلبی کبیر شرح منیہ میں ہے

ولفظ ''لا باس'' یفید فی الغالب أن ترکہ أفضل۔

یعنی جس کام پر عمل نہ کرنا بہتر ہو اس کی متعلق لا باس بہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے آخر اس کا مآل کراہت تنزیہی نکلتا ہے۔

اسی طرح شرح وقایہ کے مقدمہ میں ہے:

کلمۃ ''لا باس'' اکثر استعمالھا فی المباح وما ترکہ أولی۔

''یعنی لا باس بہ سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ اس کام پر اجر نہ ملے گا لیکن کرنے پر گناہ بھی نہ ہو گا۔''

جواب ۲:

امام محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول انفرادی دعاء پر محمول ہے۔ ورنہ موجودہ دُور کے لوگوں کے اس اجتماعی عمل

کے بارے میں "لا باس بہ" کبھی نہ فرماتے، انفرادی دعاء یعنی اکیلے اکیلے ہر شخص بلا التزام دعاء کرلے اس میں واقعی کوئی قباحت موجود نہیں۔

جواب ۳:

امام فضلیؒ کا یہ قول تمام فقہاً کے سامنے تھا مگر اس کے باوجود پھر انہوں نے اس دعاء کی ممانعت یا کراہیت کی تصریح کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام فضلیؒ کا یہ قول قابل اعتماد اور لائق عمل نہیں۔ بلکہ مرجوح اور نا قابل التفات ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس قول کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے سے احتراز کیا ہے پس ایسا قول ہر گز حجت نہیں بن سکتا۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ امام فضلیؒ کے زمانہ کے اندر دعاء بعد الجنازہ کے بارے میں عوام اس جہالت میں مبتلا نہ ہوں ، جس جہلِ مرکب میں آج کل کے لوگ مبتلا ہیں کہ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور تارک پر نکیر شدید کرتے ہیں۔ اور ان کے زمانہ میں اپنے طور پر کوئی شخص دعاء کرے یا نہ کرے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا، تو ایسے حالات میں آپ نے لا بأس بہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ۱۰:

علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں اور ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اور ابراہیم حلبیؒ نے کبیری میں واقدی کی کتاب المغازی سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں زید بن حارثہؓ اور جعفر بن ابی طالبؓ کی شہادت کا ذکر ہے۔

اخذ الراية جعفر بن ابي طالب رضي الله عنه فمضىٰ حتى استشهد ، فصلىٰ عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ودعاء له وقال استغفروا له۔

کہ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کی شہادت کی خبر سن کر اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعاء فرمائی، اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس کے لئے مغفرت کی دعاء کریں۔ (اس میں "وَدعاء لَه " کی واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاء نماز کے علاوہ تھی۔)

جواب ۱:

یہ غائبانہ جنازہ کے جواز پر شافعیہ حضرات کی دلیل ہے۔ فتح القدیر میں اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حدیث مرسل

ہے جو قابل حجت نہیں نیز اس کا راوی واقدی کذاب ہے۔

جواب ۲:

اس روایت **فصلی علیه** سے نماز جنازہ مراد نہیں (کبیری ص،۴۲۹ وفتح القدیر ۴۵۶ پر ملاحظہ فرمائیں) ان کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے میدان جنگ کا نظارہ فرمایا اور حضرت زید اور جعفر کی شہادت کی خبر یکے بعد دیگرے دی۔ اور اس حالت میں منبر پر تشریف فرماتے ہوئے ان کے لیے یکے بعد دیگر دعاء فرمائی۔ اس روایت میں **صلّٰی علیه** بمعنی دعاء له کے ہے اور بعد کا جملہ ”دعا له“ بذریعہ واو عطف تفسیری ہے جو کلام عرب میں شائع و ذائع ہے۔ چنانچہ شیخ اجل شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ علیہ مدارج النبوت ص،۲۶۴ میں فرماتے ہیں کہ حضرت بروئے دعاء خیر کرد یاراں فرمود کہ برائے وے طلب امرزش کنید

یعنی حضور پر نُور صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے لیے دعاء خیر فرمائی اور اصحاب کو فرمایا کہ وہ بھی اس کے لیے دعاء مغفرت کریں۔

جواب ۳ :

نیز ابراہیم حلبیؒ کبیری (ص۵۳۷) میں روایت ھٰذا کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ **علیٰ ان طریقه ضعیفة فما فی المغازی مرسل الخ۔۔**

پس جب حدیث مذکور مرسل ناقابل احتجاج ٹھری تو اس سے استدلال کرنا کیسے درست ہو گا۔ فتح القدیر میں بھی محقّق ابن الھمامؒ نے اسے مرسل قرار دیا ہے تقریباً انھی الفاظ کے ساتھ۔

جواب ۴ :

یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے، اس میں ثمّ کی طرح ترتیب اور تراخی کے معنیٰ نہیں ہوتے جیسا کہ شرح جامی میں ہے:

فالوا وللجمع مطلقاً لا ترتیب فیها فقوله لا ترتیب فیها بیان لا طلاقها ای لاترتیب بین المعطوف والمعطوف علیه بمعنی لا یفهم هذا الترتیب منها وجوداً ولا عدماً

پس واؤ مطلق جمع کے لیے ہے اس میں ترتیب نہیں ہے پس اس کا قول لا ترتیب فیھا بیان ہے واسطے مطلق ہونے کے یعنی نہیں ترتیب درمیان معطوف اور معطوف علیہ کے اس معنی کے ساتھ کہ اس سے ترتیب وجوداً وعدماً نہیں سمجھی جاتی۔

جیسے جاء نی زید و عمرو (میرے پاس زید اور عمرو آیا)

اور سے یہ ترتیب مراد نہیں لی جائے گی کہ زید پہلے آیا اور عمرو بعد میں آیا۔ ممکن ہے کہ عمرو پہلے آیا ہو اور زید بعد میں، یا دونوں اکٹھے آ گئے ہوں۔ بہر حال فعل کی نسبت میں معطوف اور معطوف علیہ دونوں متحد ہوتے ہیں اس مثال میں زید اور عمرو کی ذات الگ الگ ہے اور صفات میں باوجود تغایر کے معطوف علیہ میں ایسا تغایر نہیں ہوتا کہ وہ ایک موصوف میں جمع نہ ہو سکیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے۔

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط تحقیق آیا تمہارے پاس بشیر اور نذیر

اس آیت میں اس قسم کا تغایر نہیں ہے کہ بشیر کی ذات الگ ہے اور نذیر کی الگ بلکہ بشیر و نذیر کی ذات ایک ہے۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ اے نبی (علیک السّلام) تحقیق بھیجا ہم نے تجھ کو شاہد اور مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ساتھ حکم اپنے کے اور سراج منیر بنا کر۔

اس آیت میں حضور اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو شاہد مبشر نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر فرمایا گیا ہے اور اس سب کے درمیان واؤ عاطفہ بھی موجود ہے۔ لیکن اس میں نہ تو یہ ترتیب ہے کہ آپ پہلے شاہد تھے پر مبشر پھر نذیر بنے پھر داعی الی اللہ ہوئے اور اس کے بعد سراج منیر بنا دیئے گئے اور نہ یہ سمجھا جائے گا کہ آپ صرف شاہد تھے، مبشر اور تھا نذیر کوئی اور ہو گا، داعی الی اللہ کی ذات الگ ہے اور سراج منیر سے کوئی اور ہستی مراد ہے بلکہ حضور اکرم علیہ السّلام میں یہ سب صفات بیک وقت موجود تھیں۔ ان میں تقدم و تاخر ہرگز نہیں تھا۔

اور اگر یہ لوگ وقال استغفروا له سے دعاء بعد نماز جنازہ کو ثابت کرتے ہیں تو اس حکم میں بھی واؤ عاطفہ موجود ہے اس میں بھی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ بہت ممکن ہے بلکہ اقرب الی الحق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز

جنازہ سے پہلے دوسرے لوگوں کو نماز میں شامل ہونے کے لیے فرمایا ہو اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ استغفار سے نماز جنازہ مراد نہیں لی جاسکتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب عبداللہ بن ابیّ منافق کے جنازے پر کھڑے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا تھا کہ حضرت آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام ہو یہ شخص تو منافق ہے اور منافقین کے حق میں استغفار کرنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے آپ ﷺ کیوں اس پر نماز جنازہ پڑھنے لگے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡلَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ (التوبہ: ۸۰) بخشش مانگ واسطے ان کے یا نہ بخشش مانگ واسطے ان کے اگر بخشش مانگے تو واسطے ان کے ستر بار پس اللہ ہر گز نہ بخشے گا واسطے ان کے۔

پس نماز جنازہ میں اہم مقصود اور خاص چیز استغفار اور دعاء للمیّت ہے۔ اس سے نماز جنازہ مراد لی جاتی ہے جس طرح صرف رکوع سے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور سجدہ اور رکوع سے وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ میں ساری نماز مراد لی جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر **استغفروا له** کا ارشاد فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز جنازہ میں شامل ہونے کے لیے دعوت دی تھی۔ اس سے نماز جنازہ کے بعد کی دعاء ثابت کرنا درست نہیں۔

اس روایت سے فقہا مجتہدین کے خلاف فتویٰ دے کر دعاء بعد نماز جنازہ کو شریعت میں زیادہ کرنا اور اس پر اصرار کرنا صریحاً ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

پس الفاظِ حدیث سے دعاء کا جنازہ کے بعد متّصل ہونا ہر گز ثابت نہ ہو گا۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا باطل ہو گا۔

اگر عطف تفسیری نہ مانا جاوے تو حدیث سے قواعد کے لحاظ سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے، آپ نے دعاء بھی فرمائی اور نماز جنازہ بھی پڑھا، لیکن تقدیم و تاخیر سے حدیث ساکت ہے، پس مفید مدعاء نہیں اور ظاہر تو یہی ہے کہ عطف تفسیری مان لیا جائے تا کہ دوسری احادیث کے ساتھ منطبق ہو جائے۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر ۱۱:

وعن نافع رضی اللہ عنہ قال كان ابن عمر رضی اللہ عنہ اذا انتهىٰ الى الجنازة قد صلّى عليه دعاء

وانصرف۔

مزید برآں مبسوط سرخسی میں رقم ہے:

ان ما تعارفه النّاس فليس فی عينه نصّ يبطله فهو جائز ۔ وقال العلامة لايعمل بما يخالفه ولا يركن الا اليه ولا يفتی الا به۔ (شامی ص۱۵ ج۱)

جواب:

اگر حضرت ابن عمرؓ نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد جنازہ گاہ میں پہنچے اور دعاء کر کے واپس تشریف لے آئے تو اس سے دعاء بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوئی؟

آپؓ تو نماز جنازہ میں شامل ہی نہیں ہو سکے تو ان کے دعاء مانگنے سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہے۔؟ ہاں جو لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے انہوں نے اگر فوراً دعاء مانگی ہوتی تو استدلال صحیح بن سکتا تھا۔ مگر ان کا دعاء مانگنا منقول نہیں۔

الحاصل: جنہوں نے جنازہ پڑھا، انہوں نے دعاء نہیں مانگی اور جنہوں نے دعاء مانگی انہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ پس آپ کے استدلال باطل کی کیا صورت معلوم ہوتی ہے کہ سائل کے نزدیک صرف عربی عبارت ہی نقل کر دینا اپنے دعوٰی کی دلیل بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے جس حدیث میں دعاء کا لفظ دیکھتے ہیں، جھٹ اس کو اپنے دعوٰی کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ ایسے جاہل کا جواب دینا بھی محض اضاعتِ وقت ہے مگر کیا کیا جاوے جہالت کی حکمرانی ہے۔ لوگ ایسے غیر متعلق مضامین کو دلائل سمجھنے لگتے ہیں۔ انکی رعائت سے لکھنا پڑتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۲:

قرأ علی الجنازة بفاتحة الكتاب ۔ احتمال وارد کہ بعد نماز یا پیش آں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانچہ الآن متعارف است (اشعۃ اللمعات)

جواب ۱:

قرأۃ فاتحہ بقصد تبرک، سے جواز دعاء بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوا۔؟ خواہ قرأۃ مذکورہ بعد الجنازہ ہی کیوں نہ ہو۔ نیز جب یہ احتمال ہے کہ یہ قرأتِ فاتحہ قبل از نمازِ جنازہ ہوئی ہو، جیسا کہ مصرح ہے۔ تو اس سے استدلال کیونکر صحیح ہو گا، اس

لئے کہ قاعدہ ہے اذا جآء الاحتمال بطل الاستدلال۔ استدلال تو اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ جب یہ شق متعیّن ہو کہ قرأت مذکورہ نماز جنازہ کے متّصلاً بعد ہوئی اور یہ بھی ارخائے عنان کے طور پر ہے، ورنہ اصل تو یہ ہے کہ حدیث مذکور کو ہمارے مدعاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

جواب ۲ :

یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد قوی نہیں اس کا راوی ابراہیم، منکر الحدیث ہے، (مظاہر حق ص ۵۷ ج ۲) تو احکام میں حدیث مذکورہ سے استدلال درست نہیں۔ امام ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

حدیث ابن عباسؓ، اسنادہ لیس بذالک القوی ابراھیم بن عثمان ھو ابو شیبہ الواھی۔ منکر الحدیث (ص ۱۳۴ ج ۱، مطبع مجیدی)

دلیل نمبر ۱۳:

بعد از تکبیر چہارم سلام ہر دو جانب بگوید و دعاء بخواند فتویٰ بریں قول است۔ (مجموعہ خانی ص ۱۱۱)

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دونوں سلام پھیرے اور دعاء پڑھے، اور اسی پر فتوٰی ہے۔

جواب:

مجموعہ خانی کے موجودہ مجموعہ نسخے میں دعاء بخواند غلط چھپ گیا ہے ورنہ کھڈ کے کتب خانہ کے دو قلمی نسخوں اور کافور کوٹ ضلع پشاور کے ایک کتب خانہ میں موجود نسخے میں '' نخواند'' کا لفظ موجود ہے سہو کاتب کوئی دلیل نہیں۔

دلیل نمبر ۱۴:

مفتاح الصلوٰۃ ص ۱۱۲ میں ہے:

چوں از نماز فارغ شوند مستحب ست کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرہ تا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول پائین بخواند کہ حدیث وارد ست در بعضے احادیث بعد از دفن واقع ست ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز ست۔

جواب ۱:

مفتاح الصلوٰۃ کی مذکورہ عبارت بھی ایک آدمی کے دعاء پڑھنے پر محمول ہے اس میں دعاء بعد صلوٰۃ الجنازہ بہئیت اجتماعیہ کا ثبوت نہیں ہے۔

جواب ۲:

حصن حصین، سنن المصطفیٰ، سنن الکبریٰ بیہقی، جمع الفوائد، شعب الایمان بیہقی، وشرح الصدور للسیوطی ان تمام کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ فاتحہ وبقرہ کا اوّل اور آخر دفن کے بعد پڑھا جائے دفن سے قبل پڑھنے کے متعلق قول حدیث میں وہم ہے۔

دلیل نمبر ۱۵:

منتخب کنز العمال میں ابراہیم ہجری سے روایت ہے:

عن ابراهيم الهجری قال رأيت ابن ابی اوفی وكان من اصحاب الشجرة اذا ماتت ابنته قال ثمّ كبّر عليها اربعًا ثمّ قام بعد ذالک قدر مابين التّكبيرتين يدعوا وقال انّ رسول الله ﷺ كان يصنع على الجنازة هكذا۔ (کنز العمال (ص۲۵۳ ج۶)

ابراھیم ھجیری کہتے ہیں کہ میں نے ابن اوفیٰ صحابی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب انکی بیٹی کا انتقال ہوا، انہوں نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں اور پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کے بقدر کھڑے ہو کر دعاء کرتے رہے اور فرمایا کہ جنازوں پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

حدیث میں لفظ ثمّ ہے جو تراخی کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا یہی دستور تھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگا کرتے تھے۔

جواب ۱:

سب سے پہلے ہم سنن الکبریٰ للبیہقی (ج۴ : ص۷۰) سے یہ روایت مکمّل طور پر نقل کر دیتے ہیں، ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس حدیث کے پیش کرنے میں کس خیانت سے کام لیا گیا ہے اور حقیقت کو چھپا کر یہ ظاہر کیا جارہا

ہے کہ اس حدیث سے دعاء بعد نماز جنازہ ثابت ہوتی ہے، حالانکہ اس حدیث سے قبل سلام کے نماز جنازہ کے اندر کی دعاء اور استغفار کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھئے سنن الکبرٰی بیہقی میں اس حدیث کو جس باب میں نقل کیا گیا ہے اس کا عنوان یہ ہے:

١٢١۔ باب ما روي في الاستغفار للميّت والدعاء له ما بين التكبيرة الرابعة والسلام

٦٨٩١۔ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ، وَأَبُو سَعِيدِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو، قَالَا: ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَرْزُوقٍ، ثنا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، ثنا شُعْبَةُ، عَنِ الْهَجَرِيِّ يَعْنِي إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى، قَالَ: مَاتَتِ ابْنَةٌ لَهُ فَخَرَجَ فِي جِنَازَتِهَا عَلَى بَغْلَةٍ خَلْفَ الْجِنَازَةِ، فَجَعَلَ النِّسَاءُ يَرْثِينَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى: "لَا تَرْثِينَ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمَرَاثِي وَلَكِنْ لِتُفِضْ إِحْدَاكُنَّ مِنْ عَبْرَتِهَا مَا شَاءَتْ" , قَالَ: ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهَا فَكَبَّرَ أَرْبَعًا، فَقَامَ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ بِقَدْرِ مَا بَيْنَ التَّكْبِيرَتَيْنِ يَسْتَغْفِرُ لَهَا وَيَدْعُو، ثُمَّ قَالَ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ هَكَذَا"

باب جو روایت کیا گیا ہے میّت کے لئے استغفار اور دعاء کے بیان میں، جو چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان کی جاتی ہے۔

ہجری یعنی ابراہیم سے روایت ہے کہ میں نے ابن ابی اوفی کو دیکھا جو اصحاب شجرہ میں سے تھے، (یعنی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بیعت الرّضوان کے وقت پیارے پیغمبر ﷺ کے دست مبارک پر درخت کے نیچے بیٹھ کر بیعت کی تھی)

کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی، تو وہ ان کے پیچھے اپنی خچر پر سوار ہو کر گئے، پس عورتوں نے نوحہ شروع کر دیا، اس پر انہوں نے ان سے کہا کہ نوحہ مت کرو، پس بیشک رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے سے روک دیا ہے، تم میں سے ہر ایک آنسو بہائے جتنے چاہے، فرمایا پھر اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس میں چار تکبیریں کہیں، چوتھی تکبیر کے بعد دو تکبیروں کے مابین وقفے کے بقدر کھڑے رہے اس کے لئے دعاء اور استغفار کرتے رہے، پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے

تھے۔

در حقیقت احناف اور شوافع حضرات کا اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعاء پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ شوافع حضرات اس کے قائل ہیں اور دلیل میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں، اور احناف اس دعاء کے قائل نہیں۔ اس روایت کا جواب دیتے ہوئے امام بیہقیؒ نے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعاء اور استغفار کرنے کی روایت کا عنوان قائم کیا تا کہ اس روایت کا اصلی مفہوم ظاہر ہو جائے، کیونکہ ہجری جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے یَسْتَغْفِرُ لَهَا وَيَدْعُوْا کے بعد کی عبارت کو حذف کر دیا تھا۔ جیسا کہ علامہ نوویؒ نے ہجری کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ایک روایت سے اس کے پورے الفاظ نقل کرتے ہوئے کتاب الاذکار میں تصریح فرمادی ہے اور وہ روایت یہ ہے:

فی روایة انّه کبّر اربعاً فمکث ساعةً حتیٰ ظننّا انه سیکبّر خمساً ثمّ سلّم عن یمینه وعن شماله فلمّا انصرف قلنا له ما هٰذا فقال انی لا ازید کم علیٰ ما رأیت رسول اللّٰه ﷺ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہہ کر اتنا ٹھرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے پھر دائیں بائیں سلام پھیرا، پس جب وہ پھرے تو ہم نے ان کو کہا یہ کیا کیا؟ تو فرمایا میں تمہارے لئے اس سے زیادہ نہ کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔

اس حدیث اور علامہ بیہقیؒ کے عنوان سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ دعاء اور استغفار کرنا نماز جنازہ کے اندر سلام سے پہلے تھا، لہٰذا اس روایت سے سلام کے بعد دعاء اور استغفار کرنے کا استدلال درست اور صحیح نہیں ہو سکتا۔

(ب) نیز، ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا : کے بعد فَسَلَّمَ نہیں جس سے دعاء سلام کے بعد سمجھی جائے۔

(ج) مَا بَین التَکبیرتَین کا فاصلہ مقرر کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاء چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان تھی۔ ورنہ اس فاصلہ کے مقرر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

(د) کھڑے ہو کر دعاء نماز جنازہ کے اندر کی جاتی ہے، بعد نماز کے تو آپ لوگ بھی بیٹھ کر دعاء مانگتے ہیں۔

(ھ) اگر دعاء بعد الجنازہ ثابت ہوتی تو فقہاء کبھی اس کو مکروہ اور بدعت نہ فرماتے، اس لئے آپ کا یہ استدلال بالکل غلط اور نادرست ہے۔ علاوہ ازیں محدّثین کرام نے اس حدیث کو معتبر اور قابل حجت ہی قرار نہیں دیا۔ ابراہیم ہجری

جو اس حدیث کا راوی ہے وہ ابو حاتم وابن معینؒ جیسے محدّثین کے نزدیک ثقہ نہیں ہے، بلکہ غیر معتبر ہے۔ لہٰذا اس کی روایت حجت نہیں۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ا ص ۱۶۵، ۱۶۴)

(ق۔ ابراهيم) بن مسلم العبدی ابو اسحاق الكوفي المعروف بالهجری (۳) روی عن عبدالله بن ابي اوفى وابي الاحوص وابي عياض وعنه شعبة وابن عيينه و محمد بن فضيل بن غزوان و غيرهم۔ قال على بن المدينى عن ابن عيينة كان ابراهيم الهجری يسوق الحديث سياقة جيدة على ما فيه وقال المسندی عن سفيان انه كان يضعفه وقال عبدالرحمٰن بن بشر عن سفيان اتيت ابراهيم الهجری فدفع الي عامة كتبه فرحمت الشيخ واصلحت له كتابه قلت هذا عن عبدالله وهٰذا عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم وهذا عن عمر ۔ وقال محمد بن المثنى ما سمعت يحيى يحدث عن سفيان يعنى الثورى عن الهجری وقال عبدالرحمن يحدث عن سفيان عنه۔ وقال ابن معين ليس حديثه بشیء وقال ابو زرعة ضعيف وقال ابو حاتم ضعيف الحديث منكر الحديث وقال البخاري منكر الحديث وقال الترمذی يضعف في الحديث وقال النسائی منكر الحديث وقال في موضع آخر ليس بثقة ولا يكتب حديثه وقال الحاكم ابو احمد ليس بالقوی عند هم وقال ابو احمد بن عدی ومع ضعفه يكتب حديثه وهو عندی ممن لا يجوز الا حتجاج بحديثه وابراهيم الخوزی عندی اصلح منه۔ قلت ۔ الخوزی هو ابن يزيد ميأتي واكثر ما يجیء الهجری هذا في الروايات بكيته ابو اسحاق الهجری وقال النسائي في التمييز ضعيف وبقية كلام ابن عدی في الهجری انما انكروا عليه كثرة روايته عن ابی الاحوص عن عبدالله وعامتها مستقيمة وقال البزار رفع احاديث وقفها غيره وقال عبدالله بن احمد عن ابيه كان الهجری رفاعا وضعفه وقال ابن سعد كان ضعيفا في الحديث وقال السعدی يضعف حديثه وقال الحربي فيه ضعف وقال على بن الحسين بن الجنيد متروک وقال الفسوی كان رفاعاً لا بأس

ترجمہ: ابراہیم بن مسلم العبدی ابو اسحاق کوفی جو ہجری سے مشہور ہے روایت کرتا ہے عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ سے

کہا ابن معین نے اس کی حدیث کچھ نہیں اور کہا، ابو زرعہ نے کہا ضعیف ہے، اور کہا ابو حاتم نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے، اور کہا بخاری نے منکر الحدیث ہے، اور کہا ترمذی نے وہ ضعیف قرار دیا گیا ہے حدیث میں، اور کہا نسائی نے منکر الحدیث ہے، اور دوسری جگہ پر کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں، اس کی حدیث نہ لکھی جائے، اور کہا حاکم ابو احمد نے وہ محدّثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، اور کہا نسائی نے تمیز میں کہ وہ ضعیف ہے اور کہا عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ سے کہ ہجری حدیث کو مرفوع کر دیتا تھا اور وہ ضعیف تھا، اور کہا ابن سعد نے وہ حدیث میں ضعیف تھا، اور کہا سعدی نے اس کی حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے، اور کہا علی بن حسین بن جنید نے متروک ہے۔

اس شہادت کے بعد معلوم ہو گیا کہ ابراہیم ہجری تمام محدّثین کے نزدیک غیر معتبر غیر ثقہ اور نہایت درجہ کا ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے کسی محدّث نے اس کی حدیث کو قابل حجت قرار نہیں دیا بلکہ متروک ٹھہرایا ہے، اور اس کی حدیث کو ترک کر دیا۔

تفصیل بالا سے یہ واضح ہو گیا کہ دعاء بعد الجنازہ نہ تو پیارے پیغمبر ﷺ سے ثابت ہے، نہ ہی حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ دعاء فرمائی ہے۔ ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت نہیں، مذاہب اربعہ کی فقہ اس سے خالی ہی نہیں بلکہ اس دعاء کی ممانعت اور اس کی کراہت کے بارے میں تصریحات کی ہیں۔ اگر وہ حضرات ان آیات کا یہ مطلب نہ سمجھ سکے تو آج آپ اور آپ جیسے مبتدعین کو یہ مطلب کہاں سے موصول ہوا۔؟

پہلی صدی کے مجدّد اور خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) اہل بدعت کے ایک فرقہ منکرین تقدیر کی واشگاف الفاظ میں تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے منکرین تقدیر اگر تم یہ کہو کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے تقدیر کا انکار معلوم ہوتا ہے تو ان آیات کا کیا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ: **لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من تاويله ما جهلتم وقالوا بعد ذالک كله بكتاب وقدر۔** (ابوداؤد ج ۲، ص ۲۷۸)

سلف صالحین نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھی ہیں، جیسے تم پڑھتے ہو، مگر وہ ان کے مطلب کو سمجھے، اور تم نہیں سمجھ سکے، اور باوجود ان آیات کے پڑھنے کے وہ پھر بھی تقدیر کے قائل تھے۔

مطلب واضح ہے کہ اگر ان آیات کا وہی مطلب ہوتا، جو تم مراد لیتے ہو، تو سلف صالحین کے سامنے بھی یہ آیتیں تھیں، مگر باوجود اس کے وہ یہ مطلب نہیں لیتے تھے جو تم لے رہے ہو۔ اس لئے ناچار یہی کھنا پڑے گا کہ وہ حق پرست تھے

اور تم باطل پرست ہو۔ کیا خوب ارشاد فرمایا خلیفہ راشد نے۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں ان پر۔ پس سب اھلِ اسلام پر لازم ہے کہ اس طریقۂ سنّت کو اپنائیں اور اسی کو اپنا معمول بنائیں، اور اس کے مقابلے میں جو سلام پھیرنے کے بعد دعاءمانگنے کی بدعت رواج پکڑ گئی ہے اسے مٹانے کی کوشش کریں۔ بدعت ایک ایسی بلا ہے کہ جس کی تاریکی سے نور ایمان جاتا رہتا ہے، اور دل پر ایسے غلاف چڑھ جاتے ہیں کہ توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے:

ان اللہ حجب التوبة عن کل صاحب بدعة (مجمع الزوائد ج،۱۰ص۱۸۹)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ہر بدعتی پر بند کر دیا ہے۔

اس زمانۂ فساد میں سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبها الصّلوٰة والتحیّته پر مضبوطی سے قائم رہنا اجرِ عظیم رکھتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے۔

من تمسک بسنّتی عند فساد امّتی فله اجر مائة شهید۔

او کما قال۔ کہ جس نے امّت میں بگاڑ کے وقت میری سنّتوں کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اسے سو شہیدوں کا اجر اور ثواب ملے گا۔

رب العالمین تمام اہل اسلام کو سنّتوں کے احیاء، اور تمام بدعاءت اور رسومات کو مٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین۔

دعاء بعد الجنازہ کے عدم جواز پر مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات مفتیان کرام کے فتاویٰ جات

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مُدلل و مکمل

افادات: مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی (مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند)

نماز جنازہ کے بعد دعاء مشروع نہیں

(سوال ۲۸۵۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم المیّت فاخلصوا لہ الدعاء (ابو داؤد و ابن ماجہ) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، قَالَ: صلیٰ بنا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فسمعته يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ، وَحَبْلِ جِوَارِكَ، فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَعَذَابِ النَّارِ، وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، فَاغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ» (ابو داؤد و ابن ماجہ) جنازہ کے بعد دعاء مشروع نہیں ہے یا ہے۔

الجواب: نماز جنازہ کے بعد دعاء مشروع نہیں ہے۔ اور ان احادیث میں دعاء سے مراد نماز جنازہ کی دعاء ہے یعنی پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو اس کے اندر دعاء جنازہ اخلاص کے ساتھ مانگو، اسی طرح دوسری حدیث میں صاف یہ موجود ہے کہ دعاء نماز جنازہ مراد ہے۔ فقط۔

(سوال ۲۸۵۸) میّت پر نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد قبل از دفن دعاء کرنا جائز ہے یا بدعت۔ اور الفی کے بارہ میں بھی کتب حدیث یا فقہ سے کوئی ثبوت ملتا ہے یا نہیں۔

الجواب: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ دعاء ہے واسطے میّت کے لہٰذا اور کوئی دعاء بعد نماز جنازہ کے مشروع نہیں ہے۔ شامی میں ہے فقد صرحو اعن اخر ھم بان صلوٰۃ الجنازۃ ھی الدعا للمیت (تحت قولہ

ورکنه التکبیرات الخ ط۔ س۔ ج ۲ ص ۱۲۲۱۰، ظفیر)۔ الخ وفی خلاصة الفتاوی لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (خلاصة الفتاوی الفصل الخامس فی الجنائز ج ۱ ص ۲۲۵، ۱۲ ظفیر)۔ وفی البزازیة لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (فتاوی البزازیه ص)۔ وفی شرح المشکوٰۃ ولا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لا نه یشبه الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیها فصل ثاث ج ۱ ص ۳۶۹) پس معلوم ہوا کہ میّت کے جنازہ کے بعد اور کچھ دعاء نہ کرے کہ صلوٰۃ جنازہ خود دعاء للمیّت ہے۔

اور الفی یعنی کرتہ جس کو قمیص کہتے ہیں کفن میں سنت ہے۔ درمختار میں ہے ویسن فی الکفن له ازار و قمیص ولفافة(الدر المختار علی هامش ردالمحتار باب صلاۃ الجنائز ج۱ ص۸۰۶۔ ط۔ س۔ ج۲ص ۲۰۲۔۱۲ ظفیر)۔ الخ اور حدیث متفق علیہ میں ہے اتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عبداللہ بن ابی بعد ما ادخل حضرته فامر به فاخرج فوضعه علی رکبتیه فنفث فیه من ریقه ولبسه قمیصه قال و کان کسا عباساً قمیصاً رواه البخاری و مسلم عن جابر (دیکھیے مرقاۃ باب غسل المیّت وتکفینہ فصل اوّل ج۲ ص۳۴۵۔ ۱۲ظفیر)۔

امام ابن ہمام نے امام نخعی کی روایت سے بیان کیا۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کفن فی حلة یمانیة وقمیص۔ الحدیث۔ (فتاوٰی دارالعلوم ص۲۱۴،۲۱۳۔ج۵) ردالمحتار باب صلاۃ الجنازۃ ج۱ ص۸۱۴)

اسی طرح (صفحہ نمبر ۲۳۴) پر ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

(سوال ۲۹۲۷) نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں اور مقتدیوں کو دعاء مانگنا چاہیے یا نہ۔

(الجواب): نماز جنازہ خود دعا للمیّت ہے اس کے بعد اور کوئی دعاء ماثورہ منقول نہیں۔(۵) امام و مقتدی سب اس کو ترک کر دیں کہ خلاف سنت فعل کا التزام درست نہیں ہے۔

اسی طرح (صفحہ نمبر ۲۴۱) پر ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد نمازِ جنازہ دعا

(سوال ۲۹۴۹) فی الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازہ رفع الیدین وقد وقع الاختلاف بین العلماء فمنھم من قال از سنۃ حسنۃ و تارکہ فاسق و فاجر و فیھم من قال انہ مکروہ بینوا توجروا۔

(الجواب): قال فی الشامی فقد صرحوا عن اخرھم بان صلوٰۃ الجنازۃ ھی الدعاء للمیّت اذ ھو المقصود الخ(۴) ولم یروعن السلف الدعاء بعد ھا بھئیۃ اجتماعیۃ فالا ولی والقتصار علیھا وان لم یفسق فاعلہ وکیف یجوز ان یقال لتارک البدعۃ انہ فاسق فاجر والفاسق من ینسبہ الی الفسق۔

اسی طرح صفحہ نمبر ۲۹۸) پر ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

(سوال ۳۱۵۱) ہمارے یہاں بعد نماز جنازہ تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر میّت کو بخشتے ہیں تا کہ اس کو ختم قرآن کا ثواب ملے یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب): فقہاء رحمہم اللہ نے نماز جنازہ کے بعد دوبارہ دعاء کرنے کو مکروہ اور ممنوع لکھا ہے۔(۳) کیونکہ نماز جنازہ خود دعاء للمیّت ہے اس میں اور کسی ایجاد وایزاد کی حاجت نہیں ہے لہٰذا بعد نماز جنازہ فوراً اس کا التزام کہ تین بار سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثوب میّت کو پہنچایا جاوے اچھا نہیں ہے۔ دوسرے وقت یا اپنے دل میں بلا اعلان والتزام کے اگر ثواب کسی سورۃ کا پہنچا دیوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ فقط۔

اور (ص ۲۹۰) پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

(الجواب): امور مستحبہ ومباحہ اصرار والتزام سے بدعت ہو جاتے ہیں۔ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوٰتہ یری ان حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔ قال القاری فی المرقاۃ فی شرح ھذا الحدیث من اصر علی امر مندوب و جعلہ عذماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ

الشیطان من الضلال فکیف من اصر علی بدعة و منکر انتہیٰ[1] وفی العالمگیریہ۔ وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان الجہال یعتقدونہا سنة واجبة وکل مباح یودی الیہ فمکروہ[2] انتہیٰ۔
[(۱) مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۴۔ ۱۲ ظفیر)

فتاویٰ محمودیہ

فقیہ الأمت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اپنے فتاوی محمودیہ (ج:۸:ص ۱۰۷) پر ایک سائل کے اس سوال کا کہ بعض جگہ رواج ہے کہ تمام لوگ سورۃ الفاتحہ اور اخلاص پڑھنے اور اجتماعی دعاء مانگنے سے قبل جنازہ نہیں اٹھاتے اور اگر منع کیا جائے تو کہتے ہیں کہ تم لوگ نیک کام سے منع کرتے ہو۔۔۔ الخ۔ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

جو لوگ ایسے عمل کو سنّت کہتے ہیں ان سے مطالبہ کیا جائے کہ کس حدیث میں اور کس فقہ کی کتاب میں ہے، مگر آپ نے ثبوت طلب نہیں کیا کوئی حکمت ہی ہو گی۔ فقہاؒ نے نماز جنازہ سے فارغ ہو کر، بعد سلام میّت کے لئے مستقلاً کھڑے ہو کر دعاء کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو منع کیا ہے اس دعاء کا نیک کام ہونا کیا حضور ﷺ، خلفائے راشدین، ائمہ مجتہدین وغیرہ کو معلوم نہیں تھا، آج ہی منکشف ہوا ہے؟ ''لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ۔'' خلاصۃ الفتاویٰ: ج۱، ص ۲۲۵)۔

ایسے ہی فتاوی محمودیہ (ج ۸ ص ۱۱۷) سوال نمبر (۴۱۵۴) کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:
کتب فقہ میں بعد نماز جنازہ دعاء کا ثبوت نہیں بلکہ دعاء کا انکار منقول ہے اور ''قل ھواللہ احد'' کو گیارہ مرتبہ

---

[1] (عن عائشة ؓ قالت، قال رسول الله ﷺ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلح ج ۱ ص ۳۷۱) قدیمی
قال الملا علی قاری تحته: ''من احدث'' ای جدّد وابتدع، واظھر واخترع، ''فی امرنا ھذا'' ای فی دین الاسلام۔۔۔

[2] قال القاضی: المعنیٰ: من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاھر او خفیّ، ملفوظ او مستنبط، فھو مردود علیه، قیل فی وصف الامر ''بھٰذا'' اشارۃ الیٰ ان امر الاسلام کمل وانتھیٰ وشاع، وظھر ظھور المحسوس بحیث علیٰ کل ذی بصر و بصیرۃ، فمن حول امراً غیر مرضیّ، لانه من قصور فھمه رآہ ناقصاً۔
۔۔۔۔ فذالک الشخص ناقص مردود الخ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان

پڑھنے تک بھی جنازہ کو نہ اٹھانا ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ طریقہ شرعاً بے اصل اور بدعت ہے۔(۱) اس پر انکار کرنے والے کو برا کہنا بہت ہی برا ہے، صلوٰۃ جنازہ خود دعاء ہے، نفس ایصال ثواب بغیر التزام مالا یلزم کے درست اور نافع ہے۔

(۱) قال الشامی: "فقد صرحوا عن آخرهم بأن صلوٰة الجنازة هی الدعاء للمیّت؛ اذ هو المقصود منها۔ اھ"

(۲) قال القاری فی شرح المشکوٰۃ: " ولا یدعی للمیّت بعد صلوٰة الجنازة ۔ لانه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة.اھ۔"

(۳) قال فی خلاصۃ الفتاویٰ: "لا یقوم الرّجل بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة .اھ۔"

(۴) و قال فی شرح المنیۃ: وفی السّراجیۃ: "اذا فرغ من الصّلوٰة ، لا یقوم بالدعاء۔" فقط واللہ اعلم۔

(باب الاعتصام بالکتاب والسنة الفصل الاول ، رقم الحدیث ۱۴۰: ج:۱:ص۳۶۶،۳۶۵: رشیدیه)

امدادُ الاحکام

از حضرت مولانا ظرف احمد صاحب عثمانی وحضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب گمتھلوی

نمازِ جنازہ کے بعد دعاء بدعت ہے۔

سوال (۵۹) نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعاء کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: قال فی حاشیة ما لا بدمنه وبعد سَلام براۓ دعاء ایستادن ہم نشاید بلکه در حمل جنازه مشغول شوند. کذا فی الدر المختار و زاد اللبیب اھ (ص۸۲) قلت لم اجده فی الدرو الشامیة فلعله فی زاد اللبیب والاصل فیه ان الصلوٰة علی الجنازة وضعت للدعاء فلا معنی للدعاء بعد الدعاء فلا یصح القیاس علی الصلوات المکتوبة وایضاً فذالك لم ینقل عن السلف، پس نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر دعاء کرنا بھی بدعت ہے اور رفع یدین دعاء کے ساتھ ہی ہے تو وہ بھی قابلِ ترک ہے، واللہ اعلم ۱۵، شوال ۴۶ھ (امداد الاحکام ص ۱۹۴ ج،۱ کتاب السنۃ والبدعۃ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

کِفایت المفتی مدلل۔ مکمل

مفتی اعظم حضرت مولانا مُفتی محمد کِفایت اللہ دھلوی رحمہ اللہ

نماز جنازہ خود دعاء ہے اس کے بعد اجتماعی دعاء ثابت نہیں

سوال: نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ۱۲۴: نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء کا ثبوت نہیں۔ نماز جنازہ خود دعاء ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جواب دیگر ۱۲۵: نماز جنازہ بتصریح فقہائے احناف دعاء ہے اور اگرچہ اس پر لفظ صلوٰۃ بمعنی نماز کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور صحیح ہے تاہم اس میں دعاء ہونے کی جہت راجح اور غالب ہے۔ اور بعد فراغ من الصلوٰۃ آنحضرت ﷺ و صحابہ کرام و ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں کہ وہ کوئی دعاء اور کرتے تھے یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے متصل بعد البتہ بعد دفن قبر پر تھوڑی دیر توقف کرنا اور میّت کے لیے دعاء کرنا حدیث سے ثابت ہے جو سنن ابی داؤد میں مروی ہے۔

تاہم نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد فرداً فرداً اگر لوگ دعاء مانگ لیں تو کچھ مضائقہ بھی نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ نہ مانگنے والوں کو کسی قسم کی طعن تشنیع ملامت نہ کی جائے اور دعاء کا کوئی خاص اہتمام و تداعی اور جماعت بنانے کی پابندی نہ ہو اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا بغیر اہتمام و التزام و پابندی ہیئت جماعت کے دعاء مانگے تو کسی کو اسے روکنے اور منع کرنے کا بھی حق نہیں ہے کیونکہ اس خاص صورت میں ایک امر مباح کا مرتکب ہے یا زیادہ سے زیادہ مستحسن کا اور ان دونوں حالتوں میں منع کرنے کے کوئی معنی نہیں بعض عبارات فقہاء سے جو دعاء کا جواز معلوم ہوتا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ لوگ فرداً فرداً بغیر اہتمام و التزام و بغیر پابندی ہیئت جماعت دعاء مانگ لیں تو جائز ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرس امینیہ سنہری مسجد دہلی۔

مولانا صاحب! ہمارے یہاں بھی اسی طرح ہے جب کہ سب لوگ مکان پر میّت اٹھانے کے لیے جمع ہوتے ہیں اس وقت دو ایک چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر ثواب پہنچا دیتے ہیں اس کے بعد نماز جنازہ کے بعد انتشار صفوف کے بعد سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں اس ایصال میں سب لوگ بلا کر جمع نہیں کیے جاتے اور نہ دو تین منٹ سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اور نہ اس کو فرض و واجب سمجھا جاتا ہے صرف مستحب سمجھ کر ہمیشہ اسی طرح اپنے اموات کو نفع اور امداد پہنچاتے ہیں میّت کے لیے ان دو موقعوں کے سوا کبھی ایسی جمعیت نہیں ہوتی اور یہ جمعیت بھی میّت اٹھانے کے لیے

ہے نہ کہ ایصال ثواب کے لیے اس لیے جو کچھ ہو سکتا ہے انہیں دو وقتوں میں کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی علمائے کرام اس ایصال ثواب کو مٹانا چاہتے ہیں اور اموات بے زبانوں کی حق تلفی کراتے ہیں لہٰذا جناب سے سوال ہے کہ آیا مذکورہ بالا صورت ایصال ثواب کا مٹا دینا ہی اچھا ہے یا جاری رکھنا؟ **بینوا توجروا**

جواب ۱۴۴: میّت کے مکان پر اہتمام غسل و تکفین کی غرض سے جمع ہونا جائز ہے اور اس وقت حاضرین اگر فرادیٰ فرادیٰ اپنے طور پر میّت کے لیے دعاء کرتے رہیں اور کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے رہیں تو یہ بھی جائز ہے لیکن اگر اس حالت میں اجتماعی دعاء کا اہتمام کیا جائے تو یہ ناجائز اور بدعت ہے اور مانعین کی غرض یہی ہے کہ دعاء کا اس وقت اہتمام اور صورت اجتماعیہ بنانے کا قصد کرنا مکروہ ہے ورنہ نفس دعائے انفرادی کو کوئی ناجائز نہیں کہتا اسی طرح نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اگر حاضرین اپنے طور پر فرادیٰ فرادیٰ دعاء کریں تو اسے کوئی منع نہیں کرتا، منع کرنے والے اس اہتمام واجتماع کو منع کرتے ہیں جو نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے کیا جاتا ہے کہ صفیں توڑنے سے پہلے اسی طرح کھڑے رہ کر نماز کے لیے دعاء کرتے ہیں یا صفیں توڑنے کے بعد از سر نو دعاء کے لیے جمع ہو جاتے ہیں خواہ دو آدمی جمع ہوں یا دس یا پچاس یہ اجتماع دعاء کی غرض سے کرنا اور اس کا اہتمام اور قصد کرنا مکروہ اور بدعت ہے۔

رہا یہ کہنا کہ اس دعاء کو کوئی فرض واجب بھی نہیں سمجھتا، یہ صرف زبانی دعویٰ ہے ورنہ اگر کوئی شخص دعاء نہ کرے تو اسے وہابی لامذہب کیوں کہتے ہو، اسے بدنام کیوں کرتے ہو اس پر لعن طعن کس بناء پر کی جاتی ہے۔

بہر حال نفس دعاء انفرادی طور پر جائز ہے اور اجتماعی صورت بنانے کا قصد اور اہتمام کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جنازہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھ کر اجتماعی دعاء کرنا بدعت ہے

سوال: بعد نماز جنازہ کے میّت کے ایصال ثواب کے لیے سورہ اخلاص تین بار یا سات بار پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز جنازہ بھی میّت کے لیے دعاء ہے اور نماز کی مشروعیت کی راجح جہت یہی ہے(۱)۔ تاہم نماز کے بعد میّت کی مغفرت کے لیے دعاء کرنا جائز نہیں بلکہ ہر شخص تمام عمر اپنے اموات کے لیے دعاء کر سکتا ہے دعاء کرنے یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے(۲)۔ لیکن نماز جنازہ کے بعد اگر جماعت کے لوگ بہ ہئیت اجتماعیہ تین بار سورہ اخلاص پڑھنے کا طریقہ مقرر کر لیں تو یہ ہئیت اجتماعیہ اور اہتمام بدعت ہے کیونکہ اس کا ثبوت نہیں(۳)۔ اسی طرح اگر اسے لازم

سمجھیں تو یہ التزام بدعت ہے کیونکہ بغیر شریعت کے لازم کرنے کے کسی چیز کو خود لازم کر لینا بدعت ہے(۴)۔ہاں ہر شخص اگر بطور خود سورہ اخلاص یا کچھ اور پڑھ کر بخش دے تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو نہ پڑھے اس پر کوئی ملامت نہیں۔

[(۳۔۴) لانها ليست بصلاة حقيقة، انما هي دعاء واستغفار للميّت (بدائع، فصل فی بیان کیفیة الصلاة على الجنازة ۱، ۳۱۴ ط کوئٹہ) ولا يقوم بالدعا بعد صلاة الجنازة لا نه دعاء مرة، لان اكثرها دعاء (بزازیہ علی هامش الهندية، نوع الخامس والعشرون فی الجنازة ۴/۸۰ ط ماجدیہ، کوئٹہ)

(۵) عن عثمان بن عفان رضي الله عنه، قال كان النبی صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت، وقف عليه، فقال: استغفروا لا خيكم، واسالوا له بالتثبيت، فانه الآن يسئل (ابو داؤد، باب الاستغفار عند القبر للميّت فی وقت الا نصراف ۲/۱۰۳ ط سعید)]

جنازے کے بعد اجتماعی دعاء سلف سے ثابت نہیں

سوال(۱) کیا بعد نماز جنازہ مجتمعاً دعاء مانگنا جیسا کہ آج کل کلکتہ میں عام رواج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے یا نہیں(ب) اور اس باب میں علماء حنفیہ کی کیا تحقیق ہے امام ابو حنیفہ سے کچھ منقول ہے یا نہیں؟ (ج) اُردو رسالوں میں جہاں نماز جنازہ کی ترکیب لکھی ہوئی ہے وہاں دعاء کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کیا اس وجہ سے کہ ثابت نہیں یا سہواً ایسا ہوا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۱۰۲ حاجی عبد الجبار (کلکتہ) ۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۷ء۔

جواب ۱۱۵: نماز جنازہ کے بعد کوئی اجتماعی دعاء زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ یا سلف صالحین میں ثابت نہیں نماز جنازہ خود دعاء ہے فقہ حنفی میں بھی نماز کے بعد کسی دعائے اجتماعی کی ترغیب یا ہدایت مذکور نہیں بلکہ بعض کتب میں منع کیا گیا ہے۔(۱) کے لیے رسالہ بصائر الاہتداء ملاحظہ فرمایا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا ثابت نہیں:

سوال: بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا بروئے مذہب حنفی و اہل حدیث کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۰ میاں محمد صدیق صاحب فیروز پور ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ م ۱۰ جولائی ۴۰ء

جواب ۱۲۰: نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے (۱) اس مسئلے میں حنفی اور اہل حدیث کے مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء بدعت ہے:

سوال: نماز جنازہ کے سلام کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا شریعت میں کوئی اصل رکھتا ہے یا نہیں؟(المستفتی نمبر ۸۸۱ محمد یوسف گوجرانوالہ، ۲۶ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۹ اپریل ۱۹۳۶ء)

جواب: نماز جنازہ کے بعد متصل ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور نماز جنازہ خود ہی دعاء ہے ہاں لوگ اپنے اپنے دل میں بغیر ہاتھ اٹھائے دعائے مغفرت کرتے رہیں تو یہ جائز ہے اجتماعی دعاء ہاتھ اٹھا کر کرنا بدعت ہے (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ)

فتاویٰ رحیمیہ:

فتاوٰی رحیمیہ میں حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے

سوال: بعض جگہوں پر نماز جنازہ کے بعد متصلاً سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) اور تین یا گیار مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھ کر میّت کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح دعاء مانگنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

بعضوں کا کہنا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے بعض علماء مذکورہ طریقہ سے دعاء مانگنے کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہے؟

الجواب: جنازہ کی نماز میّت کے لیے دعاء ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد جو دعاء پڑھی جاتی ہے اس میں وفات پانے والوں کے لیے مغفرت کی اور زندہ لوگوں کے لیے سلامتی ایمان کی دعاء ہوتی ہے۔ اس کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ باقی یہ صورت یعنی نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو روک کر سب کے دعاء مانگنے کا التزام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں ہے لہٰذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من عمل عملاً لیس علیہ امر نا فھو رد (یعنی) "جو کوئی ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (ہمارا دستور نہ ہو) تو وہ مردود ہے" (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۷ باب نقض احکام الباطلة

ور د محدثات الامور) اور حضرت حذیفہ کا فرمان ہے کہ **کل عبادۃ لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ ﷺ فلا تعبدوھا** (الاعتصام ج۲ ص۳۱۰) (یعنی) ہر ایسی عبادت جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے نہیں کی تم بھی مت کرنا۔

اور حضرت امام مالک نے فرمایا کہ ''جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی (زیادتی کی) اور اس کو اچھا سمجھا تو اس نے محمد ﷺ کو خدائی احکام کی تبلیغ میں خیانت اور کمی کرنے والا ٹھہرایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **الیوم اکملت لکم دینکم** (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو جو کام حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج دین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (الاعتصام ج۱ ص۴۸)

باقی یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ممانعت نہیں کی یہ صرف ناواقفیت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس صدی سے نہیں بلکہ تقریباً گیارہ سو برس سے فقہاء کرام نمازِ جنازہ کے بعد کی دعاء کو خلاف سنت اور ممنوع و مکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

۱۔ تیسری صدی ہجری کے فیقہ امام ابو بکر بن حامد معاصر ابو حفص الکبیر المتوفی ۲۶۴ھ (کذا فی فوائد البہیہ ص۵۲) فرماتے ہیں **ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ** (۷ جنوری ج۱ ص۱۸۰) یعنی بے شک نمازِ جنازہ کے بعد دعاء مکروہ ہے۔

۲۔ اور پانچویں صدی ہجری کے فیقہ شمس الائمہ حلوائی المتوفی ۴۵۴ھ اور۔

۳۔ بخاریٰ کے مفتی، قاضی شیخ الاسلام علّامہ سغدی المتوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں **لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ** (قنیۃ ج ۱ ص ۵۶) یعنی نماز کے بعد کوئی شخص دعاء کے لیے نہ کھڑا ہو، یعنی دعاء کے لیے نہ ٹھہرے۔

۴۔ اور چھٹی صدی ہجری کے فقیہ امام طاہر بن احمد بخاری سرخسی المتوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں **لا یقوم بالدعاء فی قرأۃ القرآن لا جل المیّت بعد صلوٰۃ الجنازہ وقبلھا۔** (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص ۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز (ترجمہ) نماز کے بعد اور اس سے پہلے میّت کے لیے قرآن پڑھ کر دعاء کے لیے نہ کھڑا رہے۔

۶۔ اور ساتویں صدی ہجری کے فقیہ مختار بن محمد زاہدی المتوفی ۶۵۸ھ کی بھی یہی رائے ہے (فتاویٰ قنیہ ج۱ ص۵۶)

۷۔ اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ فرماتے ہیں کہ یہ رواج قابل ترک ہے (کتاب المدخل ج۳ ص ۲۲)

۸۔ نویں صدی ہجری کے فقیہ علّامہ شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب کردری المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا دعاء (فتاویٰ بزازیہ مع ہندیہ ج۱ ص ۸۰۔ جنائز نوع آخر ذھب الی المصلی قبل الجنازۃ وینتظرھا) نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے نہ ٹھہرے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعاء کر چکا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ کا بڑا حصّہ دعاء ہی ہے۔

۹۔ اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علّامہ علی برجندی (صاحب برجندی سال تصنیف ۹۳۲ھ) بھی ممنوع ہونے کے قائل ہیں (فتاویٰ برجندی ج۱ ص ۱۸۰)

۱۰۔ نیز دسویں صدی کے دوسرے فقیہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانیؒ المتوفی ۹۶۲ھ فرماتے ہیں کہ ولا یقوم داعیاً لہ (فتاویٰ جامع الرموز ج۱ ص ۱۲۴) (دعا کرنے کے لیے نہ ٹھہرے)

۱۱۔ اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علّامہ ابن نجیم مصری المتوفی ۹۲۹ھ فرماتے ہیں۔ لا یدعو بعد التسلیم (بحر الرائق ج۲ ص۱۸۳) کتاب الجنائز تحت قولہ وھی اربع تکبیرات) یعنی سلام کے بعد دعاء نہ کرے۔

۱۲۔ دسویں صدی کے چوتھے فقیہ مفتی نصیر الدین، (صاحب فتاویٰ برہنہ سال تصنیف ۹۹۷) فرماتے ہیں "وبعدہ ایستادہ نماند برائے دعا" (فتاویٰ برھنہ ص ۳۶)

۱۳۔ اور گیارھویں صدی ہجری کے مجدد علّامہ علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں ولا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۱۹ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیھا) ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میّت کے لیے دعاء نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کا شبہ ہوتا ہے۔

۱۴۔ اور مجموعہ خانی میں ہے "دعا نخواند و فتویٰ بریں قول است" (قلمی ص ۳۴۹) یعنی بعد نماز جنازہ دعاء نہ کرے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

۱۵۔ اور تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ قاضی مفتی محمد سعد اللہ المتوفی ۱۲۹۲ھ فرماتے ہیں "خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع می کنند" (فتاویٰ سعدیہ ص ۱۳۰) یعنی نماز جنازہ کے بعد دعاء کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے اس لیے کہ اکثر فقہاء امر مسنون پر زیادتی لازم آنے کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔

۱۶۔ اور فقیہ مولانا قطب الدین (صاحب مظاہر حق سال تصنیف ۱۲۵۳ھ) فرماتے ہیں۔ اور دعاء نہ کرے میّت کے لیے بعد نماز جنازے کے اس لیے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں" (مظاہر حق ج ۲ ص ۵۷ باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیھا)

۱۷۔ اور فقیہ علّامہ عبد الحئی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ بھی مکروہ ہونے کے قائل ہیں دیکھیے (نفع المفتی ص ۱۴۳ سال تصنیف ۱۲۸۷ھ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے علماء کرام پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ مذکورہ رواج کی مخالفت گیارہ سو سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔

صحیح اور معتمد طریقہ سے ثابت ہے کہ میّت کو دفن کرنے کے بعد جتنی دیر اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہی اتنی دیر تک قبر کے پاس تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہیں۔ یہ مستحب ہے اس سے میّت کو انس اور فائدہ ہوتا ہے، اس صحیح اور ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر دعائے مغفرت کا قیمتی وقت دنیاوی باتوں میں صرف کر دیا جاتا ہے اور برائے نام دعاء کر کے رخصت ہو جاتے ہیں یا خلاف سنت طریقہ میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، حق تعالیٰ تمام بھائیوں کو سنت طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ و اھل بیتہ اجمعین فقط واللہ تعالیٰ اعلم با الصواب

جنازہ اٹھانے سے پہلے فاتحہ پڑھنے کا کا کیا حکم ہے؟

سوال۹۸: ہمارے یہاں ایسا دستور ہے کہ میّت کے گھر پر لوگ جمع ہوتے ہیں، جنازہ اٹھانے سے پہلے امام صاحب کھڑے ہو کر "الفاتحہ" کہہ کر جمع شدہ لوگوں سے فاتحہ پڑھواتے ہیں اور پھر باآواز بلند دعاء مانگتے ہیں۔ کیا یہ دستور مطابق سنت ہے۔

الجواب: ہر ایک کو ذاتی طور پر دعاء کرنے کی اجازت ہے، سب کے جمع ہو کر دعاء مانگنے کا دستور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نیز سلف صالحین کے عمل اور طریقہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا سوال میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ مکروہ

ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰۃ ویدعو للمیّت ویرفع صوتہ (ج۵ ص ۳۱۹) کتاب الکراھیۃ الباب الرابع فی الصلاۃ والتسبیح و قرأۃ القرآن والدعاء الخ)
(ترجمہ) نماز جنازہ کے لیے لوگ جمع ہوں اس وقت ایک آدمی (فاتحہ خواں) کھڑا ہو کر میّت کے لیے بآواز بلند دعاء کرے یہ مکروہ ہے" فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ کتاب الجنائز صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۱ ج ۷ مفتی عبد الرحیم لاجپوری)

فتاویٰ مفتی محمود

فقیہ ملت مفکّر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ دعاء بعد الجنازہ پر مختلف سوالات کے جوابات دیتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

نماز جنازہ کے فوراً بعد اور دفنانے کے بعد چالیس یا ستر قدم چل کر دعاء مانگنا بدعت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آیا نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا یا قبر پر اذان دینا اور چالیس یا ستر قدم پر دعاء مانگنا کیا حدیث اجماع اور فقہ سے ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: (۱) نماز جنازہ کے بعد دفن سے قبل دعاء بطریق مروج مانگنا مکروہ ہے۔ کما فی المرقاۃ لملا علی القاری ص ۳۲۹ ج ۳ ولا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ وفی البزازیہ علی ھامش العالمگیریہ لا یقول بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لا نہ دعاء مرۃ لان اکثرھا دعاء اھ۔

وفی البحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۲، وقید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ وعن الفضلی لا بأس بہ وقال فی البر جندی شرح مختصر الوقایہ ص ۱۸۰ ج۱ ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا کذا فی المحیط وعن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ وقال محمد بن الفضلی لاباس بہ کذافی القنیۃ۔ اھ۔ (۲) اذان علی القبر جائز نہیں ہے۔ کما قال فی الشامیۃ ص ۲۸۳ ج ۱ قیل وعند انزال المیّت القبر قیاساً علی اوّل

خروجه للدنیا لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب (۳) اس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دعا بعد الجنازہ اور قل خوانی کو دین کا جز قرار دینا بدعت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دعاء بعد نماز جنازہ فرض ہے یا واجب ہے۔ سنت ہے جائز ہے یا نہ؟ اور اگر کوئی شخص جنازہ کے بعد میّت کے ہوتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعاء نہ مانگے اور اس پر لوگ ناراض ہو جائیں اور کہیں کہ فلاں مولوی مانگتا تھا۔ فلاں مانگتا تھا۔ لہٰذا شریعت میں اس کا ثبوت ہے۔ اور مانگنی ضروری ہے تو کیا براہ قرآن وحدیث اس کو توڑنا چاہیے یا نہ؟ اور نہ مانگنے والے کو وہابی نجدی کہا جائے۔ قرآن وحدیث عمل صحابہ کے خلاف ہے یا نہ؟ اور نیاز جمعرات اور قل خوانی عوام اور دیہاتی مولوی ان رسومات کو دین کا جزو قرار دے رہے ہیں۔ از روئے قرآن وحدیث و عمل صحابہ ثابت ہے یا نہ؟ سائل مولوی محمد مطیع اللہ صاحب۔

جواب: دعا بعد از نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر ہیئتِ اجتماعیہ کے ساتھ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم و صحابہ و تابعین و سلف صالحین کے زمانہ میں ثابت نہیں۔ اس لیے اس کو ضروری قرار دینا اور اس کے تارک پر طعن و تشنیع کرنا بدعت سیئہ اور ناجائز ہے۔ نیز رسم قل خوانی مروجہ طریقہ پر ثابت نہیں ہے۔ اس کو دین کا جز قرار دینا بدعت ہے۔ جس کا ترک لازم ہے۔ واللہ اعلم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ دعاء بعد الجنازہ ہاتھ اٹھا کر مانگنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت احادیث وفقہ سے ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کا جواب مع ادلہ قطعیہ دیجیے۔

جواب: نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا چونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں۔ اس لیے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامد متوفی ۴۵۴ھ اور شیخ الاسلام علّامہ سعدی متوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں۔

لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (قنیہ ص ۵۶ ج۱) وفی الفتاوی السراجیہ اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعیاله (فتاوی سراجیہ مع قاضی خان ص ۱۴۱ ج ۱) لا یدعو بعد التسلیم والبحر الرائق ص ۱۸۳ ج۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ ولا یدعو للمیّت بعد الجنازۃ لانه یشبه الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانه دعاء مرۃ

لان اکثرھا دعاء (بزازیہ مع ہندیہ ص ۸۰ ج ۱) کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵ ج ۱ کتاب المدخل ص ۲۲ ج ۳) فتاویٰ برجندی ص ۱۸۰ ج ۱ فتاویٰ برہنہ ص ۳۶ مجموعہ خانی ص ۳۴۹ مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ ص ۵۷ ج ۶ نفع المفتی ص ۱۴۳ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعاء کرنا بھی سنت سے ثابت نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ حال میں ایک اشتہار نظر سے گزرا ہے۔ جس کا عنوان تھا کہ نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دعاء مانگنا سنت ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط اگر صحیح ہے تو واضح کر دیں کہ سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ اور غلط ہے تو کیا دلیل ہے۔ آنحضور ﷺ نے کسی جنازہ کے بعد دعاء مانگی ہے۔ یا کہ دعاء مانگنے کا حکم فرمایا ہو۔ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کوئی ایسی چیز منقول ہو۔

جواب: پیارے نبی ﷺ صحابہ کرامؓ تابعین عظام و تبع تابعین نے نماز جنازہ کے بعد مستقل دعاء (جو کہ آج کل معروف ہے) نہیں مانگی۔

۱۔ خیر القرون میں معمول نہیں تھا۔ نہ صفوف کے توڑنے سے قبل اور نہ بعد اس کے اس لیے اس کو مسنون قرار دینا اور نہ مانگنے والے کو مطعون و ملامت کرنا بدعت ہے۔ اور احتراز لازم ہے۔

دلائل عدمِ جواز دعاء بعد الجنازہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ بعد صلوٰۃ جنازہ کے دعاء جائز ہے یا اور کوئی ثبوت قرآن و احادیث نبوی سے بھی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب: دلائل عدم جواز دعاء بعد الجنازہ بحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۲ و قید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصہ فتاویٰ بزازیہ جو عالمگیری جلد چہارم کے حاشیہ پر ہے الباب الخامس والعشرون فی الجنائز ص ۹۰ کے حاشیہ میں تحریر ہے ولا یقول بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعاء مرۃ لان اکثرھا دعاء فتاویٰ سراجیہ۔ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ کے اخیر میں درج ہے واذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء اور مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ لا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ خلاصۃ الفتاوی میں ہے لا یقوم بعد صلوٰۃ الجنازۃ

بالدعاء فتح القدیر میں ہے۔ ثم المسبوق یقضی مافاته میں التکبیرات بعد سلام الامام نسقاً بغیر دعاء لانه لو قضا هابه ترفع الجنازة فتبطل الصلوٰة لانها لا تجوز الا بحضورها (وهذا المضمون یوجد فی النعایة علی هامش فتح القدیر والشامی وغیرهما۔(العالمگیری وقاضی خان) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حدثنا الا حوص عن مغیرة عن ابراهیم قال اذا فاتتک تکبیرة او تکبیرتان علی الجنازة فبادر فکبر ما فاتک ان ترفع (ص۱۱۷ج۴) برجندی شرح مختصر الوقایہ میں ہے عن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروه ان دلائل کے علاوہ یہ بھی واضح ہو کہ جس چیز کا ثبوت نبی کریم ﷺ صحابہ و تابعین و سلف صالحین سے ہر گز نہ ہو اس پر التزام کرنا اور اس کو موجب ثواب کہنا اور تارکین پر انکار کرنا اور ان سے اختلاف و نزاع پیدا کرنا بدعت سیئہ ہے۔ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔(الحدیث مشکوٰة) اور اس ہئیت کے ساتھ کہیں دعا منقول نہیں ہے اس لیے اس کا ترک لازم ہے۔ حضرت علّامہ مفتی کفایۃ اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک فتویٰ پیش کرتا ہوں۔ جب نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء کی ہئیت کذائیہ منقول اور خیر القرون میں معمول نہیں ہے مانعین دعائے اجتماعی کے دلائل اوفق بما کان علیہ السلف الصالحون اور قوی ہیں۔ لہٰذا اس دعائے اجتماعی مروج کا ترک لازم ہے۔ محمد کفایۃ اللہ کان اللہ لہ اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے پیچھے دار العلوم دیوبند کی مہر ہے اور مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی تصدیق ہے۔ الجواب صحیح۔

نماز جنازہ دراصل میّت کے لیے دعاء ہے اس لیے بعد نماز جنازہ کوئی اور دعاء مشروع نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ کہ دعاء بعد جنازہ ہاتھ اٹھا کر مانگنا جائز ہے یا نہ۔ کہیں قول و فعل حضور اکرم ﷺ و فعل صحابہ و امام اعظم کا ملتا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: دعا بعد از جنازہ قبل از دفن مکروہ ہے۔ سلف صالحین کے زمانہ میں یہ دعاء بالکل نہیں تھی۔ نیز احادیث اور اقوال فقہاء کرام میں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ بعد از دفن دعاء کا ثبوت ہے۔ جس کو علّامہ شامی نے جلد اوّل ص ۶۶۱ پر نقل کیا ہے۔

کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیّت وقف علی قبره وقال استغفروا لاخیکم واسئلو الله له بالتثبیت فانه الان یسئل۔ اس میں صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ دعاء بعد از دفن ہے۔ جیسا

کہ فانہ الان یسال کے الفاظ اس پر دال ہیں، شامی نے اس صفحہ پر لکھا ہے کہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد تکبیرات کو نسقاً ادا کرے کیونکہ سلام کے بعد میّت فوراً اٹھالی جاتی ہے۔ بحر الرائق جلد ثانی ص ۱۵۸ میں ہے۔ وقیل بقوله بعد الثالثة لا نه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة۔ نیز سراجیہ میں ہے ولا یقوم بالدعاء علی الجنازة بعد السلام۔ ان تمام فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاء ایک شنیع بدعت ہے۔ خاص کر اس کو التزام کے ساتھ تو اور بھی برا ہے اور جہاں دعاء کا ثبوت ملتا ہے اس سے مراد قبل از دفن نہیں ہے۔ ورنہ فقہاء اس کے خلاف قدم نہ اٹھاتے بلکہ بعد از دفن مراد ہے اور اسی پر عبد اللہ بن سلام کے قول کو محمول کرنا پڑے گا۔ انہوں نے جو فرمایا ہے ان سبقتمو نی بالصلوٰة علیه فلا تسبقونی بالدعاء اور جس دعاء کا احادیث اور اقوال صحابہؓ میں قطعاً ثبوت نہ ہو اس پر کیسے ان الفاظ کو محمول کیا جائے نیز یہ حدیث جو بدعتی حضرات پیش کرتے ہیں کہ اذا صلیتم علی الجنازة فاخلصو الدعاء له اس سے قبل از دفن دعاء ہرگز مراد نہیں ہے، کیونکہ اس پر ابن ماجہ نے باب باندھا ہے کہ اس سے مراد دعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ ہے۔ یعنی اثناء تکبیرات میں جو دعاء پڑھی جاتی ہے۔ وہی اس حدیث سے مراد ہے۔ بدعتی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں فاخلصوا الدعاء له ہے یہ فاء تعقیب کے لیے ہے لہٰذا مطلب یہ ہو گا کہ نماز ہو چکنے کے بعد عامانگنا اس سے ثابت ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فاء ایسی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبرواواذا رکع فارکعوا یا اذا کانت الشمس طالعة فالنہار موجود ہے۔ فما هوا جوا بکم فهو جوابنا۔ واللہ اعلم

عدم دعاء بعد الجنازہ کے تفصیلی دلائل:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دعاء بعد الجنازہ کا انکار کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں عمرو کہتا ہے کہ دعاء بعد الجنازہ مانگنی چاہیے حتیٰ کہ یہاں تک کہتا ہے کہ جو شخص دعاء بعد الجنازہ نہ پڑھے وہ مرتد اور کافر ہے لیکن آپ اس مسئلہ متنازع فیہ کو از روئے شرع شریف بالتفصیل اور بدلائل واضح فرمائیں۔

جواب: نماز جنازہ کے بعد جو مروجہ دعاء مانگی جاتی ہے یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہو کر قبل از دفن ہاتھ اٹھا کر ہیئۃ اجتماعیہ کے ساتھ اس کا ثبوت نہ حضور ﷺ سے ہے۔ جو کہ امۃ پر انتہائی شفقت کرنے والے تھے اور نہ خلفائے راشدین سے اور نہ ان کے بعد صحابہ اور تابعین سے اگر اس کا ثبوت ہوتا تو وہ اس کے کرنے میں ہم سے سبقت کرتے تو خیر القرون میں عدم ثبوت

صاف دلیل ہے اس بات کی کہ یہ بدعت اور ضلالۃ ہے جس کا ترک لازم ہے۔ اگر بالفرض یہ دعا مباح بھی ہو جائے پھر بھی اس کا ترک لازم وواجب ہے۔ اس وقت جب کہ نہ مانگنے والوں کو ملامت کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس دعاء کو مدار ایمان ٹھہرا کر نہ مانگنے والوں کو بعض جگہ کافر و مرتد کہا جاتا ہے۔ لحدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ یری ان حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ قال القاری فی المرقات ص ۳۱ ج ۲ فی شرح ھذا الحدیث مین اصر علی امر مندوب وجعل عزما ولم یعمل بالرخصۃ اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر انتھی۔ نیز فقہاء کے مسلم اصل کے تحت کہ ہر امر مباح یا مندوب جس کو عوم سنت یا واجب کا درجہ دے دیں۔ وہ مکروہ بن جاتا ہے۔ اور اس کا ترک ضروری ہے۔ جیسا کہ صاحب درالمختار نے سجدہ شکر کی بحث میں لکھا ہے لان الجھلۃ یعتقدونھا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ الخ ص ۷۷۵ ج ۱۔ تو جب کہ یہ دعاء بدعتہ ہے۔ تو اس پر مصرین سراسر اضلال کو حاصل کرنے والے ہیں اور فعل اس کا قریب الحرام بلکہ حرام ہونا چاہیے۔ نیز فقہاء کرام کی عبارتیں صراحۃً ودلالۃً اس دعاء کی نفی کرتی ہیں۔ چنانچہ بعض فقہاء نے محیط سے نقل کیا ہے۔ لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ اور کبیری سے منقول ہے فی السراجیۃ اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء اور علّامہ ملا علی قاری مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ کی کتاب الجنائز باب المشی بالجنازہ والصلوٰۃ علیہا میں تحت حدیث مالک بن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں لا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی الصلوٰۃ ص ۱۷۰ ج ۴ یعنی صلوٰۃ الجنازۃ جو حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اس میں نماز جنازہ کے علاوہ دعاء وغیرہ ثابت نہیں۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ تو دعاء وغیرہ کرنا سنت پر زیادتی ہو جاوے گی۔ جو کہ بدعۃ کی صورت میں ظاہر ہو گی۔ لہٰذا دعاء نہ مانگی جاوے۔ بلکہ دعاء تو نماز جنازہ ہی ہے۔ چنانچہ علّامہ شامی وغیرہ ردالمختار ص ۶۴۲ ج ۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقد صرحوا عن اخرھم بان صلوٰۃ الجنازۃ ھی الدعا للمیّت اذھو المقصود منھا انتھی۔ اور بزازیہ علی ھامش عالمگیریہ ص ۹۰ ج ۴ میں ہے۔

لا یقوم بالدعاء للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعاء مرۃ لان اکثرھا دعاء الخ۔ اور دلالۃً جملہ کتب فقہ میں اس دعاء کی نفی ہے۔ درمختار علی ھامش ردالمختار ص ۶۴۷ ج ۱ میں ہے والمسبوق لا

یبدا بما فاتہ وقال ابو یوسف یکبر حین یحضر (کما لا ینتظر الحاضر) فی (حال التحریمۃ بل یکبر اتفاقاً للتحریمۃ لانہ کالمدرک ثم یکبر ان مافاتھما بعد الفراغ نسقا بلا دعاء ان خشیا رفع المیّت علی الاعناق الخ شامی (قولہ علی الاعناق) مفھومہ ان لورفعت بالایدی ولم تواضع علی الاعناق انہ لا یقطع التکبیر الخ وفی فتح القدیر ص ۴۶۲ ج۱ ثم المسبوق یقضیٰ مافاتہ من التکبیرات بعد سلام الامام نسقاً بغیر دعاء لانہ لو قضی بہ ترفع الجنازۃ طتبطل لانھا لا یجوز الا بحضورھاالخ وفی البحر (مطبعہ ایچ ایم سعید کراچی ص ۱۸۵ ج۲) ثم عندھما یقضی ما فاتہ بغیر دعاء لا نہ لو قضی الدعاء رفع المیّت فیفوت لہ التکبیر الخ۔ یہ عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ معتبرات فقہ حنفیہ کی اور جملہ کتب فقہ میں مسبوق کے بارے میں اس قسم کی عبارات ہیں ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص تکبیر ثالث کے بعد نماز جنازہ میں شریک ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد فقط تین تکبیر فرض متصلاً قضاء کرے ان کے درمیان دعاء نہ پڑھے۔ اس لیے کہ اگر وہ دعائیں درمیان میں قضا کرے گا تو جنازہ لوگ اٹھالیں گے اور اس کی نماز جنازہ کے اٹھانے سے ٹوٹ جائے گی۔ یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز پورا کرنے کے بعد جنازہ فوراً اٹھایا جاتا ہے۔ توفقط فرض پڑھے تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ فرض بھی نہ پوری ہو سکے اور جنازہ کے اٹھانے سے نماز بالکل باطل ہو جاوے۔ یہ کوئی بھی نہیں لکھتا کہ نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد امام اور قوم سنت دعاء مانگیں گے۔ جنازہ تو پڑا رہے گا۔ لہٰذا مسبوق تسلی سے فرض تکبیر اور درمیان میں دعائیں ادا کرے۔

اگر دعاء مروجہ کا ثبوت ہو تا تو جمیع فقہاء کرام لکھتے اس لیے کہ انہوں نے مباحات تک بیان کر دیئے ہیں تو ان کا نہ بیان کرنا بلکہ صراحۃً اور دلالۃً فقہاء کا نفی کرنا۔ بدعتہ سیئہ ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ دعاء مانگنا قبل از دفن کہیں بھی ثابت نہیں۔ البتہ بعد دفن کے اجتماعی دعاء ثابت ہے۔ وہاں بے شک مانگی جاوے کہ مانگنے پر ثواب ملے گا۔ مشکوٰۃ میں ہے۔ سلوا اللہ لہ التثبیت فانہ الان یسأل الحدیث جو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ایک میّت کے دفن کرنے کے بعد فرمایا، نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبداللہ البجا دین الحدیث وفیہ لما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعاً یدیہ صحیح ابی عوانہ اسی طرح ابو داؤد میں ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیّت

وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ لہ بالتثبیت فانہ الاٰن یسأل شیطان اس کو سمجھ گیا ہے کہ سنت پر چلنے میں اس امّت کی کامیابی ہے۔ لہٰذا سنت طریقہ سے اس کو ہٹایا جائے تو گمراہ ہو گی بوجہ اس حدیث کے کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وفی روایۃ کل ضلالۃ فی النار وہ معمولی فرق پر سنت سے ہٹا کر غیر سنت کا التزام کرا کر گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ لیکن ہم انسان ناسی ہیں۔ دشمن کے دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سنت پر اس امّت کو جمع کرے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

جن جنازوں کے بعد دعاء نہیں مانگی گئی ان میتوں کے دفن کو ہندوؤں سے تشبیہ دینا بہت بری بات ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں؟

ایک شخص نے نماز جنازہ پڑھائی اور بعد نماز جنازہ دعاء مانگی بعض لوگوں نے جب اس سے اس مسئلہ کے بابت پوچھا تو اس نے کہا۔ جن شخصوں کے جنازہ میں دعاء نہیں مانگی گئی۔ یُوں سمجھو کہ ایک ہندو یعنی کافر کو دفن کیا ہے۔ بعد ازاں قبر پر اذان کہلائی۔ کیا یہ شخص امامت اور خطابت کر سکتا ہے یا نہیں اور اس قسم کے الفاظ کہنے والا کس مسلک سے منسلک ہے۔

جواب: نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنا دفن سے پہلے چونکہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں اس لیے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامد فرماتے ہیں۔ ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (فوائد بھیہ ص ۱۵۲ ج ۱) شمس الائمہ حلوانی متوفی ۴۵۴ھ اور شیخ الاسلام علّامہ سعدی متوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (قنیہ ص ۵۶ ج ۱) وفی الفتاویٰ السراجیہ ص ۱۴۱ ج ۱) اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعیاً الہ۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ولا یدعو للمیّت بعد الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۰۔ ج ۴) کتب مذکورہ کے علاوہ خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲۵ ج ۱ کتاب المدخل ص ۲۲ ج ۳، فتاوی برجندی ص ۱۸۰ ج ۱، فتاوی برہنہ ص ۳۶ مجموعہ خانی ص ۳۴۹، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ص ۵۷ ج ۶، نفع المفتی ص ۱۲۳ وغیرہ میں اس کی ممانعت اور کراہت منقول ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوی ص ۱۱۷) صورت مسئولہ میں اس شخص کا قول غلط اور نہایت قبیح ہے اور مسلمانوں کے مردوں کو ہندوؤں سے تشبیہ دینا انتہائی جہالت ہے۔ اس کو توبہ تائب ہو جانا چاہیے۔ اذان علی القبر کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔ قال فی

الشامیة وفی الاقتصار علی ماذکرہ من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیّت فی قبرہ کما هوا لمعتاد الان وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانه بدعة (شامی ص ۶۲۰ ج ۱) من البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر (در البحار) پس اگر یہ شخص اس قسم کی بدعت کرتا ہے اور مسائل دین سے جاہل ہے تو اس کو امامت سے ہٹانا چاہیے۔ اگر وہ توبہ تائب ہو جائے تو اس کی امامت درست ہے۔ فقط واللہ اعلم

دعا بعد الجنازہ قرون مشہود لہا بالخیر میں رائج نہ تھی

سوال: ۱۔ بعد نماز جنازہ کے ہاتھ اٹھا کر دعاء مروجہ اجتماعیہ مانگنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

۲۔ دعا بعد جنازہ اور اسقاط مروجہ کو بدعت سیئہ کہنا جائز ہے یا نہ؟

۳۔ رسمی ختم آگے طعام رکھ کر پڑھنا جائز ہے؟

۴۔ ہم المفلحون کے آگے ختم پڑھنا جیسے ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ الخ ماکان محمد وغیرہ پڑھنا۔

۵۔ مندرجہ ذیل الفاظ اسقاط مروجہ بعد صلوٰۃ جنازہ کے میّت کی چارپائی کے دائیں جانب بیٹھ کر مولوی صاحب وارث میّت کو قرآن پکڑا کر کہلوایا جاوے جائز ہے یا نہ؟

موجب فدیہ نمازاں دے اور روزہ کے حق خدا پاک کے اوپر گردن اس میّت کے تھے، بعض ادا ہوئے اور بعض ادا نہ ہوئے وغیرہ وغیرہ

جواب: ۱۔ نماز جنازہ خود دعاء ہے۔ اسلام نے میّت کے لیے جو دعاء کا یہ طریقہ تجویز کیا ہے۔ اس کے بعد دعاء مانگنا ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ کہیں ثابت نہیں ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے اس کو منع فرمایا ہے۔ جملہ کتب فقہ میں تقریباً اس کا منع موجود ہے۔ البتہ بعد دفن کرنے پر اجتماعی دعاء ثابت ہے۔ وہاں بیشک مانگ لیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے ایک میّت دفن کرنے کے بعد فرمایا۔ سلوا اللّٰہ له بالتثبیت فانه الان یسئل الحدیث مشکوۃ۔

۲۔ یہ بدعت حسنہ نہیں ہے۔ بدعت حسنہ وہ ہوتی ہے کہ جس کا منشاء زمانہ نبوت میں موجود ہو۔ وہاں بوجہ عدم ضرورت نہ کیا گیا۔ اور اب اس کی ضرورت پیدا ہو گئی ہے۔ جیسے تدوین کتب حدیث وغیرہ لیکن دعاء واسقاط وغیرہ کی ضرورت وہاں بھی ایسی تھی جیسے اب ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ اور

صحابہ کے حالات میں ایسا عمل ثابت نہیں۔ اور اس کو من الدین اور ثواب سمجھنا ضرور بدعت سیئہ ہو گا۔ جس سے بچنالازم ہے۔

۳۔ یہ بھی بدعت ہے اس لیے کہ ثابت نہیں۔

۴۔ یہ طریقہ بھی ثابت نہیں اس لیے بدعت ہے۔

۵۔ یہ طریقہ بھی خیر القرون میں معمول اور سلف الصالحین سے ثابت و منقول نہیں۔ اس لیے بدعت ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنے کو ضروری سمجھنے اور نہ مانگنے والوں پر طعن کرنے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

سوال: کیافرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد میّت دفنانے سے پہلے امام اور مقتدیوں کو مل کر ہاتھ اٹھا کر میّت کے لیے دعاء مانگنا شریعت میں ثابت ہے۔ یا نہیں اور جو امام جنازہ کی نماز کے بعد میّت اٹھانے سے پہلے اجتماعی دعاء نہ مانگتا ہو صرف اس وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کیسا ہے؟ مدلل جواب دیں۔

جواب: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ دعاء ہے۔ واسطے میّت کے لہٰذا اور کوئی دعاء بعد نماز جنازہ کے دفن سے پہلے شروع نہیں۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے یہ دعاء ثابت نہیں۔ شامی میں ہے۔ فقد صرحوا عن اخرھم.. بان صلوٰۃ الجنازۃ ھی الدعاء للمیّت الخ ص ۶۴۲ ج ۱۔ وفی خلاصۃ الفتاوی لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ۔ وفی البزازیہ لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ۔ وفی شرح المشکوٰۃ ولا یدعو للمیّت بعد صلوۃ الجنازۃ لا نہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

پس معلوم ہوا کہ میّت کے جنازہ کے بعد اور کچھ دعاء نہ کرے۔ کہ صلوٰۃ جنازۃ خود دعاء للمیّت ہے۔ لہٰذا اس مروجہ دعاء کو ترک کرنا چاہیے اور امامت اس کی درست ہے۔ البتہ اگر وہ دعاء کو لازم اور ضروری سمجھتا ہے اور اس کو کبھی بھی ترک نہیں کرتا اور دعاء نہ مانگنے والوں پر طعن کرتا ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے بعد بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر دعاء کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ آج کل بعض لوگ نماز جنازہ کے بعد متصلاً بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر میّت کے لیے دعاء و استغفار کرتے ہیں۔ یہ دعاء حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قولاً فعلاً یا تقریراً ثابت ہے یا نہیں اگر ثابت ہے تو یہ دعاء فرض ہے یا واجب یا سنت ہے۔ یا مستحب۔ بینوا توجروا۔

جواب: نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعاء مانگنا چونکہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں۔ اس لیے فقہاء اسے ناجائز اور مکروہ کہتے ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ ولا یدعو للمیّت بعد الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ (مرقاہ شرح مشکوٰۃ) تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامد فرماتے ہیں۔ ان الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (فوائد بھیہ ص ۱۵۲ ج ا کتب مذکور کے علاوہ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵ ج ا کتاب المدخل ص ۲۲ ج ۳ فتاوی برجندی ص ۱۸۰ مجموعہ خانی س ۳۴۹ مظاہر حق شرح مشکوۃ ص ۵۷ ج ۶ وغیرہ میں بھی اس کی ممانعت و کراہت منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دعا بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت:

سوال ما تقولون فی الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ متصلاً بالسلام مع الامام والقوم یقرؤن الفاتحۃ مرہ و سورۃ الاخلاص ثلاثاً و یعد ہٰذہ العمل من المستحبات حتی اذا ترک ہذا الدعاء فیعاتب التارک عتابا شدیدا۔ الا ان زیدا یقول ان ہذا الدعاء بہٰذہ الکیفیۃ بدعۃ قبیحۃ لا اصل لہا فی القرون الاولیٰ واما عمرو فیقول لا قباحۃ فی ہذہ الدعا لان نفس الدعاء ثابت بالکتاب والسنۃ۔ فبینوا وتو جروا۔

جواب: زید کا قول درست ہے۔ خیر القرون میں اس دعاء کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فقہاء حنفیہ اس دعاء کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

دعاء بعد الجنازہ کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں (۱) دعاء بعد از جنازہ شرعاً ثابت ہے یا نہیں۔ آیا خلفاء راشدینؓ

کے عہد مبارک میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ یا نہیں (۲) کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنا درست ہے یا نہیں (۳) گیارہویں شریف حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں کے لوگ ہر ماہ کی گیارہویں رات کو سالم دودھ شیخ صاحب کی نیاز کر کے بانٹ لینا۔ جزو ایمان سمجھتے ہیں اور دودھ نہ بانٹنے والوں کو لعن طعن کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے۔(۴) اذان بعد دفن میّت کے گورستان میں قبر پر کھڑے ہو کر اذان دینا یہاں کے عوام وخواص مسنون سمجھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے۔

جواب: دعاء بعد نماز جنازہ نہ حضور ﷺ سے منقول ہے اور نہ خیر القرون میں معمول۔ اس لیے بدعت سیئہ ہے۔ جس کا ترک کرنا لازم ہے۔ فقہاء نے بھی اسے ممنوع لکھا ہے (۲) بدعت ہے۔ ترک کر دینا لازم ہے۔ یہ طریقہ جائز نہیں اگر نذر ہے تب بھی جائز نہیں اور اگر بلا نذر حضرت پیران پیر صاحب کو متصرف فی الامور سمجھتا ہے اور نفع وضرر کا مالک سمجھتا ہے تب بھی جائز نہیں اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو تعین دن کے ساتھ بدعت ہے۔ بلا تعین جائز ہے (۴) اذان بعد دفن بدعت سیئہ ہے۔ ترک کرنا لازم ہے۔ شامی ج ا صفحہ ۶۶۱ پر اس کو بدعت لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کے مسائل اور اُن کا حل حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیاونی شہیدؒ آپ کے مسائل اور ان کا حل کے (ص ۳۹۳ ج ۴) میں ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال: .... نمازِ جنازہ پڑھنے کے فوراً بعد دعاء مانگنی جائز ہے؟

جواب: ..... جنازہ خود دعاء ہے، اس کے بعد دُعا کرنا سنت سے ثابت نہیں، اس لیے اس کو سنت سمجھنا یا سنت کی طرح اس کا التزام کرنا صحیح نہیں[1]۔

اسی طرح اختلاف امت اور صراط مستقیم کے (صفحہ نمبر ۱۱۵) پر تحریر فرماتے ہیں:

---

۱ (عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ ﷺ: من أحدث فی أمرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو رد۔ (صحیح البخاری ج۱، ص ۳۷۱، کتاب الصلح) وفی المرقاۃ: من أحدث أی جدد وابدتع وأظھر واخترع فی أمرنا ھٰذا أی فی دین الاسلام ...... فھوا ردأی مردود علیہ ..... (قال القاضی: المعنیٰ من أحدث فی الاِسلام رایًا لم یکن لہ من الکتابُ و السنّۃ سند ظاہر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط فھو مردود علیہ، قیل: فی وصف الأمر بھٰذا اِشارۃ اِلیٰ امر الِسلام کمل وانتھی، وشاع وظھر ظھور المحسوس بحیث لَا یخفی علیٰ کل ذی بصر وبصیرۃ، فمن حاول الزیادۃ فقد حاول أمرًا غیرا مرضی، ، لأنہ من قصور فھمہ رآہ ناقص ا۔ (مرقات المفاتیح، کتاب الاِیمان، باب الاِعتصام بالکتاب والسُّنَّۃ، الفصل الاوّل ج:۱، ص: ۱۷۷، ۱۷۸)۔ ولیس فی ظاہر المذھب بعد التکبیرۃ الرابعۃ دعاء سوی السلام .....الخ۔ (البدائع الصنائع ج:۱، ص:۳۱۳، طبع ایچ ایم سعید)

یا مثلاً شریعت نے نماز جنازہ کا ایک خاص طریقہ تجویز فرمایا ہے مگر نماز جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ و تابعین اس موقعہ پر اجتماعی دعاء کیا کرتے تھے۔ اس لیے جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء کرنا، اور اس کو ایک سنت بنالینا بدعت ہو گا۔ جنازے کے بعد دعاء کرنی ہو تو نماز جنازہ کے بعد فوراً کسی تاخیر کے بغیر جنازہ اٹھاتے اور لے جاتے ہوئے ہر شخص اپنے طور پر دعاء کرے۔

فتاویٰ بیّنات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علّامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان:

فتاوٰی بینات میں حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ ایک سوال کے جواب میں (ص ۴۲۴ج ۲) پر لکھتے ہیں:

دعا بعد جنازہ کی شرعی حیثیت:

نماز جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر قبل از دفن دعاء کرنا، واجب، سنت یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی (درسی و فتاویٰ) میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعار اہل سنت اور سنت نبویؐ قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامت شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص اس کو سنت نبوی یا شعار اہل سنت تصوّر کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں کہ اگر ایک شخص اس کو فرض، واجب، سنت اور مستحب تو نہیں کہتا بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارہ میں نرمی کرتا ہے تو اس کا موقف از روئے شرع کیسا ہے؟ (سائل چوہدری منیر حسین فاروقی، عثمان آباد)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ: جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض لوگ دعاء کو نماز جنازہ کا جزء اور اہل سنت کا شعار تصوّر کرتے ہیں۔ مگر ذخیرۂ احادیث نبویہ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسی جنازہ کے بعد دعا کی ہو اور نہ صحابہؓ، تابعین اور ائمہ ہدیٰ کے دُور میں اس کا کہیں ثبوت ملتا ہے۔ تمام فقہاء اور محدثین نے بشمول مؤلفین صحاح ستہ فرائض سے لے کر مستحبات تک کے عنوان باندھ کر دین کے ہر ہر مسئلہ کی حیثیت اجاگر فرمادی ہے۔ مگر نماز جنازہ کے بعد دعاء کے جواز سے متعلق عنوان کے بجائے اس کی کراہت اور عدم جواز پر فقہاء کرام کی عبارتیں کثرت سے موجود ہیں۔ البتہ دفن

کرنے کے بعد دعاء کرنا نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہے۔

اصول یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کا داعیہ نبی ﷺ اور خیر القرون کے زمانہ میں موجود تھا مگر انہوں نے اس کو جاری نہیں کیا۔ تو بعد میں اس کا اجراء بدعت کہلائے گا۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ، صحابہؓ فقہاء اور محدثین کا نماز جنازہ پر دعاء نہ مانگنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دعاء بعد الجنازہ بدعت ہے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات جاری کی جو اس میں سے نہیں وہ مردود ہے[1]۔''

لہٰذا دعاء بعد الجنازہ کا اضافہ از روئے حدیث مردود ہی ہوگا۔

اس کے علاوہ جنازہ پر ''نماز'' کا اطلاق بھی مشاکلۃ ہے ورنہ نماز جنازہ بذات خود ایک دعاء ہی ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان فقہاء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں جو جنازہ کو بجائے نماز کے ایک دعاء کہتے ہیں۔

ابو حنیفۃ ثانی علّامہ زین الدین بن نجیم حنفیؒ لکھتے ہیں کہ نماز جنازہ اصل میں دعاء ہے جو مشاکلۃ نماز کہلاتی ہے۔ چنانچہ ''البحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں لکھتے ہیں:

ان صلوٰۃ الجنازۃ لیست بصلوٰۃ بل ھی دعاء .... الخ[2]

''بے شک نماز جنازہ حقیقتاً نماز نہیں، بلکہ دعاء ہے۔''

اس کے علاوہ ملک العلماء علّامہ کاسانی ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں:

''وھذا الان صلوٰۃ الجنازۃ دعاء للمیّت ....'' الخ[3]

''یہ اس لیے کہ نماز جنازہ درحقیقت میّت کے لیے دعاء کرنے کا نام ہے۔''

علّامہ کاسانی اس سے آگے ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لانھا لیست بصلوٰۃ علی الحقیقۃ انما ھی دعاء و استغفار للمیّت الاتریٰ انہ لیس فیھا

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح – باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ — ۲۷/۱ ط : قدیمی – ما نصہ: عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد''۔ متفق علیہ

۲ البحر الرائق میں مذکورہ عبارت سے ملتی جلتی عبارت ملی ہے: ملاحظہ فرمائیں۔ وھوا انھا الدعاء لا الصلوٰۃ المخصوصۃ (البحر الرائق – کتاب الجنائز – فصل السلطان احق بصلاتہ – ۳۱۵/۲ – طبع جدید، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۳ بدائع الصنائع للکاسانی – کتاب الصلوٰۃ، فصل وأما بیان کیفیۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ – ۵۱/۲ – ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت

الارکان التی تترکب منھا الصلوٰۃ من الرکوع والسجود إلا انھا تسمیٰ صلوٰۃ لما فیھا من الدعاء واشتراط الطھارۃ واستقبال القبلۃ فیھا لا یدل علی کونھا صلوٰۃ حقیقۃً کسجدۃ التلاوۃ[۱]۔

''یہ اس لیے کہ جنازہ حقیقتاً نماز نہیں بلکہ میّت کے لیے دعاء اور استغفار ہے جیسا کہ اس میں وہ ارکان بھی نہیں جن سے نماز مرکب ہے۔ جیسے رکوع، سجود وغیرہ، باقی اسے نماز اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دعاء ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ استقبال قبلہ اور طہارۃ کے شرط ہونے سے اس کو بھی سجدہ تلاوۃ کی طرح حقیقی نماز کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔''

اس سے آگے ''جواز جنازۃ علی الدابۃ'' کے تحت لکھتے ہیں:

ولو صلیٰ راکباً او قاعداً من غیر عذر لم تجزھم استحساناً والقیاس ان تجزأھم کسجدۃ التلاوۃ ولان المقصود منھا دعاء للمیّت وھو لا یختلف[۲]۔

اگر کسی نے بلا عذر بیٹھے ہوئے یا سواری پر نماز جنازہ پڑھی لی تو استحساناً نماز نہیں ہونی چاہیے (کیونکہ نماز میں قیام فرض ہے جو بلا عذر نہیں چھوڑنا چاہیے) مگر سجدہ تلاوۃ پر قیاس کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جیسے وہ ادا ہو جاتا ہے ایسے ہی یہ بھی ہو جائے گا، اس لیے کہ مقصد ہے دعاء کرنا جو قیام و قعود اور سوار ہونے سے تبدیل نہیں ہوتا۔

گویا علّامہ کاسانیؒ نماز جنازہ کو سجدۂ تلاوت پر قیاس کر کے فرماتے ہیں کہ جس طرح سجدۂ تلاوت نماز نہیں وہ بیٹھ کر یا سواری پر ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح نماز جنازہ بھی چونکہ محض دعاء ہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر ''جنازہ'' نماز ہی نہیں تو اس پر تمام احادیث اور تمام کتب فقہ میں لفظ ''صلوٰۃ'' کا اطلاق کیونکر کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنیٰ دعاء کے ہے۔ چنانچہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ (وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ) ''سورۃ التوبۃ: ۱۰۳'' میں صلوٰۃ سے مراد دعاء ہے علّامہ ابن نجیم بھی اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

والصلوٰۃ فی الایۃ بمنزلۃ الدعاء[۳]

''اس آیت میں صلوٰۃ بمعنی دعاء کے ہے۔''

---

۱ بدائع الصنائع۔ کتب الصلوٰۃ، صلوٰۃ الجنازۃ، فصل، واما بیان کیفیۃ الصلاۃ علی الجنازۃ ۲/۵۲، ۵۳—ط دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ بدائع الصنائع۔ کتب الصلوٰۃ، صلوٰۃ الجنازۃ، فصل، واما بیان ما تضح بہ وما تفسد وما یکرہ ۲/۵۴-۵۵—ط دار احیاء التراث العربی بیروت

۳ البحر الرائق لابن نجیم —باب الجنائز —فصل السلطان احق بصلاتہ ۲/۲۲۰—ط: مکتبہ رشیدیہ

فقہاء کی ان تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ اپنی اصل کے اعتبار سے محض ایک دعاء ہے۔ جو اس ہیئت مخصوصہ سے میت کے لئے کی جاتی ہے۔ اب دعاء کے بعد دعاء کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ شارع کے مقرر کردہ طریقہ کو ہم نے کافی نہیں سمجھا۔

ان معروضات سے واضح ہوا ہو گا کہ اگر بالفرض دعاء بعد الجنازہ کی ممانعت پر کوئی اور صریح دلیل نہ بھی ہوتی تب بھی اس کے عدم جواز پر یہی ایک وزنی دلیل تھی (کہ جب جنازہ دعاء کا نام ہے تو دعاء بعد الدعاء کیوں کر جائز ہو گی؟) اگر اس کے باوجود فقہاء، محدثین اور ائمہ ہدیٰ کی طرف سے صاف اور صریح طور پر اس کی ممانعت بھی وارد ہو چکی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ "علّامہ شامی" اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

فقد صرحوا ان آخرهم بأن صلوٰة الجنازة هى الدعاء للميّت اذهوا المقصود منها (انتهىٰ)[1]

پس متأخرین سے تصریح ہے کہ نماز جنازہ در حقیقت میّت کے لیے دعاء ہے کیونکہ جنازہ کا مقصد بھی یہی ہے (اس کے علاوہ کسی اور دعاء کی ضرورت نہیں)۔ اس کے علاوہ "علّامہ ابن نجیم حنفی" لکھتے ہیں:

وقيد بقوله بعد الثالثة لانه لا يدعو بعد التسليم كما فى الخلاصة[2] ۔

"اور 'بعد الثالثۃ' (تیسری تکبیر کے بعد دعاء مانگنے) کی قید اس لیے لگائی کہ نماز جنازہ میں سلام کے بعد دعاء کرنا جائز نہیں۔"

اور علّامہ علی قاری مالک ابن ہبیرہؓ کی حدیث کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

ولا يدعو للميّت بعد صلوٰة الجنازة لا نه يشبه الزيادة فى صلوٰة الجنازة (۱)

نماز جنازہ کے بعد اس لیے دعاء نہیں کرنی چاہیے کہ یہ ایک گونہ جنازہ (مسنونہ) میں زیادتی ہے۔

اگر ان تمام حقائق سے صرف نظر کر کے صرف اور صرف فقہ حنفی کو مد نظر رکھا جائے تو مسئلہ اور بھی آسان دکھائی دیتا ہے۔ فقہ حنفی سے تو مزید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ میں دعاء کے بجائے ہیئت مسنونہ اپنانا ہی شرط ہے حتیٰ کہ

---

۱ ردالمختار على الدر مختار – كتاب الصلوٰة مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبى – ۲۱۰/۲ – ط: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۲ البحر الرائق لابن نجيم – كتاب الصلوٰة: باب الجنائز – فصل السلطان احق بصلاته – ۲۲۱/۲۔ مكتبه رشيدية كوئٹه

اگر جنازہ میں شریک ایک آدمی کو دعاء یاد نہیں تو اس کا محض تکبیرات کہنا بھی ثواب اور رحمت سے خالی نہیں۔

چنانچہ علّامہ ابن نجیم اس سلسلہ میں "الدعا بعد الثالثۃ" کے تحت لکھتے ہیں:

وھو لا یقتضی رکنیۃ الدعا کما توھمه فی فتح القدیر لان نفس التکبیرات رحمة للمیّت وان لم یدع له۔

"اور یہ رکنیت دعاء کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ فتح القدیر میں شبہ کیا گیا اس لیے کہ محض تکبیرات بھی میّت کے لیے رحمت ہیں چاہے دعاء نہ بھی کرے۔"

اس سے صاف اور واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب جنازہ کے اندر بھی دعاء پڑھنا کوئی رکن نہیں تو پھر دعاء بعد الجنازہ پر اس قدر شدت غلو محض ہے جو بدعت مذمومہ ہے کیونکہ جس ذات سے دعاء کی جارہی ہے اس کے ہاں ہماری دعاؤں سے زیادہ اتباع سنت کی قدر و اہمیّت ہے اس لیے کہ محبّت الٰہی کا معیار در حقیقت اطاعت نبوی ﷺ ہے۔ لہٰذا اعمال کی قبولیت اتباع سنت پر موقوف ہے اس لیے فرمایا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" (آل عمران:۳۱)

اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ حقیقت مسئلہ سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملے گی۔ کیونکہ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتب فقہ میں احناف کے نزدیک "دعاء بعد الجنازہ" کی کیا حیثیت ہے؟ مزید یہ کہ جو لوگ اسے اہل سنت کا شعار بتلاتے ہیں، ان کا یہ قول کس قدر صداقت پر مبنی ہے؟ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ جو شخص اس بدعت سے احتراز کرے اسے نہ صرف ملامت کی جاتی ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے وہ اہل سنت کے زمرے سے خارج کر دیا جاتا ہے اور بمصداق "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" مرتکب بدعت اپنی چابکدستی سے اتباع سنت کے بجائے اتباع ہویٰ کو صحیح موقف جتلانے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں **فیا اسفا**!!!

اس پر مستزاد اسے (دعاء بعد الجنازہ) سنت نبوی قرار دینے میں ڈھٹائی سے کام لینا آنحضرت ﷺ پر افتراء پردازی کی ایک گھناؤنی حرکت ہے، اور اس قسم کی جرأت کرنے والوں کو بمطابق حدیث "**من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار**" (جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے) اسے اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو شخص بھی ارتکاب بدعت (دعاء بعد الجنازہ) میں

مداہنت سے کام لیتا ہے وہ قابل ملامت اور عند اللہ مجرم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: سعید احمد جلال پوری

بینات۔ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ

دعا بعد جنازہ

چند اشکالات کا جواب:

سوال: امام محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔

''قال محمد بن الفضل لا باس به''

محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ اس دعاء میں کوئی حرج نہیں۔

جواب: اکثر فقہاء اس دعاء کو مکروہ کہتے ہیں لہٰذا اکثریت کا قول ایک محمد بن الفضل رحمہ اللہ کے قول پر راجح ہوگا۔ نیز لا باس به کے لفظ سے اس دعاء کی فرضیت، وجوب یا سنیت واستحباب ثابت نہیں ہوتا بلکہ غیر اولیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حلبی کبیر شرح منیہ میں ہے

ولفظ ''لا باس'' يفيد فى الغالب أن تركه أفضل[1]۔

یعنی جس کام پر عمل نہ کرنا بہتر ہو اس کی متعلق لا باس به کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے آخر اس کا مآل کراہت تنزیہی نکلتا ہے۔

اسی طرح شرح وقایہ کے مقدمہ میں ہے:

كلمة ''لا باس'' اكثر استعمالها فى المباح وما تركه أولى۔ (مقدمة شرح الوقاية، ص:١٥۔ ط؛ مكتبه امداديه ملتان

''یعنی لا باس به سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ اس کام پر اجر نہ ملے گا لیکن کرنے پر گناہ بھی نہ ہوگا۔''

جواب ۲: امام محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول انفرادی دعاء پر محمول ہے۔ ورنہ موجودہ دَور کے لوگوں کے اس اجتماعی عمل کے بارے میں ''لا باس به'' کبھی نہ فرماتے، انفرادی دعاء یعنی اکیلے اکیلے ہر شخص بلا التزام دعاء کرلے اس میں واقعی کوئی قباحت موجود نہیں۔

---

١ حلبی کبیر شرح منية المصلی ۔ص: ٢١٧۔ ط: سهيل اکیڈمی لاہور۔

سوال ۲: مجموعہ خانی میں ہے:

وبعد از تکبیر چہارم سلام گوید وباید ہر دو جانب بگوید ودعاء بخواند وفتویٰ بریں قول است۔

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام دونوں پھیرے اور دعاء پڑھے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جواب: مجموعہ خانی کے موجودہ مجموعہ نسخے میں دعاء بخواند غلط چھپ گیا ہے ورنہ کھڈ کے کتب خانہ کے دو قلمی نسخوں اور کافور کوٹ ضلع پشاور کے ایک کتب خانہ میں جو موجوہ نسخے میں "نخواند" کا لفظ موجود ہے سہو کاتب کوئی دلیل نہیں۔[1]

سوال ۳: مفتاح الصلوٰۃ ص، ۱۱۲ میں ہے:

چوں از نماز فارغ شوند مستحب ست کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرہ تا مفلحون طرف سر جنازہ وخاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول پائین بخواند کہ حدیث وارد ست در بعضے احادیث بعد از دفن واقع ست ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز ست۔[2]

جواب ۱: مفتاح الصلوٰۃ کی مذکورہ عبارت بھی ایک آدمی کے دعاء پڑھنے پر محمول ہے اس میں دعاء بعد صلوٰۃ الجنازہ بہئیت اجتماعیہ کا ثبوت نہیں ہے۔

جواب ۲: حصن حصین، سنن المصطفیٰ، سنن الکبریٰ بیہقی، جمع الفوائد، شعب الایمان بیہقی، وشرح الصدور للسیوطی[3] ان تمام کتابوں میں تصریح موجود ہے کہ فاتحہ وبقرہ کا اوّل اور آخر دفن کے بعد پڑھا جائے دفن سے قبل پڑھنے کے متعلق قول حدیث میں وہم ہے۔

سوال ۴: حضرت عبد اللہ بن سلام حضرت عمرؓ کا جنازہ ہو چکنے کے بعد پہنچے تو فرمایا

ان سبقتمونی بالصلوٰۃ فلا تسبقونی بالدعا

---

[1] مجموعہ خانی — باب سی و دوم در بیان نماز جنازہ — ص: ۱۰۹ — ط: مطبع مصطفائی لاہور۔

[2] مفتاح الصلوٰۃ — ص: ۱۱۲

[3] الحصن الحصین — دفن سے فارغ ہونے کے بعد کی دعاء — ص: ۳۵۳

سنن المصطفی — باب ماجاء فی القراۃ علی الجنازۃ — ۴۵۵/۱۔

سنن الکبری — باب ما ورد فی قراءۃ القرآن عند القبر — ۵۶/۴ — ط: مکتبہ ابن کثیر۔

جمع الفوائد — باب تشیع الجنائز وحملها ودفنها — ۴۴۱/۱ — ط: مکتبہ ابن کثیر۔

شعب الایمان — باب فی الصلوۃ علی من مات من اهل القبة — فصل فی زیارۃ القبور — ۱۶/۷

شرح الصدور للسیوطی — باب ما یقال عند الدفن والتلقین — ۱۰۴ — دار الکتب العلمیة

"اگر نماز جنازہ تم مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو خدارا دعاء مانگنے میں مجھ سے پہل نہ کرو۔"

(یعنی مجھے دعاء میں شریک ہونے دو) معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد متصل اجتماعی دعاء مانگنے کا عہد صحابہ میں بھی دستور تھا۔

جواب ا: یہ حدیث دفن کے بعد والی اجتماعی دعاء پر محمول ہے۔

جواب ۲: فتح المعین میں ہے:

عن عبداللہ بن سلام لما فاتته الصلوٰۃ علی عمر قال ان سبقت بالصلوٰۃ فلم اسبق بالدعاء

یعنی جب عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جناب خلیفہ دوم امام عمرؓ کے جنازہ کی نماز نہ ملی تو فرمایا اگر نماز میرے آنے سے قبل ہو چکی ہے تو دعاء کی بندش نہیں میں اکیلا دعاء کروں گا۔

(ترجمہ احمد رضا خان بریلوی) در رسالہ **النہی الحاجز عن تکرار الصلوٰۃ الجنائز**۔

معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نے اکیلے دعاء کی نہ بہیئتہ اجتماعیہ اکیلے دعاء مانگنا تو سب کے نزدیک درست ہے۔

سوال ۵: نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**اذا صلیتم علی الجنازۃ فاخلصوا له الدعا**"

یعنی جب تم جنازہ کی نماز پڑھ چکو تو اس کے بعد متصل بڑے خلوص سے دعاء مانگا کرو۔

جواب ا: اس دعاء سے مراد نماز جنازہ کے اندر والی دعاء ہے نہ کہ جنازہ کے بعد والی دعا۔

قرینہ: ابن ماجہ میں حدیث **باب الدعا فی صلوٰۃ الجنازۃ** کے تحت درج ہے اور اس باب کی پہلی حدیث یہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ چونکہ اس حدیث میں صرف یہ ذکر ہے کہ خلوص سے دعاء مانگو لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون سی دعاء ہے اس لیے اس کے بعد متصل دوسری حدیث جو ذکر کی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا صلی علی جنازۃ یقول اللهم اغفر لحینا و میتنا.....الخ

دوسری حدیث نے پہلی حدیث کی تشریح کر دی جس دعاء کو خلوص سے مانگنے کا حکم آیا ہے وہ نماز کے اندر والی

دعاء ہے۔ اگر یہ مطلب مراد نہ لیا جائے تو حدیث اوّل کی ترجمہ الباب سے مناسبت نہ رہے گی۔

جواب ۲: اس حدیث سے اگر نمازِ جنازہ کے بعد والی دعاء ثابت ہو سکتی تو شارحین حدیث جیسے ملا علی قاریؒ اس سے منع نہ فرماتے۔

سوال ۶: قرآن مجید میں دعاء مانگنے کا حکم موجود ہے اور میّت کے لیے دعاء مانگنے کا حکم حدیث پاک میں وارد ہے پس اسے مکروہ کہنا حکم شرع کی مخالفت ہے۔ یا کراہت کے لیے کہیں، قرآن و حدیث سے اس دعاء سے منع ثابت کیجیے۔

جواب الزامی: قرآن مجید میں دعاء مانگنے کا حکم واقعی موجود ہے اور نماز میں دعاء مانگنے کا حکم احادیث میں آیا ہے پس نماز کے قعدۂ اوّل کے بعد درود شریف پڑھنے اور دعاء مانگنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ جب کہ احادیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ اس طرح اذان کے آخر میں مؤذن صرف لا الہ الا اللہ کہتا ہے محمد رسول اللہ نہیں کہتا، کیا اس کی بھی ممانعت وارد ہے؟

جواب ۲: قرآن مجید میں دعاء مانگنے کا جن آیات و احادیث میں ذکر ہے وہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے سامنے تھیں۔ اگر اُن آیات و احادیث کا دعاء بعد صلوٰۃ سے تعلق ہوتا تو نبی کریم ﷺ کبھی تو بیان جواز کے لیے دعاء مانگ لیتے اور صحابہ کرامؓ بھی اس پر عمل کرتے۔ ان آیات و احادیث کے علم کے باوجود دعاء نہ مانگنا اس بات کی بَیّن دلیل ہے کہ یہ دعاء ان آیات و احادیث متعلقہ کے حکم سے خارج ہے ورنہ لازم آئے گا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مامور شرعی کے تارک ہوں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ واللازم باطل و کذا الملزوم

سوال ۷: فتح القدیر میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کی شہادت کی خبر سن کر فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لہ و قال استغفروا لہ[1] یعنی اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے دعاء فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس کے لیے مغفرت کی دعاء کریں۔

جواب ۱: یہ غائبانہ جنازہ کے جواز پر شافعیہ حضرات کی دلیل ہے۔ فتح القدیر میں اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حدیث مرسل ہے جو قابل حجت نہیں نیز از کا راوی واقدی کذاب ہے[2]۔

---

[1] فتح القدیر شرح الهدایة–۲/۸۱–ط: مکتبہ رشیدیة

[2] فتح القدیر شرح الهدایة–۲/۸۱–ط: مکتبہ رشیدیة

جواب ۲: اس روایت فصلی علیہ سے نمازِ جنازہ مراد نہیں (کبیری ص: ۴۲۹ و فتح القدیر ۴۵۶ پر ملاحظہ فرمائیں) ان کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے میدان جنگ کا نظارہ فرمایا اور حضرت زید اور جعفر کی شہادت کی خبر یکے بعد دیگرے دی اور اس حالت میں منبر پر تشریف فرماتے ہوئے ان کے لیے یکے بعد دیگرے دعاء فرمائی۔ اس روایت میں صلّٰی علیہ بمعنی دعاء لہ کے ہے اور بعد کا جملہ "دعا لہ" بذریعہ واؤ عطف تفسیری ہے جو کلام عرب میں شائع وذائع ہے۔ چنانچہ شیخ اجل شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ علیہ مدارج النبوت ص: ۲۶۴ میں فرماتے ہیں کہ

حضرت بروے دعاء خیر کرد یاراں فرمود کہ برائے وے طلب امرزش کنید

یعنی حضور پر نُور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے لیے دعاء خیر فرمائی اور اصحاب کو فرمایا کہ وہ بھی اس کے لیے دعائے مغفرت کریں۔

سوال ۸: ابراہیم ہجیری کہتے ہیں کہ ابن اوفی صحابی رسول اللہ ﷺ چوتھی تکبیر کے بعد کھڑے دعاء کرتے رہے اور فرمایا کہ جنازہ پر رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ رسولِ خدا ﷺ اور صحابہ کرام کا یہی دستور تھا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعاء مانگا کرتے تھے۔

جواب: بیہقی نے اس روایت کو اس باب کے تحت درج کیا ہے "باب ما روی فی الاستغفار والدعاء بین التکبیرۃ الرابعۃ والسلام" یعنی یہ باب اس دعاء واستغفار کے بارے میں ہے جو چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان کیے جاتے ہیں درحقیقت احناف وشوافع حضرات کا اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہے چوتھی تکبیر جنازہ کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعاء پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ شوافع حضرات اس کے قائل ہیں اور دلیل میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں اور احناف اس دعاء کے قائل نہیں، اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کا راوی ابراہیم ہجیری ہے جسے ابو حاتم وابن معین وغیرہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لہٰذا ضعیف روایت حجت نہیں۔

خلاصہ جواب:

اوّلاً: یہ روایت ضعف کی وجہ سے قابل استناد نہیں۔

ثانیاً: اس کا تعلق سلام سے قبل ہونے والی دعاء سے ہے سلام کے بعد والی دعاء سے اس روایت کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

غرض: نماز جنازہ کے بعد متصلاً دعاء مانگنے کا جواز ثابت کرنا ایک بدعت کے جواز کا اثبات ہے جو اہل علم و دانش کی شان سے کوسوں بعید ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سنت رسول ﷺ کی پیروی نصیب فرمائے او بدعت و ضلالت سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

بینات۔ شوال المکرّم ۱۴۰۶ھ

جنازہ کے بعد کی دعا:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

۱۔ جنازے کے بعد ہاتھ متصلاً اُٹھا کر دعاء کرنا مشروع ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ضروری سمجھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۲۔ اور میّت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء کرنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل العقلیہ والنقلیہ شافیاً وافیاً۔

الجواب باسمہ تعالیٰ:

صورت مسئولہ میں نماز جنازہ کے بعد متصلاً میّت کو دفنانے سے قبل میّت کے لیے ہاتھ اُٹھا کر دعاء کرنے کے متعلق کہیں ثبوت نہیں ہے بلکہ احادیث اور کتبِ فقہ کی تصریحات سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت میّت کی خوبیاں اور بھلائی کا تذکرہ کیا جائے یا صرف انفرادی طور پر بغیر رفع یدین کے جو چاہے دعاء کرے مگر ہاتھ اُٹھا کر دعاء کرنے یا اجتماعی طور پر دعاء کرنے کے متعلق کہیں ثبوت نہیں ہے لہٰذا نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا اس کو ضروری سمجھنا یا اس پر مداومت اور اصرار کرنا بدعت اور ناجائز ہے جب کسی مستحب فعل پر مداومت اور اصرار کرنے سے وہ فعل بدعت ہو جاتا ہے تو جو فعل سرے سے ثابت ہی نہیں۔ اس کا بدعت ہونا اور قابل ترک ہونا بدیہی بات ہے۔

۲۔ میّت کو دفنانے کے بعد میّت کے لیے دعاء کرنا ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے جیسا کہ فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

''وفی حدیث بن مسعود رأیت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبداللہ ذی النجادین ،،فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعاً یدیہ (اخرجہ ابو عوانۃ فی صحیحہ)۔''[1]

---

[1] فتح الباری – باب الدعا مستقبل القبلۃ – ۱۱/۱۴۴ – مکتبۃ رئاسۃ ادارات البحوث العلمیۃ مکۃ

ترجمہ: ”حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے (کہ وہ فرماتے ہیں) کہ میں نے حضور ﷺ کو ذوالنجادین“ کی قبر پر دیکھا.... پس جب آپ اس کے دفن سے فارغ ہوئے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے۔“

مشکوٰۃ شریف کے ”باب اثبات القبر“ میں ہے:

”وعن عثمان قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه وقال استغفروا لا خیکم ثم سلو له بالتثبیت فانه الان یسئال[1]۔“

ترجمہ: ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ میّت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور ان کے لیے اللہ سے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ ابھی سوال کیا جائے گا۔“

مسلم شریف کی روایت میں: ”جاء البقیع فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات[2]۔“

ترجمہ: ”حضور ﷺ جنت البقیع میں تشریف لائے اور طویل قیام فرمایا پھر تین مرتبہ دونوں ہاتھوں کو بلند فرمایا۔“

مذکورہ بالا روایات اور فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میّت کو دفن کرنے کے بعد اس کے لیے دعاء کرنا مستحب ہے خواہ ہاتھ اُٹھا کر دعاء کی جائے یا بغیر ہاتھ اُٹھا کر، دونوں جائز ہیں۔ البتہ ہاتھ اُٹھا کر دعاء کرنا مستحب ہے۔

واضح رہے کہ ہر چیز کو اپنے درجے میں رکھنا چاہیے اس سے تجاوز کرنا صحیح نہیں اور بعد نماز جنازہ متصلاً رفع یدین کے ساتھ دعاء کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والوں پر نکیر کرنا گناہ ہے جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

”من اصر علی امر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فیکف من اصر علی بدعة أو منکر انتهی[3]“

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح – باب اثبات عذاب القبر – ص ۲۶/۱۔ رقم الحدیث ۱۲۵ – ط: ایچ۔ ایم سعید۔

[2] صحیح مسلم – کتاب الجنائز فصل فی التسلیم علی اهل القبور و الدعاء والاستغفار لهم – ص ۳۱۳ – ط: قدیمی

[3] مرقدۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح – باد الدعاء فی التشهد ۳۱/۳، رقم الحدیث ۹۳۶۔

ترجمہ: ”جو شخص کسی مستحب کام پر اصرار کرے اور اس کو ضروری قرار دے اور وہ رخصت پر عمل ہی نہ کرے تو شیطان اس کو گمراہی کی طرف پہنچا دیتا ہے پس کیا حال ہو گا اس شخص کا جو کسی بدعت اور منکر کام پر اصرار کرے؟“

بینات- محرم ۱۴۱۷ھ

(فتاویٰ بینات ص ۴۲۵ تا ۴۳۸ ج ۲)

فتاویٰ فریدیہ اکوڑہ خٹک

مفتی محمد فریدؒ فتاویٰ فریدیہ میں دعاء بعد الجنازہ کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

دعاء بعد الجنازہ قبل از کسر الصفوف التزام کے ساتھ بدعت ہے اور بلا التزام بدعت نہیں ہے۔ البتہ دعاء قبل السّلام پر اکتفا کرنا افضل اور تعامل سلف سے اوفق ہے اور بعد السلام بعد کسر الصفوف بلا التزام ممنوع نہیں ہے۔

قال العلامه ابن نجیمؒ و قید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو ابعد التسلیم کما فی الخلاصه و من الفضلی لا بأس به۔ (بحر الرائق ص۱۸۳ ج۲ کتاب الجنائز)

(فتاویٰ فریدیہ ص۲۱۷ ج۳۔ ایضاً ص۲۴۳ ج۳)

(نوٹ) اس فتویٰ میں مفتی صاحبؒ نے بعد کسر الصفوف بلا التزام دعاء مانگنے کو جو ممنوع نہیں فرمایا وہ امام محمد بن فضلؒ کے قول لا بأس به کی بنیاد پر ہے اور اس کا جواب بینات کے سوال نمبر ۱ کے تحت دیا جا چکا ہے۔

فتاویٰ عثمانی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا:

سوال: حضورِ اکرم ﷺ نے کسی بھی صحابی کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگی یا نہیں؟ نمازِ جنازہ کے بعد

ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا نہ بنی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ثابت ہے، نہ دُوسرے صحابہ کرامؓ سے۔ لہٰذا آج کل جو رواج چل پڑا ہے اور اس طرح ضروری سمجھتے اور اس کے ترک پر نکیر کرتے ہیں، وہ بدعت اور واجب الترک ہے[۱]۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۶ھ

(فتویٰ نمبر ۹۵۷/۲۸ ج)

امام صاحب کا نمازِ جنازہ کے بعد دعاء نہ مانگنا:

سوال: نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں کے بعد سلام پھیر کر امام بطریقِ مروّجہ دعاء نہ مانگتے ہوئے چلا گیا، کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ بدون دعاء مانگے نماز مکمل نہیں ہوئی، کچھ لوگوں نے کہا کہ نمازِ جنازہ خود میّت کے حق میں دعاء ہے، نماز مکمل ہوگئی۔ کون سا عمل دُرست ہے؟

جواب: نمازِ جنازہ خود دعاء ہے، اور اس کے بعد الگ سے ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا امام صاحب کا عمل دُرست ہے۔ جو لوگ ان کے اس عمل پر اعتراض کر رہے ہیں ان کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۴۲۲/۲۷ ہ)

---

[۱] وفی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج:۴ ص:۶۴ (طبع مکتبہ امدادیہ ملتان) ولا یدعو للمیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ، لأنہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ، وفی البزازیۃ (علی الھندیۃ ج:۴ ص:۸۰) لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز، لأنہ دعاء مرۃ لأن أکثرھا دعاء، وفی خلاصۃ الفتاویٰ ج:۱ ص:۲۲۵ (طبع امجد اکیڈمی لاہور) ولا یقوم بالدعاء ففی قراءۃ القرآن لأجل المیّت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلھا، وفی البحر الرائق ج:۲ ص:۱۸۳ (طبع سعید): لا یدعو بعد التسلیم۔ وفی فتاویٰ السراجیۃ علی قاضی خان ج:۱ ص:۱۴۵: اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعیا لہ۔ وفی جامع الرموز فصل فی الجنائز ج:۱ ص:۲۸۳ (طبع ایچ ایم سعید): لا یقوم داعیا لہ۔ وفی نفع المفتی والسائل ص:۱۴۳ (طبع کتب خانہ رحیمیہ دیو بند یو پی): الدعاء بعد الجنازۃ مکروہ نیز مزید دیکھیے امداد الاحکام ج:۱ ص:۱۹۴ و امداد المفتین ص:۱۷۶۔ (محمد زبیر)

نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا:

سوال: نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نمازِ جنازہ خود دعاء ہے، اور اس کے بعد دعاء کے لیے اجتماعی اہتمام جیسا کہ آج کل بعض حلقوں میں مروّج ہے، اس کا قرآن و سنت اور بزرگانِ سلف کے تعامل سے کوئی ثبوت نہیں ہے، اور اس طرح کا اہتمام و اصرار بدعت ہے، لہٰذا واجب الترک ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۲۰/۱/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۵/۲۸ الف)

(فتاوی عثمانی ص ۱۰۸، ۱۱۳-۱۱۷، ج ۱، کتاب السنۃ والبدعۃ مفتی محمد تقی عثمانی)

فتاویٰ دارُ العلوم زکریّا دامت برکاتہم

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب اُستاذ الحدیث مُفتی دارُ العلوم زکریّا، جنوبی افریقا

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعاء منقول ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعاء منقول نہیں ہے بلکہ اجتماعی جہری دعاء کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

کرہ أن یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلاۃ ویدعو للمیت ویرفع صوتہ[1]۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فقہاء نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر بعد سلام میّت کے لیے مستقلا کھڑے ہو کر اجتماعی دعاء کرنے سے منع فرمایا

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ: ۳۱۹/۵ الباب الرابع فی الصلاۃ والتسبیح....

ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں اس کو منع کیا ہے۔ لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ واللہ اعلم۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۲۵، الفصل الخامس العشرون فی الجنائز، رشیدیہ۔) (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۸۱۰ مبوب ومرتب) فتاوی دارالعلوم زکریا (ج۲ص۶۳۸)

فتاویٰ مظاہر عُلوم فتاویٰ المعروف بہ خلیلیہ

قُدوۃُ العُلماء، زُبدۃُ الفُقہاء تاجُ المحدثین، سراجُ المناظرین حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوری ومہاجر مدنی قدس سرّہٗ کے تحریر فرمودہ وقیع فتاویٰ کا مجموعہ۔ بار دوم

سوال: بعد نماز جنازہ دعاء مانگنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب اوّل: از مولوی احمد حسن۔

یہ مسئلہ مختلف فیہاہے، برجندی شرح مختصر وقایہ میں ہے "ولا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیہا کذا فی المحیط وعن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ وقال محمد بن الفضل لا باس بہ کذا فی القنیۃ" ج:۱، ص:۱۸۰) اور صلاۃ جنازہ گو حقیقۃً دعاء ہے مگر صورۃً تو نماز ہے اور ہر نماز کے بعد دعاء مسنون ہے لعموم الادلۃ، پس اس عموم سے نمازِ جنازہ کے بعد بھی دعاء کو مسنون کہہ سکتے ہیں، اور جنہوں نے مکروہ کہا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی مراد لیا ہے اور لا باس بہ کا کلمہ گو اکثر ترک اولی (یعنی جس کا جانب مخالف جائز اور مباح ہو) کے موقعہ پر ہوا کرتا ہے مگر کبھی مستحب کے معنی میں بھی ہوتا ہے صرح بہ فی ردالمحتار (ج:۱ص: ۱۲۴) پس یہ کلمہ یا تو یہاں مستحب پر محمول ہے یا جواز پر بتقریر مذکور بلکہ بقرینہ مقابلہ قولین بھی کیونکہ مکروہ تنزیہی کے معنی ظاہر ہیں کہ جس کا نہ کرنا اولیٰ ہو اور کرنا ناپسندیدہ ہو۔ سو اگر لا باس بہ سے بھی یہی مراد ہوتی تو اس قول کا لکھنا بظاہر تکرار غیر مفید ہوتا،

غرض دونوں طرف وسعت ہے۔ استحباب میں بھی اور عدم استحباب میں بھی، اور احقر کے نزدیک استحباب راجح ہے، "وللناس فیما یعشقون مذاہب"

فقط کتبہ احمد حسن

جواب ثانی: (الجواب ھوالموفق للصواب)

اس مسئلہ میں کتب فقہ میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں، ایک روایت عدم جواز کو مقتضی ہے اور دوسری روایت جواز بکراہت کو چنانچہ بحر الرائق جلد دوم ص-۱۸۳ میں ہے وهی اربع تکبیرات بثناء بعد الاولیٰ و صلوٰۃ علی النبی ﷺ بعد الثانیة و دعاء بعد الثالثة و قید بقوله الثالثة لانه یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة وعن الفضلی لا بأس به انتهی۔

پہلی عبارت عدم جواز پر دال ہے، جس کو صاحب بحر نے قوی قرار دیا ہے، اور دوسری عبارت جو بطور روایت فضلی سے نقل کیا ہے جس میں لا باس به مذکور ہے وہ مشیر بجواز ہے، علی ہذا برجندی میں جو محیط سے نقل کیا وہ یہ ہے لا یقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة لانه یشبه الزیادة فیها کذا فی المحیط وعن ابی بکر ابن حامد ان الدعاء بعد صلاة الجنازة مکروہ وقال محمد بن الفضل لا باس به اور اسی طرح یہ دونوں قول صاحب قنیہ سے بھی نقل کیے گئے ہیں۔

اور ملا علی قاری شرح[۱] مشکوۃ باب الجنائز تحت حدیث مالک بن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں ولا یدعو للمیت بعد صلاة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة اور کبیری میں ہے فی السراجیة[۲] اذا فرغ من الصلاة لا یقوم بالدعاء بالجملہ ان عبارتوں سے عدم جواز دعاء کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، اور یہ گفتگو محض دعاء بعد صلاۃ الجنازہ کے متعلق ہے، لیکن اصل سوال اس دعاء کے متعلق واقع ہے جو اس زمانہ میں بعض بلاد میں متعارف ہو رہا ہے، بعض بلاد میں تو یہ متعارف ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص حاضرین کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ہر شخص بارہ بار دفعہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میّت کو پہنچائے، اور بعض بلاد میں یہ متعارف ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر دعاء میں مشغول ہوتے ہیں اور اس دعاء کا اس قدر التزام کیا ہے کہ واجب کے درجہ میں پہنچا دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس میں شریک نہ ہو تو اس کو وہابی اور بد دین کہتے ہیں ایسی حالت میں یہ دعاء بعد صلاۃ الجنازہ اس وجہ سے بھی زیادہ ممنوع ہو گئی کہ حد بدعت میں داخل ہو گئی۔

---

۱ مرقاۃ ص: ۳۶۹ ج۲ مطبوعہ: صحیح المطابع بمبئی (باب المشی بالجنازۃ)

۲ سراجیہ علی ہامش فتاوی قاضیخان ص:۱۲۱ جلد اوّل مطبع مصطفائی کلکتہ

علاوہ ازیں حدیث شریف میں جنازہ کے متعلق اسرعوا کا حکم ہے اور یہ تاخیر جو سورۂ اخلاص پڑھنے کی وجہ سے یا دعاء میں مشغول ہو رہنے کی وجہ سے ہوئی وہ اس امر بالاسراع کے منافی ہے لہٰذا مکروہ اور ناجائز ہو گی۔

یہ سوال مولانا مفتی سعد اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کیا گیا ہے، چنانچہ ہم مختصراً اس کو فتاویٰ سعدیہ سے نقل کیے دیتے ہیں،

استفتاء: ما قولہم دریں مسئلہ کہ بعد نماز جنازہ خواندن سورۂ اخلاص و فاتحہ و دعاء برائے میّت جائز است یانہ۔ بینوا توجروا

الجواب: خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امرِ مسنون منع میکند و بعضے میگوید لا باس بہ وکلمۃ لابأس بہ الثرور کراہت تنزیہی مستعمل می شود. وفی البر جندی لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیہا کذافی المحیط و عن ابی بکر بن حامد ان لدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ وقال محمد بن الفضل لا باس بہ انتھی۔ وفی القنیۃ عن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ وقال محمد بن الفضل لا باس بہ ناقلا عن المحیط و ایضاً فیہ لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ۔ قال رضی اللہ عنہ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ نا قلا عن علاء إلسعدی وشرح السرخسی۔ وفی خلاصۃ الفتاوی لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ انتھی۔ بقدر الحاجۃ۔

پس مجیب نے جو اولاً و ثانیاً جواب میں مساہلۃ اور مسامحۃ کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں۔ جواب صحیح یہی ہے کہ دعاء بعد صلاۃ الجنازہ خصوصاً وہ دعاء جو متعارف بلاد ہے قطعاً بدعت و ناجائز ہے، حررہ خلیل احمد عفی عنہ

صح الجواب: عنایت الٰہی عفی عنہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم، الجواب صحیح ثابت علی عفی عنہ

الجواب صحیح وہو صریح الحق بندہ محمد الیاس عفی عنہ (کاندھلوی)، الجواب صحیح عبد الوحید عفی عنہ

الجواب صحیح۔ منظور احمد عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرحمٰن عفی عنہ

---

[۱] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرعوا بالجنازۃ فان تک صالحتہ فخیر تقدمونھا الیہ۔ وان تک سوی ذلک فشر تضعونہ عن رقابکم متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ ص: ۱۴۴

(فتاوی مظاہر علوم ص۱۲۶تا۱۲۸)

مولانا رفعت قاسمی اپنی کتاب مکمّل و مدلّل مسائل شرک وبدعت صفحہ (۲۰۹) پر لکھتے ہیں:

مسئلہ: جنازہ کی نماز خود اعلیٰ درجہ کی دعاء ہے، اس کے بعد دوسری دعاء اجتماعی ثابت نہیں ہے، چلتے چلتے تنہا تنہا دل دل میں دعاء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جنازہ روک کر اجتماعی دعاء کا رواج خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔

الحمد للہ دعاء بعد الجنازہ کے مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم، احادیث نبویہؐ، اور آثار صحابہؓ کو جاننے والے فقہائے عظامؒ اور مفتیان دین نے اس دعاء کو جائز نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے کتاب وسنّت کی روشنی میں دعاء بعد الجنازہ کو صاف طور پر ناجائز اور مکروہ فرمایا ہے۔ راہ حق کے متلاشی کے لئے اس قدر وضاحت کافی وشافی ہے، اگر تعصّب کو دور کر کے اور انصاف کی نظر سے فقہائے احنافؒ کی تصریحات کا مطالعہ کیا جائے گا تو انشاء اللہ صراط مستقیم مل جائے گی۔

میں آخر میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحبؒ کے اس بیان پر کتاب کو ختم کروں گا جو اسی مسئلہ کی وضاحت میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اتباعِ آباء

آپؒ فرماتے ہیں: اب مثلاً جنازہ کی نماز ہے تو اس میں سنّت طریقہ یہ ہے کہ نماز پڑھ لی۔ اور میّت کو لیجا کر دفن کر دو۔ اب اس کے بعد ایک مستقل دعاء مانگی جاتی ہے، حالانکہ نماز جنازہ بھی تو دعاء ہے۔ اس نماز میں یہ تو نہیں ہے کہ اس میں رکوع اور سجدہ ہو، بلکہ وہ تو شفاعت، سفارش اور دعاء ہے۔ اب اس کے بعد پھر دعاء اور بعض نے قبروں پر اذانیں دینی شروع کر دیں ہیں، سنّت سے کہیں ان چیزوں کا ثبوت نہیں۔ اب اگر منع کرو تو کہتے ہیں یہ تو ہم نے اپنے باپ دادا سے پایا ہے، تو کفّار مکّہ جو کہا کرتے تھے۔

''اِنَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا'':

ہم نے اپنے باپ دادا کو یوں ہی کرتے پایا ہے۔ تو قرآن نے جواب دیا:

''اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۝'' (البقرہ: ۱۷۰)

کہ تمہارے باپ دادا چاہے نہ علم رکھتے ہوں اور نہ (سیدھے) راستے پر ہوں پھر بھی تم ان کی پیروی کروگے۔ یہ تو

تعصّب ہے۔ حق پسندی تو یہ ہے کہ جب حکم رسول آجائے تو اسے مانو اور اتباع سنّت کو غالب رکھو مگر مشکل یہ ہے کہ حدیث شریف میں بدعت کا خاصہ یہ بیان کیا گیا ہے:

مَا اُوْتِيَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا اُوْتُو الْجَدَلَ۔ جس قوم میں بدعت آئے گی اس میں دنگا فساد اور جھگڑا ضرور آئے گا، یہ بدعت کا خاصہ ہے، سنّت میں کوئی جھگڑا نہیں، سنّت تو ایک ہی ہے جس کا جی چاہے عمل کرے، اور بدعاءت ہر جگہ کی الگ الگ ہیں، اور ان کا خاصہ یہ ہے کہ اصل دین ختم ہو جائے گا اور نزاع، وجدال، گروہ بندی اور پارٹی بازی شروع ہو گی۔
(افادات علم وحکمت ص ۴۷۵، ج ۷، از قاری محمد طیب صاحبؒ)

ربّ العالمین تمام اہل اسلام کو سنّتوں کے احیاء، اور تمام بدعات اور رسومات کو مٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔(اٰمین یا ربَّ العَالمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه. وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

یوکے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مروجہ حیلۂ اسقاط کا حکم

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؒ

خطیب مکیّ جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

مروجہ حیلۂ اسقاط کا حکم

۱۔ واضح رہے کہ مروجہ حیلۂ اسقاط مبتدعین کی ایجاد کردہ بدعت ہے، اس کا ثبوت نہ قرآن کریم میں ہے، اور نہ احادیث مبارکہ میں، اور نہ ہی فقہاء کرام میں سے کسی فقیہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اس حیلہ میں اور فقہاء کرام کے لکھے ہوئے حیلہ میں بہت بڑا فرق ہے۔

فقہاء نے جو حیلہ کی صورت لکھی ہے، وہ صرف اس شخص کے لیے ہے کہ جس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں وغیرہ کی ادائیگی کا متحمل نہ ہو اور ورثاء اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنا چاہیں تو اس کے لیے حیلہ کی صورت لکھی ہے۔

چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے:

''اراد احد التبرع بقليل لا يكفي فحيلته لا براء ذمة الميت عن جميع ما عليه ان يدفع ذٰلك المقدار اليسير بعد تقديره لشئ من صيام او صلاة او نحوه ويعطيه للفقير بقصد اسقاط مايريد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولي اوللا جنبي ويقبضه لتتم الهبة وتملك ثم يدفعه الموهوب له للفقير بجهة الاسقاط متبرعاً به عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ايضاً ثم يهبه الفقير للولي اوللا جنبي ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير متبرعاً عن الميت وهٰكذا يفعل مراراً حتى يسقط ما كان يظنه على الميت من صلاة و صيام''[۱]

اور آج کل غریب تو غریب مال داروں کے لیے بھی حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے، حالانکہ مرنے والے کے ترکہ سے اس کا فدیہ ادا کرنا آسانی سے ممکن ہے لہٰذا یہ حیلہ آج کل درست نہیں ہے۔

نیز فقہاء کرام کے حیلے میں قرآن کریم گھمانے کی کوئی تصریح نہیں ہے، جبکہ آج کل سارا مدار اسی پر ہے اور

---

۱ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح —فصل في اسقاط الصلوٰة والصوم —ص:۲۳۹—ط: قديمي

قرآن مجید کے بغیر یہ حیلہ کرتے ہی نہیں۔ فقہاءِ کرام کے ذکر کردہ حیلۂ اسقاط سے اکثر لوگ بلکہ بعض علماء بھی ناواقف ہیں نیز فقہاء کے عمل سے صرف مباح ہونا معلوم ہوتا ہے، نہ کہ واجب یا سنت وغیرہ، جبکہ آج کل لوگ اس کو ضروری قرار دے کر نہ کرنے والوں پر طعن وتشنیع اور انہیں ملامت کرتے رہتے ہیں اور کوئی مباح عمل جب اس حد تک پہنچ جائے تو اس کا ترک کرنا لازم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ''مرقاۃ المفاتیح'' میں ہے:

''من اصر علی امر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة او منکر[1]''

۲۔　حیلۂ اسقاط کے لیے میّت کا وصیت کرنا شرط نہیں۔ نیز مروجہ حیلۂ اسقاط کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔

۳۔　واضح رہے کہ جب کسی کی وفات ہو جائے تو اس کے گھر والے چونکہ صدمہ میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے اہلِ محلّہ اور رشتہ داروں کو حکم ہے کہ اہلِ میّت کے لیے ایک دن ایک رات کا کھانا تیار کریں۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

''(وباتخاذ طعام لهم) قال فی الفتح: ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم و لیلتهم لقوله صلی الله علیه وسلم ''اصنعوا لاٰل جعفر طعاماً فقد جاءهم مایشغلهم'' حسنه الترمذی، وصححه الحاکم، ولانه بر و معروف، ویلح علیهم فی الاکل لان الحزن یمنعهم من ذٰلك فیضعفون[2]۔''

واضح رہے کہ میّت کے رشتہ داروں کو میّت کے لیے ایصال ثواب کرنا چاہیے۔ یہ ان پر ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اور میّت کو اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ میّت سمندر میں ڈوبنے والے کی مانند ہے اگر کوئی شخص ثواب پہنچاتا ہے تو اس کو سہارا مل جاتا ہے اور وہ غرق ہونے سے بچ جاتا ہے۔ جیسا کہ ''شرح الصدور'' میں ہے:

''عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ما للمیت فی قبره الاشبه

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح – باب الدعاء فی التشهد – الفصل الاول – الاصرار علی المندوب وجعله عزماً قبله فضلا عن الاصرار علی بدعة – ۳۵۳/۲ – ط: مکتبه امدادیه ملتان

[2] ردالمحتار – کتاب الصلوٰۃ – باب الجنائز – مطلب فی الثواب علی المصیبة – ۲۴۰/۲

الغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او ولد او صدیق ثقۃ فاذا لحقتہ کانت احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔ قال البیھقی: قال ابو علی الحسین بن علی الحافظ: ھٰذا حدیث غریب من حدیث عبداللہ ابن المبارک[1]''۔

البتہ شریعت نے ایصال ثواب کے لیے کوئی دن یا کوئی خاص عمل مقرر نہیں کیا بلکہ جس دن بھی ممکن ہو ایصال ثواب کرنا جائز ہے اور اس کے لیے کوئی خاص عبادت بھی مخصوص نہیں ہے، کسی بھی نیک کام کا ایصال ثواب کرنا جائز ہے، لہٰذا ایصال ثواب کے لیے تیسرے دن یا ہفتے یا چہلم یا سال (برسی) منانا قرآن و سنت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے بدعت ہیں۔ اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے:

''عن جریر بن عبداللہ قال: کنا نعد الا اجتماع الی اھل المیت و صنعۃ الطعام من النیاحۃ[2]۔''

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

''ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول و الثالث و بعد الاسبوع والاعیاد[3]۔''

فتح القدیر میں ہے:

''ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ[4]۔''

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للإمام جلال الدین السیوطی – باب ما ینفع المیت فی قبرہ – ص:۱۳۲ – ط: مطابع الرشید بالمدینۃ المنورۃ

[2] ردالمحتار – کتاب الصلوٰۃ – باب الجنائز – مطلب فی کراھۃ من اھل المیت – ۲/۲۴۰

وفی سنن ابن ماجۃ – کتاب الصلوٰۃ – ابواب ماجاء فی الجنائز – باب ماجاء فی النھی عن الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام – ص ۱۱۶ – ط: قدیمی کتب خانہ

[3] البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ – کتاب الصلوٰۃ – الخامس والعشرون فی الجنائز وفیہ الشھید۔ نوع آداب .... إلی المصلی قبل الجنازۃ ینتظر بھا .... الخ – ۴/۸۱ – ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[4] فتح القدیر – کتاب الجنائز – ۲/۱۰۲ – ط: المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹہ

ابن حجر ھیثمی شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ:

''سئل عما یعمل یوم ثالث من موته من تهیئة اکل واطعامه للفقراء و غیر هم وعمایعمل یوم السابع''

تو اس نے جواب میں تحریر فرمایا:

''جمیع ما یفعل مما ذکر فی السؤال من البدع المذمومة یعنی السوال[1]۔''

مغنی المحتاج الیٰ معرفۃ معانی الفاظ المنہاج للنووی الشافعی میں ہے: ''اما اصلاح اهل المیت طعاما وجمع الناس علیه فبدعة غیر مستحب روی احمد وا ابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال: کنا نعد الاجتماع علی اهل المیت وصنعهم الطعام النیاحة[2]۔''

ابن امیر الحاج المالکی رحمۃ اللہ علیہ المدخل میں تحریر فرماتے ہیں:

واما اصلاح اهل المیت طعاما وجمع الناس علیه فلم ینقل فیه شئ وهو بدعة غیر مستحب۔

وقال ایضاً: (وکذلك) یحزر مما احدثه بعضهم من فعل الثالث للمیت وعملهم الاطعمة فیه صار عندهم کانه امر معمول به۔''

ابن قدامۃ حنبلی رحمہ اللہ نے ''المغنی'' میں لکھا ہے:

''فاما صنع اهل المیت طعاماً للناس فمکروه لان فیه زیادة علی مصیبتهم وشغلاً لهم الی شغلهم وتشبها بصنع اهل الجاهلیة[3]۔''

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ تمام امور بدعت ہیں، ان کو ترک کرنا واجب اور ضروری ہے۔

وایضاً فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح –ص ۳۲۹–ط: قدیمی کراچی۔

[1] الفتاوی الکبریٰ الفقهیة للعلامة ابن حجر المکی –کتاب الصلوٰة –باب الجنائز –۲/۷۔

[2] مفتی المحتاج إلی معرفة معانی الفاظ المنهاج للعلامة یحی بن شرف النووی –کتاب

[3] المغنی للإمام موفق الدین وشمس الدین ابنی قدامة –مسئلة استحباب صنع الطعام لإهل المیت –۲/۴۱۳–ط: دارلفکر بیروت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تدفین کے بعد دعا اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

تدفین کے بعد دعااور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت

تدفین کے بعد دعاء کرنا درست ہے، چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے:

''کان النبیﷺ إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه، فقال: ''استغفروا لأخیکم واسئلوا الله له التثبیت فإنه الآن یُسئل[۱]۔''

''رسول اللہ ﷺ جب میّت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعاء کرو، کیوں کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔''

دفن کرنے کے بعد مردہ کے سر کی طرف سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پاؤں کی طرف اس کا آخری حصہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " «إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ، وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ، وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ، وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ» " رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَقَالَ: وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَيْهِ.(۲۱۵:۲) و فی الأذکار للنووی (۴۷): وروینا فی سنن البیہقی بإسناد حسن ''أن ابن عمر استحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها'' اھ و هو موقوف فی حکم المرفوع، فإنه غیر مدرك بالرأی، قال المؤلف: دلالته علی الجزء الثالث من الباب ظاہرة۔(اعلاء السنن ص:۳۴۲،ج:۸)

''میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روکو نہیں، اور اسے جلدی دفن کر دو، اور اس کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات (فاتحہ البقرۃ) اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری

---

[۱] سنن أبی داؤد، حدیث نمبر: ۳۲۲۱

آیات (خاتمۃ البقرۃ) پڑھی جائیں[۱]۔" (کتاب الفتاویٰ)

محدثین کا خیال ہے کہ از روئے تحقیق یہ حضور ﷺ کا ارشاد نہیں ہے، بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا قول ہے[۲]، اور صحابیؓ کا قول بھی حجت اور دلیل ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس طریقہ کو درست قرار دیا ہے، جس پر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ ہوں[۳]، اس لیے فقہاء نے بھی تدفین کے بعد سورۂ البقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے[٤]۔

۲۳۱۷۔ عن عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه قال: قال أبي اللجلاج أبو خالد: ''يا بني! إذا أنا مت فالحد لي، فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله و على ملة رسول الله، ثم سن على التراب سنا، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة و خاتمتها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك''۔ رواه الطبراني في ''المعجم الكبير''، وإسناده صحيح. (آثار السنن ۲: ۱۲۵)

اور طبرانی نے بھی ایک حدیث عبد الرحمٰن بن العلاء بن حلاج سے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے باپ اللجلاج ابو خالد نے کہا: اے میرے بیٹے جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے لئے لحد بنانا، اور جب مجھے میری لحد (یعنی قبر) میں رکھنے لگو تو "بسم الله و علىٰ ملة رسول الله کہنا" پھر قبر پر خوب مٹی ڈالنا، پھر جب دفنا چکو تو (دفن کے بعد) میرے سرہانے کی طرف کھڑے ہو کر سورۃ البقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت کرنا، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

دوسری روایت میں لجلاج کے بجائے اس صحابیِ رسول کا نام الحلاج ذکر کیا گیا ہے، اور آخر میں یہ بھی تصریح کی گئی ہے کہ حلاج ابو العلاء العامری صحابی دمشق میں رہائش پذیر تھے، اور ان سے ان کے بیٹوں علاء اور خالد نے روایت کی ہے۔

وروى الطبراني أيضاً من حديث عبدالرحمٰن بن العلاء بن الحلاج عن أبيه قال: قال لي أبي الحلاج بن خالد ثنا يا بني اذا انا مت فألحدني، فإذا وضعتني في اللحد فقل بسم الله وعلىٰ ملة رسول

[۱] مشكوٰة المصابيح: ۱/۱۴۹، به حواله: سنن بيهقي، نيز ديكهيے: مجمع الزوائد: ۳/۴۴ به حواله: طبراني۔

[۲] سنن أبي داؤد، حديث نمبر: ۳۲۲۱

[۳] كنز العمال، حديث نمبر: ۹۲۸— بحواله: سنن ابن ماجة، عن ابن عمر رضي الله عنه۔ مرتب۔

[٤] الجوهرة النيرة: ۱/۱۵۸، الدر المختار مع الرد: ۲/۲۳۷۔ محشي۔

الله. ثم سن على التراب سناً ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة و خاتمتها فإني سمعت رسول الله عليه السّلام يقول ذلك۔ قلت الحلاج أبو العلاء العامري صحابي نزل دمشق روى عنه ابناه العلاء و خالد۔

قوله: ''عن عبدالرحمٰن'' إلخ۔ قال المؤلف: وفي التعليق الحسن: قوله: ''رواه الطبراني'' قلت: قال حدثنا الحسين بن إسحاق التستري قال: حدثنا علی بن بشر بن إسماعيل حدثني عبدالرحمٰن بن العلاء بن الجلاج عن أبيه فذكره۔ قال الحافظ الهيثمي في مجمع الزوائد: رجاله موثقون۔

دفن کے بعد منکر نکیر کے سوالوں کا جواب بتلانا:

بعض لوگ جب مردہ کو قبر میں دفن کر چکتے ہیں تو قبر پر اُنگلی رکھ کر مردہ کو مخاطب کر کے یُوں کہتے ہیں: ''اے فلانے اگر تم سے کوئی فرشتہ پوچھے کہ تمہارا ربّ کون ہے؟ تو تم یُوں کہنا کہ میرا ربّ اللہ ہے، اور میرا رسول محمد ﷺ اور میرا دین اسلام ہے'' وغیرہ وغیرہ، سو واضح ہو کہ یہ روافض کا شعار ہے، اور اس میں متعدد مفاسد اور خرابیاں ہیں، اس لیے یہ تلقین دُرست نہیں، اس سے پرہیز کیجیے۔ (امداد الاحکام ج:۱ص: ۱۱۵ تا ۱۱۹)

دفن کے بعد سورۂ مزمل اور اذان دینا:

بعض جگہ دفن کے بعد حلقہ بنا کر سورۂ مزمل پڑھنے کو یا اجتماعی طور پر حلقہ بنا کر سورۂ مزمل پڑھنے کو یا اجتماعی طور پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو لازم سمجھا جاتا ہے، اور دفن کے بعد قبر پر اذان بھی دیتے ہیں، پنجاب میں یہ رسم بہت عام ہے، قرآن و سنت، صحابہؓ و تابعین، ائمۂ مجتہدین اور سلف صالحین کسی سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ رسم بدعت ہے۔ (علماء کا متفقہ فیصلہ)۔

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

یوکے

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (الحدیث)

"(دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے۔"

اذان قبر

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة يحكم بين عباده فيما هم فيه مختلفون، أرسل رسله بالبينات والهدى وجعلهم حجة على الورى ، فمن أطاعهم واتبع سبيلهم فقد اهتدى ، ومن ابتغى سبيلاً غير سبيلهم فقد ضل وغوى .

قال{ لقد أرسلنا رسلنا بالبينات وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط }

والصّلاة والسّلام الأتمان الأكملان على المبعوث رحمة للعالمين الذي ختم الله به الرسل أجمعين وجعل شريعته ناسخة لشرائعهم ، وفرض على الخلق كلهم ، عربهم وعجمهم ، أن يقتفوا أثره ويتبعوا سنته

امّا بعد:

جب کبھی بھی کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ یا فرد نے کوئی بد سے بدتر بدعت دین کے نام پر ایجاد کی ہے تو اس نے اس میں محاسن اور خوبیوں کا ضرور دعویٰ کیا ہے اور اس کی ترویج اور اشاعت کے لئے خدا اور مذہب کے نام پر کچھ دلائل بھی تراشے ہیں اور ایسا انداز اختیار کیا ہے جس سے سادہ لوح عوام کو مغالطہ میں مبتلا کیا جا سکے۔ چنانچہ مشرکین نے بت پرستی جیسی قبیح ترین بدعت کو بھی جائز اور مستحسن ثابت کرنے کے لئے کہا تھا۔

”وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ“ (الزمر:۳)

ہم اپنے ان دیوتاؤں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا سے قریب تر کر دیں۔

نیز انھوں نے ملّت ابراہیمی میں ایک بدترین بدعت یہ ایجاد کی تھی کہ خانہ کعبہ کا طواف مادر زاد برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اس شرمناک فعل کی توجیہ اس طرح کرتے تھے کہ۔ کپڑے پہن کر تو ہم روز مرہ گناہ کرتے ہیں پھر ان ہی کپڑوں میں اللہ کے گھر کا طواف کیوں کریں، ہم تو اس حال میں طواف کریں گے جس حال میں اللہ نے ہمیں پیدا کیا تھا۔ دور جاہلیت کے

کفار اور مشرکین کی طرح ملّت اسلامیہ کے دعویدار جس مبتدع کو آپ دیکھیں گے اس کا یہی حال پائیں گے، وہ اپنی بدعت میں بے شمار مصالح بتائے گا اور اس کے لئے شرعی دلائل بھی پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔

امام ابو اسحاق شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

انّک لا تجد مُبتدعا ممن یّنسب الی الملّة الا وهو یستشهد علیٰ بدعته بدلیل شرعی (اعتصام ص ۱۰۲)

تم کسی ایسے مبتدع کو نہ پاؤ گے جو ملّت سے وابستگی کا دعویدار ہو مگر یہ کہ وہ اپنی بدعت پر کسی دلیل شرعی سے ضرور استشہاد کرتا ہو گا۔

آج کل کچھ لوگ میّت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں یہ بدعت ہے، شریعت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، پیارے پیغمبر ﷺ کے مبارک زمانے میں بھی آپ ﷺ کے سامنے لوگ فوت ہوتے تھے، دفن ہوتے تھے، لیکن کسی صحیح حدیث میں تو دور رہا، بلکہ کسی ضعیف حدیث میں بھی نہیں آتا کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے کبھی کسی قبر پر آذان دی ہو یا دلوائی ہو، نہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے ثابت ہے اور نہ ہی بزرگان دین اور اولیاؒ کرام سے ثابت ہے کہ انھوں نے کبھی کسی قبر پر اذان دی ہو۔ اس لئے قبر پر اذان دینا احداث فی الدین ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔ سب جانتے ہیں کہ شریعت نے نماز نماز پنجگانہ اور جمعہ کے سوا عیدین، کسوف و خسوف، استسقاء اور جنازہ کی نمازوں کے لیے بھی اذان و اقامت تجویز نہیں کی۔ اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرے کہ جیسے پانچ نمازوں کے اعلان و اطلاع کے لیے اذان کی ضرورت ہے وہی ضرورت یہاں بھی موجود ہے لہٰذا ان نمازوں میں اذان کہنی چاہیے، تو اس کا یہ اجتہاد صریح غلط ہو گا۔ اس لیے کہ جو مصلحت اس کی عقل شریف میں آئی ہے اگر وہ لائق اعتبار ہوتی تو شریعت ان موقعوں پر بھی ضرور اذان کا حکم دیتی۔

چنانچہ متکلم اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی کتاب **امعان النظر فی اَذَان القبر** صفحہ نمبر (۱۵) پر تحریر فرماتے ہیں۔ وہ دین جو رسول اللہ ﷺ نے امّت کے سامنے پیش کیا تھا (جس میں میّت کی تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، طریقہ دفن، دعاء بعد الدّفن وغیرہ کی تعلیم بھی موجود ہے) اس میں قبر پر اذان دینے کا حکم کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی وارد نہیں ہوا، نیز صحابہؓ و تابعینؒ اور حتیٰ کہ بعد کے ائمہ مجتہدین نے بھی کبھی اس پر عمل نہیں کیا۔ کیا معاذاللہ اس رحیم و کریم پیغمبر (فداہ ابی وامّی) نے جو:

"بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط" کا مامور۔ "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" کا مصداق تھا "اذان قبر" کے بتلانے میں بخل کیا؟ اور اس "اذان" کے جو بہت سے فائدے فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب نے لکھے ہیں ان سب سے اپنے اصحاب اور اہل بیت تک کو محروم رکھا اور صحابہؓ و تابعینؒ کی نظر بھی یہاں تک نہ پہنچی؟ اور کیا ائمہ مجتہدین نے بھی اس کو نہ سمجھا؟

بہر حال یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے بھی اس اذان کا حکم نہیں دیا، نہ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ نے کبھی اس پر عمل کیا نہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء معتبرین نے اس کو اپنے اسفار میں لکھا، لہٰذا یہ ایک عبادت ہے جو بعد میں ایجاد کی گئی پس وہ بدعت و ضلالت اور زیادت فی الدّین ہے اور اس پر عمل کرنے والے اور اس کو رواج دینے والے شریعت کے مجرم اور سنّت کے باغی ہیں۔

نیز اذان ایک خاص عبادت ہے جس کے لئے شریعت مقدسہ نے مخصوص مواقع مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز حدود اللہ سے تعدّی اور معصیت ہے۔ کیونکہ ہم کو حق نہیں ہے کہ کسی خاص عبادت کے لئے ہم کوئی ایسا موقع یا وقت مقرر کریں جو شریعت نے اس کے لئے مقرر نہیں کیا، ورنہ اگر ایسی ترامیم جائز ہوتیں تو ائمہ مجتہدین عیدین کی نماز کے لئے اذان اور اقامت کے اضافہ کو بدعت قرار نہ دیتے کیونکہ اس کے لئے اذان قبر سے بہت زیادہ اور بہت اچھے وجوہ پیش کئے جاسکتے ہیں، باایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں تمام فقہاء متفق ہیں۔

امام ابواسحاق شاطبی غرناطیؒ بدعات کے بیان میں لکھتے ہیں کہ:

ومن ذالک الاذان والاقامة فی العیدین قد نقل ابن عبد البر اتفاق الفقهاء علی ان لا اذان ولا اقامة فیهما (الاعتصام ص:۱۲: ج۲)

اور اس قبیل سے اذان و اقامت عیدین ہیں، ابن عبد البر مالکیؒ نے تمام فقہاء کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ عیدین میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔

الغرض "اذان علی القبر" اس وجہ سے کہ وہ دین الٰہی میں ایک قسم کا اضافہ ہے، اس وجہ سے وہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا حکم پیارے پیغمبر ﷺ نے نہیں دیا نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اس کو کیا، نیز اس وجہ سے کہ اس میں حدود اللہ سے تعدّی ہے وہ بدعت ضلالت، اور قانون شریعت سے بغاوت ہے۔

یہاں تک جو بحث کی گئی وہ صرف اصولی تھی مزید اطمینان کے لئے فقہ کی بعض متداول کتابوں سے بھی چند تصریحات نقل کی جاتی ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی ردالمختار میں لکھتے ہیں:

وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الیٰ انّہ لا یسنّ الاذان عند ادخال المیّت فی قبرہ کما ھو المعتاد الاٰن وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ (شامی:ص: ۱۵۹ ج:۱)

اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ میّت کو دفن کرتے وقت اذان، جیسا کہ آج کل عادت ہو گئی ہے، مسنون نہیں ہے اور ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ وہ بدعت ہے۔

اور البحار میں ہے کہ:

من البدع التی شاعت فی الھند الاذان علی القبر بعد الدفن۔

ان بدعات میں سے جو (بعض) بلادِ ہند میں شائع ہو گئی ہیں۔ دفن کے بعد قبر پر اذان دینا بھی ہے۔ اور توشیح شرح تنقیح لمحمود البلخی میں بھی اس اذان کے متعلق لکھا ہے، لیس بشئی کہ وہ کوئی چیز نہیں۔

اور امام ابن ہمام اپنی بے نظیر تالیف "فتح القدیر" شرح ہدایہ، کتاب الجنائز میں ارقام فرماتے ہیں:

ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنّۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدّعاء عندھا قائما۔ (فتح القدیر:ص:۱۰۲ ج:۲)

اور قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنّت سے ثابت نہ ہو اور ثابت من السّنۃ صرف قبروں کی زیارت ہے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا۔

اور بعینہ یہی عبارت، بحر الرائق:ص:۱۹۶ ج:۲، ردالمختار:ص: ۱۶۶ ج:۱ اور فتاویٰ ہندیہ:ص: ۱۰۷ ج:۱) میں بھی ہے اس سے بھی صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ اذان قبر بلکہ اس قسم کے تمام وہ مراسم جو سنّت سے ثابت نہیں قبر کے پاس مکروہ ہیں۔

استاد الآفاق حضرت شاہ محمد اسحاقؒ محدّث دہلوی نے مائۃ مسائل میں "اذان قبر" ہی کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مندرجہ بالا عبارت نقل کی تھی اور اس سے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ "اذان القبر" میں اس پر لکھا ہے کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلویؒ نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی

ہے،فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق وفتاوٰی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعاء سنّت سے ثابت ہے، اور براہ بزرگی اتنانہ جانا کہ اذان خود دعا بلکہ بہترین دعاء سے ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعاء،تووہ بھی اسی سنّت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی۔

فی الحقیقت یہ فاضل بریلوی کا مجدّ دانہ مغالطہ ہے اور ممکن ہے کہ وہ خود بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ دعاء قرآن وحدیث میں کھیں کھیں اگرچہ ،عبادت، ذکر اللہ، نداء وغیرہ بعض معانی میں بھی مستعمل ہے، لیکن عرف میں دعاء کے لئے طلب اور سوال ضروری ہے اور جو ذکر طلب وسوال سے خالی ہو اس کو اہل عرف دعاء نہیں کہتے۔ کما لا یخفٰی۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ کوئی قرآنی آیت یا حدیث نبوی نہیں ہے، بلکہ ایک مصنّف کی عبارت ہے۔ اس میں جو دعاء کا لفظ ہے، اس سے وہی چیز مراد ہوگی جس کو عرف میں دعا کھتے ہیں، اور اذان ہرگز اس کا فرد نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اذان دے رہاہو تو عرف میں کوئی نہیں کہتا کہ یہ دعاء ہو رہی ہے۔

بہرحال، فتح اور بحر، وغیرہ کی مندرجہ بالا عبارت میں لفظ دعاء سے مطلق ذکر اللہ مراد لینا اور پھر اس کو اذان پر منطبق کرنا فاضل بریلوی کا افسوسناک مغالطہ یا قلت تدبر کا حیرتناک مظاہرہ ہے، علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عرف میں ذکر اور دعاء غیر غیر ہیں۔ چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں۔ ھو فی العرف غیر الدعاء (الاعتصام ص ۲۸۸)

ذکر عرف میں دعاء کے بغیر ہے۔

علاوہ ازیں، فتح القدیر، وغیرہ کی پوری عبارت اس موقع پر اس طرح ہے: **والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائما کما کان یفعل ﷺ فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون اسأل اللہ لی ولکم العافیۃ۔**(فتح القدیر: ج۲ ص۱۴۲)

اور سنّت سے ثابت صرف قبور کی زیارت اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کرنا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ جنّت البقیع میں جاتے وقت کیا کرتے تھے اور وہاں فرمایا کرتے تھے " سلامتی ہو تم پر ایمان والوں کی اس بستی کے بسنے والو! اور ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کی دعا کرتا ہوں۔

اس پوری عبارت سے یہ چیز بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں " دعاء" سے مطلق ذکر مراد نہیں ہے بلکہ وہی مراد

ہے جس کو عرف میں دعاء کہتے ہیں اور وہی سنّت سے ثابت ہے۔

الغرض فتح القدیر، بحر الرائق، شامی اور عالمگیریہ کی مندرجہ بالا عبارت کی دلالت "اذان قبر" کے ممنوع اور نادرست ہونے پر نہایت صاف اور واضح ہے، اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ پر فاضل بریلوی کا اعتراض محض مغالطہ ہے۔ اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دعاء سے یہاں ذکر ہی مراد ہے، تب بھی اس سے اسی قسم کے اذکار مراد ہوں گے جو معہود من السُّنۃ ہیں اور اذان یقیناً ان میں سے نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اذان چونکہ کچھ اوصاف مخصوصہ کی حامل ہے اس لئے مطلق ذکر کے عام احکام جاری بھی نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہو گی۔

امام ابو اسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں:

فاذا ندب الشرع مثلا الی ذکر اللہ فالتزم۔ مثلاً شریعت نے ذکر اللہ کی ترغیب دی ہے پس اگر کوئی جماعت کسی خاص وقت میں جمع ہو کر بیک زبان اور بیک آواز ذکر کرنے کا التزام کرے تو یہ اس عام ترغیبِ شرعی کے ماتحت نہ ہو گا۔

اذان علی القبر کے جواز کے دلائل اور ان کے جوابات

پہلی دلیل:

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ "اذان قبر" سے شرع مطہرہ میں منع نہیں فرمایا گیا، لہٰذا وہ جائز ہے۔ (ایذان الاجر)

جواب: اس کا جواب حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنی کتاب امعان النظر میں یوں دیتے ہیں کہ: (ا) "اباحت اصلیّہ" کوئی متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ اکثر محققین احناف کے نزدیک اصل اشیأ میں توقف ہے، اہل سنّت کا صحیح مذہب یہی ہے کہ اصل اشیأ میں توقّف ہے، اور "اباحت" معتزلہ کا خیال ہے، جس چیز کے بارہ میں شریعت کی طرف سے سکوت ہو اس میں "توقّف" ہی اصل تقوٰی ہے، اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور ان جیسے دیگر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا یہی مذہب ہے۔

(ب) اباحت اصلیہ "اصل فی الاشیأ" کا مسئلہ عبادات کے لئے نہیں ہے، ورنہ اس کے معنٰی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کو نئی عبادتوں کے ایجاد کا حق ہو گا، اور وہ خود ایجاد عبادتیں اسی اصول پر مباح اور درست ٹھیریں گی۔ مثلاً فرض کیجئے

کہ اگر کوئی شخص پانچ فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ ایک اور چھٹی نماز ایجاد کرے جس میں ایک رکوع کے بجائے دو رکوع، اور دو سجدوں کے بجائے چار سجدے رکھے تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون کے مطابق اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟ ہر گز نہیں اس لئے بعض علمائے متقدمین نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ اباحت اصلیہ (اصل فی الاشیأ) کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ صرف امور عادیہ میں ہے نہ کہ امور تعبدیہ میں، چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں:

ولایصحّ ان یُّقال فیما فیه تعبد انّه مختلف فیه علیٰ قولین هل هو علی المنع ام هو علی الاباحة بل هو امر زائد علی المنع لان التعبدیات انّما وضعها الشارع فلا یقال فی صلوٰة سادسة مثلا انها علی الاباحة فللمکلف وضعها علی احد القولین لیتعبد بها لله لانه باطل باطلاق (الاعتصام:ص:۳۰۱ ج:۱)

امور تعبدیہ کے متعلق یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ ممنوع الأصل ہیں یا مباح الأصل (الغرض وہ اس اختلاف کے ماتحت نہیں ہیں) کیونکہ امور تعبدیہ کو شارعؑ ہی نے مقرر کیا ہے فرض کیجئے کہ اگر کوئی شخص چھٹی نماز ایجاد کرے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اباحت اصلیّہ کے قول کی بناء پر یہ مباح ہے اور مکلف کو اس کے ایجاد کا حق ہے، کیونکہ یہ مطلقاً باطل ہے۔

دوسری دلیل:

وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے تو شیطان رجیم وہاں خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے تو یہ اذان (یعنی اذان قبر) خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق ہے اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالامال ہے۔ (ایذان الاجر ص ۲،۳)۔

اس دلیل کی بنیاد دو مقدموں پر ہے، ایک یہ کہ دفن میّت کے بعد قبر میں بھی شیطان خلل انداز ہوتا ہے اور سوال نکیرین کے جواب میں بہکاتا ہے اور دوسرے یہ کہ اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔

جواب: (ا) شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب اس کا جواب اپنی کتاب المنہاج الواضح صفحہ (۲۳۳) پر دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خان صاحب کا یہ ارشاد ایک خاص مجدّدانہ مغالطہ اور قلّتِ تدبر کا افسوس ناک مظاہرہ ہے۔

☆ اس لئے کہ شرعی اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کی تکلیفی زندگی جس میں اغوائے شیطانی کا خطرہ رہتا ہے، موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے، قبر میں اغوا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی نوادر الاصول کا حوالہ تو چنداں قابل التفات نہیں اس لئے کہ یہ کوئی مرفوع حدیث نہیں، بلکہ ایک تابعی کا موقوف قول ہے، اور پھر اس کی سند بھی ذکر نہیں کی گئی۔ اور یہ ان کتابوں میں سے ہے جن میں رطب ویابس سبھی کچھ ہے۔ پس کسی روایت کا صرف اس کے حوالے سے نقل کر دینا اس کی حجیّت کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

☆ علاوہ ازیں اس روایت میں اس کا کوئی خفیف سا بھی اشارہ نہیں کہ یہ امر (یعنی قبر میں شیطان کا میّت کو بھکانا) ان کو کسی نص سے معلوم ہوا ہے، بلکہ اس کے آخری الفاظ ''**فلھٰذا ورد السوال التثبت له حين يسئل**'' صاف اس طرف مشیر ہے کہ یہ بات انہوں نے اس حدیث سے سمجھی ہے، جس میں وارد ہوا ہے کہ بعد دفن کے میّت کے لئے ثابت قدمی کی دعاء کرو، کیونکہ اس وقت اس سے نکیرین کے سوالات ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ہرگز اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہاں شیطان بھی اس وقت آتا ہے کیونکہ ثابت قدمی کی دعاء کے لئے شیطانی اثر کا احتمال بھی ضروری نہیں۔ پیارے پیغمبر ﷺ سے خود اپنے لئے ثابت قدمی کی دعاء بکثرت ثابت ہے حالانکہ آپ ﷺ کے متعلق دخل شیطان کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

☆ علاوہ ازیں شیطان سے، یا شر شیطان سے پناہ مانگنے کے لئے یہ ضروری ہی نہیں کہ وہاں شیطان یا اس کا اثر بالفعل موجود ہی ہو۔ یہ ایک مسلّمہ مسئلہ ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ شیطان اور شر شیطان سے ہمیشہ کے لئے محفوظ تھے۔ بایں ہمہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شیطان اور شرّ شیطان سے پناہ مانگی، تو کیا نعوذ باللہ یہ کہا جائے گا کہ اس وقت پیارے پیغمبر ﷺ پر شیطان کا اثر ہو گیا تھا۔ **معاذ الله لا حول ولا قوة الا بالله**۔ بہر حال ان روایات سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کہ دفن کے بعد قبر میں شیطان اغوا اور گمراہ کرنے کے لئے آتا ہو۔

(ب) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قبر میں شیطان کا دخل ہوتا ہے، اور بعض صحابہ کرامؓ سے دفن کے بعد کی دعاؤں میں: "**اللّٰھمّ اجرها من الشّيطٰن**" اور "**اللّٰهمّ اَعِذْهُ مِنَ الشَّيْطٰن**" جیسے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ اپنی حقیقت پر ہی محمول ہیں، تو پھر تو بہت سارے مقامات ایسے ہیں جن میں شیطان کا دخل احادیث سے معلوم ہے جیسے:

☆ پیارے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت یہ دعا پڑھے:
بسم الله اللّٰهم جَنِّبْنَا الشَّيْطَان و جَنّب الشَّيْطٰن ما رزقتنا۔ (بخاری: ج:۲ ص:۹۴۵)
اللہ کے نام سے اے اللہ مجھے شیطان سے بچا، اور شیطان کو اس چیز (یعنی اولاد) میں جو تو ہمیں عطا کرے ہم سے الگ رکھ۔

☆ اور حافظ ابن حجرؒ حضرت مجاھدؒ سے اس کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ:
انّ الذی یجامع ولا یسمّی یلتفّ الشیطان علیٰ احلیلہ۔ (فتح الباری ج۲ ص ۹۲)
جو شخص ہمبستری کے وقت یہ دعا نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے آلہ تناسل پر لپٹ جاتا ہے (اور ساتھ شریک ہو جاتا ہے)

تو کیا اس موقع پر بھی شیطان کو بھگانے کے لئے ان کے نزدیک اذان مستحب ہو گی؟ کہ یہاں تو کئی کے ساتھ امداد ہے۔ اور اگر اس موقعہ پر اذان نہیں تو کیوں؟

☆ سنن ابی داوٗد میں مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:
انّ هٰذه الحشوش مختضرة (الحدیث) یعنی قضائے حاجت کے ان مقامات پر شیاطین موجود رہتے ہیں۔ پس جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لئے جائے تو یہ دعاء کر لیا کرے:
اللّٰهم اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائث۔ اس حدیث صحیح صریح سے معلوم ہوا کہ پاخانوں کی جگہوں میں شیاطین موجود رہتے ہیں۔ تو کیا آپ حضرات کے نزدیک قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بھی اذان پکارنا مستحب یا سنت ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ وجہ فرق کیا ہے؟

تیسری دلیل:

مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروکاروں کا تیسرا استدلال حضرت جابرؓ کی اس روایت سے ہے جس میں وارد ہوا ہے کہ جب سعد بن معاذؓ دفن کئے جا چکے اور قبر درست کر دی گئی تو دیر تک پیارے پیغمبر ﷺ سبحان اللہ، سبحان اللہ فرماتے رہے، اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ بھی اسی طرح کہتے رہے۔ پھر پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ اکبر" اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی کہا اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضرت! آپ نے کس واسطے "سبحان اللہ، سبحان

اللہ " کہا تھا؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس مرد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ تکلیف دور کر دی۔ خان صاحب اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور ﷺ نے میّت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر" اللہ اکبر، اللہ اکبر" فرمایا اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنّت ہوا۔

جواب: اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے تسبیح و تکبیر اس لئے پڑھی تھی کہ صاحب قبر کی تکلیف دور ہو جائے، بلکہ قوی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے اس ہیبت ناک منظر، اور اللہ رب العزّت کے اس جلالی نمونے کو دیکھ کر از راہ تعجب و استغراب یا اتغاظ واعتبار کے طور پر سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہا ہو جیسا کہ ایسے مواقع پر ہر صاحب عرفان کی کیفیت ہوتی ہے چنانچہ شیخ عبد الحق دہلویؒ نے بھی اشعۃ اللمعات میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، اور ملا علی قاریؒ نے بھی مرقات میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ وہ سبح رسول اللہ ﷺ " کی شرح میں فرماتے ہیں:

وکلّ التّسبیح کان للتّعجب او للتّنزیہ لا دارۃ تنزیھہ تعالیٰ من ان یظلم احدا۔ اور یہ ساری تسبیح از راہ تعجب تھی یا تنزیہ کے واسطے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس بات سے پاکی بیان کرنی مقصود تھی کہ وہ کسی پر ظلم کرتا ہو۔

اس کے علاوہ ملّا علی قاریؒ نے قریب قریب یہی مضمون کچھ مزید تفصیل و تشریح کے ساتھ حافظ ابن حجرؒ سے بھی نقل کیا ہے۔

بہر حال قرین قیاس یہی ہے کہ اس موقع پر پیارے پیغمبر ﷺ سے جو تسبیح و تکبیر کا صدور ہوا، وہ تعجب و استغراب یا تذکر واعتبار کے جذبہ کے ماتحت ہوا، اور اس کا تعلق اس ہیبتناک منظر سے تھا جو آپ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا، اس کا ایک زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ یہ تسبیح و تکبیر حضور ﷺ سے صرف اسی ایک موقع پر یعنی حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر پر ثابت ہے، لیکن اگر یہ چیز اس غرض کے واسطے سے ہوتی کہ صاحب قبر کی تکلیف دور ہو، اور اس پر اللہ کی رحمت نازل ہو تو یہ صرف اسی ایک موقعہ کے ساتھ خاص نہ ہوتی بلکہ ہر قبر پر آپ ﷺ کا یہ عمل ہوتا، کیونکہ اس خاص وقت میں ہر میّت اللہ کی رحمت کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوتا ہے، لیکن سیرت نبویہ ﷺ کے تتبع سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس

موقع کے سوا کہیں اور بھی آپ ﷺ نے ایسا عمل کیا ہو، بلکہ آپ ﷺ کی عام عادت دفن کے بعد استغفار و دعاء کی تھی اور اس کی آپ ﷺ نے امّت کو تعلیم بھی دی ہے۔

اور اگر اس ساری بحث کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز بھی کر دیا جائے، اور خانصاحب کے اس بے بنیاد خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ تسبیح و تکبیر میّت (یعنی سعد بن معاذؓ) پر آسانی کے لئے تھی، اور اذان سے یہ مقصد آپ کے نزدیک بوجہ اتم اور مع شے زائد حاصل ہوتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا پیارے پیغمبر ﷺ نعوذ باللہ اس کو بھول گئے تھے یا آپ ﷺ کو یہ بات معلوم نہ تھی؟ آخر آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر پر اذان کیوں نہ دی، یا کیوں کسی صحابی کو حکم نہ دیا کہ تم اذان پڑھ دو تاکہ اس مرد مومن کی تکلیف دور ہو جائے۔ اور جب کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور بقول آپ کے اس غرض کے لئے آپ ﷺ نے چند بار سبحان اللہ اور اللہ اکبر فرمایا، تو آپ اسی کو کیوں نہیں کافی اور بہتر سمجھتے؟ اور کیوں اسی پر عمل نہیں کرتے؟ آپ کو اس سے الگ کسی چیز (یعنی اذان) کے ایجاد کرنے کی اور اس کو رواج دینے کا کیا حق ہے؟

چوتھی دلیل:

مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروکاروں کا چوتھا استدلال حدیث تلقین سے ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لقّنوا موتاکم لا الٰہ الا اللّٰہ** ۔ اور اس استدلال کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں مُردوں کو کلمہ پاک سکھانے کا حکم ہے تاکہ نکیرین کے سوالات کے جواب میں بہک نہ جائیں، اور چونکہ اذان میں بھی کلمہ پاک تین جگہ ہے، بلکہ اس کے تمام کلمات نکیرین کے تینوں سوالوں کا جواب بتلاتے ہیں، لہٰذا بعد دفن اذان دینا حضور ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل ہے۔

جواب: اس کے جواب میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اس حدیث میں لفظ **موتاکم** سے قریب المرگ مراد ہیں جو حالت نزع میں ہوں اور ان ہی کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہو، اور خدا توفیق دے تو آخر کلام بھی کلمہ پاک " لا الہ الا اللہ " ہو۔ اس صورت میں اس مسئلہ کو اذان قبر سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا، لیکن اگر اس لفظ سے " حقیقی مردے " مراد لئے جائیں، اور اس تلقین کو تلقین علی القبر پر محمول کیا جائے جیسا کہ عام شوافع اور بعض حنفیہ کا بھی خیال ہے، اور مسئلہ سماع اموات میں بھی جمہور حنفیہ کے مسلک سے قطع نظر کر لیا جائے، جب بھی اس سے اذانِ قبر کسی

طرح ثابت نہیں ہوتی۔

(۲) جس ذات گرامی ﷺ نے تلقین بہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" کی تعلیم دی ہے وہ بھی اس بات سے باخبر تھے کہ اذان میں یہ کلمہ تین بار ہے، نیز یہ بھی ان کو معلوم تھا کہ اذان میں اس کلمہ کے علاوہ رسالت کی شہادت اور نماز کی ترغیب بھی ہے، اور اس سے مردہ کو نکیرین کے تینوں سوالوں کے جواب میں مدد مل سکتی ہے۔

مگر بایں ہمہ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ قبر پر اذان کہا کرو، بلکہ صرف یہ فرمایا: لقنوا موتاکم لا الہ الا اللّٰہ " تو اب کسی کو اس میں ترمیم کا کیا حق ہے؟ اور جو شخص آپ ﷺ کی تعلیم کردہ طریقۂ تلقین کے علاوہ اس غرض کے لئے اب اذان کو تجویز کرتا ہے، تو گویا وہ حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیم فرمودہ شریعت پر استدراک کرتا ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ کی شریعت وہ مکمّل شریعت ہے جس نے پہلی آسمانی شریعتوں پر بھی خط نسخ کھینچ دیا ہے۔

دیگر دلائل:

اس کے علاوہ اذانِ قبر کے جواز کے لئے وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے قبر کے اوپر اذان کا مسئلہ ثابت ہو، ان دلائل میں سے کسی میں اذان کی فضیلت کا ذکر ہے اور کسی میں دعا اور ذکر کی فضیلت کا تذکرہ ہے، کسی میں قبر کے اندر میّت کے لئے ثابت قدمی کا سوال ہے، اور کسی میں اس کے لئے تخفیف عذاب کا بیان ہے، اور کسی میں سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ وغیرہ کا قبر پر اثبات ہے، کسی میں استعاذہ من الشیطن کی دعا کا ذکر ہے، اور کسی میں تلقین کا، کسی میں پیارے پیغمبر ﷺ کا اسم گرامی لینے سے عذاب کے ٹل جانے کا بیان ہے تو کسی میں شیطان کے بھاگ جانے کا۔ یہ سب مسائل اور دلائل اپنے اپنے مقام پر حق ہیں اور ان کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا قبر پر اذان پیارے پیغمبر ﷺ، صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے کسی نے دی ہے؟ چند ایک دلائل کا خلاصہ یہاں پر پیش کیا جاتا ہے:

(ا) روایات میں آتا ہے کہ آگ دیکھو تو " اللہ اکبر " کہو، اور قبر میں بھی آگ کا عذاب ہوتا ہے اور اذان میں کلمہ اللہ اکبر چھ مرتبہ کہا جاتا ہے، لہٰذا اس آگ کے عذاب، اور اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہاں (قبر پر) اذان دینا بھی فرد سنّت ہوگا۔ (ملخصًا)

(ب) دفن کے بعد میّت کے لئے قبر پر دعاً کرنا احادیث سے ثابت و سنّت ہے اور چونکہ اذان بھی ایک ذکر ہے، اور ہر ذکر

دعاء ہے، لہٰذا اذان بھی دعاء ہونے کی حیثیت سے اسی سنّت کا ایک فرد ہے۔

(ج) دعا کے اداب میں سے یہ ہے کہ اُس سے پہلے کوئی نیک عمل کر لیا جائے اور اذان بھی ایک عمل صالح ہے، لہٰذا دفن کے بعد میّت کے لئے دعا کرنے سے پہلے اذان پڑھ لینا مطابق مقصود اور سنّت ہو گا۔

(د) احادیث میں آتا ہے کہ اذان کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اور چونکہ اذان کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس لئے میّت کے لئے دعا کرنے سے پہلے اذان کہہ لینا بہتر ہو گا۔

(ھ) اذان ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی کا دافع عذاب ہونا بہت سی احادیث سے ثابت ہے، پس قبر پر اذان دینے کے باعث میّت سے عذاب ٹل جانے کی امید ہے۔

(و) اذان میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے، اور حضور ﷺ کا ذکر باعث نزول رحمت ہے، لہٰذا جب قبور پر اذان دی جائے گی تو اس کی برکت سے میّت پر رحمت نازل ہو گی۔

(ز) حدیثوں سے ثابت ہے کہ مردے کو قبر میں وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے اور اذان دافع وحشت اور باعث اطمینان خاطر ہے، کیونکہ وہ ذکر اللہ ہے، اور قرآن پاک میں ہے، "الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب" کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اور ابو نعیم وابن عساکر حضرت ابو ہریرہؓ سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جب آدمؑ جنت سے ہندوستان میں اترے تو انہیں گھبراہٹ ہوئی، تو جبرائیلؑ نے اتر کر اذان دی) پس ایسے ہی میّت کی قبر پر اذان دینے سے اس کی وخشت دور ہو گی اور اس میں اس میّت کی اعانت اور ہمدردی ہے جو اللہ کو بہت ہی محبوب ہے، حدیث میں ہے" واللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیہ" (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندہ کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمان کی اعانت اور مدد کرتا ہے۔

(ح) اذان غم اور پریشانی کو دفع کرتی ہے چنانچہ مسند فردوس میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے غمگین دیکھا تو ارشاد فرمایا، اے علی میں تجھے غمگین پاتا ہوں، اپنے کسی گھر والے سے کہہ کے تیرے کان میں اذان کہے وہ غم اور پریشانی کی دافع ہے، اور میّت کے لئے بھی وہ وقت خاص حزن وغم کا ہوتا ہے، لہٰذا قبر پر اذان دینے سے اس کا وہ غم والم دور ہو جائے گا، اور وہ خوش ہو گا، اور مسلمان کا دل خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب

ہے، "انّ اَحَبَّ الاعمال الی اللہ تعالیٰ بعد الفرائض ادخال السُّرور علی المسلم "(ملخصًا)
فرائض کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل کسی مسلمان کے دل میں خوشی کا داخل کرنا ہے۔

(ط) قرآن اور احادیث میں ذکر اللہ کی بے حد تاکید اور بہت زیادہ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا"۔ (الاحزاب:۴۱)

اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

وقال رسول اللہ ﷺ اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون،

کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں۔

وقال علیہ السلام اُذکُروا اللہ عند کلِّ حَجرٍ و شَجرٍ۔

کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر شجر اور حجر کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت شرعاً مطلوب اور خدا کو بہت مرغوب ہے، اور اذان قبر بھی ذکر خدا ہے پس وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

(ی) امام نووی شیخ عبد الحق دہلویؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر قبر پر بیٹھنا مستحب ہے، اور یہ بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میّت کے لئے دعاء اور وعظ ونصیحت اور عباد صالحین کی حکایات میں مشغول رہیں۔ فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ حکایات اہل خیر وتذکرہ صالحین وغیرہ کے استحباب کی وجہ صرف یہ ہے کہ میّت کو نزول رحمت کی حاجت اور ان امور میں نزول رحمت، تو اذان کہ بشہادت احادیث موجب نزول رحمت ودافع عذاب ہے کیوں جائز بلکہ مستحب نہ ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ۔ (دیکھئے ایذان الاجر اور جاء الحق ص۲۹۷ تا ص۳۰۰)

جوابات:

ان تمام دلائل کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کو بھی یہ معلوم تھا کہ کلمہ "اللہ اکبر" کی کیا تاثیر ہے۔

اور یہ بھی معلوم تھا کہ اذان میں یہ کلمہ کتنی بار آتا ہے۔

یہ بھی معلوم تھا کہ اذان ذکر اللہ اور ذکر رسول پر مشتمل ہے،

اور اس سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اللہ رب العزّت اور اسکے رسول ﷺ کا ذکر دافع عذاب اور موجب نزول رحمت ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی پیارے پیغمبر ﷺ نے کسی کی قبر پر اذان نہ کہی، حضرت تھانویؒ اغلاط العوام ص ۷۰) میں لکھتے ہیں بعض لوگ میّت کے دفن کے بعد عذاب قبر کے رفع کے واسطے اذان کہتے ہیں، نعوذ باللہ کیا فرشتوں کو بھگاتے ہیں شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ (کلمۃ الحق ص ۴۹

قبر پر اذان کی ایجاد:

یُوں تو یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ خیر القرون میں کہیں نہ تھا۔ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں یہ اذان کہیں نہ سُنی گئی تھی۔ البتہ آٹھویں صدی کے علّامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے بدعت لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دسویں صدی میں یہ بدعت رائج ہو چکی تھی۔

علّامہ شامیؒ (۱۲۵۳ھ) اپنے ہاں اسے میّت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت کا ایک عمل بتاتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا۔ آپ امام ابن ہمام کے بیان کردہ اصول (کہ قبروں پر زیارت کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں) کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی الاقتصار علیٰ ما ذکر من الوارد اشارۃ الیٰ انّہ لا لیسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد الاٰن وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانّہ بدعۃ[1]۔

ترجمہ: قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میّت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منقول نہیں اور علّامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے۔ (شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔)

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پر جو عمل سنّت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتلاتی ہے کہ یہاں سنّت کے بعد مستحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام (۸۶۱ھ) اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے۔ علّامہ شامی کا فتح القدیر کی اس عبارت پر یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ میّت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل

---

[1] رد المحتار ج:۱ ص:۶۵۹

رائج ہو چکا ہے ہر گز مسنون نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبر پر اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے۔ مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید مستحب یا مباح کی راہ کھلی ہو۔ قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نمازِ جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی۔

لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ — میں استحباب اور اباحت ہر ایک کی نفی ہے۔ سنّت کے سوا یہاں پر عمل جو بھی اس کے نیچے تصوّر کیا جاسکتا ہے مکروہ ہے۔

سو متن در مختار کی یہ عبارت لا یسن لغیرھا (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں) فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنّت میں منقول نہیں، وہاں اذان دینا مکروہ ہے۔ سو اذان علی القبر کا کوئی جواز نہیں۔

علّامہ طحطاوی نے شرح در مختار میں علّامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے:

الوتر والجنازۃ والکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن والرواتب[1]

ترجمہ: وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے، چاند گرہن کے موقعہ پر، بارش طلبی کی دعا میں، تراویح میں اور سنن رواتب میں اذان ہر گز مسنون نہیں (مکروہ ہے)۔

نماز جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اُتارتے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع پر اذان دینا جائز نہیں۔ علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پر جو عمل سنّت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ ہے۔ ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت بتلانی پیشِ نظر ہو تو یہ امر دیگر ہے۔

علّامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

وفی فتح القدیر عند القبر کل مالم یعھد من السنة والمعھود منھا لیس الازیارتھا والدعاء عنھا قائماً کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع[2]۔

---

[1] طحطاوی علی الدر لمختار ج:۱ ص ۱۸۵

[2] طحطاوی علی الدر لمختار ج:۱ ص ۱۸۵

ترجمہ: حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بہ حرام) ہے جو سنّت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے دعا جیسا کہ حضور ﷺ جنت البقیع میں کیا کرتے تھے۔

ناظرین کرام بحمد للہ اذان علی القبر کا مسئلہ واضح ہو چکا ہے، اس کے بعد بھی اگر کسی کو اشتباہ باقی رہے تو باتفاق علماء اس کے لئے صحیح راہ عمل یہ ہے کہ وہ کسی ایسے مشتبہ کام کے پاس نہ جائے، پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے:

دع ما یریبك الیٰ مالا یریبك۔ جس چیز میں شبہ ہو اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جس میں کوئی شک نہ ہو۔

اور علامہ شامی نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے:

اذا تردد الحکم بین سنّة و بدعة کان ترک السّنة راجحاً علیٰ فعل البدعة۔ (رد مختار)

اور طریقہ محمدیہ میں ہے:

انّ الفقهاء قالوا اذا تردد فی شئی بین کونہ سنة و بدعة فترکه لازم۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جب کسی چیز کے بدعت یا سنت ہونے میں شک ہو تو اس کو چھوڑ دینا لازم ہے۔ اور جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں پیارے پیغمبر ﷺ کی روشن سنتیں ہمارے سامنے موجود ہیں تو پھر ان محدثات میں الجھنے کی ہم کو کیا ضرورت ہے۔

س۴: هل يصح تشييع الجنازة مع التهليل والأذان بعد وضعه في اللحد؟

ج۴: لم يثبت عن النبي ﷺ أنه شيع جنازة مع التهليل ولا الأذان بعد وضع الميت في لحده، ولاثبت ذلك عن أصحابه رضي الله عنهم فيما نعلم، فكان بدعة محدثة، وهي مردودة؛ لقوله ﷺ: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔''

وباالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو: عبدالله بن قعود — عضو عبدالله بن غديان — نائب رئيس اللجنة: عبدالرزاق عفيفي — الرئيس: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز

الأذان عند القبر

الفتوىٰ رقم (٣٥٤٩):

س: يو جد عندنا في بلاد بنجلاديش الأذان بعد دفن الميت عند القبر، وبذالك اختلف العلماء وتنازعوا بينهم؛ فمنهم من يجيزه، ومنهم من يمنعه۔

ج: لا يجوز الاذان ولا الإقامة عند القبر بعد دفن الميت، ولا في القبر قبل دفنه؛ لأن ذلك بدعة محدثة، وقد ثبت عن رسول الله ﷺ أنه قال: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهورد''، متفق عليه من حديث عائشة رضي الله عنها

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو: عبدالله بن قعود– عضو عبدالله بن غديان – نائب رئيس اللجنة: عبدالرزاق عفيفي– الرئيس: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة، ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہ: ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۳۱ مارچ ۲۰۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پسماندگان سے تعزیت

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

بسم الله الرحمن الرحيم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله ، أما بعد:

يقول سبحانه و تعالیٰ: ”فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾“ (الواقعۃ: ۸۳ تا ۸۷)

قارئین کرام:

آنحضرت ﷺ میّت کے ساتھ ایسا احسان اور معاملہ فرماتے تھے جو اس کے لیے قبر اور آخرت میں سود مند ہو اور اس کے گھر والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک فرماتے، میّت کے لیے استغفار فرماتے، اور نمازِ جنازہ کے بعد مدفن تک جنازہ کے ساتھ جاتے، اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے لیے کلمۂ ایمان پر ثابت قدم رہنے کی دعا فرماتے، پھر اس کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے، اور صاحبِ قبر کو سلام کرتے اور اس کے لیے دُعا فرمایا کرتے تھے۔(مدارج النبوۃ)

پسماندگان سے تعزیت:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کی اس کے لیے ایسا ہی اجر و ثواب ہے جیسا اُس مصیبت زدہ کے لیے۔(جامع ترمذی، ابنِ ماجہ، معارف الحدیث)

وقد روي عن النبيﷺ الترغيب فيها بما روي عنه ﷺ أنه قال: ''ما من مؤمن يعزي أخاه بمصيبة إلا كساه اللهَ عز و جل من حلل الكرامة يوم القيامة''۔(رواه ابن ماجه، ولا تكون التعزية بذبح بقر أو)

جس مؤمن نے اپنے کسی مصیبت زدہ بھائی کی تعزیت کی تو اللہ عزّوجلّ اس کو قیامت کے دن کرامت کا جوڑا پہنائیں گے۔

تعزیت کا مسنون طریقہ

جس گھر میں غمی ہو ان کے یہاں تیسرے دن تک ایک بار تعزیت کے لئے جانا اور اس کو یہ احساس دلانا کہ آپ کے اس غم اور مصیبت میں، ہم بھی شریک ہیں مستحب ہے، میّت کے متعلقین کو تسلیّ اور تسکین دینا اور صبر کے فضائل اور اس کا عظیم الشان اجر و ثواب بتلا کر ان کو صبر کی رغبت دلانا اور میّت کے لئے دعائے مغفرت کرنا جائز اور نیکی کا کام ہے، کیونکہ یہ قرابت داری، دوستی، اور اخوت اسلامی کے حقوق میں سے ہے، اور اسی کو تعزیت کہتے ہیں۔

[1] أخرجه ابن ماجه (۵۱۱/۱) برقم (۱۶۰۱)، والبيهقي (۵۹/۴)، وعبد بن حميد =

"من عزى مصابًا فله مثل أجره"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جس شخص نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کی اس کے لیے ایسا ہی اجر و ثواب ہے جیسا اُس مصیبت زدہ کے لیے۔ (جامع ترمذی، ابنِ ماجہ، معارف الحدیث)

پیارے پیغمبر ﷺ خود بھی تعزیت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس لئے جب آپ اپنے بھائی، رشتہ دار، یا جاننے والے کا پاس تعزیّت کے لئے جائیں تو مستحب یہ ہے کہ آپ اسے تعزیّت کے وہ کلمات کہیں جو شریعت سے ثابت ہیں، (اور جس سے اس کی مصیبت کا غم ہلکا ہو، وہ اس طرح کہ آپ اس کے سامنے مصیبت پر اجر اور اس پر صبر کرنے پر اجر و ثواب کا ذکر کریں، اور یہ کہ دنیا فانی اور ختم ہونے والی ہے اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے)۔ مثلاً قران کریم کی بعض آیات، اور احادیث شریفہ وغیرہ۔

☆ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" (البقرہ: ۱۵۵تا۱۵۷)

اور خوشخبری سنادی جائے ان لوگوں کو جو صبر سے کام لیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ "ہم سب اللہ ہی کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے" یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔

☆ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" (آل عمران: ۱۸۵)

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دُور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا، اور یہ دُنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔

☆ **اور اللہ کا یہ فرمان:**

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝" (الرحمٰن: ۲۶ تا ۲۷)

اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے، اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔

☆ **اور پیارے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد:**

اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْرًا مِّنْهَا۔

ترجمہ: اے اللہ میری مصیبت میں مجھے اجر عطا فرما، اور اس سے مجھے بہتر بدلہ عطا فرما۔ (صحیح مسلم)

☆ **اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد:**

اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ، وَلَه مَا اَعْطٰى، وَكُلُّ شَئٍ عِنْدَه بِاَجَلٍ مُّسَمّٰى۔

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے ہے جو اس نے لیا، اور اسی کا ہے جو اس نے دیا، اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

☆ **اور پیارے پیغمبر ﷺ کا یہ ارشاد:**

اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر ان کو وداع کرتے وقت:

اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبُ يَحْزَن، وَلا نَقُوْلُ اِلا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا، وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْم لَمَحْزُوْنُوْن۔

ترجمہ: آنکھیں پر نم ہیں، دل غمگین ہے، اور ہم وہی بات کریں گے جو ہمارے رب کو راضی کرنے والی ہے، اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔ (بخاری و مسلم)

☆ اور پیارے پیغمبر ﷺ کا حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے موقعہ پر ان کے گھر والوں سے اس طرح تعزیت کرنا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَه فِي الْمَهْدِيِّيْن، وَاخْلُفْه فِي عَقِبِه فِي الْغَابِرِيْن، اى كن لَه خَلِيْفَةً، فِي ذُرِّيَّتِه البَاقِيْنَ مِنْ اُسْرَتِه، وَاغْفِرْلَنَا وَلَه يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْن، وَافْسح لَه فِي قَبْرِه، ونوِّرْ لَه فِيْه۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: اے اللہ تو ابوسلمہ کی مغفرت فرما، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما، پیچھے رہ جانے والوں اور باقی ماندہ لوگوں کے لئے اس کا خلیفہ بن جا، ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اے رب العالمین! اور اس کی قبر کو کشادہ اور روشن کردے۔

معاذ بن جبلؓ کے بیٹے کی وفات پر:

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ اُن کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کو تعزیت نامہ لکھوایا، جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

(شروع) اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے، اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے معاذ بن جبلؓ کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں پہلے تم سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد و ثناء کے بعد (دُعا کرتا ہوں کہ) اللہ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر ادا کرنا نصیب فرمائے، اس لیے کہ بے شک ہماری جانیں، ہمارا مال اور ہمارے اہل و عیال (سب) اللہ بزرگ و برتر کے خوشگوار عطیے اور عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اُصول کے مطابق تمہارا بیٹا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اُٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا، اور (اب) تم سے اس کو اجرِ عظیم کے عوض میں واپس لے لیا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور رحمت و ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب کی نیت سے صبر کیا، پس تم صبر (و شکر) کے ساتھ رہو، (دیکھو) تمہارا رونا دھونا تمہارے اجر کو ضائع نہ کردے کہ پھر تمہیں پشیمانی اُٹھانی پڑے، اور یاد رکھو! کہ رونا دھونا کسی میّت کو لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم و اندوہ کو دُور کرتا ہے، اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر

رہے گا، اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، والسلام۔(ترمذی، حصن حصین، معارف الحدیث)

☆ **یا یہ کہنا:**

عَظَّم اللہ اَجْرَكَ وَاحسن عَزَائَكَ۔

اللہ رب العزت آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق بخشے۔

☆ **یا حضرت عمرؓ کا یہ قول:**

ہر روز کہا جاتا ہے فلاں شخص وفات پا گیا، فلاں دنیا سے چلا گیا، اور ایک دن ضرور ایسا آنے والا ہے کہ کہا جائے گا کہ عمرؓ بھی وفات پا گئے۔

☆ **اسی طرح کسی شاعر کا یہ شعر:**

وانّا لنَفرح بالایّام نَقطعُها وکلّ یومٍ مَضىٰ یدنی من الاجل

یعنی ہم خوش ہوتے ہیں کہ دن گزر رہے ہیں

لیکن ہر دن جو گزرتا ہے وہ ہمیں موت کے قریب کر رہا ہے۔

اور ایک شاعر کا زندگی کی اس طرح تصویر کھینچنا:

وَاِنَّا لَفِي الدُّنْيَا كَرَكْبِ سَفِيْنَةٍ نَظُنُّ وُقُوْفاً، وَالزَّمَانُ بِنَا يَجرى

دنیا میں ہماری مثال ایسی ہے جیسے کشتی کے سوار،

ہم خیال کرتے ہیں کہ وہ کھڑی ہے اور زمانہ کی کشتی ہمیں لے کر چل رہی ہوتی ہے۔

لیں۔

تعزیّت کے وقت کی بدعات

لیکن میں نے یہ چند آیات، احادیث، اور بزرگوں کے اقوال اس لئے پیش کئے ہیں کہ میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مصیبت زدہ شخص کی تعزیّت کے لئے جاتے ہیں تو غیر متعلقہ موضوعات چھیڑ لیتے ہیں، جن کا تعزیّت سے کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ اور اس غمزدہ پر گراں گزرتا ہے، اور اسلامی آداب اور تعزیّت کے اصول کے بھی خلاف ہے۔

آج کل ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ میّت کے گھر والے چادر بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں۔، اور جو بھی تعزیّت کے لئے آتا ہے وہ فاتحہ پڑھ لیں کہہ کر دعا شروع کر دیتا ہے، باقی سب لوگ بھی اس کی تقلید میں دعا کرنے لگتے ہیں، یہ رواج غلط ہے اسے ترک کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ:

اوّل تو تعزیّت کا یہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں،

دوسرے یہ دعا فقط رسمی ہوتی ہے، نہ اس میں اخلاص ہوتا ہے نہ حضور قلب۔

تیسرے یہ دعا چونکہ سارا دن جاری رہتی ہے، اور ہر آنے والا کرتا ہے اس لئے اہل میّت اُکتا جاتے ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ جو دُعا دل کی غفلت اور اکتاہٹ کے ساتھ ہوگی اس کا فائدہ کیا ہوگا؟

اہلِ میّت کے لیے کھانا بھیجنا مستحب ہے:

من السنة صنع الطعام لأهل الميت، فعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ حِينَ قُتِلَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَقَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ أَوْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ» (رواه الخمسة إلا النسائي)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب (ان کے والد ماجد حضرت) جعفر (بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانا تیار کرنے کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

اس لئے اہل میّت کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لئے مستحب ہے کہ وہ ایک دن ایک رات کا کھانا تیار کر کے

میّت والوں کے یہاں بھیجیں اور اگر وہ غم کی وجہ سے نہ کھاتے ہوں تو اصرار کر کے انھیں کھلائیں ایسا کرنا فی نفسہ جائز، بلکہ مسنون ہے۔ مگر اس میں بھی چند مفاسد پیدا ہو گئے ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

اہلِ میّت کی طرف سے دعوتِ طعام بدعت ہے:

آج کل بعض ناواقف لوگوں میں جو رسم ہے کہ تعزیت کے لیے آنے والوں کے واسطے میّت کے گھر والے کھانا پکواتے ہیں اور اُن کی دعوت کرتے ہیں، یہ سنت کے خلاف ہونے کے باعث ناجائز ہے اور بدعت ہے، کیونکہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، غمی پر نہیں، آنے والوں کو بھی چاہیے کہ اگر وہ اہلِ میّت کے واسطے کھانا نہیں بھیجتے تو کم از کم اُن پر اپنا بوجھ تو نہ ڈالیں۔ (شامی ج:۱، ص:۸۴۲)

اسی طرح آج کل رواج ہے کہ میّت کے قریبی رشتہ دار مسلسل تین دن تک، دونوں وقت کا کھانا اہل میّت کے یہاں بھیجتے ہیں، جس میں میّت کے گھر والے اور قریب سے آئے ہوئے لوگ سب شریک ہوتے ہیں، بلکہ بہت سے لوگ عین کھانے کے وقت آجاتے ہیں، اور اس کھانے میں شریک ہوتے ہیں، اور یہ کھانا بالکل ایسا ہوتا ہے جیسے عام تقریبات کا، یہ رواج بالکل غلط ہے۔ اور شریعت کے خلاف ہے۔ اوّل تو اس میں ادلا بدلا ہونے لگتا ہے کہ انہوں نے ہمارے یہاں دیا تھا، اس لئے ہم بھی ان کے گھر دیں، از روئے شریعت میّت والوں کے لئے صرف ایک دن اور رات کا کھانا بھیجنا پڑوسیوں یا رشتہ داروں کے لئے مستحب ہے۔ لہٰذا اس کو رسمی طور پر کسی کے ذمہ لگانا کہ وہ ضرور اسے کرے غلط ہے اور اس میں جبر ہے کہ بعض اوقات جب کسی کی گنجائش نہیں بھی ہوتی تو قرض لیکر اس رسم کو پورا کیا جاتا ہے ایسا کرنا غلط ہے۔ جس کو توفیق ہو تو بھیج دے، نہ ہو تو نہ بھیجے۔ نہ تو اس میں ادلے بدلے کی ضرورت اور رعائت ہونی چاہئے، اور نہ ہی قریب اور دُور کے رشتہ دار کی شرط۔ اسی طرح یہ کھانا صرف اہل میّت کے لئے ہوتا ہے اس میں سب لوگوں کا شریک ہونا بھی غلط ہے، اہل میّت پر غم کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ پکانے کا اہتمام نہیں کر پاتے، مگر سارے کنبہ پر ہرگز ایسا غلبہ نہیں ہوتا، اس لئے ان کے لئے کھانا جائز نہ ہوگا، فقہاًنے تصریح کی ہے کہ میّت کے گھر کھانا کھانے سے دل مردہ ہوتا ہے، اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھروں سے کھائیں اور دوسروں پر بوجھ نہ بنیں۔

فالسنة أن يصنع الجيران والناس لأهل الميت طعاماً ويرسلوا الطعام لأهل الميت، وأما أن يُكلف أهل الميت بالطعام فليس من السنّة. وتجمعات الناس الآن في الخيام

وجلوسهم ثلاثة أيام وترك الوظائف والأعمال والأشغال والدارسة ليس من الإسلام، وهو دليل على العطالة والبطالة، حتى أن بعضهم يسمن وقت العزاء من كثرة ما يأكل، يصيبه تخمة لا هم ولا غم، ولا بُكا ولا حزن، فإذا قلت له: لما ذا لا تداوم أو تدرس؟ قال: وأترك مشاركة جاري في الأحزان، بل لا تتركه من أجل الطليان والخرفان! فكل هزا ليس وارداً لا عقلاً ولا نقلاً، ما فعله السلف ولا الرسولﷺ ولا الصحابة۔

ولسماحة الشيخ عبدالعزيز بن باز كتاب في هذا۔ السنة أن تُعزي ولا تجلس، ولك أن تعزي عند المقبرة أو في الطريق أو في السوق أو في الهاتف أو بالرسالة۔(وجأت سكرت الموت بالحق ص۸۳)

تین دن کے بعد تعزیت کرنا

میّت کے عزیز واقرباء سے تعزیّت کرنی مستحب عمل ہے، لیکن یہ تعزیّت تین دن کے بعد مکروہ ہے، البتہ تعزیّت کرنے والا یا جس کی تعزیّت کرنی ہے وہ باہر ہو یا سفر میں ہو تو آنے کے بعد تعزیّت کی جاسکتی ہے۔

ایک دفعہ تعزیّت کرنے کے بعد دوبارہ تعزیّت کرنی مکروہ ہے۔

قبر پر قرآن خوانی

بعض علاقوں میں دستور ہے کہ قبر پر، یا گھر میں حفاظ کو کو بٹھلا کر دس دن تک، یا چالیس دن تک قرآن پڑھایا جاتا ہے، میّت کے گھر سے ان کے لئے اتنا عرصہ کھانا بھیجا جاتا ہے اور ان کو کچھ نقدی اور کپڑے وغیرہ دیئے جاتے ہیں، اس میں جانبین کا اجرت دینا لینا ہے، اس لئے یہ بھی جائز نہیں بلکہ بدعت ہے ایسی صورت میں جب پڑھنے والے کو ہی ثواب نہیں ملے گا تو مردہ کو کیا پہنچے گا، اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ:

قراءه القرآن عبادة من العبادات البدنية المحضة، لا يجوز أخذ الاجرة على قراءته للميت، ولا يجوز دفعها لمن يقرأ، وليس فيها ثواب، والحالة هذا، ويأثم آخذ الأجرة ودافعها، قال شيخ الإسلام ابن تيمية: (لايصح الاستئجار على القراءة وإهداؤها إلى الميت؛ لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة، وقد قال العلماء: إن القارئ لأجل المال لا ثواب له، فأي شيئ يهدى

إلى الميت؟) انتهى۔ والأصل في ذلك: أن العبادات مبنية على الحظر، فلا تفعل عبادة إلا إذا دل الدليل الشرعي على مشروعيتها، قال تعالىٰ: ''أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ '' (النساء: ۵۹)، وقال ﷺ: ''من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد''، وفي رواية ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''، أي: مردود على صاحبه، وهذا لعمل الذي سأل عنه السائل لا نعلم أنه فعله النبي ﷺ أو أحد من أصحابه، وخير الهدي هدي محمد ﷺ وشر الأمور محدثتها، والخير كله في اتباع ماجاء به الرسول ﷺ، مع حسن القصد، قال تعالىٰ: ''وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ إِلَى اللهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ط'' (لقمان: ۲۲)، وقال تعالى: بَلٰى ق مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴿۱۱۲﴾'' (البقرة: ۱۱۲)، والشر كله بمخالفة ما جاء به رسول الله ﷺ، وصرف القصد بالعمل لغير وجه الله۔

وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو: عبدالله بن قعود – عضو عبدالله بن غديان – نائب رئيس اللجنة: عبدالرزاق عفيفي – الرئيس: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز

(سکب العبرات للموت والقبر والسکرات ج۳ص۱۴۱)

میّت کے گھر عورتوں کا جمع ہونا

حضرت تھانویؒ اصلاح الرّسوم میں تحریر فرماتے ہیں: میّت کے گھر عورتیں کئی کئی بار جمع ہوتی ہیں، سو اس میں کئی امر مکروہ جمع ہیں۔ اوّل تو کئی کئی بار تعزیّت کرنا جس کو در مختار میں تصریحاً ممنوع لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تعزیت کا مقصد ہے غم کو بھلانا اور اہلِ میّت کو تسلی دینا، جب کہ عورتوں کی تعزیت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، بلکہ ان میں سے بعض دنیا بھر کی باتوں میں مشغول ہو جاتیں ہیں۔ اور جو ان میں سے بعض دردمند بھی ہوتیں ہیں وہ بھی اہلِ میّت کے گلے لگ لگ کر روتی ہیں، جو عقل کے بھی خلاف ہے اور اس میں نوحہ کا گناہ الگ ہوتا ہے، یہ بھی تعزیّت کے مقصد کے خلاف ہے، اس کے علاوہ ان کے جمع ہونے میں اور بھی بہت سی خرابیاں پائی جاتیں ہیں، جس کی وجہ سے ان کا تعزیت کے لئے نہ جانا ہی بہتر ہے۔

میّت کا سوگ منانا:

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: کسی مؤمن کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ منائے، سوائے بیوہ کے کہ (شوہر کی موت پر) اس کے سوگ کی مدت چار مہینے دس دن ہے۔(ترمذی ابواب الطّلاق، وبخاری)

سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہیں، اللہ کی حمد وثناء کریں، اور (جب بھی غم یاد آئے) ”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ“ پڑھا کریں، اور مصیبت کے باعث کپڑے پھاڑنے والوں، بلند آواز سے بین اور نوحہ وماتم کرنے والوں اور بال منڈوانے والوں سے بیزاری کا اظہار کریں۔(زاد المعاد)

حدیث شریف میں آتا ہے:

عن عبداللہ رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ”ليس منا من لطم الخدود، وشق الجيوب، ودعا بدعوى الجاهلية“۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیارے پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا، جو رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے طور وطریقے اختیار کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

اور مسلم شریف کی روایت ہے:

وفي صحيح مسلم عن عبدالرحمٰن بن يزدي وأبي بردة بن أبي موسى قالا: أغمي على أبي موسى وأقبلت امرأة تصيح برنة، قالا: ثم أفاق قال: ألم تعلمي وكان يحدثها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”أنا بريء ممن حلق وسلق وخرق“۔

عبد الرحمٰن بن یزید اور ابی بردہؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ، حضرت ابو موسیٰؓ پر بیہوشی طاری ہوئی، اور ایک عورت اس پر چیخنے چلانے لگی، جب انہیں افاقہ ہوا تو انہوں نے پیارے پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی حدیث سناتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتی ہو کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں جو چلا کر روئے، گریبان پھاڑے اور اور رخسار پیٹے۔

ابن ماجه عن أبي أمامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لعن الخامشة وجهها، والشاقة جيبها، والداعية بالويل والثبور“، إسناده صحيح۔

اور ابن ماجہ میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے رخسار نوچنے والی، اور گریبان

پھاڑنے والی اور ہلاکت مانگنے اور واہی تباہی کرنے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

وقال حاتم الأصم: إذا رأيت صاحب المصيبة قد خرق ثوبه، وأظهر حزنه وعزيته فقد شركته في إثمه، وإنما هو صاحب منكر يحتاج إلى أن تنهاه۔

اور خاتم اصم فرماتے ہیں کہ جب تم صاحب مصیبت کو کپڑے پھاڑتے، اور غم کا واویلا کرتے ہوئے دیکھو اور اس پر خاموشی اختیار کرو تو تم نے بھی اس کے گناہ میں شراکت اختیار کی، منکرات میں پڑنے والا اس کا محتاج ہے کہ اس کو منکرات سے روکا جائے۔

أما البكاء من الرحمة فقد بكى ﷺ في أكثر من واقعة۔ وفي الصحيح أنه ﷺ ذهب ليزور سعد بن عبادة فأتى فإذا هو مغشيٌ عليه فقال: أمات أخي؟ وبكى ﷺ۔فقال ابن عوف: ما هذا يا رسول الله؟

قال: ''إن الله لا يعذب بدمع العين ولا بحزن القلب، ولكن يُعذب بهذا أو يرحم'' وأشار إلى لسانه۔

بہر حال رحمت، شفقت اور نرم دلی سے رونا پیارے پیغمبر ﷺ سے اکثر و بیشتر واقعات میں ثابت ہے۔

صحیحین کی روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، تو ان پر مدہوشی طاری تھی، آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میرے بھائی کا انتقال ہو گیا؟ اور رونے لگے، حضرت ابن عوفؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ، یہ کیا! آپ رو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آنکھوں سے آنسوں بہانے، اور دل کی رنجیدگی پر عذاب نہیں دیتے، اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس (زبان) کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں یا رحم فرماتے ہیں۔یعنی زبان سے اگر گا گا کر رویا جائے اور نوحہ کیا جائے تو اس پر عذاب ہو گا اور اگر صبر کیا جائے اور جزع فزع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم کیا جائے گا۔

وكذلك في الصحيح عن أنس أن بنت رسول الله ﷺ زينب دعت رسول الله ﷺ ليحضر ابنها وقد حضرته الوفاة، فأرسل إليها وقال لها لتصبر ولتحتسب، فان للّٰه ما أخذ وللّٰه ما أعطى، وكل شئ عنده بأجل مسمًّى''۔

اور صحیح ہی کی روایت ہے حضرت انسؓ سے کہ: پیارے پیغمبر ﷺ کی بیٹی حضرت زینبؓ نے اپنے بیٹے کی نزع کی حالت میں پیارے پیغمبر ﷺ کو بلایا، (آپ ﷺ اس وقت کسی کام سے مشغول تھے) اسلئے آپ ﷺ نے ان کے پاس قاصد کو یہ کہلا کر بھیج دیا کہ صبر کریں، اللہ کی دَین ہے وہی عطا بھی فرماتا ہے اور واپس بھی لیتا ہے اور ہر چیز کے لئے اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔(روایت میں آتا ہے کہ حضرت زینبؓ نے پھر اصرار فرمایا کہ آپ ﷺ تشریف لائیں تو آپ ﷺ تشریف لے گئے اور بچے کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے، اور اس موقع پر بھی جب ایک صحابی رسول ﷺ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ رورہے ہیں، تو آپ ﷺ نے اسی طرح جواب دیا جس طرح پہلی حدیث میں گزر چکا)۔

ورد في حديث عند البخاري أن رسول الله ﷺ مرَّ على قبر و عليه امرأة تبكي فقال ﷺ: ''اتقي الله واصبري''۔

قالت: إليك عني!۔ ولم تكن تعرف أنه رسول الله ﷺ۔ فإنك لم تُصَب كمصيبتي۔

فلما ذهب ﷺ قالو لها: إن هذا رسول الله ﷺ۔

فلحقته فقالت: يا رسول الله لم أعرفك

فقال ﷺ: ''إنما الصبر عند الصدمة الأولى''، يعني ليس هذا وقت الصبر، فلو صبرتِ عند الصدمة الأولى لكان أولى وأفضل۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ کا ایک قبر پر گزر ہوا، آپ ﷺ نے اس پر ایک بڑھیا کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈریں اور صبر کریں۔ وہ کہنے لگی کہ تمہیں میرے غم کا کیا پتہ (اگر تمہارا کوئی فوت ہوتا تو میں دیکھتی تم کیسے صبر کرتے، میرا تو ایک ہی بیٹا تھا جو گزر گیا میں کیسے صبر کروں؟) اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تمہاری مرضی مت صبر کر۔ آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے، اسے بعد میں لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ تو نبی کریم ﷺ تھے، تو پریشان ہوگئی، اور دوڑی ہوئی پہنچی کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ ﷺ تھے، اور آپ ﷺ نے صبر کے لئے فرمایا۔ اب میں صبر کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''الصبر عند الصدمة الاولیٰ''۔ صبر کا وقت وہ تھا جب صدمہ پڑا ہوا تھا، بعد میں تو سب ہی کو صبر آجاتا ہے یہ تو مجبوری کا صبر ہے سب کو حاصل ہو جائے گا، صبر وہ ہے جو ارادہ اور اختیار سے ہو، اور اس حالت میں ہو جب کہ تازہ تازہ غم پڑا ہوا ہو تو یہ اطمینانِ رضا ہے۔

اس لئے کسی کی موت پر انسان کو طبعی رنج تو ہوتا ہی ہے لیکن اس رنج کو پالنا اور تازہ کرتے رہنا، اس کو شریعت نے پسند نہیں کیا اس لئے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی رسم تھی، اسلام نے یہ رسم نہیں رکھی، بلکہ اسلام نے تو سیدھی یہ بات بتلادی کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو صبر کرے اور جس کلمہ سے صبر آتا ہے وہ بھی سکھلا دیا کہ :"انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" پڑھو۔ کہ ہم اللہ کی ملک ہیں وہ اپنے مملوک میں جو چاہے تصرف کرے چاہے اٹھائے یا دنیا میں زندہ رکھے ہم کون ہیں اس میں دخل دینے والے؟ اس سے صبر آئے گا عقلی طور پر بھی اور طبعی طور پر بھی کہ ہم اللہ کی مملوک ہیں اور اس کو اپنی ملک میں ہر قسم کا تصرف کا اختیار ہے اور بلآخر ہم نے بھی وہیں جانا ہے، تو وہاں ملاقات ہو جائے گی اور یہ جدائی بھی عارضی اور وقتی ہے۔

بہر حال انسان کو ہر حال میں اللہ رب العزت کی رضا پر راضی رہنا چاہئیے کہ جو اس کی مرضی وہ میری مرضی، اس طرح کوئی چیز اس کے خلاف طبع نہیں ہو گی اور کسی بھی چیز کے وقوع پر وہ اسے بے وقت نہیں سمجھے گا جیسے بعض لوگ کسی بڑے آدمی کے انتقال پر یہ بیان دے دیتے ہیں کہ:

فلاں صاحب کی بے وقت موت سے ہمیں بڑا صدمہ پہنچا، اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ اللہ کی طرف سے کوئی چیز بے وقت بھی ہوتی ہے، بے محل اور بے موقع بھی ہو سکتی ہے؟ یہ بڑی گستاخی کا لفظ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معاذاللہ، اللہ کو آپ سے مشورہ لینا چاہئیے تھا کہ کون سا وقت مناسب ہے جس میں اس بندہ کو موت دی جائے، اور پھر موت دی جاتی ـ۔ بڑی جرأت کی بات ہے، موت جب آئے گی اپنے وقت پر ہی آئے گی اس لئے بندہ کو ہر حال میں رضا اپنانی چاہئیے۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات و رسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندَ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

ایصالِ ثواب اور اس کے احکام و مسائل

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؒ

خطیب مکی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

ایصال ثواب کے لئے مسلک دیوبند

علمائے دیوبند ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی مخصوص صورتیں بنانے کے قائل نہیں جنہیں مخصوص اصطلاحات نیاز، فاتحہ وغیرہ کے وضع کردہ عنوانات سے یاد کیا جاتا ہے، اغیار کی نقالی یا تشبیہ کو ناجائز سمجھتے ہیں، غمی کی رسموں تیجہ، دسواں، چہلم، برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں، اس لئے سختی سے روکتے ہیں، رسوم غمی کو قوت سے روکتے ہیں کیونکہ وہ ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں اس لئے وہ بدعات ہیں، جن کی زد براہ راست سنّت پر ہے، بدعت میں عقیدہ کی خرابی ہوتی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا جاتا ہے، درانحالیکہ وہ دین نہیں ہوتا۔ وہ اہل اللہ کی نسبتوں اور نسبتوں کی تاثیر کے قائل ہیں اور انہیں ذریعہ اصلاحِ احوال اور وسیل اور ترقی درجات مانتے ہیں، مدار نجات نہیں سمجھتے۔

(مسلک علمائے دیوبند ص۲۹، از قاری محمد طیبؒ)

درسِ عبرت

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بُو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تُو نے جو معمور تھے وہ محل اب ہیں سُونے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

ملے خاک میں اہلِ شاں کیسے کیسے مکیں ہو گئے لا مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

زمیں کے ہوئے لوگ پیوند کیا کیا ملوک و حضور و خداوند کیا کیا
دکھائے گا تو زور تا چند کیا کیا اجل نے پچھاڑے تنومند کیا کیا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

اجل نے کسریٰ ہی چھوڑا نہ داراؔ اِسی سے سکندرؔ سا فاتح بھی ہارا
ہر اِک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا پڑا رہ گیا سب یونہیں ٹھاٹھ سارا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہاں ہر خوشی ہے مبدل بہ صد غم جہاں شادیاں تھیں وہیں اب ہیں ماتم
یہ سب ہر طرف انقلاباتِ عالَم تری ذات ہی میں تغیر ہیں ہر دَم

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا
بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہی تجھ کو دُھن ہے رہوں سب سے بالا ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یُونہی مرنے والا تجھے حسنِ ظاہر نے دھوکے میں ڈالا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

وہ ہے عیش و عشرت کا کوئی محل بھی جہاں تاک میں ہر گھڑی ہو اَجل بھی
بس اب اپنے اس جہل سے تو نکل بھی یہ طرزِ معیشت اب اپنا بدل بھی

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

یہ دنیائے فانی ہے محبوب تجھ کو ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
نہیں عقل اتنی بھی مجذوب تجھ کو سمجھ لینا اب چاہیے خوب تجھ کو

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بڑھاپے سے پا کر پیامِ قضا بھی نہ چونکا نہ چیتا نہ سنبھلا ذرا بھی
کوئی تیری غفلت کی ہے انتہا بھی جنوں تابہ کہ ہوش میں اپنے آ بھی

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

نہ دِل دادۂ شعر گوئی رہے گا
نہ گرویدۂ شہرہ جوئی رہے گا
نہ کوئی رہا ہے، نہ کوئی رہے گا
رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

جب اس بزم سے اُٹھ گئے دوست اکثر
اور اُٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیشِ نظر جب ہے منظر
یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیونکر

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

جہاں میں کہیں شورِ ماتم بپا ہے
کہیں فقر و فاقہ سے آہ و بکا ہے
کہیں شکوۂ جور و مکر و دغا ہے
غرض ہر طرف سے یہی بس صدا ہے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له

وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًاۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا'' [1]

امّا بعد:

فإنّ أصدَق الحديثِ كتابُ الله، وأحسنَ الهدي هديُ محمد، وشرَّ الأُمور محدثاتها، وكلّ محدثةٍ بدعةٌ وكلّ بدعةٍ ضلالةٌ، وكُلّ ضلالةٍ في النار۔

وقد قال الله عزّ و جّل: ''تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ'' [2]

وقال: ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ'' [3]

وقال رسولُ الله ﷺ: ''مالي وللدنيا؟ ما أنا في الدنيا إلا كراكبٍ استظلّ تحتَ شجرةٍ، ثم راح وترَكَها''۔

---

۱ النساء: آیة ۷۰ تا ۷۱

۲ الملک: آیة ۱ تا ۲

۳ الانبیاء: آیة ۳۵

اسلامی عقائد میں ایک اہم عقیدہ "ایصال ثواب" کا بھی ہے معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عبادات کا ثواب سوائے عابد کے کسی اور کو نہیں پہنچتا، خواہ عبادت مالی ہو یا بدنی، یہ لوگ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

"وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" (النجم: ۳۹)

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔

جبکہ اہل سنّت والجماعت اس کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں کہ کسی مسلمان کے انتقال کے بعد اس کے عزیز و اقرباء یا کوئی بھی مسلم اپنی سعی و عمل کا ثواب اس کو بخش دینا چاہے تو بخش دے۔ اور معتزلہ کی دلیل کا یوں جواب دیتے ہیں:

(۱) جب تک آپ قرآن پڑھ کر یا کوئی عمل کر کے غیر کے نام پر ہبہ نہیں کریں گے اس عمل کا ثواب دوسروں تک نہیں پہنچے گا۔

(۲) اس آیت میں "لِلْاِنْسَانِ" کا لام "علی" کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں "وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ" میں لام عَلٰی کے معنیٰ میں ہے یعنی "عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ": لہٰذا اس صورت میں اس آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ انسان کو کوئی چیز نقصان پہنچانے والی نہیں سوائے اپنے عمل کے، تو نفی نقصان کی ہوئی نہ کہ منفعت کی۔

(۳) یہ آیت بقول ابن عباسؓ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ" (الطور: ۲۰) اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے، تو ملا دیا ہم نے ان سے ان کی اولاد کو (یعنی اولاد کے اعمال ماں باپ کے اعمال میں شامل کیے گئے۔)

(۴) یہ آیت حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی قوم کے ساتھ کا خاص ہے۔

(۵) اور پانچواں جواب یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر انسان ہے، ایسی صورت میں مومن کے حق میں نفی نہیں۔

اہل سنّت والجماعت کے مسلک کی بہت سی آیات واحادیث رسول ﷺ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے:

صاحب ہدایہ ص ۲۹۶ / ج ۱: میں تحریر فرماتے ہیں:

الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة او صوماً او صدقة او غیرها عند اهل السنة والجماعة لما روی عن النبی ﷺ انه ضحیٰ بکبشین املحین احدهما

عن نفسه والاٰخر عن امته ممن اقر بوحدانیته تعالیٰ وشهد له بالبلاغ جعل تضحیته احد الشاتین لامته۔۔الخ

اس باب میں اصل یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال نماز، روزہ، یا صدقہ وغیرہ کا ثواب دوسروں کو دے سکتا ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک ، جس طرح روایت میں آتا ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے دو مینڈھے خریدتے ، موٹے ، تازے، سینگ والے، چتکبرے اور خصّی، ان میں سے ایک اپنی امّت کے ہر اس آدمی کی طرف سے کرتے جو اللہ کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہو اور دوسرا محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ذبح فرماتے۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ایصال ثواب جائز ہے اور پہنچتا ہے، ورنہ نعوذ باللہ اس ایصال کو لغو تسلیم کرنا پڑے گا۔

حضرتِ علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، اور مُردوں کو اس کا ثواب ایصال کر دے، تو قبرستان کے تمام مُردوں کے برابر خود اس کو بھی ثواب پہنچے گا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں یہ اور اس کے علاوہ اور بھی احادیث ذکر کی ہیں، جن سے مُردوں کو تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچانے کا ثواب ملتا ہے،(۱) چنانچہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام احمد قرآن سے ایصالِ ثواب کے قائل ہیں، اور یہی رائے امام غزالی اور بہت سے فقہاء شوافع کی بھی ہے،(۲) اِس لیے صحیح یہی ہے کہ قرآن پڑھ کر مُردوں کو ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

مجموعی طور پر ایصالِ ثواب کی چار صورتیں ہیں:

۱) مرحومین کے لیے دعاء، اس کے درست ہونے پر تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے[۱]، اس کی سب سے بڑی دلیل خود قرآن مجید ہے، جس میں اپنے متوفی دینی بھائیوں کے لیے بھی دعاء کرنا سکھایا گیا ہے:
"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ"[۲]

۲) مالی عبادتیں یعنی صدقات اور قربانی وغیرہ کے ذریعہ، اس کے جائز ہونے پر بھی اہل سنت والجماعت کا اجماع و

---

۱ دیکھیے: فتاوی ابن تیمیة: ۳۰۶/۲۴۔

۲ الحشر: ۱۰۔ محشی۔

اتفاق ہے، علّامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''والأئمة اتفقوا على أن الصدقة تصل إلى الميت وكذالك العبادات المالية كالعتق[1]''

''ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ صدقہ کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے، اور ایسے ہی دوسری مالی عبادت کا جیسے غلام آزاد کرنا۔''

اس سلسلہ میں ایک صریح حدیث موجود ہے:

''ایک صحابیؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا،''، آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں!''[2]

اسی طرح خود رسول اللہ ﷺ کا اپنی امّت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہے، ظاہر ہے کہ یہ بہ طور ایصال ثواب کے ہی تھا۔[3]

۳) حج کے ذریعہ ایصال ثواب بھی درست ہے، جو مالی عبادت بھی ہے اور بدنی بھی، آپ ﷺ نے ایک خاتون کو اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، حدیث کی کتابوں میں بہ صراحت ووضاحت اس کا ذکر موجود ہے[4]۔

۴۔ بدنی عبادات جیسے قرآن، نماز، روزہ، ان کا ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

اس میں اہل سنت والجماعت کے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک بدنی عبادت کے ذریعہ ایصال ثواب درست نہیں[5]، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴿۳۹﴾''[6] کہ انسان کے لیے وہی ہے جس کو اس نے خود کیا ہے، اور حنفیہ وحنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک بدنی عبادات کے ذریعہ بھی

---

۱ فتاوی ابن تیمیة: ۳۰۹/۲۴۔

۲ سنن نسائی: ۳/۲۔

۳ سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۷۹۲

٤ الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۹۲

٥ ردالمحتار: ۱۵۱/۳، ط: مکتبہ زکریا

٦ النجم: ۳۹۔ محشی

ایصال ثواب جائز ہے[1]۔ اور اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایمان کے بارے میں انسان کا اپنا عمل ہی مفید ہے، باپ کا ایمان کافر بیٹے، یا بیٹے کا ایمان کافر باپ کے لیے مفید نہیں[2]۔

ان حضرات کی نگاہ احادیث پر ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت میں مرحوم کی طرف سے اس کے ولی کے روزہ رکھنے کا حکم نبوی ﷺ منقول ہے: ”من مات و علیه صیام ، صام عنه ولیه“[3]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مردہ پر سورۂ یٰسین پڑھنے کو فرمایا، ”إقروا أعلیٰ موتاکم یٰسین“[4]

”ایک صاحب نے آپ ﷺ سے استفسار کیا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں حسن سلوک کیا کرتا تھا، اب کس طرح حسنِ سلوک کر سکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: مرنے کے بعد حسن سلوک یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لیے بھی نماز پڑھو، اور اپنے روزہ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے لیے بھی روزہ رکھو: ”أن تصلی لهما مع صلاته ، وأن تصوم لهما مع صومك“[5]

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں آیت: ”وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى“[6] کی تفسیر میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور ایصال ثواب سے متعلق روایات کو جمع فرمایا ہے،[7] چونکہ عبادات بدنیہ سے ایصال ثواب کے ثبوت پر بہ کثرت روایات منقول ہیں، اس لیے اکثر شوافع محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کو قبول کیا ہے۔[8]

غرض کہ عام طور پر اہل سنت والجماعت کے نزدیک دعاء، بدنی عبادت، مالی عبادت، و مرکب بدنی و مالی عبادت سب سے ایصال ثواب درست ہے، خاتم الفقہاء علّامہ شامی فرماتے ہیں:

---

١ الدر المختار مع الرد: ۵۲/۳، کتاب الجنائز

٢ موارد الظمآن: ص: ۱۸۳، ط: المکتبة العلمية

٣ صحيح البخاري، حديث نمبر: ۱۹۵۲، باب من

٤ مجمع الزوائد: ۲/۷، ط: دار لفكر۔ محشی

٥ سنن دار قطنی ج: ۸ ص: ۱۰۱

٦ النجم: ۳۹۔ محشی

٧ تفسیر مظهری: ۱۱۳/۱۱۔ محشی۔

٨ شیخ زاده علی بیضاوی: ۴/۲۱۶۔ محشی۔

"بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوماً أو صدقة أو غيرها هو مذهب أهل السنة والجماعة"[1]

"انسان کے لیے یہ درست ہے کہ اپنے عمل نماز یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ کا ثواب دوسرے کے لیے کر دے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔"

چنانچہ اب ہم سب سے پہلے تو آپ کے سامنے قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور اجماع اور اقوال علمائے امت سے ایصال ثواب کو ثابت کریں گے اور پھر اس میں ہونے والی بدعات کا ذکر کریں گے۔

ایصال ثواب کا ثبوت قرآن کریم سے:

قرآن کریم سورۃ الحشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ (الحشر: ۱۰)

ترجمہ: اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے جو دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجیے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت کریمہ میں مردہ مسلمانوں کے لئے زندوں کی دعا کی تعریف فرمائی ہے، اگر ان کا یہ عمل عند اللہ مقبول و معتبر نہ ہوتا تو قرآن کریم میں اس کی تعریف کیوں کی جاتی؟ تفسیر مظہری میں ہے:

"بَعْدِهِمْ" یعنی مہاجرین و انصار کے بعد ان سے مراد ہیں وہ صحابی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ تمام مؤمن بھی مراد ہیں جو صحابہؓ کے بعد قیامت تک آنے والے ہیں۔

"لِاِخْوَانِنَا" یعنی ہمارے دینی بھائیوں کے لیے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔ پہلوں کا پچھلوں پر بڑا حق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے جن کو ہدایت ملی اور ایمان کی توفیق ہوئی ان ہی کے ذریعہ سے پیچھے آنے والے ہدایت یاب ہوئے۔

---

۱ رد المختار ج۳ ص ۱۵۱

صحیفۂ کاملہ میں آیا ہے کہ حضرت امام زین العابدین یہ دعاء کیا کرتے تھے اے اللہ محمد ﷺ کے صحابہؓ پر خصوصیت کے ساتھ رحمت نازل فرما، جنہوں نے صحبتِ رسول ﷺ کو اچھی طرح نباہا اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے میں اچھی طرح آزمائش میں پورے اُترے، تیزی کے ساتھ خدمتِ رسول ﷺ میں حاضر ہوئے اور دعوت رسول ﷺ کی طرف پیش قدمی کی اور جونہی آپ ﷺ نے اپنی رسالت کے دلائل بیان کیے فوراً انہوں نے قبول کر لیا اور کلمۂ توحید اور رسالت کو ظاہر کرنے میں (تأمّل نہیں کیا بلکہ) اہل و عیال کو چھوڑ دیا اور نبوّت کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے ماں باپ اور اولاد سے بھی لڑے اور آپ ﷺ کی وجہ سے فتح یاب ہوئے اور اے اللہ ان لوگوں پر رحمت نازل فرما (جو رسول اللہ ﷺ کی محبّت میں ڈوبے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی دوستی میں جان و مال کی اس تجارت کے امیدوار تھے خوخسران مال نہیں تھی اور (ان لوگوں پر بھی) رحمت نازل کر جنہوں نے اسلام کا مضبوط قبضہ پکڑ کر اپنے قبائل کو چھوڑ دیا اور ان کی رشتہ داریاں مثلاً (قرابتداروں سے) منقطع ہو گئیں اور قرابتِ رسول ﷺ کے سایہ میں وہ مسکن گزیں ہو گئے۔

اے اللہ جن چیزوں کو انہوں نے تیرے لیے اور تیرے راستہ میں قربان کر دیا ان کو نظر انداز کرنا اور اپنی خوشنودی عطا فرما کر ان کو خوش کرنا اس بدلہ میں کہ انہوں نے تیرے دین پر لوگوں کو جمع کیا اور تیرے رسول کے ساتھ رہے اور تیری طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دی اور ان کی قدر افزائی فرما اس بنا پر کہ انہوں نے تیری راہ میں اپنی قوم کی بستیوں کو چھوڑا اور وسعت معاشی سے نکل کر تنگدست میں پڑے۔

اے اللہ اور رحمت نازل فرما ان لوگوں پر بھی جو بخوبی صحابہؓ کی پیروی کرنے والے ہوں اور کہتے ہوں "رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ" الخ (اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے۔ الخ)

۲) " اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝" (الکھف: ۴۶)

ترجمہ: یعنی مال اور اولاد زندگی کی زینت ہیں اور باقیات الصالحات بہت بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب میں اور یہ بہترین امید ہے۔

۳) "وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝" (بنی اسرائیل: ۲۴)

ترجمہ: یارب! جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے

۴) ”رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝“ (المؤمن: ۷)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے جن لوگوں نے توبہ کرلی ہے، اور تیرے راستے پر چل پڑے ہیں، ان کی بخشش فرمادے، اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

ایصال ثواب کا ثبوت حدیث سے:

۱۔ الحدیث: مَا الْمَيِّتُ فِيْ قَبْرِهٖ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمَبْعُوْثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبِيْهِ اَوْ مِنْ اَخِيْهِ اَوْ صَدِيْقٍ لَّهٗ الحديث اَبُوْ مَنْصُوْرٍ الدَّيْلَمِيْ فِيْ مُسْنَدِ الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَفِيْهِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ الذَّهَبِيْ حَدَّثَ عَلٰى هَشَّامِ بْنِ عَمَّارٍ بِحَدِيْثٍ بَاطِلٍ وَّ تَمَامُهٗ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَاِنَّ هَدَايَا الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتَغْفَارُ۔

ترجمہ: میّت کی حالت قبر میں ایسی ہے جیسے ڈوبتا ہوا اور مدد چاہتا ہوا۔ (اسی طرح مردہ) منتظر دُعا کا رہتا ہے جو اس کو اس کے باپ کی یا بھائی کی یا کسی دوست کی طرف سے پہنچ جائے اور تتمہ حدیث کا یہ ہے کہ جب وہ دُعا اس کو پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک تمام دُنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ احیاء کے ہدایا اموات کے لیے دُعاء واستغفار ہیں۔

ف: یہ صریح ہے اس میں کہ احیاء کے اعمال اموات کے نافع ہوتے ہیں خواہ دُعا ہو جیسا اس حدیث میں ہے خواہ طاعاتِ مالیہ ہو، خواہ طاعاتِ بدنیہ ہو جیسا دوسری نصوص میں ہے۔

۲۔ عَنْ صَالِحِ ابْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ اِنْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَاِذَا رَجُلٌ فَقَالَ اِلٰى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْاِبْلَةُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ اَنْ يُّصَلِّيَ لِيْ فِي الْمَسْجِدِ الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مِنْ مَّسْجِدِ الْعِشَاۤءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاۤءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاۤءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: صالح بن درہم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے چلے تو ایک شخص ملے اور کہنے لگے کہ کیا تمہارے قرب

میں کوئی گاؤں ہے جس کو ابلہ کہتے ہیں۔ ہم نے کہا ہے۔ کہنے لگے! تم میں کوئی شخص اس بات کی ذمہ داری کر سکتا ہے کہ میری طرف سے مسجدِ عشاء میں دو رکعت یا چار رکعت پڑھے اور کہہ دے کہ یہ ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف سے ہے۔ مَیں نے اپنے محبوب قلبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسجدِ عشاء کو قیامت کے دن کچھ شہداء اُٹھائے گا تو شہداء بدر کے ساتھ بجز ان کے کوئی نہ اُٹھے گا۔

ف: اس حدیث میں سیّدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے پڑھنے کو اور اس کہنے سے کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہے بجز اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس کا ثواب سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے۔ اس لیے ایصالِ ثواب کے متعلق دو امر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ جس طرح عبادتِ مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے اسی طرح عبادتِ بدنیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح میّت کو ثواب پہنچتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور اس وقت زندہ تھے۔ (**التکشف عن مھمات التصوف صفحہ ۶۷۳**)

۳۔ اَخْرَجَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ اِلسَّمَر قَنْدِیُّ فِیْ فَضَائِلِ قُل ھُوَاللہُ عَن عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنہُ مَرفُوْعًا مَن مَّرَّ عَلَی الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ عَشَرَۃَ مَرَّۃً ثُمَّ وَھَبَ اَجْرَہٗ عَلَی الْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ۔ (شرح الصدور، امام سیوطی)

ترجمہ: قل ہُو اللہ (سُورۂ اخلاص) کے فضائل میں ابو محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر قبرستان کے مردوں کو بخش دے تو پڑھنے والے کو اتنا ثواب ملے گا جس قدر مُردے قبرستان میں ہیں۔

۴۔ اَخْرَجَ اَبُو الْقَاسِمِ سَعْدت بْنُ عَلِیٍّ الزَّنْجَانِیُّ فَوائِدَہٗ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ مَرْفَوْعًا مَّنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ وَقُلْ ھُوَاللہُ اَحَدٌ وَّ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ جَعَلْتُ ثَوَابَ قِرَأَتِیْ مِنْ کَلَامِكَ لِاَھْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کَانُوْ شُفَعَآءَ لَہٗ اِلَی اللہِ تَعَالٰی۔ (شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ والقبور)

ترجمہ: ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے فضائل میں بیان

کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں گزرے اور سورۃ الحمد، قل ھواللہ اور الھٰکم التکاثر، پڑھے اور کہے الٰہی مَیں نے اس پڑھنے کاثواب اس قبرستان کے مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخشا، تووہ سب مُردے روزِ جزا اس کی شفاعت کریں گے۔

۵۔ اَخْرَجَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ صَاحِبُ الْخَلَالِ بِسَنَدِهٖ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ يٰسٓ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنهُمْ وَكَانَ لَهٗ بِعَدَدِ مَّنْ فِيْهَا حَسَنَاتٍ۔ (شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ والقبور)

ترجمہ: عبدالعزیز صاحب خلال نے بروایت سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں آئے پھر سُورۂ یٰسین پڑھے اس قبرستان کے جن مردوں کو عذاب ہو رہا ہے خدا تعالیٰ اس میں تخفیف فرمادیتے ہیں اور پڑھنے والے کو اتنا ثواب ہوتا ہے جس قدر مُردے قبرستان میں ہیں۔

ف: حدیث نمبر ۳، ۴، ۵ میں قبرستان سے گزرتے وقت تلاوتِ کلامِ پاک کر کے ایصالِ ثواب کرنے والا کا بھی ثواب باقی رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایصالِ ثواب کرنے کے بعد ایصالِ ثواب کرنے والے کو کچھ نہ ملے۔ سُبحان اللہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے!

۶۔ رَوَى التِّرْمِذِيْ فِيْ بَابِ الْمُتَصَدِّقِ يَرِثُ صَدَقَةً عَنْ اِمْرَأَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، كَانَ عَلَيْهَا (اَيْ عَلٰى اُمِّيْ) صَوْمُ شَهْرٍ قَالَ صُوْمِيْ عَنْهَا (الحديث)

قُلْتُ: هُوَ اَصْلٌ فِيْ وَصُوْلِ ثَوَابِ الْعِبَادَةِ الْبَدَنِيَّةِ كَمَا مَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةَ وَلَا يَلْزِمُ مِنْهُ كِفَايَةُ هٰذَا الصَّوْمِ، لِاِحْتِمَالِ اَنْ يَّكُوْنَ مَقْصُوْدُ الْمَسْئُوْلِ مُطْلَقَ النَّفْعِ لَهَا وَدَلَّ حَدِيْثُ اَمْرِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ رجلاً ان يصلى ركعتين فى مسجد العشاء وهذه لابى هريرہ رضى الله عنه عَلٰى وَصُوْلِ الثَّوَابِ اِلَى الْحَيِّ وَيَدُلُّ تَضْحِيَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُمَّتِهٖ عَلٰى وَصُوْلِهٖ اِلٰى مَنْ سِيُوَلِّهٖ۔ وَذَكَرْتُ الْمَسْئَلَتَيْنِ تَبَعًا الْمَسْئَلَةِ الْبَابِ (بوادر النوادر، ج:۱، ص:۱۱۸)

ترمذی باب صدقہ میں ہے کہ ”ایک عورت نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ مہینے کے روزے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی طرف سے روزے رکھ لو۔“ یہ حدیث شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ عباداتِ بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے روزے اس کو مطلقًا کافی ہو جائیں گے اور سیدنا حضرت ابی

ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم فرمانا کہ ”کوئی مسجدِ عشاء میں دو رکعتیں پڑھے اور کہے یہ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہیں“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زندوں کو بھی ثواب پہنچتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کا اپنی اُمّت کی طرف سے قربانی فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ آئندہ پیدا ہونے والے ہیں ان کو بھی ثواب پہنچ سکتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے، (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تشریف لے گئے تھے، جب واپس آئے) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: یارسول اللہؐ میری عدمِ موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، اگر میں اُن کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا وہ اُن کے لیے فائدہ مند ہو گا؟ (اور انکو اس کا ثواب پہنچے گا؟)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پہنچے گا، انہوں نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ میں نے اپنی والدہ (کے ثواب) کے لیے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری، معارف الحدیث)

عَنْ عَبْدِاللهِ بْن، عَمْرٍ وبْنِ الْعَاصَ ان العاص بْنَ وَائِلٍ أَوْصَى أَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ، فَأَعْتَقَ ابْنُهُ هِشَامٌ خَمْسِينَ رَقَبَةً، فَأَرَادَ ابْنُهُ عَمْرٌو أَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ، فَقَالَ: حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي أَوْصَى بِعَتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ، وَإِنَّ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِينَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً، أَفَأُعْتِقُ عَنْهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَلِكَ» (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا، عاص بن وائل نے (جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا، اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس آزاد کر دیں لیکن انہوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کر دیئے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کر دوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارے والد اسلام و ایمان کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔(سنن ابی داوٗد)

تشریح:...... یہ حدیث بھی مسئلہ ایصال ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعے ایصال ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے لیکن ایمان و اسلام شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔

حضرت معقل بن یسارؓ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سورۂ یٰسین قرآن کا قلب ہے، جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے لیے پڑھے گا اس کی مغفرت ہو گی، نیز تم اس سورۃ کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو''۔[1]

''ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے والدین زندہ تھے تو میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرتا تھا، اب ان کی وفات ہو گئی، تو اب میں ان کے ساتھ کس طرح سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لیے نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھو،'' أن تصلی لهما مع صلاتك، وأن تصوم لهما مع صيامك۔[2]''

''ابن الجلاج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے صاحب زادگان سے فرمایا: جب تم لوگ مجھے میری قبر میں داخل کرو، تو قبر میں رکھتے ہوئے کہو: ''بسم الله و علیٰ سنة رسول الله ﷺ''، پھر مٹی ڈال دو اور میرے سرہانے سورۂ البقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھو، کیوں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اس عمل کو پسند فرماتے تھے۔ ''واقرؤا عند رأسی أول البقرة و خاتمها، فإني و أيت ابن عمر ﷺ يستحب ذالك'' محدثین نے اس کی سند کو معتبر و مقبول مانا ہے۔[3]''

---

١ مسند احمد، الفتح الربانی: ۱۰۱/۸، حدیث نمبر ۲۵۸

٢ سنن دار قطنی ج:۸ ص: ۱۰۱

٣ فتح الربانی ۱۰۱/۸) آثار السنن ۲۱۰/۸ مجمع الزوائد ۴۴/۳

حافظ ہیثمیؒ مجمع الزوائد میں اس روایت سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس روایت کے تمام رجال ثقات ہیں۔

اس روایت سے قرآن کریم پڑھ کر اس کے ذریعہ ایصال ثواب کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس روایت کی مضبوطی کی ایک اور دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ قال سَمِعْتُ رَسُوْلَ الله ﷺ يَقُوْلُ إِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبَسُوْه وَاسْرَعُوْا بِه إِلٰى قَبْرِه وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليهما خاتمة البقرة۔ (رواه البيهقى)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے پیارے پیغمبر ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روک کے مت رکھو، جلدی سے اسے قبرستان لے جا کر دفن کر دو، اور اس کے سرہانے سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات اور پائینتی کی طرف آخری آیات کی تلاوت کرو۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ کی روایات جو اس سے قبل گزر چکی ہیں ان سے بھی اس روایت کی تائید ہوتی ہے کہ مُردہ کو تلاوت قران کریم کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔

امام ابو داؤدؒ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت کیا ہے:

كانَ النَّبِيُّ ﷺ اذا فرغ مِنْ دَفْنِ الميّت وقف عليه فقال اِسْتَغْفِروا لاخيكم وَاسأَلو له التثبيت، فانّه الاٰن يُسأَل۔ (ابو داؤد كتاب الجنائز)

جب پیارے پیغمبر ﷺ کسی میّت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو وہاں تھوڑی دیر ٹھہرتے اور فرماتے: اپنے مسلمان بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے استقامت طلب کرو، کیونکہ یہ وقت اس کے سوال و جواب کا وقت ہے۔

عن ابى قتادة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ خير ما يُخَلِّفُ الرَّجُلُ مِن بَعْدِهٖ ثَلاثٌ، وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْلَه وَصَدَقَةٌ جَارِيَةٌ يَبْلُغُهٗ اَجْرَهَا وَعِلْمٌ يُعْمَلُ بِه مِنْ بَعْدِهٖ۔ (رواه ابن ماجه)

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے مرنے کے بعد اس کی وراثت میں سے تین چیزیں بہترین ہیں، (۱) نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرے (۲) صدقہ جاریہ جس کا اجر اسے ملتا رہے (۳)

اس کو سکھایا ہوا علم جس پر لوگ اس کی موت کے بعد عمل کریں۔

عن ابی ھُریرۃ رضی اللہ عنہ قالَ قالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مَات الانسان اِنقَطع عنہ عملہ الا مِن ثلاثۃِ اشیاء مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ، اَوْعِلْمٍ یُنتفع بہ او وَلدٍ صالحٍ یدعو لہ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرنے کے بعد انسان کے اعمال (کے ثواب کا سلسلہ) منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین چیزوں کا ثواب میّت کو پہنچتا رہتا ہے۔ پہلا صدقہ جاریہ، دوسرا لوگوں کو فائدہ دینے والا علم، تیسری نیک اولاد جو میّت کے لئے دعا کرے۔

اِنْقَطَعَ عنہ عملہ: یعنی اس کا وہ عمل جس کی وجہ سے وہ اجر کا مستحق سمجھا جاتا ہے اس کی وفات کے بعد وہ عمل اور ثواب بند ہو جاتا ہے، لیکن صدقات کا ثواب برابر پہنچتا رہتا ہے۔

الا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ: اگر کسی نے صدقہ جاریہ والے اعمال کیے تو جو چیزیں صدقہ کیں اس کا ثواب و نفع برابر ملتا رہیگا، اور صدقہ جاریہ اکثر وقف کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

او ولدٍ صالحٍ یَدْعُو لہٗ: اس جملہ میں اپنی اولاد کی دینی تربیت کے اہتمام کی طرف لوگوں کو ترغیب دلائی گئی ہے، کیونکہ نیک اولاد ہی سے دعا کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے والد یا والدہ کی وفات کے بعد ایصال ثواب اور ان کے بخشش کی دعائیں کریں گے۔ (تکملۃ فتح الملھم ۲/۱۱۷)

اس حدیث میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اولاد اپنے والدین کی وفات کے بعد جس عبادت کا بھی اہتمام کریں گے اور جو بھی دعائے خیر کریں گے اس کا ثواب اس کے والدین کو پہنچے گا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انَّ ممَّا یلحق المومن مِنْ عَمَلہ و حسناتہ بعد موتہ علمًا علَّمہ ونشرہ وولدًا صالحًا ترکہ و مَصحفا ورثہ او مسجدًا بناہ او بیتًا لابن السَّبیل بناہُ او نھرًا اجرہ او صدقۃ اخرجھا مِن مَّالہ فی صحتہ و حیاتہ یلحقہ من بعد موتہ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن آدمی کے مرنے کے بعد جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے، اس میں (۱) وہ علم ہے جو اس نے لوگوں کو سکھایا اور پھیلایا (۲) نیک اولاد ہے جو اس نے اپنے پیچھے

چھوڑی(۳) قرآن کی تعلیم ہے جو لوگوں کو سکھائی(۴) مسجد ہے جو تعمیر کرائی(۵) مسافر خانہ ہے جو بنوایا اور(۶) وہ صدقہ ہے جو اپنے مال سے بحالت صحت اپنی زندگی میں نکالا۔ ان سب اعمال کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد (از خود) ملتا رہتا ہے۔

عَنْ اَبِی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلاً قال : للنّبی صلی اللہ علیہ وسلم انّ ابی مَات و ترکَ مالا ولم یُوص فھل یکفر عنه ان اتصدّق عنه؟ قال نعم ۔(رواہ مسلم والنسائی وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرا باپ وصیت کیے بغیر فوت ہو گیا ہے اور مال چھوڑا ہے، میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کے گناہ معاف ہوں گے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہاں! ۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اِنّ اطیب مَا اکل الرّجل مِنْ کَسْبِه و ان ولده من کسبه۔ (رواہ ابن ماجه)

امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پاکیزہ تر کھانا جو آدمی کھاتا ہے وہ اس کی (ہاتھوں کی) کمائی ہے اور آدمی کی اولاد اس کی کمائی ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنها انّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یَخْرج الی البقیع فیدعو لھم فسألْتُه عائشة عن ذالک، فقال انِّی اُمِرْتُ ان ادعُوَ لھم ۔(رواہ احمد)

امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (مدینہ کا قبرستان) تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں دریافت کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اہل بقیع کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

عن عبد اللّٰه بن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : مَا المیّت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من ابٍ او امٍ او اخٍ او صدیقٍ ، فأذا لحقته کان احبَّ الیه من الدُّنیا وما فیها وانَّ الله تعالیٰ لیدخل علیٰ اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال وانَّ هدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم ۔(رواہ البیهقی)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح ہے جو اپنے ماں، باپ، بھائی یا کسی دوست کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ جب اسے دعا پہنچتی ہے تو اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے، بے شک اہل دنیا کی دعاء سے اللہ تعالیٰ اہل قبور کو پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا ہے، مردوں کے لئے زندوں کا بہترین تحفہ ان کے لئے استغفار کرنا ہے۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ان الله عزّوجلّ لیرفعُ الدّرجةَ لِلعبدِ الصَّالحِ فِی الجنَّة فیقول یا ربّ ! انیٰ لی هذه فیقول باستغفار وَلدِكَ لَكَ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل جنّت میں نیک آدمی کا درجہ بلند فرماتا ہے۔ تو آدمی عرض کرتا ہے، یااللہ ! یہ درجہ مجھے کیسے حاصل ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کیا ہے۔ (ان دونوں حدیثوں سے استغفار کے ذریعہ ایصال ثواب کا ثبوت ہوا۔)

عن عائشة رضی الله عنها انَّ رسول الله ﷺ قال من مَّات و علیه صِیامٌ صامَ عنه ولیُّه۔ (رواه البخاری و ابو داؤد)

امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے رکھنے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما انَّ سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ استفتی رسول الله ﷺ فی نَذر کان علیٰ امِّه، توفیت قبل ان تقضیه، قال رسول الله ﷺ فاقضه عنها۔ (رواه مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی ماں کی نذر کے بارے میں سوال کیا جسے پورا کرنے سے پہلے وہ فوت ہو گئی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے تم نذر پوری کرو۔

عن عائشة رضی الله عنها وعن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ کان اذا اراد ان یُّضحّی، اشتریٰ کبشَیْنِ عَظِیْمَیْنِ سَمِیْنَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَرْجُوْءَیْنِ فَذَبَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ امَّته، لِمَنْ شَهِدَ لله بِالتَّوْحِیْدِ، وَشَهِدَ لَه بِالبلاغ، وذبح الاخر عن مُحَمَّدٍ وَعَنْ آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ (رواه ابن ماجه)

امّ المؤمنین سیّدہ طاہرہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو مینڈھے خریدتے، موٹے، تازے، سینگ والے، چتکبرے اور خصّی، ان میں سے ایک اپنی امّت کے ہر اس آدمی کی طرف سے ذبح کرتے جو اللہ کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہو اور دوسرا محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ذبح فرماتے۔

اس حدیث سے نفلی قربانی کے ذریعہ ایصال ثواب کا ثبوت ہوا۔

☆ اجماع امّت:

کا ثبوت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک امّت بلا اختلاف مُردوں پر نماز جنازہ پڑھتی اور دعائے مغفرت کرتی آرہی ہے، یہ میّت کا اپنا عمل نہیں ہے غیر کا ہے، مگر اس کو غیر کے اس عمل سے نفع ہوتا ہے کسی کو اس سے عملی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ پوری امت کا سلفاً وخلفاً یہ معمول ہے کہ اپنے اقرباء کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

☆ قیاس صحیح اور عقل کامل:

بھی اسی کی تائید کرتی ہے، کیونکہ نفل اعمال کا ثواب بندہ کا اپنا حق ہے، اگر وہ کسی اور کو ہدیہ کر دینا چاہتا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، جیسا کہ کوئی آدمی اپنا مال کسی اور کو ہبہ کر دینا چاہے تو کر سکتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں، یا جیسا کہ اگر کوئی زندہ مردہ کا قرض ادا کر دے تو اس کی جانب سے ادا ہو جاتا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ثواب کا کام کرے اور اس کا ثواب کسی مرحوم کو بخش دے تو اس کو پہنچنے میں عقلا کوئی تردّد نہیں ہو سکتا۔

بہر حال یہ تو نفس ایصال ثواب کا ثبوت تھا کہ زندوں کے عمل کا مُردوں کو ایصال ثواب کرنا با اجماع امّت ثابت و جائز ہے، خواہ میّت نے زندگی میں اپنی طرف سے ان کے اسباب کیے ہوں یا نہ کیے ہوں، بلکہ مسلمان اپنی جانب سے پہنچا رہے ہوں، دونوں صورتیں صحیح ہیں، اس کے بر خلاف جو لوگ ایصال ثواب کو لغو عمل اور میّت کے لئے غیر نافع کام سمجھتے ہیں وہ اجماع امّت کے مخالف، بدعتی اور اہل السنّۃ والجماعۃ سے خارج ہیں۔ البتہ اہل السنّۃ والجماعۃ کے ائمہ میں ایصال ثواب کے بر حق ہونے پر اتفاق کے باوجود اس کی صورت و نوعیت میں کچھ اختلاف موجود ہے کہ بعض علماء کے ہاں وہ چند عبادات کے ساتھ خاص ہے اور بعض کے ہاں عام! جیسا کہ ابتدا میں گزر چکا۔

احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن اور بدنی عبادتوں کے ذریعہ ایصال ثواب مردوں کو کیا جا سکتا ہے:

اور یہی ائمہ اربعہ میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور احمدؒ کی رائے ہے اور فقہاء شوافع میں سے بھی اکثر فقہاء کے نزدیک "بدنی عبادت" نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن اور "مالی عبادت" یعنی صدقہ، قربانی کے ذریعہ مُردہ کو ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے[1]۔ البتہ ایصالِ ثواب کا زیادہ بہتر طریقہ صدقہ ہے، کیونکہ صدقہ سے ایصالِ ثواب کے درست ہونے پر اہل سنت و الجماعت کا اتفاق ہے، پھر صدقہ میں بھی ایک ایسا صدقہ ہے جس کا اثر اور نفع کم وقت تک محدود ہوتا ہے، جیسے: کسی کو کھانا کھلا دینا۔

صدقہ کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان کا نفع دیرپا ہوتا ہے، اسے صدقۂ جاریہ سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ ایصالِ ثواب کا سب سے بہتر طریقہ ہے، جیسے: مسجد یا مدرسہ تعمیر کرا دینا، کنواں کھدوانا، وغیرہ، رسول اللہ ﷺ سے حضرت سعد بن عبادہؓ نے دریافت کیا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ ان کی طرف سے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے کنواں کھدوانے کا مشورہ دیا[2]، تو ایسے صدقات کے ذریعہ ایصالِ ثواب جس کے نفع کا دائرہ وسیع ہو، اور زیادہ دنوں تک لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، سب سے افضل طریقہ ہے۔

ایصال ثواب کی حقیقت:

۱۔ ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کوئی نیک عمل کریں اور وہ حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے تو اس پر جو ثواب آپ کو ملنے والا تھا آپ یہ نیت یا دعاء کر لیں کہ اس عمل کا ثواب فلاں زندہ یا مرحوم کو عطا کر دیا جائے۔
ایصالِ ثواب کی یہ حقیقت معلوم ہونے سے آپ کو تین مسئلے معلوم ہو جائیں گے۔
ایک یہ کہ ایصالِ ثواب کسی ایسے عمل کا کیا جا سکتا ہے جس پر آپ کو خود ثواب ملنے کی توقع ہو، ورنہ اگر آپ ہی کو اس کا ثواب نہ ملے تو آپ دوسرے کو کیا بخشیں گے؟ پس جو عمل خلافِ شرع اور خلافِ سنت کیا جائے وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ اور ایسے عمل کے ذریعے ثواب بخشنا خوش فہمی ہے۔
دوم: یہ کہ ایصالِ ثواب زندہ اور مردہ دنوں کو ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ دو رکعتیں نماز پڑھ کر اس کا ثواب اپنے والدین کو یا پیر و مرشد کو ان کی زندگی میں بخش سکتے ہیں، اور ان کی وفات کے بعد بھی — عام رواج مُردوں کو

---

۱ الفتاوٰی الهندیة ۴/۱۵۱ (۲) مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر ۲۲۴۵۵
۲

ایصالِ ثواب کا اس وجہ سے ہے کہ زندہ آدمی کے اپنے اعمال کا سلسلہ جاری ہے جب کہ مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کے سوا آدمی کے — اپنے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے مرحوم کو ایصالِ ثواب کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ یُوں بھی زندوں کی طرف سے مُردوں کے لیے کوئی تحفہ اگر ہو سکتا ہے تو ایصالِ ثواب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں مردے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو اور لوگوں کو مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ اس طرح مرنے والا اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور دوست احباب کی طرف سے دعا کا منتظر رہتا ہے جب وہ اس کو پہنچتی ہے تو اسے دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے، اور حق تعالیٰ شانہٗ زمین والوں (یعنی زندوں) کی دعاؤں کی بدولت اہل قبور کو پہاڑوں برابر رحمت عطا فرماتا ہے اور مردوں کے لئے زندوں کا بہترین تحفہ استغفار ہے[1]۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں تو وہ عرض کرتا ہے کہ یا الٰہی! مجھے یہ درجہ کیسے ملا؟ ارشاد ہوتا ہے، "تیرے لیے تیرے بیٹے کے استغفار کی بدولت۔[2]"

امام سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ زندہ لوگ کھانے پینے کے جتنے محتاج ہیں مُردے دعا کے اس سے بڑھ کر محتاج ہیں[3]۔

بہر حال ہمارے وہ بزرگ، احباب اور عزیز و اقارب جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان کی مدد و اعانت کی یہی صورت ہے کہ ان کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے یہی ان کی خدمت میں ہماری طرف سے تحفہ ہے۔ اور یہی ہمارے تعلق و محبّت کا تقاضا ہے۔

سوم: تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس عمل کا ثواب کسی کو بخشنا منظور ہو یا تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کی نیت کر لی جائے یا عمل کرنے کے بعد دعا کر لی جائے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس عمل کو قبول فرما کر اس کا ثواب فلاں صاحب کو عطا فرمائیں۔

۲۔ میّت کو ثواب صرف نفلی عبادات کا بخشا جا سکتا ہے، فرائض کا ثواب کسی دوسرے کو بخشنا صحیح نہیں۔

---

۱ رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص ۲۰۶

۲ رواہ احمد و مشکوٰۃ ص: ۲۰۶

۳ شرح صدور سیوطی ص: ۱۲۷

۳۔ جمہور امّت کے نزدیک ہر نفلی عبادت کا ثواب بخشنا صحیح ہے۔ مثلاً دعاء و استغفار، ذکر و تسبیح، درود شریف، تلاوت قرآن مجید، نفلی نماز و روزہ، صدقہ و خیرات، حج و قربانی وغیرہ۔

۴۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ایصالِ ثواب کے لیے جو چیز صدقہ و خیرات کی جائے وہ بعینہ میّت کو پہنچتی ہے۔ نہیں! بلکہ صدقہ و خیرات کا جو ثواب آپ کو ملنا تھا ایصالِ ثواب کی صورت میں وہی ثواب میّت کو ملتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے ختم کے اجتماعات

☆ قبرستان سے واپسی پر اسی دن یا دُوسرے تیسرے دن جمع ہو کر قرآنِ کریم یا آیتِ کریمہ یا کلمۂ طیّبہ کا ختم ہوتا ہے، جس کے لیے اب تو اخبارات وغیرہ میں بھی اشتہارات دیئے جاتے ہیں، پھر اجتماعی ایصالِ ثواب اور دُعا کے بعد حاضرین کو کہیں کھانا، کہیں نقد اور کہیں شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے۔

اوّل تو اس خاص طریقہ سے جمع ہو کر ختم اور ایصالِ ثواب کی رسم کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں، اس لیے بدعت ہے، دوسرے اس میں مزید خرابیاں یہ ہیں کہ دوست، رشتہ دار تو عموماً محض شکایت سے بچنے کے لیے آتے ہیں، ایصالِ ثواب ہرگز مقصود نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر کوئی عزیز اپنے گھر بیٹھ کر پورا قرآن پڑھ کر بخش دے تو اہلِ میّت ہرگز راضی نہیں ہوتے اور نہ آنے کی شکایت باقی رہتی ہے، اور یہاں آ کر یُوں ہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اور کوئی حیلہ بہانہ کر کے چلا جائے تو شکایت سے بچ جاتا ہے، جو عمل ایسے لغو مقاصد کے لیے ہو اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا، جب پڑھنے والے ہی کو ثواب نہ ملا تو مُردے کو کیا بخشے گا؟ رہ گئے فقراء و مساکین تو ان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں جا کر صرف پڑھنا پڑے گا، ملے گا کچھ نہیں تو ہرگز ایک بھی نہ آئے گا، معلوم ہوا کہ ان کا آنا محض اس توقع سے ہوتا ہے کہ کچھ ملے گا، جب ان کا پڑھنا دُنیاوی غرض سے ہو تو اس کا ثواب بھی نہ ملے گا، پھر میّت کو کیا بخشے گا؟ پھر قرآن خوانی کو جو اِن لوگوں نے جاہ و مال کا ذریعہ بنایا اس کا گناہ سر پر الگ رہا، اور جس طرح قرآن خوانی کا عوض لینا جائز نہیں، اسی طرح دینا بھی جائز نہیں، پیچھے بار بار بیان ہو چکا ہے کہ ایصالِ ثواب اور دُعا بہت اچھا کام ہے، مگر اس کے لیے اجتماع یا کسی خاص دن، تاریخ یا وقت کی کوئی قید شریعت نے نہیں لگائی، ہر شخص جب اور جہاں چاہے کسی بھی عبادت کا ثواب میّت کو پہنچا سکتا ہے اور دُعا کر سکتا ہے، اپنی طرف سے نت نئی

قیدیں، شرطیں اور پابندیاں بڑھانا بدعت اور ناجائز ہے[1]۔

ایصالِ ثواب کا مسنون طریقہ:

اس کی حقیقت شرع میں فقط اتنی ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا، اس پر اس کو جو کچھ ثواب مِلا اس نے اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دُوسرے کو دے دیا (خواہ مردہ ہو یا زندہ)، وہ اس طرح کہ یا اللہ! میرے اس عمل کا ثواب جو آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ فلاں شخص کو دے دیجیے اور پہنچا دیجیے۔ مثلاً کسی نے خدا کی راہ میں کچھ کھانا یا مٹھائی یا کوئی نقد رقم یا کپڑا وغیرہ دیا یا نفل نمازیں پڑھیں، نفل روزے رکھے یا نفل حج یا عمرے کیے یا کلامِ پاک کی تلاوت کی، تسبیحات، کلمۂ طیّبہ وغیرہ پڑھا یا مستقل خیراتِ جاریہ قائم کیں، مثلاً تعمیرِ مسجد، دینی مدارس، یا دینی و مذہبی کتابوں کی اشاعت فی سبیل اللہ کی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی کہ جو کچھ اس کا ثواب مجھے ملا ہے وہ ثواب فلاں شخص کو پہنچا دیجیے، خواہ اس قسم کا نیک کام آج کیا ہو یا اس سے پہلے عمر بھر میں کبھی کیا تھا، دونوں کا ثواب پہنچ جاتا ہے، بس اس قدر شرع سے ثابت ہے[2]۔

اس کے علاوہ جو مختلف رسمیں اور صورتیں ایصالِ ثواب کی لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں سب بے بنیاد ہیں، بلکہ ان کا کرنا گناہ ہے، بعض بحدِ شرک ہیں اور بدعت ہیں، اس لیے ان سے اجتناب کرنا لازمی ہے کہ بجائے حصولِ ثواب کے اور اُلٹا کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔

مردوں کو ایصال ثواب پہنچتا ہے نہ کہ اصل چیز

علامہ خالد محمود مطالعہ بریلویت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مرحومین کو ثواب پہنچانے کا عقیدہ برحق ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب حسبِ نیت مرحومین کو پہنچتا ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ ثواب پہنچتا ہے اصلی چیزیں نہیں پہنچتی ہیں۔ نہ ان کی خوشبو اور لذّت پہنچتی ہے۔ ان چیزوں کو ان کی اصل شکل میں اگلے جہان بھیجنا کسی طرح ممکن نہیں۔ ایصالِ ثواب برحق مگر ان چیزوں کا وہاں پہنچنا کہیں ثابت نہیں نہ ان چیزوں کی دنیوی لذّت وہاں پہنچتی ہے۔

مگر بریلوی مذہب یہ ہے کہ اصل چیزیں ہی پہنچتی ہیں اس لیے ختم میں وہ ان چیزوں کو خصوصی طور پر شامل

---

۱ اصلاح الرسوم ص: ۱۷۲

۲ شامی و بہشتی زیور

کرتے ہیں جو مرحوم کو مطلوب یا مرغوب تھیں۔

کھانے اور مٹھائیاں جن برتنوں اور خونچوں میں ہوتی ہیں وہ برتن اور خونچے تو مرحومین کو نہیں پہنچتے لیکن بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں سے بھیجی ہوئی لذیذ اور مزیدار چیزوں کے ذائقے وہاں ضرور پہنچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات ان لذتوں میں کھو کر پھر ختم کو ہی سارے دین کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ ان کے صوفی ظہیر الحسن صاحب لکھتے ہیں:

''یاد رہے کہ بالو شاہی، پیڑے، بریانی، زردہ کی دیگیں، نان، قورمہ، فِرنی کے خونچے اٹھ کر عالمِ آخرت کو نہیں جاتے بلکہ ان چیزوں کا ذائقہ اور لذّت پہنچتی ہے۔''

ظہیر صاحب یہاں ایصالِ ثواب کو یکسر بھول گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقیدے میں نیکیوں کا ثواب نہیں پہنچتا لذتیں اور ذائقے پہنچتے ہیں۔ وہاں لذّت پہنچے یا نہ پہنچے، یہاں یہ لوگ کھانے کی چیزوں کا ذکر بڑی لذّت سے کرتے ہیں اور عجیب و غریب فہرستیں تیار کرتے رہتے ہیں۔ (مطالعہ بریلویت)

ایصالِ ثواب کے لئے دنوں کی تعیین

مسلمانوں میں دینی شعور جوں جوں ختم ہوتا گیا رسم ورواج اسی قدر ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہوتے گئے، توحید کی جگہ شرک اور سنّت کی جگہ بدعت نے لے لی، اس طرح دین خالص کا حلیہ آہستہ آہستہ بگاڑ دیا گیا۔ پیارے پیغمبر ﷺ نے ایک مکمل ضابطہ حیات ہمیں عطا فرمایا تھا اور ہمارے نفع ونقصان کی تمام باتوں کو روز روشن کی طرح ہم پر آشکارا فرما دیا تھا۔ لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم نے اس دین خالص کو غیروں کے رسم ورواج سے اس طرح ملوّث کر دیا کہ آج دین خالص کے بجائے وہ رسوم ورواج ہمارے دین اور مذہب کا ضروری حصہ قرار پا گئے، جسے اہل بدعت نے اہل سنّت کا امتیازی نشان قرار دے کر ان بدعات اور رسومات کا انکار کرنے والوں کو مسلکِ اہل سنّت سے خارج اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا جانے لگا۔ انہی رسومات میں سے تیجا، ساتواں چہلم، برسی اور جمعرات وغیرہ کی تعیین اور اجتماعات ہیں جسے غیر مسلموں سے لیکر مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا ہے اور جاہل واعظین نے اسے مذہب کا لبادہ اوڑھا کر مسلمانوں کا ایک امتیاز بنا کے رکھ دیا ہے، حالانکہ نہ تو یہ عمل پیارے پیغمبر ﷺ سے، نہ ہی صحابہ کرامؓ سے، نہ تابعینؒ اور ائمہ دین سے ثابت ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کی زوجہ محترمہ امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کا وصال ہوا، آپ ﷺ کے محبوب چچا سیّدنا حضرت امیر حمزہؓ کی المناک شہادت ہوئی، آپ ﷺ کی بیٹیوں سمیت دیگر کئی صحابہ کرامؓ آپ کی موجودگی میں دنیا سے

رخصت ہوئے، کیا پیارے پیغمبر ﷺ نے کوئی تیجا، ساتواں چالیسواں کیا؟ مختلف اشیاء منگوا کر ان پر ختم پڑھا؟ برادری کو جمع کر کے ان کے لئے دعوت کا انتظام کیا؟ جیسا آج کل کیا جاتا ہے۔ حضرات خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان رسومات سے بالکل نا آشنا تھے نہ تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ سے اس کا کوئی ٹھوس ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے اس لئے: ایصالِ ثواب کے لیے شرعًا کوئی خاص وقت یا دن مقرر ہے کہ اس کے علاوہ ایصالِ ثواب نہ ہو سکتا ہو، نہ کوئی خاص جگہ مقرر ہے، نہ کوئی خاص عبادت، نہ یہ ضروری ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے آدمی جمع ہوں یا کھانے کی کوئی چیز مٹھائی وغیرہ سامنے رکھی جائے یا اُس پر دَم کیا جائے یا کسی عالمِ دین یا حافظ قاری کو ضرور بلایا جائے، نہ یہ ضروری ہے کہ پورا قرآن ختم کیا جائے یا کوئی خاص سورۃ یا دُعا کسی مخصوص تعداد میں پڑھی جائے، لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے یہ رسمیں اور پابندیاں بڑھالی ہیں، ورنہ شریعت نے ایصالِ ثواب کو اتنا آسان بنایا ہے کہ جو شخص جس وقت، جس دن چاہے کوئی سی بھی نفلی عبادت کر کے اس کا ثواب میّت کو پہنچا سکتا ہے۔

میّت کے لیے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ خیرات دینا اور بلا اجرت قرآن کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا، اسی طرح نفلی نماز و روزہ اور حج وغیرہ سے میّت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے، لیکن ایصالِ ثواب کے لیے شریعت حقہ نے دِنوں اور تاریخوں اور وقت کی کوئی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے۔

شریعت نے جن طاعت و عبادات کو مطلق چھوڑا ہے ان میں اپنی طرف سے قیود لگانا یا اس کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے ان کو اوقات کے ساتھ متعین کر دینا، شریعت کی اصطلاح میں بدعت اور ناجائز ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے رایت کرتے ہیں:

”عن النّبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تختصوا لیلۃ الجمعہ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعہ بصیام من بین الایام الا أن یکون فی صوم یصوم أحدکم[۱]“

”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو، ہاں اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔“

---

۱ صحیح مسلم ج۱:۳۶۱

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت نمازِ جمعہ کی وجہ سے ہے، محض اس فضیلت کے سبب جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کے لیے اور دن کو روزے کے لیے خاص کرنا صحیح نہیں۔

علّامہ ابو اسحاق شاطبیؒ بدعت کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد (والى ان قال) ومنها التزام العبادات المعينة فى أوقات معينه لم يجد لها ذلك التعيين فى الشريعة۔

"اور انہیں بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا (پھر آگے فرمایا) اور انہیں بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کر لینا بھی ہے جن کے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔"

الاعتصام کی دوسری جگہ پر ہے:

فالتقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل الشرع تقييدها بما راى فى التشريع۔ (الاعتصام ج ۱/۳۴۵:۳۴۶)

"ان مطلقات کو مقید کرنا کہ جن کی تقیید شریعت میں نہیں ہے دراصل شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔"

دلائل شرعیہ کی موجودگی میں اپنی رائے سے قیاس کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے مجرم ہیں خصوصاً جب کہ ان میں اجتہاد اور تفقہ کی صحیح معنوں میں اہلیت بھی موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ " (النحل: ۱۱۶)

"اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یُوں مت کہہ دینا کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جھوٹی تہمت لگاؤ گے۔"

حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ويدخل فى هذا كل من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعى او حلل شيئا مما حرم الله أو حرم شيئا مما أباح الله بمجرد رأيه وتشهيه۔ (تفسير ابن كثير ج ۲/۶۰۸)

''اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے بلا دلیل شرعی کے کوئی بدعت گھڑی یا محض اپنی رائے اور خواہش سے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال یا حرام کی ہوئی کو حلال کر دیا۔''

روح المعانی میں ہے:

لان مدار الحل والحرمة ليس الا حكمه سبحانه۔ (روح المعانی ج۵/۲۴۸)

''کیونکہ حلت اور حرمت کا مدار صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔''

مشہور محدث وفقیہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

''قول أصحاب المذهب إنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث و بعد الأسبوع'' (رد المحتار: ۶۰۳/۱، ط: نعمانیہ۔ محشی)

''اصحاب مذہب نے کہا ہے کہ وفات کے پہلے اور تیسرے دن اور ایک ہفتہ کے بعد ضیافت کا اہتمام مکروہ ہے۔''

موت کے بعد کسی خاص مدت تک مکان کو چُونا نہ ڈالنا، یا اس کو بُرا سمجھنا قطعاً غلط، نیز غیر شرعی رسم و رواج اور ہندووانہ طور وطریقہ کی پیروی ہے، ایسی من گھڑت باتوں سے بچنا چاہیے۔

مذکورہ تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے دن، وقت اور تاریخ کا متعین کرنا کہ دوسرے ایام میں غلط یا کم ثواب سمجھتا ہو قرآن و سنت و شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔

قرآن و سنت اور اقوال اسلاف سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جن عبادات و طاعات کے لیے شریعت نے خود وقت، ایام و تاریخ مقرر نہیں کی ہے تو ان طاعات و عبادات کے لیے وقت، ایام اور تاریخ کا مقرر کرنا بدعت اور ناجائز ہے بلکہ شریعت میں دخل اندازی ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہے۔

شریعت کا اصول یہ ہے کہ کسی حکم کے اثبات کے لیے قرآن و سنت اور اجماع امّت سے دلیل پیش کی جائے اگر ان میں دلیل موجود ہے تو وہ حکم ثابت ہو گا اور اگر ان میں دلیل نہیں ہے تو وہ حکم ثابت نہیں ہو گا۔

اسی طرح شریعت نے آنحضرت ﷺ، بزرگانِ دین اور عام مسلمانوں کے ایصال ثواب کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے خاص خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کر لینا اور انہی کی پابندی کو ضروری سمجھنا بدعت ہو گا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ ربیع الاوّل میں آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کے ایصال ثواب کے لیے اور محرم میں حضرت حسینؓ اور دیگر اہل بیت کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکانا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

برائے ایں کار وقت و روز تعین نمودن و مقرر کردن بدعت است، آرے اگر وقتے بعمل آرند کہ درآں ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان کہ عمل بندہ مومن بہ ہفتاد درجہ ثواب زیادہ دار و مضائقہ نیست، زیرا کہ پیغمبر خدا ﷺ برآں ترغیب فرمودہ اند بقول حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰؓ دہر چیز کہ برآں ترغیب صاحب شرع و عین وقت نباشد آں فعل عبث است و مخالف سنت خیر الانام — و مخالف سنت حرام است، ہرگز روانباشد، واگر دلش خواہد مخفی خیرات کنند در ہر روزیکہ باشد، تانمود نشود۔ (فتاویٰ عزیزی ص:۹۳)

اس کام کے لیے دن وقت اور مہینہ مقرر کر لینا بدعت ہے۔ ہاں! اگر ایسے وقت عمل کیا جائے جس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ماہ رمضان کہ اس میں بندہ مومن کا عمل ستر گناہ بڑھ جاتا ہے۔ تو مضائقہ نہیں کہ کیونکہ پیغمبر ﷺ نے اس کی ترغیب فرمائی ہے۔ بقول امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰؓ جو چیز کہ صاحب شریعت (ﷺ) نے اس کی ترغیب نہیں دی اور اس کا وقت مقرر نہیں فرمایا وہ فعل عبث ہے، اور خیر الانام ﷺ کی سنت کے مخالف رہے — اور جو چیز مخالف سنت ہو وہ حرام ہے، ہرگز روانہ ہوگی اور اگر کسی کا جی چاہتا ہے تو خفیہ طور پر خیرات کر دے، جس دن بھی چاہے، تا کہ نمود و نمائش نہ ہو۔

اسی قاعدے کی بناء پر علماء اہل سنت نے تیجا، ساتواں، نواں، چالیسواں کرنے کی رسم کو بدعت کہا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادات میں لکھتے ہیں:

عادت نبوی نہ بود کہ برائے میّت در غیر وقت نماز جمع شوند، وقرآن خوانند و ختمات خوانند، نہ بر سر گور و نہ غیر آں۔ وایں مجموعہ بدعت است و مکروہ۔ نعم تعزیت اہل میّت وتسلیہ وصبر فرمودن سنت و مستحب است، اما ایں اجتماع مخصوص

روز سوم و ارتکاب تکلّفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام (ص: ۲۷۳)

عادت نبوی (ﷺ) نہ تھی کہ میّت کے لیے وقت نماز کے علاوہ جمع ہوں۔ اور قرآن خوانی کریں۔ اور ختم پڑھیں، نہ قبر پر اور نہ کسی دوسری جگہ —— یہ ساری چیزیں بدعت اور مکروہ ہیں ہاں اہل میّت کی تعزیت کرنا، ان کو تسلی دلانا اور صبر کی تلقین کرنا سنت و مستحب ہے لیکن یہ تیسرے دن کا خاص اجتماع اور دوسرے تکلّفات۔ اور مردہ کا مال جو یتیموں کا حق بن چکا ہے۔ بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں جو "رسم قل" کی جاتی ہے۔ برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ختم پڑھا جاتا ہے۔ اور دیگر رسمیں ادا کی جاتی ہیں، یہ رسمیں خلاف شریعت اور بدعت ہیں۔ اپنی اپنی جگہ ذکر و تسبیح، تلاوت، درود شریف اور صدقہ خیرات کے ذریعے میّت کو ایصال ثواب جتنا چاہے کرے، اور میّت کو ثواب بخشے، یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے، لیکن میّت کے گھر جمع ہونا، اور اس کے مال سے کھانا تیار کرا کر خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا شریعت کے خلاف ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج المالکیؒ (المتوفی ۷۳۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

امّا اِصلاح اھل المیّت طعاماً و جمع النّاس فلم ینقل فیه شئی وھو بدعةٌ غیر مستحب۔
(مدخل ج:۳، ص: ۲۷۵)

نیز لکھتے ہیں کہ:

مِمّا احدثه بعضھم من فعل الثالث للمیّت وعملھم الا طعمة فیه حتّٰی صار عندھم کانه امرٌ مّعمول به۔ (المدخل ج:۳، ص: ۲۷۵)

بعض لوگوں نے یہ بدعت نکالی ہے کہ میّت کے تیجہ پر طعام تیار کرتے ہیں، اور یہ ان کے نزدیک معمول بہ کام بن گیا ہے۔

امام ابن حجر مکّی شافعیؒ سے سوال کیا گیا کہ:

عمّا یعمل یوم ثالث من مّوته من تھئیة اکلٍ و اطعامه للفقراء وغیرھم و عمّا یعمل یومُ السّابع الخ۔

میت کے تیسرے دن فقراء وغیرہ کے لئے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اور اسی طرح ساتویں دن اس کا کیا حکم ہے؟

جواب میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

جمیعُ مایفعل ممّاذکر فی السّوال من البدع المذمومة۔ (فتاوٰی کبرٰی ج۲: ص:۷)

سوال میں جتنی چیزیں ذکر کی گئی ہیں، وہ سب کی سب بدعاتِ مذمومہ ہیں۔

اور امام حافظ الدین محمد بن شہابؒ کردری الحنفی لکھتے ہیں کہ:

و یکرہ اتّخاذُالضّیافة ثلاثة ایّام و اکلھا لانّھا مشروعة للسُّرور و یکرہ اتّخاذالطّعام فی الیوم الاوّل والثالث، وبعد الاسبوع والاعیاد و نقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصّلحاء والقُرّاء للختم او لقرأة سورة الانعام اوا لاخلاص، فالحاصل انّ اتخاذ الطّعام عند قرأة القرآن لاجل الاکل یکرہ۔ (فتاوٰی بزازیہ ج۴ :ص:۸۱)

تین دن تک ضیافت مکروہ ہے اور اسی طرح اس کا کھانا بھی، کیونکہ ضیافت توخوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے۔ اور پہلے ،دوسرے اور تیسرے دن کھانا تیار کرنا بھی مکروہ ہے، اور اسی طرح ہفتے کے بعد اور عیدوں کے مواقع پر بھی، اور اسی طرح موسم بموسم قبروں کی طرف کھانے پینے کی اشیاء کالیجانا بھی مکروہ ہے۔ اور قرأة قرآن کے لئے اور صلحاء اور قراء کو جمع کر کے ختم قران کے لئے دعوت کرنا بھی مکروہ ہے، وعلیٰ ھٰذا القیاس سورة الانعام اور سورة اخلاص کی قرأة کے لئے کھانا تیار کرنا بھی مکروہ ہے۔ حاصل یہ کہ قرأت قرآن کے وقت کھانے کی دعوت کرنا مکروہ ہے۔

آگے چل کر شامی لکھتے ہیں:

’’ہمارے اور شافعیہ کے مذہب میں یہ افعال مکروہ (تحریمی) ہیں خصوصاً جب کے وارثوں میں نابالغ یا غیر حاضر لوگ بھی ہوں۔ قطع نظر ان بہت سے منکرات کے، جو اس موقعہ پر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً بہت سی شمعیں اور قندیلیں جلانا، ڈھول بجانا، خوش الحانی کے ساتھ گیت گانا۔ عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا جمع ہونا۔ ختم اور قرأت قرآن کی اجرت لینا، وغیرہ ذلک، جن کا ان زمانوں میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور ایسی چیز کے حرام اور باطل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔‘‘ (حوالہ مذکورہ)

امام نوویؒ شرح منہاج میں لکھتے ہیں کہ:

الاجتماع علیٰ مقبرۃ فی الیوم الثالث و تقسیم الورد والعود والطّعام فی الایّام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشّھر السّادس والسُّنۃ بدعۃ ممنوعۃ۔(بحوالہ انوار ساطعہ ص: ۱۰۵)

قبر پر تیسرے دن اجتماع کرنا، اور گلاب اور اگربتیاں تقسیم کرنا، اور مخصوص دنوں کے اندر روٹی کھلانا، مثلاً: تیجہ، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں اور چالیسواں دن اور چھٹا مہینہ اور سال کے بعد یہ سب کے سب امور بدعتِ ممنوعہ ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم ششماہی و برسینی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند و حرام ساختہ اند۔ (مالابد منہ ص: ۱۶۰)

میرے مرنے کے بعد دنیوی رسمیں، جیسے دسواں، بیسواں، ششماہی اور برسی، کچھ نہ کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کو جائز نہیں رکھا، بلکہ حرام قرار دیا ہے۔

علّامہ شامی فتح القدیر کے حوالے سے لکھے ہیں:

وَیُکْرَہُ الضِّیَافَۃُ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَھْلِ الْمَیِّتِ، لِاَنَّہٗ شُرِعَ فِی السُّرُوْرِ لَا فِی الشُّرُوْرِ وَھِیَ بِدْعَۃٌ مُسْتَقْبَحَۃٌ رَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَن جَرِیْرِ بِن عَبْدِاللّٰہِ قَالَ کُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰی اَھْلِ الْمَیِّتِ وَصُنْعَھُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّیَاحَۃِ (ردّ المختار ج: ۲، ص: ۲۴۰)

ان عبارات میں اس امر کی پوری صراحت موجود ہے کہ میّت کی وجہ سے دنوں کی تخصیص کر کے کھانا پکانا (اور خصوصاً تیسرے، دسویں اور چالیسویں وغیرہ دنوں میں بدعت اور مکروہ ہے اور ایسے کھانے سے بہر حال پرہیز کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی کے شیخ حضرت علی متقی بدعاتِ تعزیت کی مذمت کرتے ہوئے تیجے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان ھٰذا الجتماع فی الیوم الثالث خصوصاً لیس فیہ فرضیۃ ولا فیہ وجوب ولا فیہ سنۃ ولافیہ استحباب ولا فیہ منفعۃ ولا فیہ مصلحۃ فی الدین بل فیہ طعن و مذمۃ و ملامۃ علی

السف حيث لم يبينوا له بل على النبی ﷺ حيث ترك حقوق الميت۔ بل على الله سبحانه و تعالیٰ حيث لم يكمل الشريعة ..... فيكون حراماً لتضمنه هٰذهِ القبائح۔

ترجمہ: یہ تیسرے دن کا اجتماع نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ نہ اس میں کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت بلکہ اس میں سلف پر طعن، مذمت اور ملامت مضمر ہے کہ انہوں نے اسے بیان نہ کیا تھا بلکہ نبی پاک ﷺ پر بھی اعتراض آتا ہے کہ آپ ﷺ نے میّت کے حقوق بیان نہ کیے تھے۔ (معاذ اللہ)

ان تخصيص الذكر بوقت لم يرد به الشرع غير مشروع[1]۔

ترجمہ: بے شک ذکر کو کسی ایسے وقت کے ساتھ خاص کرنا جس کا ثبوت شرع سے نہ ہو ناجائز ہے۔

علّامہ بیرونی جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے بیان کرتے ہیں کہ اموات کو ثواب پہنچانے کے لیے خاص دنوں کی تعیین دراصل ہندوؤں کی رسم تھی۔ وہ مختلف ذاتوں کے مُردوں کو مختلف دِنوں میں کھانا بھیجنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ہندوؤں کے ہاں مختلف میّتوں کے بڑے ختم کے دن مختلف ہیں۔ برہمن کے لیے گیارہواں دن، کھتری کے لیے تیرہواں دن، ویش کے لیے جو کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں پندرہواں دن اور شودر جیسی اقوام کے لیے تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے۔ ان کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں۔ سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں۔ (کتاب الہند ص ۲۸۲ / تا ۲۹۰)

جو علماء دنوں کی اس گنتی کو جہالت بھی سمجھیں، پھر بھی اپنے لوگوں کو ہندوؤں کی پیروی سے نہ روکیں، ان کے اس طرز عمل کے بارے میں اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ عمداً مسلمانوں کے ہاں ہندو تہذیب کے لیے دروازے کھول رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں اقرار کرتے ہیں:

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں۔ جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۲، ص:۴۰۰)

---

۱ فتاویٰ شامی رد المحتار ج:۱، ص:۶۶۶

جہاں یہ تعیین عرفی نہ سمجھی جائے، لوگ اسے شرعی درجہ دینے لگیں یہاں تک کہ اس کے لیے حدیثیں وضع ہونے لگیں تو پھر یہ نری جہالت نہ رہے گی، بدعت بھی قرار پائے گی۔ تعیین عرفی نہ رہے گی۔

اہل میّت کی طرف سے دعوتِ طعام:

☆ ایک رسم یہ کی جاتی ہے کہ دفن کے بعد میّت کے گھر والے برادری وغیرہ کو دعوت دیتے ہیں کہ فلاں روز آکر کھانا تناول فرمائیں، اد رکھنا چاہیے! کہ یہ دعوت اور اس کا قبول کرنا دونوں ممنوع ہیں، ہرگز جائز نہیں، اس قبیح رسم سے اجتناب لازم ہے، علّامہ شامی نے اس دعوت کے متعلق لکھا ہے کہ: ''اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں'' اور علاوہ حنفی مذہب کے دیگر فقہی مذاہب مثلاً شافعیہ وغیرہ کا بھی اس کے ناجائز ہونے پر اتفاق بیان کیا ہے، اور مسندِ احمد وسننِ ابنِ ماجہ سے روایت نقل کی ہے کہ صحابہؓ کے زمانے میں بھی اس دعوت کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ (امداد الاحکام ج:۱، ص: ۱۱۵)

حدیث اور فقہ کی عبارات اس پر شاہد ہیں کہ جب کسی کی وفات ہو جائے تو اس کے گھر والے چونکہ صدمہ میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے اہل محلہ اور رشتہ دار، اہل میّت کا کھانا تیار کریں اور جو نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکا ہو وہ تعزیت بھی کر سکتا ہے، لیکن میّت کے گھر اجتماع اور اہل میّت کا لوگوں کے لئے کھانا تیار کرنا ایک بہت بڑا گناہ ہے اور بہت سے علاقے اس قبیح حرکت کا شکار ہو کر مقروض ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات سود پر قرض لیا جاتا ہے اور اس طرح وارثوں کا اور خصوصاً یتیموں کا مال برباد کیا جاتا ہے۔

حضرت جریرؓ بن عبد اللہ (المتوفی ۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

كنّا نرى الاجماع الى اهل الميّت و صنعة الطّعام من النِّياحة (ابن ماجه ص: ۱۱۷)

ہم یعنی (حضرات صحابہ کرام) میّت کے گھر جمع ہونے کو اور میّت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔

اور منتقى الاخبار ص: ۱۲۲ میں وصنعة الطعام بعد دفنه من النِّياحة کے الفاظ آئے ہیں۔

مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ میّت پر آواز کے ساتھ رونا، بین اور نوحہ کرنا اہل جاہلیت کا کام ہے اور نوحہ کرنا جمہور سلف وخلف کے نزدیک حرام ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ نوحہ کی حرمت پر اجماع ہے۔ (شرح المسلم ج ۱: ص: ۳۰۳)

اسی طرح میّت کے گھر کا کھانا بھی سمجھا جائے یہ روایت دو طریق سے مروی ہے۔ علامہ ہیثمیؒ ایک سند کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے اور دوسری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے

(مجمع الزوائد)

حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (فتح القدیر ج۱: ص: ۴۷۳)

علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں باسناد صحیح (کبیری ص: ۶۰۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میّت کے گھر اجتماع کرنا اور وہاں کھانا تناول کرنا حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک نوحہ جیسا ایک جرم تھا اور اس امر پر ان کا اجماع و اتفاق رہا ہے، ضرورت تو نہیں مگر حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ یہ مسئلہ بھی بیّن طور پر سامنے آجائے:

طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:

ولا یباح اتّخاذ الضّیافة عند ثلاثة ایّام لانّ الضّیافة یتخذ عند السّرور[1]۔

اہل میّت کی طرف سے تین دن تک ضیافت مباح نہیں ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے۔

علّامہ محمد بن محمد حنبلیؒ (المتوفیٰ ۷۷۷ھ) تسلیة المصائب ص: ۹۹ میں: اور امام شمس الدّین بن قدامہ حنبلیؒ (المتوفیٰ ۶۸۲ھ) شرح مقنع الکبیر ج۲ ص: ۴۲۶) میں اور امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ (المتوفیٰ ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں، واللفظ لہٗ: فامّا صنع اهل المیّت طعاما للنّاس فمکروه لانّ فیه زیادة علیٰ مصیبتهم و شغلا لهم الی شُغلهم و تشبیهاً بصنع اهل الجاهلیة[2] ۔

کہ اہل میّت جو لوگوں کے لئے کھانا تیار کرتے ہیں وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل میّت کو مزید تکلیف اور شغل میں مبتلا کرنا ہے، نیز اس سے مشرکین اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔

امام قاضی خانؒ لکھتے ہیں:

ویکره اتّخاذ الضّیافة فی ایام المصیبة لانّها ایّام تاسف فلا یلیق بها ما کان۔۔۔[3] ()

یعنی مصیبت کے دنوں میں ضیافت کرنا مکروہ ہے کیونکہ جو کام خوشی کے وقت ہو وہ غمی کے مناسب نہیں ہے۔ اسی

---

۱ خلاصة الفتاوٰی ج۲/ص: ۳۴۲

۲ مغنی ج۲/ص: ۴۱۳

۳ فتاوٰی خانیه ج۴/ص: ۷۸۱

کے قریب قریب عبارت فتاوٰی سراجیہ ص: ۷۵ میں ہے۔

حافظ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ:

ویکرہ اتّخاذ الضّیافۃ من الطّعام من اھل المیّت لانّہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ[1]۔

میّت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ طعام کھانا تو خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ نہایت ہی بڑی اور قبیح بدعت ہے۔

اور علامہ قہستانیؒ لکھتے ہیں کہ:

ویکرہ اتخاذ الضّیافۃ فی ھٰذہ الایّام وکذا اکلھا کما فی حیرۃ الفتاوٰی[2]۔

ان دنوں میں میّت کے گھر کھانا تیار کرنا اور کھانا دونوں مکروہ ہیں جیسا کہ حیرۃ الفتاوٰی میں مذکور ہے۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ:

ولا یباح اتّخاذ الطّعام ثلاثۃ ایّام کذا فی التاتار خانیہ[3]۔

تین دن تک میّت کے گھر میں کھانا تیار کرنا مکروہ ہے، ایسا ہی فتاوٰی تاتار خانیہ میں ہے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ کے ایصال ثواب کے لیے بارہ ربیع الاوّل کے دن کو اور شہدائے کربلا کے لیے دسویں محرم کے دن کو اور دیگر بزرگوں کے لیے ان کے یومِ وفات کو اور نئے مرنے والوں کے لیے وفات کے تیسرے، دسویں اور چالیسویں دن کو خاص کرنا اور متعین کرنا بدعت ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے اُجرت دے کر قرآن پڑھوانا:

☆ بعض لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے اُجرت پر ایک آدمی رکھ لیتے ہیں، جو روزانہ

---

۱ فتح القدیر ج۱/ص: ۴۷۳

۲ جامع الرموز ج۳/ص: ۴۴۳

۳ عالمگیری ج۱/ص: ۱۶۷)

مرحوم کی قبر پر قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اپنے زعم کے مطابق مرحوم کو ثواب پہنچاتا ہے، سو واضح ہو کہ اُجرت پر ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا اور پڑھوانا حرام ہے، بعض لوگ آیتِ کریمہ اور کلمۂ طیّبہ کا ختم بھی برائے ایصالِ ثواب اُجرت دے کر کراتے ہیں، سواُن کا ختم بھی اُجرت دے کر کرانا حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج:۱، ص:۳۷۵)

علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر فقہا کی بہت سی تصریحات، تاج الشریعت عینی شرح ہدایہ حاشیہ خیر الدین اور بحر الرائق سے نقل کی ہیں اور خیر الدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اُجرت دے کر ختم کروانا صحابہ کرام و تابعین اور اسلافِ اُمّت سے کہیں منقول نہیں، اس لیے بدعت ہے۔

ایصالِ ثواب کا احسن طریقہ:

سب سے افضل اور بہتر صورت تو یہی ہے کہ مستحقین کو نقد تقسیم کر دیا جائے کیوں کہ نہ معلوم انہیں کیا ضرورت ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ خُشک جنس دی جائے کہ جب جی چاہے گا پکا کر خود کھالے گا تیسرے درجہ کی صورت یہ ہے کہ پکا کر خود کھلایا جائے اور اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ روزانہ ایک دو خوراک پکا کر مستحقین کو کھلایا جائے۔ ایک دم پکانے میں مستحق اور غیر مستحق سب جمع ہو جاتے ہیں بلکہ زیادہ برادری ہی کھاتی ہے جیسا کہ رسم ہے۔ (انفاسِ عیسیٰ ج:۲، ص:۲۱۵)

تلاوتِ کلامِ پاک کے ایصالِ ثواب کا احسن طریقہ:

قرآن شریف میں ایصالِ ثواب کے لیے احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسبِ توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں۔ اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں کیوں کہ اس میں اکثر اہل میّت کو جتلانا ہوتا ہے خلوص نہیں ہوتا۔ (انفاسِ عیسیٰ ج:۲، ص:۲۱۵)

ایصالِ ثواب کرنے کے بعد عامل کو بھی پورا ثواب مِلتا ہے:

فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی:

عَنْ اَبِیْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اذَا تصدَّقَ اَحدُکُمْ صَدَقَۃً تَطَوُّعاً فَلْیَجْعَلْھَا عَنْ اَبَوَیْہِ فَیَکُوْنَ لَھُمَا اَجْرَھَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجرِہٖ شَیْءٌ۔

شرح الصدور میں بحوالہ طبرانی حضرت ابی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے

کہ اگر تم میں سے کوئی ایک نفل صدقہ کرے پھر اس کا ثواب اپنے ماں باپ کے لیے کر دے تو اس کا ثواب ان دونوں کو ملے گا اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہو گا۔

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے میں بھی عامل کے پاس پُورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَئٍءٌ اَوْ كَمَا قَالَ۔

یعنی جس شخص نے کسی کو نیک بات بتلائی پس اس کے لیے اجر ہے اور اس کے لیے بھی اجر ہے جس نے اس پر عمل کیا اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

وجۂ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیثِ مسلم میں بلا قصد، سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ مؤثر نہیں اور فقہاء نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متلقی بالقول کیا ہے:

كَمَا فِيْ رَدِّ الْمُخْتَارِ عَنْ زَكَاةِ التَّا تَارِ خَانِيَةَ عَنِ الْمُحِيْطِ الْاَفْضَلُ لِمَنْ يَّتَصَدَّقَ نَفَلًا اَنْ يَّنْوِىَ بِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ۔

یعنی اگر کوئی نفل صدقہ میں یُوں نیت کرے کہ اس کا ثواب مومنوں اور مومنات کو پہنچے تو ان کو ثواب پہنچے گا اور ایصالِ ثواب کرنے والے کے اجر میں کمی نہ ہو گی۔

راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسیع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الآخر سے بھی محل اوّل سے زوال نہیں ہوتا بلکہ تعدیہ علوم و فیض میں مشاہد ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شئ موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی۔ وذکر العارف الرومی فی المثنوی بعض آثار التوسع المعنوی فقال

در معانی قسمت و اعداد نیست

در معانی تجزیہ و افراد نیست

(کمالاتِ اشرفیہ ص:۳۹۱، بوادر النوادر ص:۳۵۳، امداد الفتاویٰ مبوب ج:۱، ص:۵۱۳، ۵۱۴)

کھانا سامنے رکھ کر اس پر ختم دینا:

صحیح احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے کھانے پر بسم اللہ بھی پڑھی ہے اور بطور برکت اور دعا کے مختلف کھانے کی چیزوں پر قرأت بھی کی ہے، اور چیزوں میں اضافہ کے لئے بھی اشیاء کو سامنے رکھ کر ان پر دعائیں بھی پڑھی ہیں، یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں۔ جھگڑا اس امر کا ہے کہ میّت کے لئے ایصال ثواب کے طور پر جو کھانا دیا جاتا ہے اس پر بھی کچھ پڑھنا صحیح ہے ؟ اور کیا پیارے پیغمبر ﷺ نے اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا ہے؟ اس کا آسان اور صحیح جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ چنانچہ فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے کہ:

قرأة الفاتحة والاخلاص والكافرون على الطّعام بِدعةٌ۔ (الجنه ص: ۱۵۵)

سورۃ الفاتحہ اور اخلاص اور الکافرون کا طعام پر پڑھنا بدعت ہے

چنانچہ حضرت تھانویؒ اصلاح الرّسوم میں لکھتے ہیں:

اکثر عوام کی عادت ہے کہ بہت سے طعام میں سے تھوڑا کھانا کسی طباق یا خوان میں رکھ کر اس کو روبرو رکھ کر فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ تعالیٰ حق شانہٗ کو نمونہ دِکھلانا مقصود ہے کہ اس قسم کا کھانا دیگ میں ہے کیونکہ ایصالِ ثواب تو ساری دیگ کا کرنا مقصود ہے نہ کہ سامنے موجود کھانے کا۔ ورنہ موجودہ کھانے کے علاوہ بقیہ دیگ کا کھانا ضائع ہو گا۔ غرض یہ حرکت محض رواج کی پابندی ہے اور پابندی بھی ایسی کہ عوام سمجھتے ہیں کہ محض اس ہیئت خاصہ کے ثواب بھی نہ پہنچے گا۔ اس لیے قابلِ ترک ہے جبکہ طعام کے علاوہ روپیہ، کپڑا یا غلہ کے ایصالِ ثواب کے وقت اس قسم کی فاتحہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور نہ روبرو رکھا جاتا ہے۔ یہ تکلف تو صرف طعام و شیرینی میں کیا جاتا ہے (اصلاح الرسوم ص ۱۲۰)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنی کتاب اختلاف امّت اور صراط مستقیم میں لکھتے ہیں:

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا دیتے ہیں اس پر میاں جی سے کچھ پڑھواتے ہیں۔ اور اس کو بعض لوگ ”فاتحہ شریف“ اور بعض ”ختم شریف“ کہتے ہیں۔ بادی النظر میں یہ عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور

لوگ اس کے اسی ظاہری حسن کے عاشق ہیں، مگر اس میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

اوّل: آنحضرت ﷺ اور سلف صالحین میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے بلاشبہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ جو چیز خلاف سنت ہو وہ مذموم اور قابلِ ترک ہے اگر شریعت کی نظر میں یہ طریقہ مستحسن ہوتا تو سلف صالحین اس سے محروم نہ رہتے۔

دوم: عام لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے میّت کو ثواب نہیں پہنچتا، بہت سے لوگوں سے آپ نے یہ فقرہ سنا ہو گا "مر گیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" یہ خیال ایک سنگین غلطی ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسول کے مقابلے میں گویا نئی شریعت بنانا ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ ایصال ثواب کا نہیں بتایا۔ اور نہ سلف صالحین نے اس پر عمل کیا، اب دیکھیے کہ جو حضرات یہ فقرہ دہراتے ہیں "مر گیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" اس کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے—پس یہ کیسی دینداری ہے کہ ایک نئی بدعت گھڑ کر ایسے فقرے چست کیے جائیں جن کی زد میں سلف صالحین آتے ہوں۔ اور ان اکابر کے حق میں ایسے ناروا الفاظ استعمال کیے جائیں۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہو گا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ، آپ ﷺ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہل سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو بے ادبی تصوّر کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتاویٰ میں ہے:

"سوال: کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید بر طعام خواند چہ حکم است؟ شخصے میگوید کہ کلام اللہ بر طعام آنچناں است کہ کسے در جائے ضرور بخواند۔ نعوذ باللہ منہا —

جواب: بایں طور گفتن روانیست بلکہ سوء ادبی است، اگر ایں چنیں گفت کہ در ہمچوں اینجا خواندان سوء ادبی است مضائقہ ندارد۔ وایں، ہم وقتے است کہ بطریق وعظ و پند نہ خواند، واما بطور وعظ و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در ہر جا رواست، بلکہ برائے رد بدعت گاہ واجب می شود" (فتاویٰ عزیزی ص:۹۲)

ترجمہ: سوال: کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ پر پڑھے۔ نعوذ باللہ۔

جواب: ایسا کہنا روا نہیں بلکہ بے ادبی ہے، ہاں اگر یُوں کہے کہ "اسی طرح کھانے پر قرآن پڑھنا بھی بے ادبی ہے" تو مضائقہ نہیں اور یہ بے ادبی بھی اس وقت ہے جب کہ بطور وعظ و نصیحت نہ پڑھے، لیکن وعظ و نصیحت کے طور پر اور شرک و بدعت سے منع کرنے کے لیے پڑھنا ہر جگہ درست ہے۔ بلکہ رد بدعت کے لیے بسا اوقات واجب ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید پڑھنا ایک طرح کی بے ادبی ہے۔

چہارم: میاں جی کو بلا کر جو کھانے پر ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں قباحت یہ ہے کہ میاں جی اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں اور گھر والے اپنے کھانے کے بدلے میں میاں جی سے ختم پڑھوا لیتے ہیں۔ اگر میاں جی ختم نہ پڑھے تو وہ کھانے سے محروم رہتا ہے اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو میاں جی ختم کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، گویا میاں جی کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب پڑھنے والے کو بھی نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضے کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لیے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہرا ثواب بھی جاتا رہا۔

پنجم: میں نے بعض جگہ دیکھا ہے کہ جب تک کھانے پر ختم نہ دلایا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اگر میاں جی کی تشریف آوری میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بچّوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی بلبلاتے رہیں —— حالانکہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ثواب تو اس کھانے کا ملے گا جو کسی غریب محتاج کو خدا واسطے دے دیا گیا، پھر آخر اس پابندی کی کیا وجہ ہے کہ جب تک ختم نہ پڑھ لیا جائے کھانا بچّوں تک کے لیے ممنوع قرار پائے۔

ششم: دراصل تیجا، ساتواں، دسویں، گیارہویں اور ختم کا رواج ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندو معاشرے سے منتقل ہوا، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان (اور اب پاک و ہند) کے علاوہ دوسرے کسی ملک میں ان رسموں کا رواج نہیں،، ہندوؤں کے ایصال ثواب کا طریقہ اور اس کی خاص خاص تاریخوں کو ہمارے مشہور سیاح البیرونی نے "کتاب الہند" میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اور مولانا عبید اللہ نومسلم نے، جو پہلے ہندوؤں کے پنڈت تھے، بعد میں حق تعالیٰ نے ان کو نورِ ایمان نصیب فرمایا، "تحفۃ الہند" میں بھی ہندوانہ ایصال ثواب کے طریقوں کی نشاندہی

کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں دن، اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرہواں دن، اور ویش یعنی بنیئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں یا سولہواں دن اور شودر یعنی بالدھی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن ہے — از انجملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے، یعنی مرنے کے چھ مہینے بعد — ازاں جملہ برسی کا دن ہے، اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں — ازاں جملہ اسوج کے مہینے کے نصف اوّل میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں۔ اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادہ ہے، اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اوّل اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے تو وہ ان کی زبان میں "ابھشر من" کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں"۔
(ص:۹۱۔ بحوالہ راہِ سنت)

فریق مخالف کی دلیل:

ہے کہ جب پیارے پیغمبر ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تو تیسرے دن حضرت ابوذرؓ نے کھجوریں، دودھ اور جو کی روٹی پیارے پیغمبر ﷺ کے سامنے رکھی اور آپ ﷺ نے ان پر "سورۃ الفاتحہ" اور "قل ھُواللہ احد" پڑھ کر دعا فرمائی، اور حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کرو اور فرمایا کہ ان اشیاء کا ثواب میرے لختِ جگر ابراہیمؓ کو پہنچے۔ اس روایت سے ایک تو تیجے کا ثبوت ہوا، اور دوسرا کھانا سامنے رکھ کر اس پر ختم کہنے کا ثبوت ہوا، اور ان کا یہ دعوٰی ہے کہ یہ روایت حضرت ملّا علی قاریؒ نے کتاب اوز جندی میں تحریر فرمائی ہے

جواب: حضرت مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: نہ کتاب اوزجندی از تصانیف ملّا علی قاری است و نہ روایت مذکور صحیح و معتبر است، بلکہ موضوع و باطل، براں اعتماد نشاید، در کتب حدیث نشانے از ہیچو روایت یافتہ نمے شود۔

کہ نہ تو کتاب اوزجندی حضرت ملّا علی قاری کی تصنیفات میں سے ہے اور نہ ہی یہ روایت صحیح اور معتبر ہے، بلکہ یہ موضوع اور باطل روایت ہے، اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، حدیث کی کسی کتاب میں اس قسم کی روایت کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

معلوم ہوا یہ من گھڑت حدیث اہل بدعت کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کی کوئی سند نہیں۔ حتیٰ کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اسے قبول نہیں کیا ان سے جب پوچھا گیا کہ ایصال ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وقت فاتحہ کھانے کا قاری کے سامنے ہونا اگر چہ بیکار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔(الحجۃ الفاتحہ ص: ۱۶ مطبع حسن بریلی: نوٹ نئے ایڈیشن میں اس کو نکال دیا گیا ہے)

علامہ خالد محمود لکھتے ہیں کہ کوئی شیعہ مولوی امداد حسین تھے جنہوں نے حنفیت کا لبادہ اوڑھ کر مسائل ضروریہ خلاصہ مذہب حنفیہ نامی کتاب لکھی اور اس میں اس قسم کی باتیں درج کر دیں، اور اپنی محرم کی مجالس میں کھانے سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی سند مہیّا کر دی۔

ختم کے کھانے پر اغنیاء کا جمع ہونا:

جہاں کہیں ختم کی مجلس ہوتی ہے عزیز رشتہ دار، برادری کے معزز افراد احباب دوست جمع ہوتے ہیں اور جو کھانا ایصالِ ثواب کے لیے تیار کیا گیا تھا اسے دعوت کے طور پر یُوں کھا جاتے ہیں جیسے کوئی شادی کی تقریب ہو۔ وہ بریلوی علماء جو یقیناً زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوتے، خاصے غنی ہوتے ہیں، ختم کا کھانا شیر مادر کی طرح ہضم کرتے ہیں اور کبھی نہیں کہتے کہ ایصالِ ثواب صرف فقراء کا حق ہے۔ غنی کو اس کے کھانے کی اجازت نہیں۔ بلکہ جو روکے اسے اُلٹا وہابی کہا جاتا ہے۔ کاش یہ لوگ دیکھ لیتے کہ اس باب میں مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ کیا ہے؟

مردہ کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے۔ عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے[۱]۔

مولانا احمد رضا خاں کا ایک یہی فتویٰ ہے جس کی بریلوی کھل کر مخالفت کرتے ہیں اور جہاں ختم کی مجلس ہو امیر و غریب سب پہنچ جاتے ہیں اور فقراء و مساکین کا حق کھلے بندوں ہضم کر جاتے ہیں۔

کھانا قبروں پر لے جانا:

کھانا قبروں پر لے جانا اور وہاں قاریوں اور دوستوں کو کھلانا شریعت میں قطعاً ممنوع تھا۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع و نقل الطعام الی المقابر فی

---

۱ احکام شریعت، حصہ دوم، ص:۱۵۳

المواسم

ترجمہ: اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا۔ پہلے دِن، تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد اور مختلف موقعوں پر کھانا قبر پر لے جانا اور قرآن خوانی کے لیے دعوت کرنا اور قراء وصلحاء کو ختم قرآن کے لیے جمع کرنا یہ سب مکروہ ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کو یہ بات معلوم تھی لیکن کھل کر نہ فرمایا کہ کھانا قبرستان میں لے جانا درست نہیں، صرف یہ کہا کہ فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا منع ہے۔ معلوم ہوتا ہے بدعتی اس وقت کھانا قبروں پر بھی رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

”فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا تو ویسا ہی منع ہے جیسے چراغ پر رکھ کر جلانا اور اگر قبر سے جدا رکھیں تو حرج نہیں۔“

دیکھیے کس صفائی سے قبرستان میں کھانا لانے کا جواز پیدا کر دیا کہ قبر سے ذرا فاصلے پر رکھیں تو کوئی حرج نہیں۔ پیشِ نظر رہے کہ خانصاحب خود قبر سے ذرا فاصلے پر ہی ٹھہرتے تھے۔ یہ بریلوی مذہب کی بات تھی۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، علّامہ نودی شرح منہاج میں لکھتے ہیں:

الاجتماع على المقبرة في اليوم الثالث و تقسيم الورد والعود واطعام الطعام في الايام المخصوص كالثالث والخامس والتاسع والعشرين والاربعين والشهر السادس بدعة ممنوعة۔

ترجمہ: قبروں پر تیسرے دن جمع ہونا گلاب اور عود کی تقسیم، تیسرے پانچویں نویں دسویں بیسویں چالیسویں اور ششماہی کے مخصوص دنوں میں (غریبوں کو) کھانا کھلانا بھی بدعتِ ممنوعہ ہے۔

فرض عبادت کا ایصالِ ثواب:

فقہاءِ حنفیہ کا اس پر تو اتفاق ہے کہ ہر قسم کی نفلی عبادت کا ثواب دُوسرے کو بخشا جاسکتا ہے، زندہ کو بھی بخشا جاسکتا ہے، میّت کو بھی، لیکن فرض عبادت کا ثواب بھی کسی کو بخشا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اسے بھی جائز کہا ہے اور بعض نے منع کیا ہے۔

کسی عبادت کا ثواب کئی اشخاص کو پہنچانا:

اگر کسی عبادت کا ثواب کئی اشخاص کو مشترک طور پر بخشا، مثلاً ایک روپیہ صدقہ کیا اور اس کا ثواب دس مُردوں کو بخش دیا، تو آیا ہر میّت کو پورے ایک ایک روپیہ کا ثواب ملے گا یا ایک ہی روپیہ کا ثواب سب مُردوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم ہو

گا؟ اس کی قرآن و سنت میں تو کوئی صراحت نہیں ملتی، احتمال دونوں ہیں، لیکن فقہاء کی ایک جماعت نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کے زیادہ لائق بھی یہی ہے۔(شامی ج:۱، ص:۸۴۵)

حضرت تھانویؒ سے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادیؒ نے ایصال ثواب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

سُئِلَ ابْنُ الْحَجْرِ الْمَكِّيُّ عَمَّا لَوْ قَرَءَ لِاَهْلِ الْمَقْبِرَةِ الْفَاتِحَةَ هَلْ قُسِّمَ الثَّوَابُ بَيْنَهُمْ اَوْ يَصِلُ لِكُلٍّ مِّنْهُمْ ثَوَابَ ذَالِكَ كاملاً فَاَجَابَ بِاَنَّهُ اُفْتِيَ جَمْعٌ بِالثَّانِيْ وَهُوَ اللَّائِقُ بِسَبْعَةِ الْفَ۔ (شامی ج:۱، ص:۹۴۴)

یعنی ابن الحجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اگر کچھ پڑھ کر قبرستان والوں کو بخشا جائے تو کیا وہ ثواب تقسیم ہو کر ان کو پہنچے گا یا ہر ایک کو پورا پورا ملے گا؟ آپ نے جواب دیا کہ سب کو پورا پورا ملے گا۔ اور یہ حق تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم سے بعید نہیں مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں۔ اس لیے بدون نص اس میں کوئی حکم کیا جاسکتا۔

البتہ حدیثِ طبرانی ''اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدُكُمْ صَدَقَةً تَطَوُّعًا فَلْيَجْعَلْهَا عَنْ اَبَوَيْهِ فَيَكُوْنَ لَهُمَا اَجْرُهَا وَلَا يُنْقَصُ عَنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ'' کے ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کیا جاسکتا ہے کیونکہ اجرہا کا مرجع صدقہ ہے جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقہ ہے نہ کہ جز الصدقہ اور لہا سے متبادر اور شائع اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مُراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے، پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا۔(کمالاتِ اشرفیہ ص:۳۹۲)

ایک مرتبہ مجلس میں اس کا تذکرہ آیا کہ ایصالِ ثواب سے موصل کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ ایصالِ ثواب کا الگ مزید ثواب ملتا ہے نیز جن جن کو ایصال کیا جاتا ہے سب کو اتنا اتنا ثواب مل جاتا ہے اس کی تائید میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا

در معانی قسمت و افراد نیست
در معانی تجزیہ و اعداد نیست

اس کی حسی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک چراغ سے ہزار چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور ایک استاد ایک وقت میں سو شاگردوں کو تعلیم دے سکتا ہے نہ اس چراغ کی روشنی میں کچھ کمی آتی ہے نہ اُستاد کے علم میں۔(کمالاتِ اشرفیہ ص:۳۱۵)۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایصالِ ثواب جس کی تقسیم، عدمِ تقسیم میں کوئی نص قطعی نہیں اور اس میں اختلاف ہوا ہے، یہی فرمایا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے یہی اُمید ہے کہ جب ہم چند آدمیوں کو ایک عمل کا ثواب پہنچاتے ہیں تو سب کو برابر ہی پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کمی تھوڑا ہے۔(آداب المصاب لتسلیۃ الاحباب ص:۳۲)

میّت کے کپڑے، جوڑے خیرات کرنا:

☆ ایک رسم یہ بھی ہے کہ میّت کے انتقال کے بعد اس کے کپڑے اور جوڑے، خاص کر استعمالی کپڑے خیرات کر دیتے ہیں، حالانکہ ورثاء میں اکثر نابالغ ورثاء بھی ہوتے ہیں، یاد رکھیے! میّت کے تمام کپڑے اور ہر چھوٹی بڑی چیز اس کا ترکہ ہے، جس کو شرع کے مطابق تقسیم کرنا واجب ہے، اس سے پہلے کوئی چیز خیرات نہ کی جائے، البتہ اگر سب وارث بالغ ہوں اور وہاں موجود ہوں اور خوش دِلی سے سب متفق ہو کر دے دیں تو یہ خیرات کرنا جائز ہے، لیکن اُسے واجب یا ضروری سمجھنا پھر بھی بدعت ہے۔(اصلاح الرسوم ص:۱۷۱)

تیسرے دن زیارت کرنا:

☆ بعض جگہ خاص اہتمام سے تیسرے روز میّت کے مزار پر سب لوگ حاضری دیتے ہیں، جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ سب سے پہلے میّت کے گھر فاتحہ، پھر محلّے کی مسجد میں ایک فاتحہ، پھر قبرستان جا کر مردہ کی قبر پر ایک فاتحہ، پھر وہاں سے واپسی پر چالیس قدم پر فاتحہ، پھر مردہ کے گھر جا کر دوبارہ ایک فاتحہ، یہ تمام رسمیں اور پابندیاں محض بدعت اور واجب الترک ہیں۔

میّت کے گھر عورتوں کا اجتماع:

☆ میّت کے گھر عورتیں بھی کئی مرتبہ جمع ہوتی ہیں، حالانکہ ایک بار تعزیت کر لینے کے بعد دوبارہ تعزیت کے لیے جانا مکروہ ہے، بظاہر اُن کا آنا صبر و تسلی کے لیے ہوتا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ اہلِ میّت کو صبر دلانے، دِل تھامنے اور تسلی دینے کی ایک بات نہیں، اُلٹا اُن کو غم یاد دِلا دِلا کر رونا پیٹنا شروع کر دیتی ہیں یا وہاں بیٹھ کر دُنیا جہان کی باتیں کرتی ہیں اور اہلِ میّت کو زیر بار کرتی ہیں، اور کپڑے اتنے بھڑک دار پہن کر آتی ہیں جیسے کسی کی شادی میں شریک ہو رہی ہوں، علاوہ ان کے

اور بھی منکرات و مفاسد ہوتے ہیں جن سے اجتناب لازم ہے۔ (اصلاح الرسوم ص: ۱۷۴)

تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں کرنا:

☆ میّت کے انتقال کے بعد تیجہ کرنا، دسواں، بیسواں اور بالخصوص چالیسواں کرنے میں، تین ماہی اور چھ ماہی کرنے کا عام رواج ہے، اور ان کو کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور جو نہ کرے اس کو طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں، یہ سب بھی بدعت اور ناجائز ہیں۔ (علماء کا متفقہ فیصلہ)

اہلِ میّت کے یہاں کھانا بھجوانے کی غلط رسمیں:

☆ بعض جگہ میّت کے رشتہ داروں کے یہاں سے اُن کے لیے کھانا آتا ہے، یہ بہت اچھی بات ہے، بلکہ مسنون ہے، لیکن بعض جگہ لوگ اس میں بھی طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں، جن کی اصلاح ضروری ہے، مثلاً بعض جگہ اَدلہ بدلہ کا خیال رکھا جاتا ہے اور کھانا تک دیکھا جاتا ہے کہ جیسا ہم نے دیا تھا ویسا ہی ہے یا کم درجہ کا؟ قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں اگر دُور کا رشتہ دار بھیجنا چاہے تو اُسے معیوب سمجھا جاتا ہے، اور قریبی رشتہ دار اگرچہ تنگدست ہوں بدنامی کے خوف سے پُر تکلف اور بَڑھیا کھانا بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں، اگرچہ اس کے لیے قرض لینا پڑے، یہ سب رسمیں خلافِ شریعت ہیں، کھانا بھیجنے میں بے تکلفی اور سادگی سے کام لینا چاہیے، جس عزیز کو توفیق ہو وہ کھانا بھیج دے، نہ اُس میں اَدلے بدلے کا خیال کرنا چاہیے، نہ اس کا کہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دُور کا رشتہ دار کیسے بھیج دے؟ بعض لوگ دُور کے رشتہ دار کو ہرگز بھیجنے نہیں دیتے، یہ سب اُمور قابلِ اصلاح ہیں۔ (اصلاح الرسوم ص: ۱۷۷)

شعبان کی چودھویں تاریخ کو عید منانا:

☆ بعض جگہ لوگ شعبان کی چودھویں تاریخ کو مردہ کی عید مناتے ہیں، اور قسم قسم کے کھانے، حلوے، مشروبات، فروٹ وغیرہ تیار کرا کر ایصالِ ثواب کی غرض سے کسی غریب کو دیتے ہیں، ایصالِ ثواب تو پسندیدہ اور ثواب کا کام ہے، جس کے لیے شرع نے دن، تاریخ اور کھانوں کی کوئی پابندی نہیں رکھی، لہٰذا لوگوں کا اپنی طرف سے یہ پابندیاں بڑھانا بدعت ہے، اور مردہ کی عید منانا بالکل خلافِ اصل اور ناجائز ہے۔ (علماء کا متفقہ فیصلہ)

برسی منانا:

☆ دورِ حاضر کی ایک رسم یہ ہے کہ جس روز کسی کا خصوصاً صاحبِ وجاہت یا صاحبِ کمال کا انتقال ہو جائے، ہر سال اسی تاریخ کو اجتماع کیا جاتا ہے، جلسے جلوس منعقد کیے جاتے ہیں، دعوتیں ہوتی ہیں اور بڑے اہتمام سے اس کو منایا جاتا ہے، قرآن وسنت، صحابہؓ وتابعین ، ائمہ مسلمین اور سلفِ صالحین کسی سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اس کو ترک کرنا واجب ہے۔(امداد المفتین ص: ۱۵۷تا۱۶۱)

ایصالِ ثواب اور صدقۂ جاریہ کا فائدہ:

☆ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ کو، فرماتے تھے: جس گھر میں کوئی مر جاتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو اس صدقہ کے ثواب کو حضرت جبرائیل علیہ السّلام نُور کے طبق میں رکھ کر اس کی قبر پر لے جاتے ہیں اور کھڑے ہو کر کہتے ہیں: اے قبر والو! یہ تحفہ تمہارے گھر والوں نے تم کو بھیجا ہے، اس کو قبول کرو، پس مردہ خوش ہوتا ہے اور اپنے ہمسایہ کو خوشخبری سناتا ہے اور اس کے ہمسائے جن کو کوئی تحفہ نہیں پہنچا ہے غمگین رہتے ہیں۔(نُور الصدور ص: ۱۳۸)

ماں باپ کی طرف سے حج کرنا:

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو شخص اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کی طرف سے حج کرے تو اللہ تعالیٰ حج کرنے والے کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور ان دونوں کو پورے پورے حج کا ثواب ملتا ہے بغیر کمی کے۔(نُور الصدور ص:۱۳۸)

مرنے کے بعد ساتھ چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے:

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جب مؤمن انتقال کرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے، مگر سات چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے:۔

۱۔ اوّل جس نے کسی کو علمِ دین سکھایا تو اس کا ثواب برابر پہنچتا رہتا ہے جب تک اس کا علم دُنیا میں جاری ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس کے نیک اولاد ہو اور اس کے حق میں دُعا کرتی رہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ قرآن شریف (کا کوئی نسخہ) چھوڑ گیا ہو (لوگ اُسے پڑھتے ہوں)۔

۴۔ چوتھے یہ کہ مسجد بنوائی ہو۔

۵۔ پانچویں یہ کہ مسافروں کے آرام کے لیے مسافر خانہ بنوایا ہو۔

۶۔ چھٹے یہ کہ کنواں یا نہر کھدوائی ہو۔

۷۔ ساتواں یہ کہ صدقہ اپنی زندگی میں دیا ہو، تو جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی، ان سب کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ (نُور الصدور ص:۱۴۰)

صدقۂ جاریہ کی دو اور صورتیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: جس نے کسی کو کچھ قرآن شریف پڑھایا یا کوئی مسئلہ بتایا تو اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کو قیامت تک زیادہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ مثل پہاڑ کے ہو جاتا ہے۔ (نُور الصدور ص:۱۴۰)

مرحوم پر چار طرح احسان کرنا:

حضرت ابو اُسیدؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ انتقال کر چکے، کوئی صورت ایسی ہو سکتی ہے کہ میں اپنے ماں باپ پر احسان کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! چار طریقے سے تُو اُن کے ساتھ احسان کر سکتا ہے:۔

۱۔ ایک تو ان کے حق میں دُعا کرنا۔

۲۔ دُوسرے جو (اچھی) وصیت یا نصیحت تم کو کی ہے اس پر قائم رہنا۔

۳۔ تیسرے جو دوست اُن کے ہیں اُن کی تعظیم اور عزّت کرنا۔

۴۔ چوتھے جو اُن کا خاص قرابت والا ہے اس کے ساتھ محبّت اور میل جول رکھنا۔ (نُور الصدور ص:۱۲۵)

اولاد کے اِستغفار سے مرحوم والدین کو فائدہ پہنچتا ہے:

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نیک بندہ کو اللہ تعالیٰ جنت میں بہت بڑا درجہ عنایت فرمائے گا، وہ تعجب کر کے کہے گا: اے پروردگار! یہ درجہ کہاں سے مجھ کو ملا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے لڑکے کے استغفار اور دُعا کی برکت سے۔(نُور الصدور ص:۱۴۰)

الصدقة عن الميت:

السؤال الثاني من الفتوى رقم (۵۰۱):

س۲: ما هو الثواب والأجر الذي يعود على الميت من الصدقة عنه؟ مثال: هل الصدقة عن الميت تزيد في أعماله الحسنة؟

ج۲: الصدقة عن الميت من الأمور المشروعة، وسواء كانت هذه الصدقة مالاً أو دعاءً، فقد روى مسلم في ''الصحيح''، والبخاري في ''الأدب المفرد''، وأصحاب السنن عن أبي هريرةﷺ قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثلاثة: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ، أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ مِنْ بَعْدِهِ"، فهذا الحديث يدل بعمومه على أن ثواب الصدقة يصل إلى الميت، ولم يفصل النبیﷺ، بين ما إذا كانت بوصية منه أو بدون وصية، فيكون الحديث عامًّا في الحالتين، وذكر الولد فقط في الدعاء للميت لا مفهوم له بدليل الأحاديث الكثيرة الثابتة في مشروعية الدعاء للأموات، كما في الصلاة عليهم، وعند زيارة القبور، فلا فرق ان تكون من قريب أو بعيد عن الميت۔ و في ''الصحيحين'' عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها عن النبیﷺ أن رجلاً قال: يا رسول الله، إن أمي ماتت ولم توص، أفلها أجر إن تصدقت عنها؟ قال ﷺ: ''نعم''[۱]

---

۱ أخرجه أحمد (۳۷۲/۲)، و مسلم (۱۲۵۵/۳) برقم (۱۶۳۱)، وأبو داؤد (۳۰۰/۳) برقم (۲۸۸۰)، والترمذي (۶۵۱/۳) برقم (۱۳۷۶)، والنسائي (۲۵۱/۶)

و باللّٰہ التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو: عبدالله بن قعود – عضو عبدالله بن غديان – نائب رئيس اللجنة: عبدالرزاق عفيفي – الرئيس: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز

السؤال الثاني من الفتوى رقم (۱۲۷۵):

س۲: مسلم مات وله كثير من الأولاد، ولهم مال وفير، أيحل لهم أن يذبحوا من الغنم للميت، أو يعجن له الخباز في اليوم السابع أو الأربعين هدية له، ويجمعوا المسلمين عليها؟

ج۲: الصدقة عن الميت مشروعة، وإطعام الفقراء والمساكين والتوسعة علهيم و مواساة الجيران وإكرام المسلمين من وجوه البر والخير، التي رغَّب الشرع فيها، لكن ذبح الغنم أو البقر أو الأبل أو الطير أو نحو ها للميت عند الموت، أو في يوم معين كاليوم السابع أو الأربعين من وفاته بدعة، وكذا عجن خبز في يوم معين كالسابع أو الأربعين، و يوم الخميس أو الجمعة أو ليلتها للتصدق به عن الميت في ذالك الوقت من البدع والمحدثات التي لم تكن على عهد سلفنا الصالح ﷺ، فيجب ترك هٰذه البدع؛ لقول رسول الله ﷺ: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''، وقوله: 'إيا كم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة''، ولكن يشرع للورثة الصدقة عن أمواتهم من غير أن يحددوا وقتاً معينًا لذلك، يعتقدون أن للصدقة فيه فضلاً، إلا ما بينه الشرع؛ اكالصدقة في رمضان، وفي عشر ذي الحجة؛ لفضل الزمان ومضاعفة الأجر فيه[1]۔

برقم (۲۶۵۱)، وابن حبان (۲۸۶/۷) برقم (۳۰۱۶)، والبخاري في ''الأدب المفرد'' (ص:۲۳) برقم (۳۸)، والبيهقي (۲۷۸/۶)، والبغوي (۳۰۰/۱) برقم (۱۳۹)

۱ أخرجه أحمد (۵۱/۶)، والبخاري (۱۰۶/۲)، (۱۹۳/۳)، ومسلم (۶۹۶/۲، (۱۲۵۴/۳)، برقم (۱۰۰۴)، وأبو داؤد (۳۰۱/۳) برام (۲۸۸۱)، والنسائي

س۲: هل صدقة الحي عن الميت ينتفع بها الميت؟

ج۲: نعم ينتفع الميت بصدقة الحي عنه بإجماع أهل السنة والجماعة؛ لما رواه البخاري و مسلم من حديث عائشة رضى الله عنها أن رجلاً أتى النبي ﷺ فقال: يا رسول اللهَ، إن أمي افتلتت نفسها ولم توص، وأظنها لو تكلمت تصدقت، أفلها أجر إن تصدقت عنها؟ قال: ''نعم''، ولما رواه البخاري من حديث عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہ أن سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبي ﷺ فقال: يا رسول اللهَ، إن أمي توفيت وأنا غائب عنها فهل نفعها إن تصدقت عنها؟ قال: ''نعم'' قال: إني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عنها[1]۔ إلى غير ذلك من الأحاديث الصحيحة

س۲: هل يجوز أن يتصدق للميت بثلاثة ايام أو بسبعة ايام أو بأربعين يومًا؟

ج: تشرع الصدقة عن الميت المسلم مطلقًا،أي بدون أن يتحرى بها ثلاثة أيام من موته، أو سبعة أيام أو أربعين يومًا، لورود السنة بالتصدق، وعدم ورودها بتحري يوم معين من تاريخ موته۔

و بالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندَ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة، ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

(۱۱مارچ۲۰۱۳ء)

(۶/۲۵۰) برقم (۲۶۴۹)، وابن ماجه (۲/۹۰۶) برام (۲۷۱۷)، والبيهقي (۴/۶۲)(سكب العبرات للموت والقبر والسكرات ج۳ص۱۳۰)

[1] أخرجة أحمد (۱/۳۳۳، ۳۷۰)، والبخاري (۳/۱۹۳)، وأبو داؤد (۳/۳۰۱)

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

بزرگانِ دین کے مزاروں پر عرس منانا

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؒ

خطیب مکی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

مسدس

گل و غنچہ سَرو کیلے رہیں گے مہکتے گلاب اور بیلے رہیں گے
بہت سے گُرو اور چیلے رہیں گے بڑے عرس ہوں گے جھمیلے رہیں گے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

تنیں گے اگر شامیانے ہمیں کیا رہیں گے جو گانے بجانے ہمیں کیا
بنیں گے جو نقار خانے ہمیں کیا کھلیں گے اگر قہوہ خانے ہمیں کیا
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

اگر دوست احباب آئیں ہمیں کیا ہوئے جمع اپنے پرائے ہمیں کیا
کوئی روئے آنسو بہائے ہمیں کیا پڑے ہوں گے ہم منہ چھپائے ہمیں کیا
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

بہن بھائی سب آ کے رویا کریں گے عزیز اقربا جان کھویا کریں گے
ہمیں آنسوؤں میں ڈبویا کریں گے پڑے بے خبر ہم تو سویا کریں گے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

کوئی پھول چادر چڑھاتا رہے گا کوئی شمعِ تربت جلاتا رہے گا
تعلق جو دنیا سے جاتا رہے گا نہ رشتہ رہے گا نہ ناطہ رہے گا
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

حسینوں سے ڈیرے بھی گلزار ہوں گے رئیسوں امیروں کے دربار ہوں گے
پُر اہلِ تماشا سے بازار ہوں گے ہمارے لیے سب یہ بے کار ہوں گے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

کسی نے ہمارا کیا غم تو کیا ہے اگر کوئی ہو چشمِ پُر نم تو کیا
کرے حشر تک کوئی ماتم تو کیا ہے نہیں ہوں گے جب سامنے ہم تو کیا ہے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

غنی ہوں گے، اہلِ توکل بھی ہوں گے بہت بلبلیں آئیں گی گل بھی ہوں گے
اگر ہوں گی قوّالیاں، قل بھی ہوں گے بڑی دُھوم ہو گی بہت غُل بھی ہوں گے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

ہے جیسا عجب تاجؔ گنج آگرے کا جو اکبرؔ ہو اپنا بھی ایسا ہی روضا
زیارت کرے جس کی آ آکے دُنیا ہو سب کچھ، مگر یہ تو فرمایئے گا
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستهديه، ونستغفره ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له۔ وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له الذي أمر باتباع صراطه المستقيم، ونهى عن اتباع السبل المضلة، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله الذي حذّر من البدع غاية التحذير، صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم على الدين القويم، وسلم تسليماً کثيراً۔

أما بعد

وقد قال الله سبحانه في کتابه المبين: ''وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ'' (الحشر: ۹)، وقال عزو جل: ''فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳'' (النور: ۶۳)، وقال تعالیٰ: ''وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰'' (التوبه: ۱۰۰)، وقال تعالیٰ: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ'' (المائده: ۳)

في الحديث الصحيح عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: ''ما بعث الله من نبي إلا کان حقاً عليه أن يدل أمته على خير ما يعلمه لهم، وينذرهم شر ما يعلمه لهم'' رواه مسلم في صحيحه۔

بزرگوں کے مزار پر عرس کرنا، چادریں چڑھانا ان سے منتیں مانگنا:

قارئین کرام:

☆ آج کل بزرگانِ دین کے مزاروں پر بڑی دُھوم دھام سے معین تاریخوں میں عرس کیے جاتے ہیں اور خلقِ کثیر اُن میں شرکت کرتی ہے، اور اپنے لیے باعثِ برکت وثواب سمجھتی ہے، یاد رکھنا چاہیے کہ متبعِ سنت بزرگوں کے مزارات پر کسی خاص دن یا تاریخ یا وقت کی پابندی کے بغیر حاضر ہونا باعثِ برکت ہے، لیکن معین تاریخ یا وقت کی پابندی کو ضروری سمجھنا یا باعثِ ثواب سمجھنا یا وہاں میلہ لگانا بدعت ہے، خصوصاً آج کل تو گانے باجے، بے پردگی اور طرح طرح کے حرام کاموں کا رواج بھی عرسوں میں بہت ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اِن بدعتوں اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

کرہ بعض الفقہاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی القبور الصالحین والاؤلیاء۔ و فی الفتاوی الحجۃ وتکرہ الستور علی القبور۔ (شامی ج٦ ص٣٦٣) تتمہ فصل فی اللبس)

بزرگوں کے عرس کے رواج کی بنیاد غالباً یہ ہوگی کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد ان کے مریدین ایک جگہ جمع ہوجایا کریں اور کچھ وعظ و نصیحت ہوجایا کرے لیکن رفتہ رفتہ یہ مقصد تو غائب ہو گیا اور بزرگوں کے جانشین باقاعدہ استکوان فروشی کا کاروبار کرنے لگے اور " عُرس شریف کے نام سے بزرگوں کی قبروں پر سینکڑوں بدعات و محرّمات اور خرافات کا ایک سیلاب امڈ آیا اور جب قبر فروشی کا کاروبار چمکتا دیکھا تو لوگوں نے جعلی " قبریں" بنانا شروع کر دیں، "انّا للّٰہ و انّا الیہِ رَاجِعُوْن"۔

اسلام میں عرس آیا کہاں سے؟ اس بارے میں جب غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ہندوستانی کلچر اور تہذیب کا دین ہے۔ چونکہ ہندوستان مختلف تہذیبوں اور مذہب کا ملک ہے، اس میں طرح طرح کے رسم ورواج مذہب کے نام پر پائی جاتی ہیں کہ جب اُن میں اُن کا کوئی "مہنت" اور "مہاتما" مرجاتا ہے تو لوگ اس کو جلانے کے بجائے گاڑ دیتے ہیں اور اس کے مرنے کی تاریخ میں اس کی سمادھی (قبر) کے گرد جمع ہو کر ہر سال برسی مناتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈھول، ہرمونیم اور مزامیر کے ساتھ بھجن، کیرتن کرتے اور خوب گاتے بجاتے اور ناچتے ہیں۔ اس "مہنت" کی جے جے کار لگاتے ہیں، مانی ہوئی منتیں بھی اُتارتے ہیں۔ عورتوں، مردوں کا مخلوط میلہ لگتا ہے، میلے میں سرکس، تھیٹر، سینما اور طرح طرح کے کھیل

تماشے آتے ہیں۔ مرد و عورت شانہ بشانہ چلتے ہیں۔ اس کی سمادھی کے گرد چکر لگاتے ہیں جسے "پریکرما" (طواف) کہا جاتا ہے، سمادھی پر اگر بتی لوبان وغیرہ سلگایا جاتا ہے۔ چڑھاوا چڑھتا ہے، کہیں کھچڑی، کہیں گڑ، بتاشا، پھول مالا چڑھتا ہے، سمادھی کے پاس ایک "مہنت" ہوتا ہے جسے گدی نشین کہتے ہیں۔ عقیدت منداس کے گرد حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ لوگ اس سے "گرمکھ" (مرید) ہوتے ہیں اور وہ مرید ہونے والوں کو کچھ ہدایتیں دیتا ہے۔ قریب قریب ہر سمادھی کے پاس "پوکھرا" ہوتا ہے اس میں عقیدت مند نہاتے ہیں اور تصوّر کرتے ہیں کہ اس "پوکھرے" میں سمادھی میں دیئے گئے "مہاتما" کی برکت سے وہ اثر پیدا ہو گیا ہے کہ اس میں نہا لینے سے گذرے ہوئے دنوں کے سارے پاپ (گناہ) دھل جاتے ہیں جب عقیدت منداور گرمکھ (مرید) ہونے والے لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کے لیے تیار ہوتے ہیں تو سمادھی کے پاس بیٹھے ہوئے جس "مہنت" سے "گرمکھ" ہوتے ہیں اسے کچھ نقد روپے کی شکل میں نذرانہ دیتے ہیں اور اس سے اپنے لیے "ایشور" سے پراتھنا (دعا) کرنے کے لیے کہتے ہیں، پھر وہ مہنت ان کو "آشیر واد" دیتا ہے۔ یہ مختصر احوال ہیں ہندوؤں کے "مہاتما کی سمادھی کے"۔ (راہ سنت شمارہ ۳ ص:۳۶، ۳۷)

ہندوؤں سکھوں کی برسی کے بعد مسلمانوں کے عرس کا منظر ملاحظہ ہو:

اب آیئے عرس کا منظر ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ مذکورہ بالا چیزوں میں سے کون سی چیز ہے جو یہاں نہیں ہے، تاریخ وصال اور جسم سے روح نکلنے کے وقت کی قید کے ساتھ عرس ہوتا ہے۔ مزارات پر شیرینی، گٹہ، بتاشا اور پھول چڑھایا جاتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کا اجتماع اسی طرح ہوتا ہے، کیرتن اور بھجن کی جگہ مزامیر، ڈھول اور ہارمونیم کے ساتھ "قوالی" ہوتی ہے، مانی ہوئی منّتیں اتاری جاتی ہیں، کہیں مرغا ذبح ہو رہا ہے، کہیں مَنت کی چادر چڑھائی جارہی ہے، کہیں بچّوں کے سر کے بال کٹوائے جارہے ہیں۔ یہاں بھی "مہنت" کی طرح ایک "سجادہ نشین" ہوتا ہے جس سے عقیدت مند "مرید" ہوتے ہیں۔ نذرانہ دیتے ہیں اور اس سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ سجادہ نشین نذرانہ جیسا کم و بیش ہوتا ہے اسی کے مطابق دعائیں دیتا ہے۔ یہاں بھی "پوکھرا" ہے اور عقیدت مند بڑے احترام سے اس کا پانی نکال کر غسل کرتے ہیں۔ غرض وہی ساری چیزیں۔ اگر بتیاں، چڑھاوے، طواف وغیرہ سب آپ کو اس مزار کے گرد بھی ملیں گے جو ایک "مہنت" کی سمادھی کے گرد انجام دی جاتی ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ:

نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبیؐ سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

عرس دینِ فطرت کے خلاف ہے:

اسلام دین فطرت ہے، اس میں کوئی عمل عبادات سے لے کر معاملات تک اور فرائض سے لے کر مستحبات تک ایسا نہیں ہے کہ جس کو انسان اگر انجام دینا چاہے تو با آسانی انجام نہ دے سکے۔ مگر عرس ایک ایسا عمل ہے کہ اگر مسلمان انجام دینا چاہے تو کسی صورت میں انجام نہیں دے سکتا، کیونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کے عرس، پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ کے عرس، اہل بیت کے عرس، پھر تابعین کے عرس، تبع تابعین کے عرس اور پھر کروڑوں اولیائے کرام اور بزرگان دین کے عرس، ان میں سے ہر ایک کی تاریخ وصال، وقت وصال الگ الگ ہیں۔ ہجری سن کے اعتبار سے پورے سال میں کل ۳۵۵ دن ہی ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان سب کا عرس کرنا چاہے تو یہ ناممکن ہے، اس لئے یہ عرس دین فطرت کے بھی خلاف ہے، اور اس سے پرہیز لازم ہے۔

کرے غیر گربت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں!

ناقص مطالعے اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ صرف ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں عرس منایا جاتا ہے۔ ان ملکوں کے علاوہ دنیا کے کسی ملک میں اس طرح کی تقریب کسی قبر کے پاس منعقد نہیں کی جاتی۔ سوچا کہ اگر عرس دین کا کوئی اہم عمل اور کارِ خیر ہوتا تو کم و بیش دنیا کے ہر کونے میں جہاں تک اہل ایمان پائے جاتے ہیں کسی نہ کسی صورت میں ضرور پایا جاتا۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی اور عقیقہ، ختنہ، تلاوتِ قرآن وظائف، زیارت قبور وغیرہ وغیرہ۔

اللہ نے بخشا ہے جنہیں دیدہ بینا
جنت سے اُنہیں بڑھ کے ہے صحرائے مدینہ

(سلمان گیلانی)

زیارتِ قبور اور عید قبور میں فرق:

حضرت علاّمہ خالد محمود لکھتے ہیں:

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دِلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب سنّتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مَردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی مجلسیں اُترتی دیگوں کی خوشبوئیں حلوں کے جلوے، ہاروں سے لدے گلے اور چوغوں اور جبّوں میں ملبوس پیر پاؤں میں گھنگرو پہنے رقص کرتے آنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذروں اور منتوں کے نوٹ اور یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ حاضری اور پھر اجتماعی حاضری کا کوئی تصوّر اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پُر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں اس عید قبور کا کیا درجہ ہے۔ آیئے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبدِ خضریٰ کی طرف متوجہ ہوں۔ کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آلِ سعود کی حکومت ہے۔ وہ توحید کے پُورے پابند ہیں شرک وبدعت کو اپنے ہاں راہ نہیں دیتے۔ چلو یُونہی سہی۔ لیکن خدارا اس بات پر بھی تو نظر رکھیے کہ کیا خلفائے راشدینؓ کے دُور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا۔ کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب کے سب بد مذہب تھے؟

''فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؁'' ۔ (الانعام : ۷۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ سے سُنا:

''لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبری عیدًا وصلّوا علیّ فان صلٰوتکم تبلغنی حیث کنتم[۱]۔

ترجمہ: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنارکھنا (کہ تمہارے گھر نمازوں سے خالی رہیں) اور نہ میری قبر کو عید بنانا (کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہوکر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے) اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (دُور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا) تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

لا تجعلوا قبری عیدًا اقول ھٰذا اشارۃ الی سد مد خل التحریف کما فعل الیھود والنصاریٰ بقبور انبیائھم وجعلوھا عیدًا و موسمًا بمنزلۃ الحج۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں حضور ﷺ کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کردیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عید بنارکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے منع کیا ہے۔ نہیں آپ نے اس پر صرف ارشادِ رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے عمل کو آپ محض مثال کے طور پر لائے ہیں ورنہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی بدعت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلائے اور دُور سے ننگے پاؤں آئے وہاں حاضری دیتے ہیں۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیدًا[۲]۔

۱　رواہ النسائی، رواہ ابو داؤد ج:۱، ص:۲۷۹، والنسائی ج: ص مشکوٰۃ: ص۸۶

۲　تفھیمات ج:۲، ص:۶۴

ترجمہ: ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے پاس گھڑرکھا ہے اور وہ ان کی عید قبور کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا۔ یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت میں داخل ہوا ہے۔ پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جاکر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا۔ ہمعات کی عبارت سے یہی متبادر ہوتا ہے:

دازیں جاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں[1]

لیکن بعد میں یہ عرس زندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پر جانے کے نہ رہے۔ مرحومین کی قبروں پر سالانہ اجتماع بن گئے۔

نقشبندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی بھی لکھتے ہیں:

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالا عیاد ویسمونه عرسًا[2]۔

ترجمہ: یہ جاہل لوگ اولیاء و شہداء کی قبروں پر جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے:

”جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پر یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پر یا ان کی مانند اور کسی قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو (شرک ہونے کے باعث) قتل اور زنا سے بھی بدتر ہے۔“[3]

سرتاجِ علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

---

۱ ہمعات ص:۲۴ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ

۲ تفسیر مظہری ج:۲، ص:۶۵

۳ دیکھیے تفہیمات ج:۲ ص:۴۵

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است واصل زیارت جائز و تعیین وقت در سلف بنو دوایں بدعت ازاں قبیل است کہ اصل جائز است و خصوصیت وقت بدعت[1]۔

ترجمہ قبروں پر جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پر جانے کے لیے دِنوں کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع کی ہے کہ اس کی بنیاد تو صحیح تھی لیکن تعیین وقت اس کو بدعت بنا گیا۔

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارتِ قبور کی اصل شرعی ممنوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارتِ قبور تو رہے گی پر عرس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است۔ اوّل آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یادو شخص بغیر ہئیت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بناء بر زیارت و استغفار، بروند، ایں قدر ازوے ازروئے روایات ثابت است و در تفسیر در منشور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت ﷺ بر مقابر مے رفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور مے نمودند۔[2]

ترجمہ: قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیہ اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پر زیارت کے لیے جائیں اور (مرحومین کے لیے) استغفار کریں۔ اتنی بات روایت سے ثابت ہے اور تفسیر در منشور میں منقول ہے آنحضرت ﷺ ہر سال قبروں پر جاتے اور اہلِ قبور کے لیے بخشش کی دعا کرتے۔

سو اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔ ہر سال نیا دن مقرر ہو اور یہ تعیین محض انتظامی ہو۔

اس سالانہ حاضری کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کِھلا دیا جائے ایسا نہ ہو کہ غنی لوگ اسے کھائیں یا اس میں نمود و ریا پائی جائے۔ وہ خرافات بھی نہ ہوں جو آج کل عرسوں میں ہوتی ہیں۔ اس کے

---

۱ فتاویٰ عزیزی ج:۱ص:۸۹

۲ فتاویٰ عزیزی ج:۱، ص:۳۸یہ دن مقرر کرنا ہر موقع پر نیا ہو گا

بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ایں قسم معمول در زمانۂ پیغمبر خدا و خلفائے راشینؓ بنود۔ اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست

ترجمہ: یہ طریقِ عمل حضور ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے دَور میں نہ تھا۔ اگر کوئی اس طرح کرے تو ڈر نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پر دعا مانگنے کا ذکر نہیں۔ ہم کہیں گے کھانا سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں[۱]۔

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جا سکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحب نے اسے معمول سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ میں قبیح اور ممنوع ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردمان یک روز معین نمودہ ولباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شادماں شدہ بر قبر ہا جمع مے شوند ورقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور و طواف گرد قبور مے نمایند ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر مے رسند ہمیں است محمل ایں دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیداً چنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است واللّٰھم لا تجعل قبری و ثنًا یعبد ایں ہم در مشکوٰۃ است[۲]۔

---

۱ الحجۃ الفائحہ ص:۱۶

۲ فتاویٰ عزیزی ج:۱، ص:۳۸، کتاب البرزخ ص:۱۷۹ مؤلفہ نُور بخش توکلی مطبوعہ ۱۳۳۹ھ

ترجمہ: تیسرا طریقہ قبروں پر جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن طے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پر جمع ہوں وہاں (ملنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوّالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی ہو رہے ہوں اور لوگ ان کا طواف بھی کر رہے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائجہ) حرام اور ممنوع ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھُوتی ہیں۔ یہی محمل ہے ان دو احادیث کا — تم میری قبر کو عید نہ بنانا — اور — اے اللہ! میری قبر کو تھان کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کیے جانے لگیں) یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔ (ملخص از مطالعہ بریلویت ص ۲۵۱: ج ۶)

قبر پر چادریں چڑھانا، منّت ماننا:

قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں۔ آنحضرت ﷺ صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی۔ علّامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

فِي الْاَحْكَامِ عِنِ ''الْحُجَّةِ'': تُكْرَهُ السُّتُوْرُ عَلَى الْقُبُوْرِ[1]

ترجمہ: ''الاحکام'' میں ''الحجۃ'' سے نقل کیا ہے کہ قبروں پر چادر ڈالنا مکروہ ہے۔

☆ بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے چادریں چڑھانا، اُن کے نام کی منّت ماننے کا عام رواج ہے، یہ سب خلافِ شرع ہیں اور مطلقاً حرام ہیں۔ (سنت و بدعت ص: ۷۶)

قبر پر چڑھاوا چڑھانا اور اس کو تبرک سمجھنا:

☆ شبِ جمعہ، شبِ برأت اور دُوسرے موقعوں پر مزاروں اور قبروں پر قسم قسم کے کھانے، مشروبات، میوہ جات، مٹھائیاں، صاحبِ مزار کو خوش کرنے کی غرض سے چڑھائی جاتی ہیں، یا منّت پوری ہونے پر رکھی جاتی ہیں اور پھر قبر سے اُٹھا کر مجاورین اور حاضرین پر تقسیم کر دی جاتی ہیں جس کو صاحبِ مزار کا تبرک سمجھا جاتا ہے۔

یاد رکھیے! یہ چڑھانا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، اور اس کو حلال و تبرک سمجھنے میں کفر کا اندیشہ ہے، خدا کی پناہ! (سنت و بدعت ص: ۷۶)

---

۱ ردالمحتار، ص: ۲۲۸، ج: ۲

اولیاء اللہ سے منت و مرادیں مانگنا اور نذر و نیاز دینا:

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں، بلکہ ان کی منتیں بھی مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو جائے تو ان کی قبر پر غلاف یا شرینی چڑھائیں گے یا اتنی رقم ان کی نذر کریں گے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل معلوم کر لینا ضروری ہے۔

۱۔ منت ماننا اور نذر و نیاز دینا عبادت ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔ ہمارے حنفیہ کی مشہور کتاب در مختار میں ہے:

''وَاَعْلَمْ ن النّذْرَ الَّذِیْ یَقَعُ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الدَّارَا هِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّیْتِ وَنَحِوهَا اِلیٰ ضَرَائِحِ الْاَوْلِیَاءِ الْکَرامِ تَقَرُّبًا اِلَیْهِمْ فَهُوَا بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ۔ مَالَمْ یَقْصِدُوْا صَرْفَهَا لِفُقَرَاءِ الْاَنَامِ، وَقَدِابْتُلِیَ النَّاسُ بِذَالِکَ، لَا سِیمّا فِی هٰذِهِ الْاَعْصَارِ وَقَدْ بَسَّطَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمْ فِی شَرْحِ دُرِّ الْبَحَارِ'' (در مختار قبیل باب۔ الاعتکاف)

ترجمہ: ''جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مُردوں کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے۔ اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے پیسے، شمع تیل وغیرہ، ان کے تقرب کی خاطر جو لائے جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں خصوصاً اس زمانے میں۔ اور اس مسئلہ کو علّامہ قاسم نے ''در المختار'' کی شرح میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔''

علّامہ شامی فرماتے ہیں کہ ایسی نذر کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ ''ایک یہ کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے۔ اور مخلوق کے نام کی منت ماننا جائز نہیں۔ کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی — دوم یہ کہ جس کے نام کی منت مانی گئی ہے وہ میّت ہے۔ اور مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا — سوم یہ کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مرا ہوا شخص بھی تکوینی امور میں تصرف رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے — (رد المختار ص ۱۳۹)

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

''عبادت مر غیر خدا را جائز نیست۔ وزمدد خواستن از غیر خدا .....

پس نذر کرون برائے اولیاء نیست کہ نذر عبادت است" (ارشاد الطالبین ص:۱۸)
ترجمہ: "عبادت غیر خدا کی جائز نہیں اور نہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہی جائز ہے.... پس اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے"۔
الغرض یہ مسئلہ ہماری بڑی بڑی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ اس لیے اولیاء اللہ کے مزارات پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا بالا جماع حرام اور باطل ہے۔

۲۔ اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں۔ اگر پورا کرے گا تو گناہ گار ہو گا۔ فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق اور دیگر فتاویٰ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر کسی معصیت کی نذر مانی ہو تو وہ صحیح نہیں اور نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص:۲۰۸، ج:۱) بلکہ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:
"واگر کسے نذر کرو وفائے نذر نکند کہ احتراز از معصیت بقدر امکان واجب است" (ارشاد الطالبین ص:۱۸
"اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو اسے پورا نہ کرے، کیونکہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔"
مطلب یہ کہ ایسی نذر ماننا ہی گناہ تھا۔ اب اس کو پورا کرنا ایک مستقل گناہ ہو گا۔ اس لیے پہلے گناہ سے توبہ کرے، اور دوسرے گناہ کی حماقت نہ کرے۔

۳۔ اگر کسی شخص نے ایسی نذر مانی اور اسے پورا بھی کر دیا تو وہ چیز غیر اللہ کے لیے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ہو گی، اور اس کا استعمال کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں ہو گا — البتہ جس شخص نے یہ چڑھاوا چڑھایا ہے جب تک وہ چیز اپنی اصل حالت میں موجود ہو وہ اپنی منت سے توبہ کر کے اسے واپس لے سکتا ہے۔ یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لیے چڑھاوے کے طور پر نامزد کیا گیا ہو۔ کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے منت ماننے والا اپنی منت سے توبہ کر کے اس کو واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام ذبح کر دیا گیا۔ خواہ بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اس کا کھانا حلال نہیں ہو گا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوبات شریفہ دفتر سوم، میں تحریر فرماتے ہیں:

"حیوانات را از مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقیہہ ایں امر رانیز داخل شرک ساختہ اندو دریں مبالغہ نمودو ایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است داخل دائرہ شرک"

"جو جانور کہ بزرگوں کے نام پر دیتے ہیں۔ اور ان کی قبروں پر جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ فقہی روایات میں اس امر کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس سے بچنے کی بہت ہی تاکید کی ہے، اور اس ذبح کو ان ذبیحوں کی جنس میں شمار کیا ہے جو جنات کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں اور شرعاً منع اور شرک کے دائرہ میں داخل ہیں"۔

۴۔ اور اگر کسی شخص نے منت اللہ تعالیٰ کے لیے مانی ہو اور محض اس بزرگ کی روح کو ایصال ثواب مقصود ہو یا وہاں کے فقراء کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو اس کو حرام اور شرک نہیں کہا جائے گا۔ مگر عوام اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے مسئلہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے، اس لیے اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی اوپر جو عبارت لکھی گئی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ازیں عمل نیز اجتناب باید نمود کہ شائبہ شرک دارو— وجوہ نذر بسیا است۔ چہ در کار ست کہ نذر ذبح حیوانے کنند وارتکاب ذبح آں نمائند وبذبح جن ملحق سازند و تشبہ بعیدہ جن پیدا کنندہ" (مکتوب ۴۱ دفتر سوم)

"اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ شرک کا شائبہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی منت ماننے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ حیوان کے ذبح ہی کی منت مانی جائے۔ اور اس کی ذبح کا ارتکاب کیا جائے۔ اور جنات کے نام ذبح کیے گئے جانور کے ساتھ اس کو ملحق کیا جائے اور جنات کی پرستش کرنے والوں سے مشابہت کی جائے۔"

۵۔ اگر کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اتنے روپے کی شیرینی یا اتنا کپڑا، یا اتنا غلہ— خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی کی خانقاہ کے فقیروں میں تقسیم کروں گا۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ قدس سرہ کو پہنچاؤں گا تو اس کی نذر صحیح ہے۔ لیکن اگر اس کا وہ کام پورا ہو جائے تو ضروری نہیں کہ انہیں

فقیروں پر یہ چیز تقسیم کرے جن کا اس نے نام لیا تھا۔ بلکہ اتنی شیرینی اتنا غلہ۔ اتنا روپیہ وغیرہ خواہ کسی بھی فقیر کو دے دے اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ کو پورا ملے گا۔ اور اگر کسی کا دل کسی اور فقیر کو دینے پر راضی نہیں ہو تا بلکہ حضرت خواجہ کی خانقاہ کے فقیروں کو دیناہی ضروری سمجھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس کے بغیر اس کی نذر پوری نہیں ہو گی تو اس سے ثابت ہو گا کہ یہ شخص دراصل اللہ تعالیٰ کی نذر نہیں مان رہا۔ بلکہ خود حضرت خواجہ کو چڑھاوا دینا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر یہ نذر محض اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوتی اور حضرت خواجہ کو محض ایصالِ ثواب مقصود ہو تا، اس نذر سے خود ان کا تقرب مقصود نہ ہو تا تو اس نذر کے پورا ہونے کا جو طریقہ ائمہ دین نے بتایا تھا اس پر اس کا دل ضرور راضی ہو جاتا لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مان رہا ہوں۔ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو منتیں مانی جاتی ہیں اور جو چڑھائے چڑھاوے جاتے ہیں اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو اور یہ خیال ہو کہ ان نذروں کو قبول کر کے وہ ہمارا کام کر دیں گے اور اگر ہم نے ان کے نام کی منت نہ دی تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور اس سے ہمارے کاروبار، جان و مال اور بیوی بچّوں کو نقصان پہنچے گا تو جیسے کہ اوپر در مختار کی عبارت گزری ہے۔ یہ بالا جماع حرام اور باطل ہے۔ اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر ان بزرگوں کی منت نہیں مانی جاتی۔ بلکہ منت صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جاتی ہے اور ان بزرگوں کی ناراضی و رضامندی کا اس منت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کو صرف ثواب پہنچانا مقصود ہے تو یہ منت بلاشبہ صحیح ہے۔ مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو لوگ بزرگوں کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں، ان کی یہ نیت ہرگز نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ یہ کہہ کر کہ "ہم خدا کی منت مان رہے ہیں۔ اور بزرگوں کو صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے"۔ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی اسی مکتوب ۴۱ دفتر سوم میں آگے لکھتے ہیں:

عورتوں کا پیروں اور بیبیوں کے نام سے روزے رکھنا:

"اسی (نذر لغیر اللہ) کی قسم سے عورتوں کے وہ روزے بھی ہیں جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں اکثر ان کے نام اپنی طرف سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں۔ اور افطار کے وقت ہر خاص روزہ کے لیے ایک

مخصوص طریقہ مقرر کرتی ہیں۔ اور ان روزوں کے لیے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں۔ اپنے مقاصد و مطالب کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں۔ اور ان روزوں کے وسیلے سے ان پیروں اور بیبیوں سے اپنی مرادیں مانگتی ہیں۔ اور اپنی مرادوں کا پورا ہونا انہی کی طرف سے سمجھتی ہیں۔ اور یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت کے وسیلے سے اس غیر اللہ سے اپنی مراد مانگنا ہے، اس فعل کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

جب اس فعل کی برائی ظاہر کی جائے تو بعض عورتیں جو کہا کرتی ہیں کہ ''ہم یہ روزے خدا کے لیے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں''۔ یہ نرا بہانہ ہے۔ اگر یہ اس بات میں سچی ہیں تو ان روزوں کے لیے دنوں کا تعین کس لیے؟ اور افطار کے لیے خاص قسم کے کھانے کی تخصیص اور طرح طرح کی شکلوں کی تعینیں کیسی؟''

منت ماننے کی ممانعت:

۶۔ اسی نذر کے سلسلہ میں ایک اہم ترین مسئلہ، جو اس باب میں فیصلہ کن ہے اور جس سے عوام ہی نہیں، بلکہ بہت سے پڑھے لکھے بھی غافل ہیں۔ یہ ہے کہ دراصل کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ نہ اس سے قضاو قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں۔ صحیحین میں آنحضرت ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

لَا تَنْذُرُوْا، فَاِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْقَدْرِ شَيْئًا وَاِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنْ مَّالِ الْبَخِيْلِ۔''

(مشکوٰۃ شریف ص:۲۹۷)

ترجمہ: ''منتیں نہ مانا کرو، کیونکہ منت، تقدیر کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتی اس کے ذریعہ سے تو بس بخیل کا مال نکالا جاتا ہے۔''۔(مشکوٰۃ شریف ص۲۹۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بناء پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو ٹال دیتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے اور مصیبتوں کے دُور ہونے کے لیے منتیں مانا کرتے تھے۔ اور یہ بخیل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اس لیے ان کو روکا گیا۔ لیکن سخی لوگ بغیر واسطہ نذر کے باختیار خود صدقہ دیتے ہیں، پس اس غرض سے منت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی۔ اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ منت تو مانی جائے مگر مخلصانہ طریقے پر۔'' (حاشیہ مشکوٰۃ)

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ سے رد بلا ہوتا ہے لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہوا تو صدقہ دیں گے ورنہ نہیں۔ بہر حال جو منت اللہ تعالیٰ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضاو قدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں ان سے خدا تعالیٰ کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہو تب تو لوگ تقدیر کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "بس قسمت میں یونہی لکھا تھا" اور اگر کام ہو گیا تو اس کو تقدیر کا کرشمہ نہیں سمجھتے بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم نے فلاں پیر کی منت مانی تھی، اس نے (نعوذ باللہ) یہ چیز ہم کو دے دی —— یہ ہے وہ جڑ جس سے فساد عقیدہ کی کونپلیں پھوٹتی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندوں کا پجاری بناتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا ارشاد میں اس جڑ پر تیشہ چلایا ہے کہ منت خدا کے نام کی مانی جائے وہ بھی اس کے قضاو قدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی، چہ جائیکہ وہ منت جو اس کے عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم)

مزاروں پر بکرے:

بزرگوں کے نام پر جانوروں کو نامزد کر دینا اور پھر ان جانوروں کو مزارات پر لا کر خدا کے نام سے ذبح کرنا کتنا بڑا تضاد عملی ہے مگر بریلوی مذہب میں یہ کام جائز ہیں۔ اہل سنت ان تمام کاموں کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

حیوانات را نزر مشائخ مے کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح مے نمائند در روایات فقیہہ ایں عمل را داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ۔[1]

ترجمہ: حیوانات کو جو مشائخ کی نذر مانتے ہیں اور ان کے مزارات پر جا کر انہیں ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں اس عمل کو بھی شرک شمار کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سختی کی گئی ہے۔

---

۱ مکتوبات شریف دفتر سوم ص:۶۱

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا فتویٰ:

”ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است و خواہ در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نے چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلان است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرو۔ چہ آں جانور منسوب باں غیر گشت و خبثے دراں پیدا گشت کہ زیادہ از خبث مردار است۔“

ترجمہ: جو شخص جانور ذبح کرنے سے غیر اللہ کا قُرب چاہے وہ ملعون ہے۔ خواہ ذبح کے وقت خدا کا ہی نام کیوں نہ لے۔ جب اس نے شہرت دے دی کہ یہ جانور فلاں بزرگ کے لیے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینے نے فائدہ نہ دیا کیونکہ وہ جانور فلاں بزرگ کے لیے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینے نے فائدہ نہ دیا کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کے نام منسوب ہو چکا اور اس میں ایسی ناپاکی آگئی جو مردار کی ناپاکی سے بھی زیادہ ہے۔

مردار کی ناپاکی محض ناپاکی تھی اور جس پر بدوں تملیک و تصرّف غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اس میں شرک کی ناپاکی بھی ساتھ آگئی۔ سو حضرت شاہ صاحب نے بجا فرمایا کہ اس جانور کا خبث مردار کے خبث سے زیادہ ہے گو وقت ذبح اس پر خدا کا نام ہی کیوں نہ لیا گیا ہو۔

ہاں خدا کا نام لینے سے اگر گذشتہ کارروائی اور نامزدگی سے توبہ مراد ہوتی اور غیر اللہ کے نام نامزد ہونے سے اعلانیہ رجوع کیا جاتا تو پھر مسئلے کی صورت بدل سکتی تھی لیکن اس صورتِ اُولیٰ میں اس غیر کے نامزد جانور پر خدا کا نام لینا شریعت سے ایک اور کھلا مذاق ہے۔ جن علماء نے وقتِ ذبح خدا کے نام لینے کا اعتبار کیا ہے ان کی مراد خدا کا نام لینے سے گذشتہ نامزدگی سے رجوع اور توبہ ہی ہو سکتی ہے ورنہ کون ہے جو حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی سے اس اہم مسئلہ میں اختلاف کرے۔

اس وقت اس مسئلہ پر بحث پیشِ نظر نہیں۔ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ شرک و بدعت کے رد میں جو روش حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانیؒ نے اختیار کی تھی۔ محدّثین دہلی اسی روش پر چلے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید کا مسلک بھی وہی تھا۔ جو انہوں نے اپنے شیخ اور شیخ الشیخ عم محترم حضرت شاہ عبد العزیز سے علمی اور روحانی وراثت میں پایا تھا اور ان سب حضرات میں نقشبندی نسبت روشن تھی۔

نیت شروع سے اہلِ قبور کے حضور زندہ جانور نذر کرنے کی ہو۔ شریعت میں یہ چور دروازہ نہیں رکھا گیا کہ وقتِ ذبح خدا کا نام لینے سے قبروں پر بکرے نذر کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ وقتِ ذبح خدا کا نام لے یا ان بزرگوں کا ہر صورت میں مشائخ کے نام کی یہ نذر ماننا داخلِ شرک ہے۔ (ملخصا مطالعہ بریلویت)

قبروں پر چراغ جلانا:

قبر پر چراغ اور قندیل روشن کرنے سے آنحضرت ﷺ نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائراتِ الْقُبُوْرِ والمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْها الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۷۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

علّامہ علی القاری حنفی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

وَالنَّهىُ عَنِ اتِّخَاذِ السِّراجِ لِمَا فِيْهِ تَضْيِيْعُ المالِ لِاَنَّهٗ لَا نَفْعَ لِاَحَدٍ مِّنَ السِّرَاجِ، وَلاَنَّهَا مِنْ آثَارِ جَهَنَّمَ، وَاِمَّا لِلْاِحْتِرَازِ عَنْ تَعْظِيْمِ الْقُبُوْرِ كَالنَّهىِ عَنِ اتِّخَاذِ الْقُبُوْرِ مَسَاجِدَ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ)

قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لیے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں۔ اور اس لیے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبر سے دُور رکھنا چاہیے) یا یہ ممانعت قبروں کی تعظیم سے بچانے کے لیے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ)

حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی حنفی فرماتے ہیں:

"قبور اولیاء بلند کردن، و گنبد براں ساختن، و عرس وامثال آں و چراغاں کردن ہمہ بدعت است۔ بعضے ازاں حرام است، و بعضے مکروہ پیغمبر خدا ﷺ بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان رالعنت گفتہ و فرمودہ کہ قبر مرا

عید و مسجد نکیند در مسجد سجدہ میکنند۔ دروز عید برائے مجمع روزے در سال مقرر کردہ شدہ۔ رسولِ کریم ﷺ علی رضی اللہ عنہ رافر ستاد کہ قبور مشرفہ برابر کنند۔ وہر جا کہ تصویر بنیند اور امحو کنند۔" (ارشاد الطالبین ص:۲۰)

ترجمہ "اولیاء اللہ کی قبروں کو اونچا کرنا۔ ان پر گنبد بنانا۔ ان کا عرس وغیرہ کرنا۔ چراغ روشن کرنا۔ یہ ساری چیزیں بدعت ہیں۔ ان میں بعض حرام ہیں۔ اور بعض مکروہ پیغمبر ﷺ نے قبروں پر شمع جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید اور مسجد نہ بنالینا۔ مسجد میں سجدہ کیا کرتے تھے اور عید کا دن مجمع کے لیے سال میں ایک دن مقرر کیا گیا ہے۔۔۔۔رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اس مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ اونچی قبروں کو برابر کر دیں۔ اور جہاں تصویر دیکھیں اسے مٹاڈالیں۔"

بزرگوں کے مزارات سجادہ نشینوں کے لیے کمائی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ بعض جگہوں پر پہلے سے ٹھیکہ ہو جاتا ہے۔ نقدی کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں دن رات وہاں آتی رہتی ہیں۔ روشنی کے بہانے بہت سا تیل وہاں جمع ہو تا ہے جسے سجادہ نشین آگے ہول سیل دُکانداروں کو بھیج دیتے ہیں۔ بجلی کے اس دُور میں تیل کے چڑھاوے برابر جاری ہیں۔ مجاور صاحبان بریلوی علماء کو عرسوں پر بلا کر اپنی اس آمدنی سے حصّہ دے کر اپنے سارے اعمال کی ان سے تائید کرا لیتے ہیں حالانکہ ان چڑھاووں کا شریعت میں کوئی جواز نہ تھا۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی فتاویٰ عالمگیری اور دیگر کتب فقہ حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں: اکثر عوام جو اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ج:۱ص:۹۰)

کاش کہ عرس میں شامل ہونے والے علماء جو کہتے رہتے ہیں کہ عوام کی اکثریت جو کرے درست ہے وہ حضرت شاہ صاحب کے اس فتوے پر غور کرتے اور ایک نفعِ فانی کے لیے آخرت کے نفعِ باقی کو قربان نہ کرتے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار میں ہے:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یوخذ من الدارھم والشمع و والزیت و نحوھا الیٰ ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیھم فھو بالاجماع باطل۔

ترجمہ: جان لو کہ اکثر عوام جو مرحومین کی نذر مانتے ہیں اور روپے، چراغ تیل اور اس طرح کی چیزیں اولیائے

کرام کے مزارات پر ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے (انہیں خوش کرنے کے لیے) لے جائی جاتی ہیں یہ عمل بالاجماع باطل ہے۔

قبر کا طواف اور سجدہ:

ناواقف لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں، ان کے آستانے کو چُومتے ہیں، یہ تمام افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ اور ہمارے ائمہ اہل سنت نے ان کو حرام وناجائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس لیے کہ طواف، سجدہ، رکوع، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور ہماری شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کی اجازت نہیں دی ہے کہ پوجا کی حد تک پہنچ جائے۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی غلو سے گمراہ ہوئی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی امّت کو ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے آخری ایّام میں فرماتے تھے۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَہُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَا اَنْبِیَآئِہِمْ مَسَاجِدَ (مشکوٰۃ شریف: ص۶۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۶۹)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ کی جگہ نہ بنانا میں تمہیں منع کرتا ہوں۔ (حوالہ بالا)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوا قُبُورَ اَنْبِیَآئِہِمْ مَسَاجِدَ (مشکوٰۃ شریف ص:۷۲)

ترجمہ: اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کو پُوجا جائے۔ اللہ کا غضب سخت بڑھ سکتا ہے اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنائے۔ (مشکوٰۃ شریف ص: ۷۲)

قیس بن سعد صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے۔ میں رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَرَأَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِی اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ؟ فَقُلْتُ لَا. فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْکُنْتُ اٰمُرُ اَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ یَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِھِنَّ لِمَا جَعَلَ اللہُ لَھُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ حَقٍّ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۲)

دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (زندگی میں بھی) نہ کرو اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ بوجہ اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے مردوں کا اِن پر رکھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۲۸۲)

ان احادیث طیّبہ پر غور فرمایئے کہ آنحضرت ﷺ اپنی امّت کے بارے میں قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدت سے محسوس فرماتے ہیں اور پھر کسی سختی کے ساتھ اس سے ممانعت فرماتے ہیں، جس قبر کو سجدہ کیا جائے اسے بت قرار دے کر سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرماتے ہیں اور اسے غضب خداوندی کے بھڑکنے کا سبب ٹھہراتے ہیں۔

ان احادیث کی بناء پر علمائے اہل سنت نے قبر پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا ہے۔ ملا علی قاری حدیث "لعن اللہ الیہود والنصاریٰ" کی شرح میں فرماتے ہیں:

"یہود و نصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ انبیاء کی تعظیم کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے اور یہ شرک جلی ہے ـــــ یا اس لیے کہ وہ انبیاء کے مدفن میں اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھتے تھے۔ اور نماز کی حالت میں قبروں کی طرف منہ کرتے اور ان پر سجدہ کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ بیک وقت دو نیک کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی، اور انبیاء کی تعظیم میں مبالغہ بھی۔ اور یہ شرک خفی تھا۔ کیونکہ یہ فعل مخلوق کی ایسی تعظیم کو متضمن تھا جس کی اجازت نہ دی گئی۔ ـــــ پس آنحضرت ﷺ نے اپنی امّت کو اس سے منع فرمایا تو اس لیے کہ یہ فعل یہودیوں کی سنت کے مشابہ ہے یا اس لیے کہ اس میں شرک خفی پایا جاتا ہے"۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص:۶۹)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "الفوز الکبیر" میں فرماتے ہیں:

"اگر تم مشرکین کے عقائد و اعمال کی پوری تصویر دیکھنا چاہو تو اس زمانے کے عوام اور جہلا کو دیکھو کہ وہ مزارات و آثار پر جا کر طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کس طرح کرتے ہیں۔ اس زمانے کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جس میں اس زمانے میں کوئی نہ کوئی قوم مبتلا نہیں۔ ان کے مثل اعتقاد نہیں رکھتی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ایسے عقیدوں اور عملوں سے

بچائے۔"

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

"سجدہ کردن بسوئے قبور اولیاء طواف گرد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است، بلکہ چیزہا از ان بکفر میرساند۔ پیغمبر ﷺ بر آنہا لعنت گفتہ، و ازاں منع فرمودند، و گفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند۔" (مالا بد منہ ص:۸۸)

ترجمہ:" اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان سے دعا مانگنا ان کے لیے نذر قبول کرنا حرام ہے، بلکہ ان میں سے بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور ان سے منع کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا۔"

ارشاد الطالبین (ص:۸۱) میں فرماتے ہیں:

"وگرد قبور گردیدن جائز نیست۔ کو طواف بیت اللہ حکم نماز دارد۔ قال رسول اللہ ﷺ طواف البيت صلوٰة طواف بیت اللہ حکم نماز دارد"۔

ترجمہ: "اور قبروں کے گرد چکر لگانا جائز نہیں کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ کا طواف نماز ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری ص: ۳۵۱، ج:۵ میں ہے:

قَالَ بُرْهَانُ التَّرْجُمَانِيُّ: ''لَا نَعْرِفُ وَضْعَ الْيَدِ عَلٰى الْمَقَابِرِ سُنَّةً وَلَا مُسْتَحسِنًا وَلَا نَرىٰ بِهٖ بَأْسًا، وَقَالَ عَيْنُ الْاَئِمَّةِ الْكَرَابِيْسِيُّ هٰكَذَا وَجَدْنَاهُ مِنْ غَيْرِ نِكِيْرٍ مِّنَ السَّلَفِ، وَقَالَ شَمْسُ الْاَئِمَّةُ الْمَكِّيُّ بِدْعَةٌ۔ كَذَا فِيْ الْقُنْيَةِ۔ وَلَا يَمْسَحُ الْقَبْرَ وَلَا يُقَبِّلُهٗ، فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَادَةِ النَّصَارٰى۔''

ترجمہ: "برہان ترجمانی کہتے ہیں کہ ہم قبر پر ہاتھ رکھنے کو نہ سنت سمجھتے ہیں اور نہ اچھی بات لیکن اگر کوئی ہاتھ لگائے تو گناہ نہیں سمجھتے۔ عین الائمہ کرابیسی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو سلف سے نکیر کے بغیر ایسا پایا ہے۔ اور شمس الائمہ مکی فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ (قنیہ) اور قبر پر ہاتھ نہ پھیرے، اور نہ اس کو بوسہ دے، کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادت

ہے"۔

اس فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر پر ہاتھ رکھا جائے تو مضائقہ نہیں۔ جب کہ اسے سنت یا اچھی بات نہ سمجھا جائے لیکن اس پر ہاتھ پھیرنے کو باعث برکت سمجھنا، اس کو چُومنا اور بوسہ دینا "بدعت" ہے۔ یہ سلف صالحین کا طریقہ نہیں تھا۔ بلکہ نصاریٰ کا معمول ہے۔

صاحب مدارج فرماتے ہیں کہ بوسہ لینا قبر کا اور اس کو سجدہ کرنا اور سر رکھنا حرام اور ممنوع ہے۔ یہ عادت اہل کتاب کی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "**من تشبه بقوم فهو منهم**" لہٰذا اس کفریہ عمل سے ہر مسلمان کو پناہ مانگنی چاہیے اور قبر کو بوسہ دینا یہ بھی عبادت کی شکل ہے لہٰذا یہ بھی قبر کے لیے حرام ہے جیسا کہ مدارج میں اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

قال بُرهان الترجماني لا نعرف وضع اليد على المقابر سنة ولا مستحسنا .... و قال شمس الائمة المكى بدعة كذا فى القنية ولا يمسح القبر ولا يقبله فان ذالك من عادة النصارىٰ[1]۔

قبروں پر ہاتھ پھیرنا اور قبر کو چُومنا یہ سب بدعت اور ممنوع ہے کیونکہ وہ نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی عادت ہے۔

لہٰذا قبر کو بوسہ دینا بدعت اور حرام ہے اور ہر مسلمان کو اس شرکیہ عمل سے اجتناب کرنا چاہیے اسی طرح قبر کا چکر لگانا یہ دراصل قبر کا طواف ہے اور طواف کرنا عبادت ہے اور یہ عبادت خاص کعبۃ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ امام ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ولا يطوف اى يدور حول البقعة الشريفة لأن الطواف من مختصات الكعبة فيحرم حول قبور الانبياء والاولياء ولا عبرة بما يفعله العامة الجهلة ولو كانوا فى صورة المشائخ و العلماء[2]۔

"اور حضور اکرم ﷺ کے مزار اقدس کے گرد طواف نہ کیا جائے کیونکہ طواف کعبے شریف کے ساتھ خاص

---

۱ الفتاوىٰ الهندية۔ كتاب الكراهية — زيارة القبور و قرأة القرآن فى المقابر — ۵/۳۵۱ — ط: ایچ ایم سعید

۲ المسلك المنقسط فى المنسك المتوسط على لباب المناسك المعروف بمناسك ملا على قارى — فصل و ليغتم أيام مقامه بالمدينة المشرفة ص ۲۹۱ — ط: المطبعة الميرية مكة

ہے پس انبیاء و اولیاء کرام کی قبروں کا طواف کرنا حرام ہے اور عام جاہل لوگوں کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگرچہ وہ خود کو ولی یا علماء میں سمجھتے ہوں۔"

مذکورہ تصریح سے معلوم ہوا کہ مزارات کے گرد چکر لگانا حرام ہے اور یہی تصریح تمام فقہی کتابوں میں ہے۔

قاضی ثناالله پانی پتی فرماتے ہیں کہ قبروں کے گرد چکر لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ بیت الله کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیت الله کا طواف نماز ہے۔ اطراح میں مرقوم ہے:

ولو طاف حول المسجد سوى الكعبة يخشى عليه الكفر : (اطراح)

اگر طواف کیا مسجد کے گرد کعبہ شریف کے علاوہ تو اس پر کفر کا خطرہ ہے۔

مسجد کے گرد طواف پر اتنی شدید وعید ہے تو عام مزارات کا طواف کرنا بالاجماع حرام ہے اور قبر کی تعظیم کے لیے الٹے پیر مزار سے نکلنا یہ بھی فعل حرام ہے کیونکہ قبروں سے کروڑوں درجہ افضل مقامات کعبۃ الله، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور تمام مساجد عالم کے بارے میں جب یہ عمل درست نہیں ہے تو کسی عام مزار کے بارے میں یہ تعظیمی عمل بجالانا بدعت اور گمراہی ہے۔ اور صاحب قبر سے یہ کہنا کہ میرے لیے دعا کریں یہ بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔

صاحب مزار سے مشکلات کے حل کی دعا کروانا:

دوسرا یہ کہ براہ راست صاحب مزار سے کہنا کہ میری مشکل حل کردو اور اسی سے دعا کرنا جس طرح الله سے دعا کی جاتی ہے یہ بالکل شرکیہ عمل ہے جیسا کہ بعض بزرگانِ دین کے مزارات پر لوگوں کو دعا کرتے دیکھا جاتا ہے۔ یہ جہالت اور عقیدہ بد کا نتیجہ ہے کہ الله ہماری نہیں سنتا بلکہ ان بزرگوں کی سنتا ہے اس طرح انہوں نے الله تبارک وتعالیٰ کے دربار عالی کو دنیا کے شاہی درباروں پر قیاس کیا ہے کہ یہاں براہِ راست بادشاہ وقت سے ملاقات واستدعا نہیں کرسکتے یہ ان کی کج فہمی اور کم علمی کا نتیجہ ہے جبکہ خدا تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا سراسر غلط فیصلہ ہے، جبکہ الله رب العزت فرماتے ہیں:

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝" (ق:۱۶)

اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگوں سے زیادہ۔

"وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ" (المؤمن: ۶۰)

اور کہا ہے تمہارے رب نے مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو۔

اللہ کی شان یہ ہے کہ دنیا کے سارے فرشتے جنات انسانوں اور حیوانات میں سے ایک ایک کی آواز وہ اس طرح سنتے ہیں گویا کہ دوسری ساری کائنات خاموش ہے اور صرف وہی بات کر رہا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ نہایت تاریک رات میں سنگ سیاہ پر چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی اللہ تعالیٰ سنتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

علّامہ مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ایک بار صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی اقریب ربنا فنناجیه ام بعید فنناديه۔

کہ ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ اسے آہستہ پکاریں یا دُور ہے کہ اسے زور سے پکاریں۔ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

"وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ" (البقرۃ: ۱۸۶)

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں کہ میں ان سے قریب ہوں یا دُور تو ان کو بتائیے کہ میں نزدیک ہوں میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔"

اور دعا عبادت کا نچوڑ ہے جیسا کہ خود حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

الدعاء مخ العبادة۔ "دعا عبادت کا مغز ہے"۔[1]

و عن النعمان بن بشير قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدعاء هو العبادة ثم تلاو قال ربكم ادعونى استجب لكم۔[2]

"حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دعا ہی اصل عبادت ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو سنوں گا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ دعا از خود عبادت ہے اور عبادت کا نچوڑ ہے اور عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی کرنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

---

۱ مشکوٰۃ المصابیح—کتاب الصلوٰۃ—۱/۱۹۴—ط: قدیمی

۲ المرجع السابق

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ" (بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ: اور تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے تم نہیں عبادت کروگے مگر صرف اللہ ہی کی۔

اس لیے بزرگوں سے دعا کرنا، مرادوں اور مشکلات کے لیے یہ بالکل قرآن کے خلاف اور حرام ہے اسی لیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"فوت شدہ یا زندہ بزرگوں سے اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے دعائیں مانگنا جائز نہیں ہے۔" (ارشاد الطالبین۔ ص:۱۸)

اور آگے فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ پھر آپ ﷺ نے آیت پڑھی "اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں سنوں گا بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے" اور جو جاہل لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبد القادر جیلانی یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ جائز نہیں بلکہ کفر اور شرک ہے"۔(ارشاد الطالبین۔ ص:۱۸)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور آپ علیہ السّلام کو حکم دیا کہ آپ ﷺ فرمائیں:

"قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" (الاعراف: ۱۸۸)

ترجمہ:"اے رسول، کہہ دو کہ میرے اختیار میں نہیں ہے اپنی ذات کا نفع ونقصان مگر جو اللہ چاہے۔"

جب حضور اکرم ﷺ اپنی ذات اقدس کے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو دوسروں کو کیسے نفع ونقصان میں تصرف کر سکتے ہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ نے مکسول کو بیان فرمایا کہ۔

اما بعد فانی ادعوکم الی عبادة الله من عبادة العباد وادعوکم الی ولایة الله من ولایة العبد[۱]۔

"میں تمہیں بندوں کی عبادت کے بجائے خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور بجائے اس کے کہ تم بندوں کو کارساز سمجھو میں تمہیں اس کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ہی کو کارساز سمجھو۔"

---

۱ التفسیر للحافظ ابی الفداء اسماعیل بن کثیر — ص:۳۶۹

اور اللہ کی مشیت کو ان بزرگوں کی مشیت کے مطابق سمجھنا بھی شرک ہے ایک حدیث اس مسئلہ کے بارے میں بطور دلیل لکھی جاتی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ماشاء اللہ وشئت قال جعلت للہ نِدًّا ماشاء اللہ وحدہ فی روایۃ اجعلتنی للہ ندا وفی روایۃ عدلا[1]۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ جو خدا کو منظور ہو گا وہ کرے گا اور آپ کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیاتُو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا (بلکہ کہو وحدہ لاشریک یعنی جو خدا کو منظور ہو گا وہی ہو گا“۔

حضورِ اکرم ﷺ کے لیے ایسے موہوم کلام استعمال کرنے پر حضور ﷺ نے خود اس کو شرک فرمایا تو کسی قبر والے کو مشکل کشا کہنا بدرجہ اولیٰ شرک و کفر ہے اور یہ توسل کا سب سے آخری اور ناجائز اور حرام طریقہ ہے لہٰذا قبر والے کو یہ کہنا کہ میری مشکل حل کر دے شرک صریح ہے اور یہ حرام ہے۔

☆ بزرگوں کے مزارات پر لوگ صاحبِ مزار کے سامنے سجدہ کرنے اور چاروں کونوں کا طواف کرنے میں بھی مشغول نظر آتے ہیں، جن کا مطلقاً حرام ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے بلکہ یہ کام اگر بہ قصدِ عبادت ہوں تو صریح کفر ہیں، اور صرف تعظیم کے لیے ہوں عبادت کے لیے نہ ہوں تب بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں، العیاذ باللہ۔ (سنت وبدعت ص: ۷۷)

قبر کا مجاور بننا:

☆ بعض لوگ بظاہر ترکِ دُنیا کر کے مزارات پر جا پڑتے ہیں، اور جو کچھ مزارات پر آتا ہے اس پر زندگی بسر کرتے ہیں، اکثر اُن میں سے بھنگ، چرس اور دیگر محرمات میں مبتلا رہتے ہیں، سو مزارات پر اس طرح مقیم ہونا بالکل ممنوع ہے اور اس غلط رسم میں اُن کی مدد کرنا بھی جائز نہیں۔ (سنت وبدعت ص:۷۷)

---

۱ الأدب المفرد لإمام البخاری – باب قول الرجل ماشاء اللہ – رقم الباب: ۳۳۹ – رقم الحدیث: ۷۸۴ – ص ۲۶۵ – ط: عالم الکتب
مسند الامام احمد بن حنب۔ رقم الحدیث: ۲۵۶۱ – ۳۸۳/۳ – ط: دار الحدیث القاهره

جنازہ یا قبر پر پھولوں کی چادر ڈالنا:

☆ قبر پر اور جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنے کا بھی ایک رواج چل نکلا ہے، اور اس کو تجہیز و تکفین کے اعمال میں سے ایک عمل سمجھا جاتا ہے، اور قبر پر اگر بتیاں جلائی جاتی ہیں، حالانکہ قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ اور ائمۂ مجتہدین سے ان تینوں امور کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ بھی بدعت اور ناجائز ہیں۔(امداد الاحکام ج:۱ص: ۹۲، وعلماء کا متفقہ فیصلہ)

اس مسئلے کی تحقیق کے لیے چند اُمور کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے:

شریعت کی اصطلاح میں ''سنت'' اس طریقہ کو کہتے ہیں جو دین میں ابتداء سے چلا آتا ہو۔ پس جو عمل آنحضرت ﷺ کا معمول رہا وہ سنت ہے۔ اسی طرح حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم) نے جو عمل کیا ہو وہ بھی ''سنت'' ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ عمل خیر القرون میں رائج تھا یا نہیں؟ جو عمل صدر اوّل (یعنی آنحضرت ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم کے بابرکت زمانوں) میں رائج رہا ہو وہ بلاشبہ سنت ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والے ''اہل سنت'' یا ''سنی'' کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کے برعکس جو عمل کہ ان بابرکت زمانوں کے بعد ایجاد ہوا ہو اس کو بذات خود مقصد اور کار ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں وہ اہل بدعت یا بدعتی کہلاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے سینکڑوں لاڈلے صحابہ کرامؓ کو دفن کیا، ماشاء اللہ مدینہ طیّبہ ومطہرہ میں پھولوں کی کمی نہیں تھی۔ کیا آپ ﷺ نے کسی قبر پر پھول چڑھائے؟ پھر آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد کیا خلفائے راشدین نے آنحضرت ﷺ کے مزار اقدس پر پھول چڑھائے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے حضرات خلفائے راشدین کی قبور طیّبہ پر اور تابعین نے کسی صحابیؓ کی قبر پر پھول چڑھائے؟ ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ آنحضرت ﷺ، کسی خلیفہ راشدؓ، کسی صحابیؓ، یا کسی تابعی نے قبروں پر پھول چڑھائے ہوں۔ پس جو عمل کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر کسی ادنیٰ تابعی تک سے ثابت نہ ہو اس کو ''سنت'' کون کہہ سکتا ہے؟ ہاں اگر کوئی صاحب کسی کسی ایسے کام کو بھی ''سنت'' سمجھا کرتے ہیں جو معمول نبوی ﷺ اور صحابہؓ و تابعین کے خلاف ہو تو اس ناکارہ کو اعتراف ہے کہ وہ ''سنت'' کی اس نئی اصطلاح سے ناواقف ہے۔

ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایک چیز کا آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ و تابعین کے زمانوں میں وجود نہیں تھا، بلکہ بعد میں وجود میں آئی اور کسی امام مجتہد نے کسی اصل شرعی سے استنباط کرکے اسے جائز یا مستحسن قرار دیا، ایسی چیز کو سنت نبوی ﷺ تو نہیں کہا جائے گا، مگر ائمہ اجتہاد کا قیاس و استنباط بھی چونکہ ایک شرعی دلیل ہے اس لیے ایسی چیز کو خلاف شریعت بھی نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اسے بھی ثابت بالسنہ سمجھا جائے گا۔

زیر بحث مسئلہ میں یہ صورت بھی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اوّل تو پھول اور قبر ایسی چیزیں نہیں جو زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قبریں بھی تھیں، اور پھول بھی تھے۔ اور ان پھولوں کو قبروں پر آسانی سے ڈالا بھی جاسکتا تھا۔ اگر یہ کوئی مستحسن چیز ہوتی تو آنحضرت ﷺ قولاً یا فعلاً اس کو رواج دے سکتے تھے۔

پھر فقہ حنفی کی تدوین ہمارے امام اعظم کے زمانے سے شروع ہوئی اور دوسری صدی سے لے کر دسویں صدی تک بلا مبالغہ ہزاروں فقہی کتابیں لکھی گئیں۔ ہمارے فقہاء نے کفن و دفن اور قبر سے متعلق ادنیٰ ادنیٰ مستحبات اور سنن و آداب کو بڑی بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ لیکن دس صدیوں کا پورا فقہی لٹریچر اس سے خالی ہے کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی "سنت" ہے۔ اب اگر یہ عمل بھی سنت ہوتا تو دس صدیوں کے آئمہ احناف اس "سنت" سے کیوں غافل رہے؟ آخر یہ کیسی سنت ہے جس کا سراغ نہ زمانہ خیر القرون میں ملتا ہے، نہ ذخیرہ حدیث میں، نہ دس صدیوں کے فقہی ذخیرہ میں۔ نہ آنحضرت ﷺ اس پر عمل کرتے ہیں۔ نہ خلفاء راشدین۔ نہ صحابہؓ و تابعین، نہ آئمہ مجتہدین اور نہ دس صدیوں کے علماء۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ زمانہ مابعد کے متاخرین کے استحسان سے "سنت" تو کجا؟ جواز بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فتاویٰ غیاثیہ کی نقل کرتے ہیں:

قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ الشَّہِیْدُ رَحِمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ: لانَاخُذُ بِاسْتِحْسَانِ مَشَائِخِ بَلخ۔ وَاِنَّمَانَأْ خُذُ بِقَولِ اَصْحَابِنَا الْمُتَقَدِّمِیْنَ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ۔ لِاَنَّ التَّعَامُلَ فِیْ بَلْدَۃٍ لَا یَدُلُّ عَلَی الْجَوَازِ وَاِنَّمَا یَدُلُّ عَلَی الْجَوازِ مَا یَکُوْنُ مِنَ الصَّدْرِ الْاَوَّلِ لِیَکُوْنَ ذٰلِك دَلِیْلًا عَلٰی تَقْرِیْرِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِیَّاھُمْ عَلٰی ذٰلِك فَیَکُوْنُ شَرْعًا عَنْہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَاَمَّا اِذَالَمْ یَکُنْ کَذٰلِكَ لَا یَکُوْنُ فِعلُھُمْ حُجَّۃً۔ اِلّا اِذا کَانَ ذٰلِك مِنَ النَّاسِ کَافَّۃً فِیْ الْبُلْدَانِ کُلِّھَا۔

لِیَکُوْنَ اِجْمَاعًا وَالْاِجْمَاعُ حجۃٌ ۔ اَلَا تَرٰیٓ اَنَّھُمْ لَو تَعَامَلُوْا عَلٰی بَیْعِ الْخَمْرِ وَعَلٰی الرِّبٰو الاَّ یفْتٰی بِالْحِلِّ۔ (مکتوباتِ امام ربّانی دفتر دوم مکتوب ۵۴)

ترجمہ: ”شیخ امام شہید فرماتے ہیں کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو نہیں لیتے ہم صرف اپنے متقدمین اصحاب کے قول کو لیتے ہیں، کیونکہ کسی علاقے میں کسی چیز کا رواج چل نکلنا اس کے جواز کی دلیل نہیں۔ جواز کی دلیل وہ تعامل ہے جو صدر اوّل سے چلا آتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو اس پر برقرار رکھا۔ اس صورت میں یہ آنحضرت ﷺ کی جانب سے تشریح ہوگی۔ لیکن جب کہ ایسا نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں، اِلّا یہ کہ تمام ملکوں کے تمام انسان اس پر عمل پیرا ہوں تو یہ اجماع ہوگا۔ اور اجماع حجت ہے۔ دیکھیے اگر لوگ شراب فروشی اور سود پر عمل کرنے لگیں تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔“

رہی وہ حدیث جو شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شاخ خرما کو دو حصوں میں چیر کر انہیں دو[۲] معذب اور مقہور قبروں پر گاڑ دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اوّل: یہ کہ یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی روایت سے مروی ہے۔ امام نووی اور قرطبی کی رائے یہ ہے کہ یہ تمام روایات ایک ہی قصّہ کی حکایت ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجر اور علّامہ عینی کی رائے ہے کہ یہ تین الگ الگ واقعات ہیں۔ اس امر کی تنقیح اگرچہ بہت دشوار ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے یا متعدد واقعات۔ لیکن قدر مشترک سب روایات کا یہ ہے کہ قبروں پر شاخیں گاڑنا عام معمول نبی ﷺ نہیں تھا۔ بلکہ مقہور و معذب قبروں پر شاخیں گاڑنے کے ایک دو واقعے ضرور پیش آئے۔

دوم: اس میں بھی کلام ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کافروں کی؟ ابو موسیٰ مدینیؒ کہتے ہیں کہ یہ کافروں کی قبریں تھیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ حافظؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جابرؓ میں بظاہر کافروں کی قبروں کا واقعہ ہے اور حدیث ابن عباسؓ میں مسلمانوں کی قبروں کا۔ (فتح الباری ج:۱، ص:۲۵۶)

یہ قبریں کافروں کی ہوں یا مسلمانوں کی؟ اتنی بات واضح ہے اور حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ شاخیں گاڑنے کا عمل ان قبروں پر کیا گیا جن کا مقہور و معذب ہونا آنحضرت ﷺ کو وحی قطعی یا کشف صحیح سے معلوم ہو گیا۔ عام مسلمانوں

کی قبروں پر نہ آنحضرت ﷺ نے شاخیں گاڑیں۔ اور نہ اس کا آنحضرت ﷺ اور صحابہ و تابعین کے زمانے میں رواج عام ہوا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پر شاخ گاڑنا بھی آنحضرت ﷺ کی سنت عامہ اور سنت مقصودہ نہیں تھی۔

سوم: آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ''امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی''۔ شارحین نے اس کی توجیہ و تعلیل میں کلام کیا ہے۔ مناسب ہے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ سے اس مقام کی تشریح بلفظہ نقل کر دی جائے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''اس حدیث کی توجیہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان شاخوں کے تر رہنے کی تخفیف عذاب کی امید جو آنحضرت ﷺ نے ظاہر فرمائی اس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

بعض لوگ اس پر ہیں کہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نباتات جب تک تر و تازہ رہیں حق تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہیں، اور آیت کریمہ: ''اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح کہتی ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ'' میں شیئ سے زندہ شیئ مراد ہے۔ اور لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ خشک نہ ہو۔ اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ یا خاص تسبیح زندہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو تسبیح کہ ہر چیز کو عام ہے وہ اس کا وجود صانع پر اور اس کی وحدت اور صفات کمال پر دلالت کرنا ہے۔ اور یہ جماعت اس حدیث سے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے میں استدلال کرتی ہے۔

اور امام خطابی نے، جو آئمہ اہل علم اور قدوہ شراح حدیث میں سے ہیں، اس قول کو رد کیا ہے۔ اور اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے سے انکار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بات کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور صدر اوّل میں نہیں تھی۔

اور بعض نے کہا کہ اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔ پس آپ ﷺ کی شفاعت شاخ کے خشک ہونے تک کی مدت کے لیے قبول کر لی گئی۔ اور ارشاد نبوی ''لَعَلَّ'' کا لفظ اسی طرف ناظر ہے۔ واللہ علم (اور صحیح مسلم ص: ۴۱۸، ج:۲ میں بروایت جابرؓ اس پر تصریح موجود ہے — ناقل)

اور علّامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ شاخ کے اندر دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں۔ بلکہ یہ عذاب میں تخفیف سیّد الانبیاء ﷺ کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔

اگر تو دست بائی بگور مردہ دلاں

روان مردہ در آید بعیش در بدنش

ترجمہ: اگر آپ مردہ دِلوں کی قبر پر ہاتھ رکھ دیں: تو مردہ کی جان مزہ سے اس کے بدن میں لوٹ آئے۔

اور بعض حضرت فرماتے ہیں کہ اس کا علم نبوت کے سپرد ہے کہ اس میں کیاراز ہو گا۔ اور جامع الاصول میں بریدہ صحابیؓ سے نقل کیاہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ دو شاخیں ان کی قبر میں گاڑ دی جائیں۔ تاکہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی راز ہو اور وہ سبب نجات ہو جائے۔

ع دل عاشق جیلہ گر باشد

شیخ کی اس تقریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ محققین اس کے قائل ہیں کہ تخفیف عذاب کا سبب آنحضرت ﷺ کی شفاعت یا آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔ ورنہ شاخ میں دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے شاخ تر کے تسبیح پڑھنے کو دفع عذاب کی علت قرار دیا اور پھر اس کو عام سبزہ و گل کی طرف متعدی کیا، ان کو اجتہاد و استنباط کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ نہ ان کا یہ قول اہل علم کا نظر میں کوئی قیمت رکھتا ہے۔ بلکہ "ائمہ اہل علم اور قدوہ شراح حدیث" نے ان کے اس تعلل کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے:

"این سخن اصلے ندارد—و در صدر اوّل نبود۔"

کہ یہ بالکل بے اصل بات ہے اور صدر اوّل—خیر القرون—کے معمول کے خلاف ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ کی عربی شرح "لمعات التنقیح" میں مشہور حنفی فقیہ و محدث اور عارف امام فضل اللہ تور پشتی سے نقل کرتے ہیں:

"تور پشتی کہتے ہیں کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان شاخوں کے تر رہنے کی مدت تک ان قبروں سے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔

رہا ان لوگوں کا قول جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تر شاخ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے جب تک کہ اس میں تری باقی ہے، پس وہ عذاب قبر سے بچانے والی ہو گی۔ تو یہ قول بالکل بے مقصد اور لا طائل ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔" (**لمعأت ج۲، ص:۴۴**)

حضرت شیخ کی تشریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن مجہول الاسم والرسم لوگوں نے اس حدیث سے قبروں پر سبزہ و

گل ڈالنے کا استنباط کیا ہے ائمہ اسلام نے ان کے قول کو بے اصل، بے مغز، غیر معتبر اور صدر اوّل کے خلاف بدعت قرار دیا ہے۔ اگر ان کے قول میں پر پشہ کے برابر بھی وزن ہوتا تو ممکن تھا کہ صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین اس سے محروم رہتے۔

چہارم: اور اگر ان حضرات کی تعلیل کو — جو اہل علم کے نزدیک بے اصل، لاطائل اور غیر معتبر ہے — علی سبیل التنزل تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس سے قبر پر شاخوں کا گاڑنا سنت قرار پاتا ہے۔ نہ کہ قبروں پر پھول بکھیرنا، یا پھولوں کی چادریں چڑھانا۔ چنانچہ علّامہ عینی جو اس تعلیل کو قبول کرتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

وَكَذٰلِكَ مَا يَفْعَلُهُ اَكْثَرُ النَّاسِ مِنْ وَّ ضْعِهَا فِيْهِ رَطُوْبَةٌ مِنَ الرَّيَاحِيْنِ وَالْبُقُوْلِ وَنَحْوِ هِمَا عَلَى الْقُبُوْرِ لَيْسَ بِشَيْیٍٔ وَاِنَّمَا السُّنَّةُ الغرز۔ (عمدة القاری ج:۱، ص:۸۷۹)

ترجمہ: ”اور اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ کرتے ہیں۔ یعنی سبزہ و گل وغیرہ رطوبت والی چیزوں کا قبروں پر ڈالنا یہ کوئی چیز نہیں۔ سنت ہے تو صرف شاخ کا گاڑنا۔“ (عمدۃ القاری ج:۱، ص:۸۷۹)

پنجم: نیز اگر ان حضرات کے اس تعلل کو قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے کافروں اور فسّاق و فجار کی قبروں پر شاخ گاڑنے کا جواز ثابت ہو گا۔ نہ کہ اولیاء اللہ کی قبور طیّبہ پر۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت ﷺ نے معذب و مقہور قبروں کے سوا کسی قبر پر شاخ نہیں گاڑی۔ نہ اس کی ترغیب دی۔ اور نہ صحابہؓ و تابعین نے اس پر عمل کیا۔ پس اس تعلل سے صالحین اور مقبولان الٰہی کی قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ اسے سنت یا مستحب کہا جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو معاملہ کافروں اور گنہگاروں کی قبروں کے ساتھ فرمایا وہ اولیاء اللہ کی قبور سے روا رکھا جاتا ہے۔

شارع علیہ السّلام نے عام مسلمانوں کی قبروں پر شاخ گاڑنے کی جو سنت جاری نہیں فرمائی شاید واللہ اعلم اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہو کہ ایسی شاخوں کا گاڑنا قبر کے معذب و مقہور ہونے کی بد شگونی ہے۔ اور شریعت ایسے کسی امر کو پسند نہیں کرتی جس میں کسی مسلمان کے بارے میں سوء ظن یا بد شگونی کا پہلو پایا جائے، اس لیے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے اولیاء اللہ کی قبور پر پھول ڈالنا بے ادبی ہے۔

دراصل آج جو مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں وہ اس حدیث کی تعمیل کے لیے نہیں۔ بلکہ قبور کی

تعظیم اور اوہل قبور کے تقرب کے لیے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب کے لیے پھول چڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور نہ اس حدیث میں دُور دُور تک ایسی اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھول کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، اس لیے اس کے بدعت سیئہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں در آئی ہے۔ بدعت کی خاصیت یہ ہے کہ جب وہ عام اور شائع ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ علماء کے ذہن و دماغ بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور بدعت کی شناعت و قباحت اس کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے۔۔ اس لیے بعض علماء زمانہ کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح اس کے جواز بلکہ استحسان کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ بجائے احیائے سنت کے بدعت کی ترویج واشاعت میں ممد ومعاون بن جاتے ہیں۔ (اختلاف امت ص ۲۰۶)

حضرت مولانا محمد یوسف شہیدؒ نے آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۴۶۴ ج ۱) اس مقام پر اس مسئلہ کو مفصّل انداز میں بیان فرمایا ہے اور بریلوی مکتبہ فکر کے عالم مولانا شاہ تراب الحق صاحب کے دلائل اور اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ مزید تفصیل مطلوب ہو تو وہاں دیکھ لیا جائے۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

قبروں پر پھول چڑھانا:

اگر ان کا کچھ فائدہ ہے تو یہ کہ جب تک یہ ترو تازہ رہیں گے عذاب قبر میں تخفیف رہے گی۔ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ دو قبروں پر اس وجہ سے ٹہنی لگائی تھی ان میں مُردوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ اوّل تو ہمیں معلوم نہیں کہ جس قبر پر ہم پھول ڈال رہے ہیں اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے یا نہیں دوسرے ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہوتی ہے کہ بخشش ہو گئی ہو گی لہٰذا ہم اگر ٹہنی لگائیں گے یا پھول چڑھائیں گے تو نبی کریم ﷺ سے منقول حالت سے مختلف حالات میں کریں گے اس لیے یہ محض ہماری اپنی ایجاد ہو گی سنت سے اس کی دلیل نہ ہو گی۔ لہٰذا یہ عمل بھی جائز نہیں اور اگر نیت صرف زینت کی ہو تو یہ تو بالکل ناجائز ہے۔ (مسائل بہشتی زیور ص: ۲۸۶)

زیارت قبور کے لئے وقت مقرر کرنا:

شریعت نے زیارت قبور کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اب کسی بزرگ کی قبر پر جانے کے لیے ایک وقت

مقرر کرلینا اور اسی کو ضروری سمجھنا بدعت ہو گا۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ زیارت قبور کے لیے دن معین کرنا، یا ان کے عرس پر جانا جو کہ ایک معین دن ہوتا ہے درست ہے یا نہیں؟ جواب میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

برائے زیارت قبور روز معین نمودن بدعت است۔ اصل زیارت جائز۔ وایں بدعت ازاں قبیل است کی اصلش جائز است و خصوصیت وقت بدعت ..... مانند مصافحہ بعد عصر کہ در ملک توران وغیرہ رائج است —— دروز عرس برائے یاد دہانیدن وقت دعا برائے میّت اگر باشد مضائقہ ندارد لیکن التزام آں نیز بدعت است از ہماں قبیل کو گذشت۔ (فتاویٰ عزیزی ص:۸۹، ج:۱)

ترجمہ: قبروں پر جانے کے لیے دن معین کرلینا بدعت ہے۔ اور اصل زیارت جائز ہے —— وقت کا تعین سلف صالحین میں نہیں تھا اور یہ بدعت اس طرح کی ہے کہ اس کی اصل تو جائز ہے مگر خصوصیت وقت بدعت ہے۔ اس کی مثال عصر کی نماز کے بعد مصافحہ ہے جس کا ملک توران وغیرہ میں رواج ہے ...... اور اگر میّت کے لیے دعا کی یاد دہانی کی خاطر عرس کا دن ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کو لازم کرلینا بھی بدعت ہے۔ اسی قبیل سے جو کہ ابھی گزرا۔

اور آج کل بزرگوں کے عرس پر جو خرافات ہوتی ہیں اور جس طرح میلے لگتے ہیں اس کو تو کوئی عقلمند بھی صحیح اور جائزہ نہیں کہہ سکتا۔

عورتوں کا قبرستان جانا:

☆ آج کل قبرستان بالخصوص بزرگوں کے مزارات پر عورتوں کا آنا جانا بکثرت ہے، جاننا چاہیے کہ عورتوں کے واسطے زیارتِ قبور کی یہ شرائط ہیں:

۱۔ جانے والی عورت جوان نہ ہو بُڑھیا ہو؛ ۲۔ خوب پردہ کے ساتھ جائے؛ ۳۔ پھر وہاں جا کر شرک نہ کرے؛ ۴۔ بدعت نہ کرے؛ ۵۔ قبر پر پھول نہ چڑھائے۔ چادر نہ چڑھائے؛ ۶۔ نہ صاحبِ قبر سے کچھ مانگے، نہ منّت مانے؛ ۷۔ رونا دھونا اور نوحہ بازی نہ کرے؛ ۹۔ اور بھی کسی خلافِ شرع کام کا ارتکاب نہ کرے۔

قبروں کو پختہ بنانا:

پختہ عمارتیں اور کھانے پینے کی محفلیں اس زندگی کا نشان ہیں لیکن قبر فنا کا نشان ہے سو انہیں پختہ کرنا فطرت کے خلاف ہوگا یہ فنا میں بقاء کے آثار پیدا کرنا ہے۔ دین فطرت اجازت نہیں دیتا کہ فنا پر بقاء کے نشان قائم کیے جائیں اور قبروں اور مقبروں کو زندوں کی عمارات کی سی سج دھج دی جائے۔ قبروں پر چھت بنانا بھی روا نہیں۔ ہاں چھت پہلے سے ہو اور اس کے نیچے قبر بنے یہ امر دیگر ہے۔ یہ بنا علی القبر نہیں قبر فی البناء ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں:

نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیہ و ان یبنیٰ علیہ۔ (صحیح مسلم ج:۱، ص:۳۱۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ قبر چونا لگا کر پختہ کی جائے اس پر بیٹھ جائیں اور یہ کہ اس پر چھت بنائی جائے۔

امام الائمہ امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں:

ولا نریٰ ان یزاد علیٰ ما خرج منہ و نکرہ ان یجصص او یطیّن .... ان النبی ﷺ نھی عن تربیع القبور و تجصیصھا قال محمد بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔(کتاب الآثار ص:۹۶، روح المعانی ج:۵، ص:۲۱۸)

ترجمہ: ہم صحیح نہیں سمجھتے کہ زمین سے جو کچھ نکلا اس سے زیادہ قبر پر ڈالا جائے اور ہم مکروہ جانتے ہیں کہ اس پر پلستر کیا جائے یا لپائی کی جائے، حضور ﷺ نے اسے چوکون کرنے سے بھی منع کیا اور چونا لگانے سے بھی اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات ورسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

والحمدُ للہِ علی توفیقہِ وأسألہ تعالی المزیدَ من فضلِہ، وأنْ یَرْزُقَنِي محبّۃَ لقائِہِ عندُ

مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

محمد موسیٰ

آخر میں عرس کے مواقع پر مزارات اور درباروں پر ہونے والی بدعات اور شرکیہ مناظر کی ایک تصویری جھلک بھی ملاحظہ فرمائیں، تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

بتوں سے تجھ کو اُمیدی خُدا سے نا اُمیدی
مجھے بتا تو سعی اور کافری کیا ہے۔

قبر پرستی = بت پرستی

اگر بت پرستی حرام ہے تو قبر پرستی کیا ہے؟؟؟؟؟
کیا آپ نے کبھی سنا ہے کے کسی ہندو نے مسجد میں جا کر اللہ کی عبادت کی؟؟؟
نہیں نا؟؟؟
ہاں البتہ یہ ضرور سنا ہو گا کے فلاں شہر میں ہندوؤں نے مسجد کو شہید کر دیا، لاؤڈ سپیکر پر اذان دینے پر پابندی لگادی، قرآن کریم کی بے حرمتی کی، انڈین فلموں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کی، کشمیر میں بیگناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا، مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا وغیرہ وغیرہ...
لیکن آپ نے یہ نہیں سنا ہو گا کے ہندوؤں نے مزار پر حملہ کیا، مزار پر آنے والے زائرین کو تشدد کا نشانہ بنایا، قوالی پر پابندی لگادی...!!
ہر محاذ پر اسلامی تعلیمات کی مخالفت اور توہین کرنے والے ہندو آخران درگاہوں سے اتنی عقیدت کیوں رکھتے ہیں...؟؟؟
https://www.facebook.com/#!/faysal89
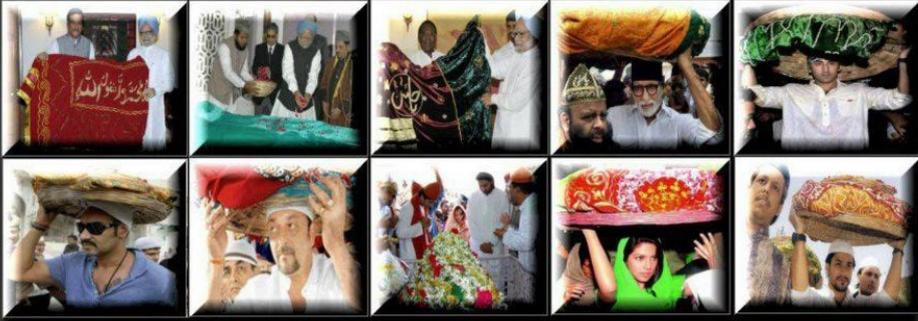
باب جنت
یہ کونسی جنّت کا دروازہ ہے؟
اس جنت کا کوئی تذکرہ
نبی کریمؐ یا عشرۂ مبشرہ اصحابہؓ
سے ملتا ہے، اسے بدعت کیوں
نہ کہوں۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجِعون

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (سورۃ لقمان 31)

اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے، اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ (سورۃ النساء 116)

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی
کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا
سکتی ہے نہ نقصان اگر تو ایسا کرے
گا تو ظالموں میں سے ہوگا۔
﴿سورة یونس ۱۰۶﴾

كُلُّ مُحدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (الحديث)

”(دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے۔“

چند بدعات اور ان کا تعارف

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

مروجہ رسوم کے متعلق مسلک دیوبند:

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اپنی کتاب مسلک علمائے دیوبند میں رسومات سے متعلق علمائے دیوبند کے مسلک کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ وہ (علمائے دیوبند) رسومِ شادی اور غمی کو اسوہ حسنہ اور سلف صالحین کے سادہ اور بے تکلف طریق عمل میں محدود رکھنا چاہتے ہیں، اغیار کی نقالی یا تشبیہ کو ناجائز سمجھتے ہیں، غمی کی رسموں تیجہ، دسواں، چہلم، برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں، اس لئے سختی سے روکتے ہیں، اور شادی کی مروّجہ رسومات کو خلاف سنّت سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہیں بھی رد کرتے ہیں۔ بہر حال رسم بدعت ہو یا رسم خلاف سنّت، دونوں کو ہی روکتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ رسوم غمی کو قوت سے روکتے ہیں کیونکہ وہ ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں اس لئے وہ بدعات ہیں، جن کی زد براہ راست سنّت پر ہے، اور شادی کی رسوم تمدّن و معاشرت کے جذبہ سے انجام دی جاتی ہیں، اس لئے وہ محض رسوم خلاف سنّت ہیں۔ بدعت میں عقیدہ کی خرابی ہوتی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ لیا جاتا ہے، درانحالیکہ وہ دین نہیں ہوتا۔ اور خلاف سنّت میں عقیدہ محفوظ رہتا ہے صرف عمل کی خرابی اور ہوائے نفس ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں اصل دین محو ہو جاتا ہے، دوسری صورت میں اصل دین قلب میں محفوظ ہو کر عمل میں نقصان آجاتا ہے۔ (مسلک علمائے دیوبند ص۲۹، از قاری محمد طیبؒ)

بدعات ورسوم کا بیان

بدعت کی حقیقت اور اس کی قسمیں:

بدعت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے، ایک لغوی بدعت، یعنی ہر نئی چیز اور دوسرے بدعت شرعی، بدعت شرعی سے مراد ہے دین میں کسی ایسی بات کا اضافہ کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے عہد میں اس کی کوئی اصل نہ ہو، جو باتیں بدعت شرعی کے دائرہ میں آتی ہیں وہ سب حرام اور گناہ ہیں، ان میں کوئی مستحب، مباح یا واجب نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے، ”کُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ (سنن نسائی: ۱/۱۷۹۔ محشی) “ البتہ جیسا کہ مذکور ہوا بدعت شرعی کا تعلق امور دین سے ہے نہ کہ امور دنیا سے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے کسی نئی چیز کی ایجاد کو منع فرمایا ہے، ”من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد“ اسی طرح جس کام کی اصل آپ ﷺ کے عہد میں موجود ہو وہ بدعت نہیں، مثلاً مدارس کا قیام کہ خود آپ ﷺ نے صفہ میں تعلیم و تعلم کا نظم فرمایا تھا، گو اس میں مدارس کے موجودہ نظام کی طرح نصاب، اسباق کا نظام، دارالاقامۃ کی سہولت وغیرہ نہیں تھی، لیکن یہ صفہ کا نظام مدارس کے لیے ایک اصل کا درجہ رکھتا ہے، جو اس زمانہ میں بھی موجود تھا، اس لیے اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح جو کام عہد صحابہؓ میں ہوا ہو اور صحابہؓ نے اس پر نکیر نہیں کی ہو وہ بھی بدعت میں شامل نہیں، بلکہ وہ سنت کے دائرہ میں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین“ (سنن ابن ماجة: ص:۵، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ محشی) ”تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا لازم ہے“ جیسے جمعہ کی دوسری اذان، جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح کی ادائیگی۔

بدعت شرعی میں حسنہ اور سیئہ اچھی اور بری، حرام اور جائز کی تفصیل درست نہیں، بلکہ وہ بہر صورت ممنوع ہے، مشہور و متفق علیہ بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، نیز امام ابو اسحاق شاطبیؒ نے اس پر بہت تفصیل سے

---

۱ سنن ابن ماجة: ص:۳، باب تعظیم حدیث رسول الله ﷺ۔ محشی

گفتگو کی ہے، اہل علم مکتوبات امام ربانی اور شاطبی کی "الاعتصام" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

جو باتیں بدعت لغوی کے دائرہ میں آتی ہیں، ان کے بارے میں اہل علم نے واجب و مستحب ہونے کی بات لکھی ہے، اور کہا ہے کہ ان میں بعض واجب ہیں، جیسے نحو و صرف اور عربی قواعد وغیرہ کہ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں، اور قرآن و حدیث کو سمجھنے میں معین و مددگار ہیں، بعض مستحب ہیں، جیسے مسافر خانے اور مدارس اسلامیہ کی تاسیس، اور بعض مباح ہیں، جیسے عمدہ کھانے، پینے سے استفادہ اور اعلیٰ قسم کے مکانات کی تعمیر وغیرہ، ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ بعض اہل علم نے جس چیز کو واجب و مستحب اور مباح بدعت کیا نام دیا ہے، وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہے نہ کہ شرعی اعتبار سے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے دین میں نو ایجاد ہر بات کو بدعت قرار دیا، اور ہر بدعت کو گمراہی فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ بعض بدعات مستحب یا مباح ہو جائیں۔

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ سنّت اور بدعت کے فرق کو اپنی کتاب "دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا" میں یوں سمجھاتے ہیں۔

سنت اور بدعت کا فرق:

فرض کیجیے کہ کسی ایک محلّے یا کسی شہر میں دو مسجدیں ہیں، ایک تو اس قدر وسیع ہے کہ بیک وقت اُس میں ہزاروں انسان سما سکتے ہیں پھر اُس کی تعمیر میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ بھی خرچ کیا گیا ہے، سنگ مرمر کا فرش اُس میں ہے۔ ابیض، احمر، اسود غرض کہ ہر قسم کے پتھروں کی چپّہ کاریاں اُس میں ہیں، عمدہ دریاں اور قالین اُس میں بچھے ہوئے، شمع فانوس سے وہ جگمگاتی ہے، کتبے دیواروں پر آویزاں بھی ہیں اور منقوش بھی، گرم پانی کا ذخیرہ اُس کے لیے موجود ہے، ٹھنڈے پانی کا اُس میں سامان کی روشنی، اور برقی پنکھے۔ غرض یہ کہ کوئی چیز ایسی نہ ہو جو مسجد کی زیبائش کے لیے یا نمازیوں کی سہولت کے لیے ہو سکتی ہو اور اس مسجد میں نہ ہو، زیب و زینت کے اعتبار سے اگر اُس کو فرعون کا قصر کیا جاوے تو بے جا نہیں، لیکن نقصان اس میں صرف یہ ہے کہ وہ قبلہ سے منحرف ہے، نمازی اس میں روبقبلہ ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، اسی محلّے یا شہر میں ایک دوسری مسجد فرض کر لیجیے، جس کی زمین بھی خام، چھت بھی بوسیدہ کہ ہر وقت مٹی جھڑتی ہے اور گھاس پھوس کی ہے، تیز ہوا چلے تو اندیشہ ہو کہ دیواریں اور چھت زمین پر آ جاویں گی۔ تھوڑی سی بارش ہو تو اندرونی و بیرونی دونوں حصوں میں نماز پڑھنی دشوار، موسم سرما و گرما میں موسمی ہواؤں کی تیزی مسجد میں داخلہ سے مانع ہو، وضو کے

لیے برتن ہیں مگر مٹی کے اور وہ کثیف اور میلے، کائی ان پر جمع ہوئی، سقایا تو نہیں کہ جس میں پانی بھرا ہوا ہو، ایک کچا کنواں ضرور ہے اس پر بھیگی ہوئی رسی اور ڈول رکھا ہوا ہے ضرورت ہو تو پانی خود بھر لیجیے ان تمام تکلیف دہ امور کے باوجود اس میں ایک اچھی چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ قبلے سے منحرف نہیں ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی مفروضہ مسجد میں استقبال قبلہ کے بغیر نماز پڑھے تو کتب مذہب میں اس کی تکفیر ملے گی، اور اگر اس دوسری مفروضہ مسجد میں نماز پڑھی جاوے تو تمام دشواریوں کے ہوتے ہوئے بھی اس کی نماز بلا کراہت صحیح ہے، اور اگر یہ نماز باجماعت ہے تو حسبِ تصریح کتب احادیث اُس کو پچیس یا ستائیس نمازوں کا ثواب ملے گا۔

آخر یہ فرق کیوں ہے، پہلی خوش نما مسجد تو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے تعمیر کی گئی ہے اور بقول بعض ایسے بے نظری مسجد سے اسلام کی شوکت اور اہل اسلام کا رعب غیر مسلموں پر پڑتا ہے دوسری خام مسجد تو مسلمانوں کی فلاکت، شکستہ حالی، بے توجہی کی آئینہ اور شاہد عدل ہے پھر ایک مسجد میں تو نماز کا ادا کرنا ہی کفر، اور دوسری حقیر مسجد میں نماز مقبول اور موجب ازدیاد ثواب۔

اس کا جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ یہ عظیم فرق اس لیے ہے کہ ایک مسجد روبقبلہ ہے

اور دوسری منحرف عن القبلہ، اس سے ظاہر ہو گیا کہ مسجد کا شاندار ہونا یا نہ ہونا نماز کی صحت، رضائے خداوندی، تقرّب الی اللہ میں مؤثر نہیں ہے نہ قابلِ التفات ہے اگر مؤثر اور واجب الالتفات ہے تو استقبالِ قبلہ، یہ ہے تو عبادت عبادت ہے ورنہ گناہ ہے اور بڑا گناہ ہے۔

یہی فرق ہے بدعات میں اور امور مسنونہ میں، بدعات قبلہ اعمال سے منحرف ہوتی ہیں اور امور مسنونہ اس کی سمت میں ہوتے ہیں، اسی لیے یہ صحیح ہے کہ اگر بڑی سے بڑی بدعت بھی کی جاوے تو موجب ثواب تو یقیناً نہ ہو گی، ہاں اگر زیادہ انحراف ہے تو گناہ بھی ضروری ہے، اور امور مسنونہ اگرچہ چھوٹے چھوٹے اور (نعوذ باللہ) زیادہ وقیع معلوم نہ ہوتے ہوں صرف موجب ثواب ہی نہ ہوں گے بلکہ ایک درجہ اور بھی جس کو وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی اور اللہ جس کے لیے چاہے بڑھاتا ہے۔ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

دفنِ میّت کے بعد سینکڑوں من غلہ تقسیم کرنا، قبر پر اذان دینا، تعزیہ بنانا، رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشہ (سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مبارک نام پر پانی کی مشکیں بہانا، صلوٰۃ رغائب، وغیرہا وغیرہا میں ہمارے متخیّلہ دلائل و

خطرات کتنا ہی حسن ثابت کریں، لیکن جب ان میں قبلۂ اعمال ہی سے انحراف ہے تو سچ یہ ہے کہ ان کے محاسن محاسن نہیں بلکہ قبائح ہیں اور اگر بعد از دفن، قبر میں۔

"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ؀"

ترجمہ: (یعنی اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں تم کو پھر لوٹا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔۔طٰہٰ:۵۵)

پڑھ کر تھوڑی مٹی تین مرتبہ ڈال دیں تو مؤجبِ اجر ہے۔

اس ساری گزارش کی تلخیص یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت اس لیے ہوتی ہے کہ ان کو دیکھ کر، ان کے اعمال و اقوال بلکہ حرکات و سکنات کی بھی اقتدا کی جاوے، جس طرح ان کے فرمان قابل عمل ہوتے ہیں اسی طرح ان کی ہر حرکت و سکون لائق تقلید ہے، قادر مطلق نے انسان کو راہ راست پر رکھنے یا گم گشتوں کو صحیح راستے پر پہنچانے کے لیے مابین السماء والارض کو دلائل توحید اور قدرت مطلقہ کے براہین سے بھر کر "وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ؀ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ" (الذاریت: ۲۰، ۲۱) ترجمہ: یعنی اور زمین میں یقین لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر۔ فرمادیا ہے تو انبیاء کی ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد کے اعمال وافعال کو مرضیات الٰہیہ اور عبادات مرضیہ کے لیے نمونہ بنادیا ہے۔

فرض کیجیے کہ ایک بادشاہ کسی کو ایک تعمیر کا مسلّمہ اور مجوّزہ نقشہ دے کر اُس کے موافق مکان کی تعمیر کا حکم دیتا ہے، کارکنانِ تعمیر اُس مجوّزہ نقشہ میں اپنی رائے سے ترمیم کرتے ہیں، یا اُس نقشے کو بالکل ترک کر کے کسی دوسرے طرز کی عمارت بنا دیتے ہیں اور اپنی اس ترمیم یا تبدیل کے استحسان کے لیے قوی سے قوی دلائل بھی رکھتے ہیں، تب بھی ان تمام دلائل و براہین کا ذخیرہ یہ کہہ کر رد کیا جاسکتا ہے کہ تعمیر مذکورہ شاہی نقشہ کے خلاف ہے، اور اس کے انہدام کا حکم دینے کے لیے یہی ایک نقصان کافی ہے۔

ٹھیک اسی طرح سے بندگان خداوندی کی عبادتیں اگر اُسی نقشے کے مطابق ہیں جو انبیاء کی صورت میں احکم الحاکمین نے ان کو دیا ہے تو وہ اپنے اپنے درجہ پر قابل قبول اور مؤجب ثواب ہیں، لیکن ان میں ترمیم، تغییر یا تبدیلی کی گئی تو فرقِ مراتب کے ساتھ ثواب کی کمی، یا نیکی برباد گناہ کا لزوم بھی صحیح ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اسمیں حرج ہی کیا ہے یا یہ کہ اس میں محاسن زیادہ ہیں، اسلام کی شان و شوکت زیادہ معلوم ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ اس میں سب سے بڑا نقصان یہی

ہے کہ مالک الملک، احکم الحاکمین جلّ مَجْدُہٗ کے دربار سے اعمالِ صالحہ کا جو نمونہ دیا گیا ہے اس کے مطابق نہیں۔

بدعت باعثِ اجر نہیں:

ابن امیر حاج اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سے ہیں، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، بہت سے علماء ان کے حلقہ تلمّذ میں داخل ہیں، اپنی کتاب مدخل میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اکابر علماء نے حدیث میں دیکھا کہ سرور عالم ﷺ نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ تم ہر فرض نماز کے بعد تینتیس مرتبہ اللہ اکبر اور تینتیس مرتبہ الحمد اللہ اور تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور اس سب کے بعد ایک دفعہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“ کہہ لیا کرو (سنن ابی داوٗد ص:۲۱۸، ج:۱) اس حدیث کو دیکھ کر انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ مقدار کم ہے، اس لیے ان کلمات میں سے ہر ایک کو فرض نماز کے بعد سو سو دفعہ پڑھنا شروع کر دیا، اور بہت دنوں تک اس پر عامل رہے۔

ایک روز بعد نمازِ عشاء سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک وسیع میدان میں دنیا کے چھوٹے بڑے سب جمع ہیں۔ یکایک آواز آئی کہ فرائض کے بعد تسبیح و تحمید و تکبیر کرنے والے کہاں ہیں؟ ادھر آئیں اور اپنا اپنا ثواب حاصل کریں۔ یہ سن کر بہت سے لوگ اس طرف دوڑے۔ انہیں کے ساتھ یہ بھی پہنچے، غالباً یہ خیال ہو گا کہ ان لوگوں میں پہلا درجہ میرا ہی ہو گا، کیونکہ میں نے بہت زیادہ مقدار شروع کر دی تھی۔ مگر وہاں جا کر دیکھا تو کس نمی پُرسد۔

نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ نام اس کا ہے دفتر میں
بڑا دیوانہ ہے محسن کہاں آیا ہے محشر میں

تعجب ہوا اور چونکہ اپنے عمل کی زیادتی کی وجہ سے مقبولیت کا یقین تھا، خیال ہوا کہ چونکہ مجھ کو ان سب سے زیادہ انعام ملنے والا ہے، اس لیے آخر میں دیا جاوے گا تاکہ سب دیکھیں، تمام حاضرین کو انعام ان کی موجودگی میں تقسیم کیا گیا، مگر ان کا نام بھی نہ آنا تھا، نہ آیا۔ بالآخر یہ از خود تقسیم کنندہ انعام کے پاس پہنچے اور اس سے شکایت کی کہ بہت زیادہ عبادت کے باوجود مجھ کو محروم کر دیا گیا، اس نے کہا کہ تمہاری شکایت بے جا ہے، اس انعام کے حاصل کرنے والوں کی فہرست میں تمہارا نام نہیں ہے انہوں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ غور کرتے رہے کہ خداوندی علم، نسیان، ذہول، خطا سے قطعاً منزّہ ہے ان عیوب کا علمِ خداوندی سے کوئی تعلق ہی نہیں پھر آخر میں کیوں محروم کر دیا گیا۔

سوچنے کے بعد معلوم ہوا کہ رسالت مآب ﷺ کے ارشاد کے مطابق نہ تھا بلکہ اس میں زیادتی کر دی گئی تھی۔ اسی لیے اس عبادت کا مخصوص ثواب نہ مل سکا۔

ابن امیر حاج کے اس بیان کیے ہوئے واقعے کو دیدۂ عبرت سے دیکھو اور گوش حق نیوش سے سنو، اور اپنے لیے اس کو دستور العمل بناؤ۔

وہی تکبیریں تھیں، اور وہی تحمید اور تسبیحیں جو فخر عالم ﷺ نے تلقین فرمائی تھیں، مگر رویائے صادقہ کے ذریعے سے تنبیہ کر دی گئی کہ چونکہ ارشاد نبوی ﷺ کے خلاف ہے لہٰذا قابل تحسین نہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ بندگانِ خدا اپنے اپنے اعمال و اقوال میں جس قدر منہاج نبوت سے قریب رہیں گے اسی قدر رحمت الٰہیہ کے مورد اور تقربات میں خداوندی کی مہبط ہوں گے، اور جس قدر اس سے بُعد ہوتا جاوے گا اسی قدر خُسران اور حرِمان سے قُرب ہوتا جاوے گا۔

نماز کے بعد مصافحہ کرنا:

اکثر لوگ نماز پڑھنے کے بعد بڑے احترام سے دوسروں کو سلام کرتے ہیں۔ سلام کا نماز سے کوئی تعلق نہیں، سلام کا تعلق ملاقات سے ہے، ابتداء ملاقات میں سلام کرنا چاہیے، جن لوگوں سے نماز سے پہلے ہی ملاقات ہوئی، ساتھ ساتھ نماز ادا کی، یا اسی جگہ وہ لوگ موجود ہیں تو نماز کے بعد خاص طور پر انہیں دوبارہ سلام کرنے کے کوئی معنی نہیں، رسول اللہ ﷺ یا صحابۂ کرامؓ سے اس موقع پر سلام کرنا ثابت نہیں۔

شریعت نے باہر سے آنے والے کے لیے سلام اور مصافحہ مسنون ٹھہرایا ہے۔ مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرنے لگیں۔ سلف صالحین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا۔ بعد میں نہ جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر، عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا جس پر علمائے اہل سنت کو اس کے "بدعت" ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ میں لکھتے ہیں:

"آنکہ بعضے مردم مصافحہ مے کنند بعد از نماز یا بعد از جمعہ چیزے نیست، بدعت است از جہت تخصیص وقت"

یہ جو لوگ عام نمازوں کے بعد یا نماز جمعہ کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی سنت نہیں، بدعت ہے (اشعۃ اللمعات

ص:۲۲، ج:۴)

علّامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"وَھٰذاَ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنا بِاَنّھاَ مَکْرُوْھَةٌ، وَحِیْنَئِذٍ اِنَّھَا مِنَ الْبِدَعِ الْمَذْمُوْمَةِ" (حاشیہ مشکوٰۃ ص:۴۰۱)

ترجمہ: اسی بناء پر ہمارے بعض علماء نے صراحت کی کہ یہ مکروہ ہے۔ اس صورت میں یہ مذموم بدعتوں میں سے ہے۔

علّامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا وَغَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِيْبَ الصَّلٰوتِ، مَعَ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ فِيْ خُصُوْصِ هٰذَا الْمَوْضَعِ (ردّ المختار ص:۲۳۵، ج:۲)"

ترجمہ: اور ہمارے بعض علماء (احناف) اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ نمازوں کے بعد جو مصافحہ کرنے کی عادت ہوگئی ہے یہ مکروہ ہے۔ باوجودیکہ اصل مصافحہ سنت ہے اس کے مکروہ بدعت ہونے کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ اس خاص موقع پر مصافحہ سلف صالحین سے منقول نہیں۔

نمازوں کے بعد اجتماعی بلند آواز سے ذکر کرنا:

نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے۔ اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں "محیط" سے نقل کیا ہے:

"قِرَاءَةُ الْكَافِرُوْنَ اِلیٰ الآخِرِ مَعَ الْجَمْعِ مَكْرُوْهَة لِاَنَّهَا بِدْعَةٌ لَمْ تُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ وَلَا عَنِ التَّابِعِيْنَ" (ص:۲۱۷)

ترجمہ: سورۃ الکافرون سے آخرت تک مجمع کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت ہے۔ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنھم سے منقول نہیں۔ (ص:۲۱۷)

فتاویٰ بزازیہ میں فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حَرَامٌ وَقَدْ صَحَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ قَوْمًا اِجْتَمَعُوْا فِيْ مَسْجِدٍ يُهَلِّلُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْه، عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ جهرًا۔ فَرَاحَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا عَهِدْنَا ذٰلِكَ عَلٰى عَهْدِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلَا اَرَاكُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِيْنَ، فَمَا زَالَ يَذْكُرُ ذٰلِكَ حَتّٰى اَخْرَجَهُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ۔“ (بزازیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص:۳۷۸، ج:۶)

بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے، حضرت ابنِ مسعودؓ سے بسند صحیح منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے کلمہ طیّبہ اور درود شریف کا ورد کر رہے ہیں۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ہم نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ چیز نہیں دیکھی۔ میرا خیال ہے کہ تم بدعت کر رہے ہو۔ آپ بار بار یہی بات کہتے رہے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال دیا۔(بزازیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص:۳۷۸، ج:۶)

اس سے معلوم ہوا ہو گا آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیّبہ پڑھنے اور گا گا کر درود و سلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا یہ بدعت ہے۔ اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے۔

یہ عمل ائمہ اربعہ میں سے کسی کے ہاں بھی پسندیدہ نہیں چاروں مذاہب کے لوگ اس کے عدمِ استحباب پر متفق ہیں۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) نقل کرتے ہیں:

المذاهب الاربعه علىٰ عدم استحبابه۔(البدایہ ج:۱۰، ص:۲۷۰)

امام نووی بھی لکھتے ہیں:

ان اصحاب المذاهب المتبوعة و غير هم متفقون علىٰ عدم رفع الصوت بالذكر و التكبير۔(شرح صحیح مسلم ج:۱، ص:۲۱۷)

ترجمہ: بے شک وہ تمام مذاہب جن کی اس امّت میں پیروی جاری ہوئی اور ان کے علاوہ اور بھی سب اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیے۔

اور امام ابو حنیفہ تو کھل کر کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر (مسجد میں) بلند آواز سے کرنا بدعت ہے اور قرآن کے خلاف ہے۔

حنیفوں کے جلیل القدر عالم علّامہ حلبی لکھتے ہیں:

ولا بی حنیفة ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للا مرفی قوله تعالیٰ ادعو اربّکم تضرّعاً و خفیةً

ترجمہ: امام ابو حنیفہ کا مسئلہ یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز اُونچی کرنا بدعت ہے اور قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے کہ اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے یاد کرو۔

جو لوگ جماعت میں بعد میں شامل ہوئے اور انہیں مسبوق کی حیثیت سے اپنی نماز پُوری کرنی ہے ان کے لیے بریلویوں کا یہ عمل کس قدر تشویشناک ہوتا ہے اس کا احساس انہیں لوگوں کو ہو سکتا ہے جن کو یہ شور بار بار نماز بھلا دیتا ہے لیکن یہ بدعتی ہیں کہ لوگوں کو مسجدوں میں پُرامن طور پر نماز پڑھنے ہی نہیں دیتے۔

اگر کوئی شخص کسی سبب سے دیر سے مسجد میں پہنچا اور اب وہ اپنی باقی نماز بطور مسبوق مکمل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیا اس کا حق نہیں کہ وہ اپنی نماز مسجد میں مکمل کر سکے۔ بریلویوں کا اس پر یُوں جھوسنا کہ تُو دیر سے کیوں آیا ہے، اس پُورے نظام کو بدلنا ہے جس کے لیے مسجدیں بنائی گئی ہیں اب آیئے شافعیہ کے طریق پر بھی اس حدیث پر غور کریں۔ حافظ ابن حجر الشافعی لکھتے ہیں:

حمل الشافعی هذا الحدیث علی انهم جهروا به وقتاً یسیرًا لاجل تعلیم صفة الذکر لا انهم داوموا علیٰ الجهر به والمختار ان الامام والماموم یخفیان الذکر الا ان احتیج الی التعلیم۔

ترجمہ: امام شافعی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ ان کا یہ جہر تعلیم ذکر کے لیے تھوڑا سا عرصہ رہا یہ نہیں کہ وہ جہر پر دائماً عمل پیرا رہے۔ فیصلہ یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں۔ تعلیم کے لیے جہر کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

محدث جلیل ملا علی قاری نے امام شافعی کے اس فیصلے کی اصل قرآن کریم سے دریافت کر لی اور امام بیہقی سے جو شافعیہ میں بڑا مقام رکھتے ہیں اس حدیث کا معارضہ صحیحین کی ہی ایک دوسری حدیث سے کیا ہے:

وحمل الشافعی جهره هذا علیٰ انه کان لاجل تعلم الماٴمومین لقوله تعالیٰ ولا تجهر بصلوٰتك ولا تخافت بها ....الاٰیة۔ نزلت فی الدعاء کما فی الصحیحین واستدلال البیهقی وغیره

لطلب الاسرار بخبر الصحیحین (فتح الباری ج:۲، ص:۲۶۹)

انه علیه الاسلام امرهم بترك ما كانو علیه من رفع الصوت بالتهلیل و التكبیر وقال انكم لا تدعون اصم ولا غائباً انه معكم انّه سمیع قریب۔(عینی علی البخاری ج۶ ص۱۲۶))

ترجمہ: اور امام شافعی نے اس جہر کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ مقتدیوں کی تعلیم کے لیے تھا۔ یہ قرآن کریم کے اس حکم کی رو سے ہے کہ آپ اپنی نماز نہ جہر سے پڑھیں نہ بالکل آہستگی سے بلکہ اس کے درمیان چلیں۔ یہ آیت جیسا کہ صحیحین میں ہے دعا کے بارے میں اُتری تھی۔ امام بیہقی اور دوسرے ائمہ نے ذکر کے آہستہ ہونے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے انہیں بلند آواز سے کلمہ پڑھنے اور اللہ اکبر کہنے سے روکا اور فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے جس کو تم پکارتے ہو وہ سمیع قریب ہے۔

حنفیوں اور شافعیوں کا مؤقف تو کھل کر آپ کے سامنے آچکا اور اس پر کتاب وسنّت کی شہادت بھی ہو چکی۔ اب حضرت امام مالک کا فیصلہ بھی سُن لیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے:

قال ابن بطال و فی العتیبة عن مالك ان ذلك مُحْدَث۔(فتح الباری ج۲ ص ۲۶۹)

ترجمہ امام مالک سے مروی ہے آپ نے فرمایا نمازوں کے بعد یہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں چاروں مذاہب میں یہی ہے کہ یہ ذکر بالجہر جائز نہیں۔ صرف ابن حزم ظاہری نے اس سے اختلاف کیا ہے اور وہ صرف حدیث ابن عباسؓ کے ظاہر پر نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کی اجازت دیتے ہیں تاہم واجب اسے وہ بھی نہیں ٹھہراتے جیسا کہ بریلویوں نے اسے آج اپنے ہاں واجب کیا ہوا ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں:

اصحاب المذاهب المتبوعة وغیرهم متفقون علیٰ عدم استحباب رفع الصوت والتكبیر والذكر حاشا ابن حزم۔

ترجمہ: جن مذاہب کی پیروی مسلمانوں میں جاری ہوئی اس پر وہ سب متفق ہیں کہ اللہ اکبر کہنے اور بلند آواز سے ذکر کرنا ہرگز مستحب نہیں ابن حزم اس سے مختلف رہے۔

پس بریلوی اپنے اس عمل کے اصرار سے حنفی کہلانے کے کسی طرح مستحق نہیں وہ ظاہری اور غیر مقلد ہو چکے۔

علی پوسیداں کے پیر اختر حسین جماعتی کے یہ الفاظ بھی یہاں یاد رکھیں۔

”دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اگر کوئی حنفی المذہب انکار کرے تو یہ اس کی دیدہ دلیری ہے اور پھر وہی رَٹ لگائے اور اسی پر عمل کرے تو وہ حنفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اہلحدیث یا وہابی کہلانے کا مستحق ہے۔“

رفع صوت بالذکر پر حافظ ابو بکر الرازی کی رائے:

حافظ ابو بکر جصاص رازی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يرفع الرجل صوته بالقرآن قبل العشاء و بعدها يغلط اصحابه في الصلوٰة۔ (احكام القرآن ج:۵، ص:۳۸)

ترجمہ: حضور ﷺ نے اس سے روکا کہ کوئی شخص عشاء سے پہلے یا بعد قرآن پڑھتے اپنی آواز بلند کرے اور دوسرے مسلمانوں کو نماز میں مغالطہ دے۔

جب کسی مسلمان کو سونے پر بھی ذکر بالجہر سے پریشان نہیں کیا جا سکتا تو جو مسبوق ابھی نماز مکمل کر رہے ہیں انہیں نماز میں کیسے کسی مغالطے میں ڈالا جا سکتا ہے۔ یہ حکم صرف قرأتِ قرآن کے لیے نہیں عام ہے اور تمام اذکار کو شامل ہے۔

(واذكر ربك في نفسك) هو عام في الذكار من قرأة القرآن والدعاء والتسبيح والتهليل و غير ذلك۔ (مدارك ج:۱، ص: ۵۷۲)

ترجمہ: (اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں) یہ حکم عام ہے تمام اذکار میں قرأت قرآن ہو یا دعا۔ تسبیح ہو یا لا الٰہ الا اللہ یا اس کے علاوہ کوئی اور ذکر۔

حافظ بدر الدین العینی البدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

قال مشائخنا التكبير جهراً في غير ايّام التشريق والاضحىٰ لا يسن الا بازاء العدو واللصوص و كذا في الحريق والمخاوف كلها۔

ترجمہ: ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ایام تشریق اور عید الاضحیٰ کے سوا کہیں جہراً تکبیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں۔ ہاں کہیں آگ لگ جائے یا کوئی خطرناک مواقع پیدا ہو جائیں تو بلند آواز سے اللہ اکبر کی آوازیں دی

جا سکتی ہیں۔

ان مختلف توجیہات کو اگر حدیث میں جگہ نہ دی جائے تو پھر کھلے لفظوں میں اس حدیث کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔ یہ حدیث اگر باقی رکھی جا سکتی ہے تو اسی صورت میں کہ چاروں فقہی مذاہب سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہ رہے۔

علماء نے ذکر بالجہر کی حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے:

امداد الاحکام میں ہے:

صحیحین میں دوسری حدیث ابن عباسؓ کی اس حدیث کے لیے ناسخ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند کرتے تھے اور حضور ﷺ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔ پس صورتِ موجودہ پر حدیث ابن عباسؓ سے استدلال ہرگز صحیح نہیں۔ (امداد الاحکام ج:۱، ص:۲۱۹)

ذکر بالجہر کے عدم جواز پر چار سوالات:

۱۔ جب ذکر بالجہر مطلقاً منع ہے تو جہاد کے موقع پر دشمنوں کے مقابل اللہ اکبر کے نعرے لگانا کیوں جائز ہے؟

۲۔ ایامِ تشریق میں مسجدوں میں تکبیراتِ تشریق کیوں جہر سے کہی جاتی ہیں؟

۳۔ حج اور عمرہ کے احرام پر تلبیہ (لبیک پکارنا) با آوازِ بلند کیوں کہا جاتا ہے؟

۴۔ تراویح میں چار رکعت کے بعد تسبیح بذکر بالجہر کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: ۱۔ ذکر بالجہر مطلقاً منع نہیں کہ کہیں جائز نہ ہو۔ جہاد میں دشمن کے مقابلہ میں تکبیر بلند آواز سے کہنا شرع میں ثابت ہے۔ اس لیے جہاد میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے ذکر بالجہر جائز ہوگا۔ نمازوں کے بعد بلا تعلیم اور بلا تشریق اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی تیاری کریں اپنی دھاک بٹھا دیں اور اس سے مرعوب کر دیں اور یہ بھی حکم ہوا کہ مقابلے کے وقت کثرت سے ذکر کریں۔

۱۔ ”وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ“ (الانفال: ۶۰)

اور تم ان کے مقابل تیار کرو جو قوت تم تیار کر سکتے ہو اور جتنے گھوڑے باندھ سکتے ہو ان کے دلوں میں دھاک بٹھا دو جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔

۲۔ "اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا "(الانفال: ۴۵)

جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہے اور اللہ کو یاد کرو بہت۔

لڑائی ایک چال ہے۔ الحرب خدعۃ۔ اگر جنگ میں بلند آواز سے نعرے لگیں اور اللہ کا ذکر پورے رعب سے ہو تو دشمنوں کے دل دہل جائیں گے۔ اس سے یہ جائز نہیں کیا جا سکتا کہ نمازوں کے بعد بھی بلند آواز سے ذکر کریں۔ پہلے زمانہ میں لشکر والے صبح اور عشاء کے بعد زور سے تین بار اللہ اکبر کہتے تھے۔ امام مالک نے اسے بھی بہ ہئیت کذائی جائز قرار نہیں۔

حافظ جصاص رازی کہتے ہیں ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ امام تشریق اور عید الاضحیٰ کے سوا کہیں جہراً تکبیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور آگ لگنے اور دوسرے خطرناک مواقع کے۔

۲۔ تکبیراتِ تشریق کے لیے کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں یہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہیں اور خلافِ قیاس پر کسی دوسری صورت کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد نے عید الفطر کے رستے کی تکبیرات کو عید الاضحیٰ کی تکبیرات پر قیاس کیا ہے اور عید الاضحیٰ پر یہ جہر (بالتکبیرات) نص سے ثابت ہے۔ امام ابو حنیفہ یہاں بھی جہر کے قائل نہیں۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

لان الجهر بالتكبير بدعة ولا خلاف في الاقل فيجهر به فيما ثبت يقيناً و الاكثر مختلف فيه فلا يتيقن بجوازه و كون الجهر بالتكبير بدعة متيقن و الاخذ بالمتيقن اولیٰ وقال الله تعالیٰ واذكر ربك في نفسك تضرعًا وخيفة ودون الجهر ورای النبی اقوامًا يرفعون اصواتهم عند الدعاء فقال انكم لن تدعوا اصم ولا غائباً

ترجمہ: اونچی آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے، بہت مختصر کہنے میں اختلاف نہیں جہاں یقینی طور پر ثبوت

ہے وہاں جہر کیا جا سکتا ہے زیادہ کہنے میں اختلاف ہے، اس کے جواز کا یقین نہ کیا جائے تکبیر کا بلند آواز سے کہنا یقینی طور پر بدعت ہے اور متیقن چیز کو اختیار کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے کہا ہے تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجز ہو کر اور آہستہ سے نہ کہ بلند آواز سے اور حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کو دُعا اونچی آواز سے کرتے سُنا تو آپ ﷺ نے کہا تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے نہ کسی غائب کو (جو اتنا اُونچا بول رہے ہو۔)

۳۔ حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر انسان تلبیہ پکار کر محرم ہوتا ہے اور اس کے لیے حدیث میں نص موجود ہے سو اسے اس عام حکم پر ذکر آہستہ آواز سے ہی ہونا چاہیے۔ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تلبیہ میں دوسرے کو اس کے محرم ہونے کی خبر ملتی ہے اور یہ بدون جہر نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔

سمعت رسول الله ﷺ يهل ملبدًا يقول لبيك اللّٰهم لبيك۔(صحيح مسلم ج:۱، ص:۳۷۶)

ترجمہ: میں نے رسول اکرم ﷺ کو اونچی آواز سے تلبیہ کہتے سُنا آپ کہہ رہے تھے لبيك اللّٰهم لبيك۔

اس پر امام نووی لکھتے ہیں:۔

قال العلماء الاهلال رفع الصوت بالتلبية عند الدخول فى الاحرام واصل الاهلال فى اللغة رفع الصوت اى صاح و منه قوله تعالىٰ وما اهل به لغير الله اى رفع الصوت عن ذبحه بغير ذكر الله و سمىٰ الاهلال هلا لًا لرفعهم الصوت عند رؤيته۔ (شرح صحيح مسلم)

ترجمہ: علماء کہتے ہیں اہلال احرام میں داخل ہوتے وقت اُونچی آواز سے تلبیہ کہنے کا نام ہے۔، لغت میں اونچی آواز نکالنے کو کہتے ہیں یُوں بھی کہتے ہیں اس نے چیخ لگائی اس سے یہ ارشادِ باری ہے "" یعنی اس پر ذبح کے لیے اونچی آواز سے اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا اور ہلال (پہلے چاند) کو بھی ہلال کہتے

ہیں کہ اسے دیکھتے ہی لوگ اونچی آواز سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔

۴۔ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بلند آواز سے تسبیحات کا ثبوت نہیں ملتا یہاں آواز جہر سے کچھ نیچے ہونی چاہیے۔

تسبیح مذکور باخفاء پڑھنا بہتر ہے جہر کرنا خصوصاً جہر مفرط کرنا نہ چاہیے۔ امام بھی اخفاء پڑھے اور مقتدی بھی باخفاء پڑھیں۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۴ ص ۲۲۳) (مطالعہ بریلویت ج ۶ ص ۱۸۰)

نفلی نماز باجماعت پڑھنا:

جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے۔ مثلاً فرض نماز تو اجتماعی طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اور شریعت کو ان کا اجتماعی طور پر پڑھنے کو ہمارے فقہاء نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے۔

علّامہ شامی لکھتے ہیں:

وَلِذَا مَنَعُوْا عَنِ الْاِجْتِمَاعِ بِصَلٰوۃِ الرغائب الَّتِیْ اَحْدَثَھَا بَعْضُ الْمُتَعَبِّدِیْنَ لِاَنَّھَا لَم تُؤْثَرُ عَلٰی ھٰذِہِ الْکَیْفِیَّۃِ فِیْ تِلْکَ اللَّیَالِیْ الْمَخْصُوْصَۃِ وَاِنْ کَانَتِ الصَّلٰوۃُ خَیْرَ مَوْضُوْعٍ۔ (ردالمختار ج:۲، ص:۲۳۵)

ترجمہ: اسی بنا پر فقہائے امّت نے نماز "رغائب" کے لیے جمع ہونے سے منع کیا ہے، جو کہ بعض متعبدین نے ایجاد کی ہے۔ کیونکہ ان مخصوص راتوں میں اس کیفیت سے نماز پڑھنا منقول نہیں۔ اگرچہ نماز بذات خود خیر ہی خیر ہے۔ (ردالمختار ص:۲۳۵، ج:۲)

اسی سے شب برات، شب معراج اور شب قدر میں نمازوں کے لیے جمع ہونے اور ان کو اجتماعی شکل میں ادا کرنے کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

سنن اور نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرنا:

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعا اجتماعی طور پر کی جائے مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہو اس کے بعد دعا بھی انفرادی طور پر ہونی چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ و تابعین سے یہ منقول نہیں ہے کہ وہ سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہوں۔ اس لیے ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لوگ سنتیں نفل

پڑھنے کے بعد امام کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد امام دعا کرتا ہے اور لوگ ــــ اس پر آمین آمین کہتے ہیں یہ صحیح نہیں ــ اگر اتفاقاً کسی بزرگ کی دعا میں شریک ہونے کے لیے ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر اس کی عادت بنالینا بدعت ہے۔

نکاح میں کلمہ پڑھانے کی رسم:

نکاح مسلمان گواہوں کے سامنے عورت اور مرد کے ایجاب و قبول کا نام ہے۔ نکاح میں خطبہ پڑھنا سنّت ہے۔ بریلویوں نے نکاح میں ایک تیسرے جزو کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ کلمے پڑھانا ہے۔ صحابہؓ و تابعین کے دَور میں یہ نہ تھا۔ بریلویوں نے اسے خواہ مخواہ سنّت ٹھہرا رکھا ہے ان کے بڑے مولوی اسے صرف مباح کہتے ہیں کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے اس مباح کو جو نکاح کے وقت کے ساتھ جوڑا ہے اور لوگوں نے اسے ایک نیکی اور کارِ خیر سمجھا تو اب یہ کیسے مباح رہا۔ آپ نے اسے ایک ایسی ہیئت دی جو کہ کتاب و سنّت میں کہیں نہیں پائی گئی۔ اب اس ہیئت کے ساتھ یہ عمل مطلق مباح نہ رہا۔ یہ وقت اور ہیئت کی تخصیص اسے دین کی صورت میں لے آئی اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ دین کا نہیں ہے اور نہ کتاب و سنّت میں اس کی کوئی شہادت موجود ہے سو اسے بدعت تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔

قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا:

اس زمانے کی بدعات میں ایک بدعت جماعت کے لیے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی لازمی پابندی ہے۔ اہل بدعت کی مسجدوں میں امام کے مصلٰی پر آنے کے بعد تکبیر کے شروع میں اگر لوگ صف میں کھڑے ہونے لگیں تو انہیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

نمازی جماعت کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟ اس کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ اس کے خلاف کرنا مکروہ ہو۔ ہاں آخری حد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا ہے اس سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کی مسجد میں درس دیتے تھے اور وہیں نماز پڑھتے تھے۔ ان کا زمانہ خلافت راشدہ سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان کے دَور میں مسجد نبوی میں کیا عمل تھا اسے آپ کی زبان سے سنیئے۔ آپ لکھتے ہیں:

امّا قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ فانی لم اسمع فی قیام الناس بحد محدود الا انی اریٰ ذٰلك علیٰ طاقۃ الناس۔ (موطا امام مالک ص:۲۶)

ترجمہ: نماز کھڑی ہو تو لوگ کب کھڑے ہوں؟ میں نے اس میں کوئی حدِ معین کی روایت نہیں سُنی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔

یعنی جو جلدی کھڑا ہو سکے وہ جلدی کھڑا ہو جائے، جو کمزور ہو وہ ذرا دیر سے کھڑا ہو لے۔ مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر کہنے لگے — مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے بعد بھی بیٹھا رہنا اور قد قامت الصلوٰۃ کا انتظار کرنا اس سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا اس بدعت نے ان دنوں بعض مسجدوں میں عجیب حال پیدا کر رکھا ہے۔

حضرت امام مالک خود تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوتے تھے۔ حافظ ابن اندلسی (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں:

روی عن مالك انه یقوم فی اوّل الاقامة۔

ترجمہ: امام مالک سے مروی ہے کہ آپ شروع اقامت میں کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت علّامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

قد اختلف الناس متیٰ یقوم الناس الی الصلوٰۃ فذهب مالك و جمهور العلماء الیٰ انه لیس لقیامهم حد ولکن استحب عامتهم القیام اذا اخذ المؤذن فی اقامة۔

ترجمہ: سلف میں اس میں اختلاف رہا ہے کہ لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں۔ امام مالکؒ اور جمہور علماء کی رائے ہے کہ مقتدیوں کے کھڑا ہونے کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ مؤذن جب اقامت شروع کرے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔

مسجد نبویؐ کے علمی وارث کی یہ شہادت آپ کے سامنے ہے اور جو اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ بھی مستحب سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ بریلوی ہیں جو قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کو واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور جو پہلے کھڑا ہو جائے اس پر سخت نکیر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا عمل:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان عمر ابن الخطاب کان یأمر رجالًا بتسویة الصفوف فاذا جاء وہ

فاخبروه يتسويتها كبّر بعد۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو امر فرماتے کہ صفیں سیدھی کرائیں۔ جب وہ لوگ آکر آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو پھر تکبیر کہتے۔

حضرت عثمانؓ کا عمل:

آپؓ جب نماز کھڑی ہوتی تو کہتے:

فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناكب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوٰة۔

ترجمہ: صفیں سیدھی کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ کیونکہ صفیں سیدھی کرنا بھی نماز کا عمل ہے۔

پھر لوگ آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں پھر آپ تکبیر کہتے۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ مؤذن نے تکبیر کب کہی؟ اگر یہ تسویہ صفوف کی ساری محنت (لوگوں کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجنا اور ان کا آپ کو آکر اطلاع دینا کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں) اس کے بعد کی گئی ہے تو تکبیر مؤذن اور امام کے نماز شروع کرنے کے مابین ایک لمبا وقفہ قائم ہوتا ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا اور امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن تکبیر کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے —— وقفہ کہاں گیا؟ امام محمد لکھتے ہیں:

فاذا اقام المؤذن الصلوٰة كبر الامام وهو قول ابي حنيفة۔(موطا امام محمد: ص:۸۷)

ترجمہ: سو جب مؤذن اقامت کہہ دے امام نماز شروع کر دے۔ امام ابو حنیفہ کا قول یہی ہے۔

حضرت امام محمد لکھتے ہیں:

ينبغي للقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح ان يقوموا الى الصلوٰة فيصفوا ويسوّوا الصفوف ويحاذوا بين المناكب۔((موطا امام محمد: ص:۸۷))

ترجمہ لوگوں کو چاہیے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا کریں صفیں باندھ لیا کریں اور انہیں سیدھی بھی کر لیں اور کندھے سے کندھا ملائیں۔ یہاں اُٹھ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی بیٹھے نہ رہیں اور امام نے تو تکبیر ختم ہوتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دینی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہوں گے تو صفیں سیدھی کرنے اور کندھے سے کندھا ملانے کا وقت نہیں ملے گا تو نمازیوں کو اب کھڑا ہونے میں دیر نہ کرنی چاہیے۔

فقہاء کرام نے اس عبارت پر کہ مؤذن جب حی علی الفلاح تک پہنچے تو مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہیے کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ ہو کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہے۔ حضرت علّامہ طحطاوی در مختار کی شرح میں لکھتے ہیں:

والظاهر انه احتراز عن التاخير لا من التقديم حتى لو قام اوّل الاقامة لا بأس و جاز۔
(طحطاوی علی الدر لمختار ج:۱، ص:۲۱۵)

ترجمہ: اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہاں تاخیر سے بچنے کا کہا ہے (کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھا نہ رہے) تقدیم سے بچنے کا نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہو۔

حتیٰ کہ اگر کوئی اقامت کے شروع میں ہی کھڑا ہو گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے کھڑا ہونا جائز ہے (ہاں تاخیر درست نہیں) بریلویوں کو **ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ** سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ (مقتدی) اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔ حالانکہ اس عبارت کا مطلب وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں — شرح رقایہ کی عبارت کا بھی مطلب یہی ہے اور اگر اس کے ظاہر پر بھی عمل ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک عمل مندوب ہو گا اور ظاہر ہے کہ امر مندوب پر اصرار نہیں ہوتا اور جب اس پر اصرار ہونے لگے تو اسے چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیب (۹۳ھ) کا فیصلہ بھی سن لیں:

عن سعيد بن المسيب قال اذا قال المؤذن الله اكبر وجب القيام و اذا قال حی علی الصلوٰۃ عدلت الصفوف و اذا قال لا اله الا الله كبّر الامام۔

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیّبؒ سے مروی ہے کہ مؤذن جب تکبیر شروع کرے تو مقتدی کے لیے کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو صفیں سیدھی کر لی جائیں اور جب مؤذن لا الٰہ الا اللہ کہے تو امام نماز شروع کر دے۔

حضرت علّامہ عینی اسے تابعی جلیل حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (۱۰۰ھ) سے بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں۔(عینی علی البخاری ج:۵، ص:۱۵۳)

یہ ان اکابر کا فیصلہ ہے اسے یکسر غلط قرار دینا اور قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز کہنا یہ بدعت

ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسے مستحب بھی مانا جائے تو ترکِ مستحب سے اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔ جب یہ مکروہ نہیں تو اس پر بریلویوں کی یہ نکیر کیوں ہے۔ علّامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:۔

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ۔ (ردالمحتار علّامہ شامی ج:۱، ص:۱۱۵)

ترجمہ: مستحب کے ترک سے کسی کام کا مکروہ ہونا لازم نہیں آجاتا۔

امرِ مندوب پر اصرار جائز نہیں۔ اگر اس پر ایسا اصرار ہو جو اس کے واجب ہونے کا شبہ پیدا کرے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ شریعت نے مقتدی کے کھڑا ہونے کو امام کے دیکھنے سے وابستہ کیا ہے۔ مؤذن کی تکبیر سے نہیں اور اس کے لیے حضور ﷺ کا یہ فرمان کافی ووافی ہے:۔

لا تقوموا حتٰی ترونی وعلیکم بالسکینۃ۔ (صحیح بخاری ج:۱، ص:۱۶۴)

ترجمہ: تم جماعت کے لیے اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو اور کھڑے ہونے میں (ہجوم نہ کرو) سکون واطمینان سے کھڑے ہوا کرو۔

سو اب نماز کے لیے کھڑا ہونے کو تکبیر مؤذن کے ماتحت قرار دینا اور اس پر اتنا اصرار کرنا کہ اگر کوئی پہلے کھڑا ہو جائے اس پر نکیر عام کرنا اور اصرار کرنا یہ ہرگز امورِ شرع میں سے نہیں۔

مکّہ و مدینہ کے ائمہ کے پیچھے نمازیں نہ پڑھنا:

مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ وہ جگہیں ہیں جہاں ایک نماز لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبویؐ کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں دو دین (اسلام اور کفر) رہ سکتے ہیں مگر سرزمین حجاز میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ وہاں ایک ہی دین (اسلام) رہے گا۔ حضرت امام محمد ۱۸۹ھ) لکھتے ہیں۔

قیامت کے قریب دجال بھی وہاں داخل ہونا چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ مدینہ کی سرحدوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے۔

مگر افسوس بریلوی احترامِ حرمین کے قائل نہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کفر پھر مکہ اور مدینہ میں داخل ہو چکا ہے۔ حج پر جا کر وہاں کے اماموں کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کافر ہیں۔

گیارہویں کی رسم:

ہر قمری مہینے کی گیارہویں رات کو حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی شیخ المشائخ شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ "گیارہویں شریف" کے نام سے مشہور ہے۔اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اوّل: گیارہویں شریف کا رواج کب سے شروع ہوا؟ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا شاہ عبد القادر جیلانیؒ (نُور اللہ مرقدہ) جن کے نام کی گیارہویں دی جاتی ہے، ان کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہوئی اور نوے سال کی عمر میں ان کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ گیارہویں کا رواج ان کے وصال کے بعد ہی کسی وقت شروع ہوا ہو گا۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ ، صحابہؓ و تابعین، ائمہ دین خصوصاً امام ابو حنیفہ اور خود حضرات پیران پیر اپنی گیارہویں نہیں دیتے ہوں گے؟

اب آپ کے وصال بعد گیارہویں کی یہ رسم کب جاری ہوئی اس کی تاریخی تحقیق نہائیت ضروری ہے دسویں صدی کے مجدّد حضرت ملّا علی قاری (۱۰۱۴ھ) گیارہویں صدی کے مجدّد حضرت امام ربانی مدد الف ثانی (۱۰۳۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی(۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا—اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی کے نصف اوّل تک اہل السنّۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی۔

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبد القادر جیلانی کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائشیا اور انڈونیشیا تک کہیں ہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پر کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنوں ہوں گے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں کیا اسے اسلام کا جُز تصوّر کرنا اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دے ڈالنا صحیح ہو گا؟ اور آپ اس بات پر بھی غور فرما سکتے ہیں کہ جو لوگ گیارہویں نہیں دیتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ ، صحابہؓ، و تابعین امام ابو حنیفہؒ اور خود حضرت غوث پاک کے نقش قدم پر چل رہے ہیں یا وہ لوگ جو ان اکابر کے عمل کے خلاف کر رہے ہیں؟

دوم: اگر گیارہویں دینے سے حضرت غوث اعظم کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو بلا شبہ یہ مقصد بہت ہی مبارک ہے، لیکن جس طرح یہ ایصال ثواب کیا جاتا ہے اس میں چند خرابیاں ہیں۔

ایک یہ کہ ثواب تو جب بھی پہنچایا جائے، پہنچ جاتا ہے۔ شریعت نے اس کے لیے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں فرمایا، مگر یہ حضرات گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں گویا خدائی شریعت ہے—اور اگر اس کے بجائے کسی اور دن ایصال ثواب کرنے کو کہا جائے تو یہ حضرات اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوں گے۔ ان کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔ الغرض ایصالِ ثواب کے لیے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے۔ جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ اور اسی کو ضروری سمجھ لینا خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مقابلے میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسرے، گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم بھی صدقہ کی جاسکتی تھی۔ اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی۔ اور یہ عمل نمود و نمائش اور ریا سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے یا کھانا پکانے ہی کو ایصالِ ثواب کے لیے ضروری سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصال ثواب ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔

تیسرے، ثواب تو صرف اتنے کھانے کا ملے گا، جو فقراء و مساکین کو کھلا دیا جائے، مگر گیارہویں شریف پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھا پی لیتے ہیں یا اپنے عزیز و اقارب و احباب کو کھلا دیتے ہیں، فقراء مساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا پورے کا ثواب حضرت پیرانِ پیرؒ کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہے، کیونکہ شرعاً ثواب تو اس چیز کا ملتا ہے جو بطور صدقہ کسی کو دے دی جائے۔ صرف کھانا پکانا تو کوئی ثواب نہیں۔

چوتھے، بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ جو کھانا خود کھا لیا گیا وہ صدقہ ہی نہیں۔ اور نہ حضرت پیرانِ پیر کے ایصالِ ثواب سے اس کو کچھ تعلق ہے اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا اس کا ثواب بلا شبہ پہنچے گا لیکن صدقہ کو تو حدیث پاک میں "أَوْسَاخُ النَّاسِ" (لوگوں کا میل کچیل) فرمایا گیا ہے۔ اسی

بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے لیے صدقہ جائز نہیں۔ پس جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "میل کچیل" فرمارہے ہوں اس کو "تبرک" سمجھنا، اور بڑے بڑے مالداروں کا اس کو شوق سے کھانا اور کھلانا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف نہیں؟ اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ ایصالِ ثواب کے لیے اگر غلہ یا کپڑا دیا جائے کیا اس کو بھی کسی نے کبھی "تبرک" سمجھا ہے؟ تو آخر گیارہویں تاریخ کو دیا گیا کھانا کس اصول شرعی سے تبرک بن جاتا ہے؟

پانچویں، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں نہ دینے سے ان کے جان ومال کا (خدانخواستہ) نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے، گویا نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، مگر گیارہویں شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان ومال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجیے کہ ایک ایسی چیز جس کا شرع شریف میں اور امام ابو حنیفہ کی فقہ میں کوئی ثبوت نہ ہو جب اس کا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خداتعالیٰ کے مقررہ کردہ فرائض کے ساتھ ایسا اعتقاد نہ ہو تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (البقرہ: ۱۵۶)

اور پھر اس پر بھی غور فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعین، عظام، ائمہ مجتہدین، اور بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ میں سے کسی کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ اگر ان اکابر کے لیے ایصالِ ثواب نہ کیا جائے تو جان ومال کا نقصان ہو جاتا ہے، میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر حضرت پیران پیر کی گیارہویں نہ دینے ہی سے کیوں جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ہمارے ان بھائیوں نے اگر ذرا بھی غور وفکر سے کام لیا ہوتا تو ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے اس غلو سے حضرت پیران پیر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سوم: ممکن ہے عام لوگ ایصال ثواب کی نیت ہی سے گیارہویں دیتے ہوں، مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں حضرت پیران پیرؒ کے ایصال ثواب کے لیے نہیں دیتے — ایک بزرگ نے اپنے علاقے کے گوالوں کو ایک دفعہ وعظ کہا کہ دیکھو بھئی! گیارہویں شریف تو خیر دیا کرو، مگر نیت یُوں کیا کرو کہ ہم یہ چیز خداتعالیٰ کے نام پر صدقہ کرتے ہیں اور اس کا جو ثواب ہمیں ملے گا وہ حضرت پیرانِ پیرؒ کی روح فتوح کو پہنچانا چاہتے ہیں، اس تلقین کا جواب ان کی طرف سے یہ تھا کہ "مولوی جی! خداتعالیٰ کے نام کی چیز تو ہم نے پرسوں دی تھی، یہ خدا کے نام کی نہیں، بلکہ حضرت پیران پیر

کے نام کی ہے۔"

ان کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گیارہویں، حضرت شیخ کے ایصال ثواب کے لیے نہیں دے رہے۔ بلکہ جس طرح صدقہ و خیرات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح وہ خود گیارہویں شریف کو حضرت کے دربار میں پیش کر کے آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہی راز ہے کہ وہ لوگ گیارہویں نہ دینے کو مال و جان کی برکت اور بے برکتی میں دخیل سمجھتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے بے سمجھی کی وجہ سے بڑے خطرناک عقیدے میں گرفتار ہیں۔

چہارم: جن لوگوں نے حضرت غوث اعظم کی غنیۃ الطالبین اور آپ کے مواعظ شریفہ (فتوح الغیب) وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت شیخ امام احمد بن حنبل کے پیرو تھے۔ گویا آپ کا فقہی مسلک ٹھیک وہی تھا جو آج سعودی حضرات کا ہے۔ جن کو لوگ "نجدی اور وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت شیخ اور ان کے مقتدا حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک جو شخص نماز کا تارک ہو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اگر حضرت غوث اعظم آج دنیا میں ہوتے تو ان لوگوں کو جو نماز روزہ کے تارک ہیں، مگر التزام سے گیارہویں دیتے ہیں، شاید اپنے فقہی مسلک کی بناء پر مسلمان بھی نہ سمجھتے اور یہ حضرات، نجدیوں کی طرح، حضرت شیخ پر "وہابی" ہونے کا فتویٰ دیتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت پیرانِ پیر یا دوسرے اکابر کے لیے ایصالِ ثواب کرنا سعادت مندی ہے مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا وجوہ سے صحیح نہیں بغیر تخصیص وقت کے جو کچھ میسر آئے اس کا صدقہ کر کے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔

صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنا:

متکلمین اسلام نے صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے کو بدعت قرار دیا ہے، اس لئے جو لوگ صحابہ کرامؓ پر تنقید کریں وہ بدعتی شمار ہوں گے، ساتویں صدی ہجری کے مشہور متکلم علّامہ ابو شکور السالمیؒ لکھتے ہیں:

الکلام فی البدعة علی خمسة اوجه

(۱) الکلام فی الله ؛ (۲) والکلام فی کلام الله؛ (۳) والکلام فی قدرة الله؛ (۴) والکلام فی عبید الله؛ (۵) والکلام فی اصحاب رسول الله ﷺ۔ (کتاب التمہید: ص:۱۸۹)

ترجمہ: بدعت پانچ وجوہ سے قائم ہوتی ہے۔ (۱) اللہ کی ذات کے بارے میں بات چلانا؛ (۲) قرآن میں اپنی بات

چلانا؛(۳) اللہ کی قدرت میں کلام کرنا؛(۴) اللہ کے پیغمبروں پر تنقید کرنا؛(۵) اور حضور ﷺ کے صحابہ پر لب کشائی کرنا۔

كان القرآن امام رسول الله وكان رسول الله اما مالا صحابه وكان اصحابه ائمة لمن بعدهم

ترجمہ: قرآن کریم حضور ﷺ کا امام تھا حضور ﷺ اپنے صحابہ کے لیے امام تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے امام ہوں گے۔

بارہ ربیع الاوّل کی محفل میلاد ان وجوہات سے منع ہے:

۱۔ تداعی اور اہتمام پایا جاتا ہے یعنی لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور بلایا جاتا ہے اور تقریب کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے جو کسی مباح یا مستحب کام کے لیے منع ہے۔

۲۔ باوجودیکہ محفل میلاد کا سبب اور داعی موجود تھا خیر القرون میں یہ مجالس منقول نہیں لہٰذا خیر القرون کے عمل کے مخالف ہے۔

۳۔ خواص کے کسی فعل مباح سے اگر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ غالب ہو تو خواص کو بھی اس کے ترک کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

۴۔ عام طور سے دیگر مجالس میلاد سراسر منکر پر مشتمل ہیں۔ ان کے کرنے والے اپنی اور صحیح لوگوں کی مجلس کے فرق پر تو نظر نہیں کرتے البتہ اس سے اپنے لیے تائید حاصل کرتے ہیں۔ تو ان صحیح لوگوں کی محفل دوسرے لوگوں کی گمراہی اور اغوا کا سبب بنی۔

عشرہ محرم میں مجلس شہادت کے عدم جواز کی وجوہات:

۱۔ شیعوں، رافضیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

۲۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے وقت بہت سے صحابہ اور تابعین دنیا میں موجود تھے یعنی وہ خیر القرون کا دَور تھا۔ لیکن اس حادثہ فاجعہ کے باوجود خیر القرون میں ایسی کوئی مجلس نہیں ہوتی تھی۔

۳۔ تداعی اور اہتمام پایا جاتا ہے۔

گیارہویں کی محفل کی ممانعت کی وجوہات:

۱۔ تداعی واہتمام پایا جاتا ہے۔

۲۔ بدعتیوں کا شعار ہے۔ اگر بدعتیوں کی قائم کردہ محفل ہے تب بھی شرکت منع ہے اور اگر اپنی محفل منعقد کریں تو بدعتیوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

عرس کی ممانعت کی وجوہات:

۱۔ تداعی واہتمام ہوتا ہے۔

۲۔ خیر القرون کے عمل کے خلاف ہے۔

۳۔ صحیح لوگوں کے اس عمل سے گمراہ اور بدعتی لوگ اپنے لیے تائید حاصل کریں گے۔

مذکورہ بالا دنوں میں اللہ تعالیٰ کے نام پر کھانا پکا کر تقسیم کرنا اور اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ یا شہدائے کربلا یا بزرگوں کو پہنچانا۔

جب یہ کھانا اللہ تعالیٰ کے نام پر پکایا اور تقسیم کرنے میں محض ایصالِ ثواب مقصود ہے تو وہ کھانا تو حرام نہیں ہے لیکن اس عمل سے بھی پرہیز لازم ہے کیونکہ:

۱۔ شریعت نے کسی دن کی تخصیص نہیں کی لیکن ہم نے شریعت کے برخلاف اپنی طرف سے عملی تخصیص کرلی۔

۲۔ خیر القرون کے عمل کے خلاف ہے۔

۳۔ بدعتیوں اور گمراہوں اور جاہلوں کے غلط عمل کو تائید فراہم ہوتی ہے اور ان کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

عمل میں کفار کے ساتھ مشابہت بدعت ہے:

۱۔ کھانے پر فاتحہ یا ختم پڑھنا، یہ بدعت ہے کیونکہ اس میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے۔

۲۔ ہر سال روز وفات میں ایصال ثواب کرنا اس میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے۔

۳۔ سوئم (یعنی تیجہ یا قل) بھی بدعت ہے اس میں بھی ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے۔

کسی مشروع کام کو غیر مشروع طریقے پر ادا کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود مستحب ہے لیکن غیر مشروع طریقے سے اس کو ادا کرنا بدعت ہے۔ مثلاً جو لوگ اکٹھے ہوں وہ اس بات کا التزام اور اہتمام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے خواہ کسی کو اپنا امیر بنا کر یا کسی کو امیر بنائے بغیر اور خواہ آواز سے (یعنی جہرا) یا بغیر آواز کے یعنی سرا) ہو۔

۱۔ موجودہ دَور میں بہت سی مجالس ذکر اور مجالس درود شریف میں یہ خرابی پائی جاتی ہے۔

۲۔ بدعتی لوگ نماز کے بعد بلند آواز ہو کر ایک ہی ذکر کرتے ہیں۔ اور درود شریف پڑھتے ہیں اس میں عدم جواز کی اور وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ یہ بھی ہے۔

۳۔ شعبان کی پندرہویں شب کو قبرستان جانا مشروع ہے لیکن اس کے لیے لوگ اکٹھے ہو کر جائیں یہ بدعت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خاص اسی غرض سے پہلے لوگ اکٹھے ہوں یا ان کو اکٹھا کیا جائے پھر وہ اکٹھے قبرستان جائیں یہ بدعت ہے۔

۴۔ قرآن پاک کو سننا بھی مشروع اور مسنون عبادت ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور ذکر اور درود شریف کو بھی عملی طور پر یہی حیثیت دینا اور اہتمام کرنا کہ ایک شخص آواز سے درود شریف پڑھے اور باقی مجلس اس کو سنے یہ بھی بدعت ہے۔

تنبیہ:

کسی جائز وجہ سے اگر لوگ جمع ہوں مثلاً فرض نماز کے لیے مسجد میں جمع ہوں یا تعلیم کے لیے طلبہ جمع ہوں یا گھر کے افراد جمع ہوں اور وہ مل کر ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ الگ الگ کمروں میں پڑھیں تاکہ خاص قرآن خوانی کی غرض سے لوگوں کو جمع کرنے والوں کی ظاہری صورت میں بھی تائید نہ ہو۔

مباح یا مستحب کو واجب یا سنت مؤکدہ اعتقاد کرنا یا ان پر عمل کو ضروری سمجھنا بدعت ہے:

۱۔ جن نمازوں میں کسی خاص سورت کا پڑھنا منقول نہیں اور کسی بھی سورت کو پڑھنا مباح ہے یا جن میں کسی خاص سورت کا پڑھنا منقول ہے مثلاً جمعہ میں سورہ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ پڑھنا مستحب ہے تو ان میں کسی خاص سورت کے

پڑھنے کو لازم سمجھنا یا ہمیشہ اسی سورت کو پڑھنا کہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کو کہیں واجب ہی اعتقاد نہ کرنے لگیں تو یہ بدعت ہے۔

۲۔ عیدین کے دن معانقہ کو واجب اور ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ اگر کوئی عید کے دن معانقہ کو شرعی طور سے واجب نہ سمجھے لیکن ایک معاشرتی رسم کے طور پر کرے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ ہمارے ہر ہر عمل کی کوئی نہ کوئی شرعی حیثیت ہوتی ہے اور شریعت میں معانقہ کا موقع کچھ عرصہ بعد ملاقات کے وقت ہے لہٰذا عید کے دن جو معانقہ رسم کے طور پر ہوتا ہے وہ شریعت کی رُو سے بے موقع ہے لہٰذا جائز نہیں۔

توسل اور دعا:

اس کی تین صورتیں ہیں:

وسیلہ کی پہلی صورت:۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اس طرح سے دعا مانگنا کہ اے اللہ اپنے نیک اور مقبول بندوں کے طفیل میری یہ دعا قبول فرما بحق فلاں میری دعا قبول فرما۔

یہ صورت جائز ہے اور اس میں دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

مسئلہ: یہ عقیدہ رکھنا کہ جو دعا وسیلہ کے بغیر کی جائے وہ قبول نہیں ہوتی باطل ہے۔

مسئلہ: یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء اور اولیاء کے وسیلے سے جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ پر اس کا ماننا اور قبول کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ یہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی مخلوق کا کوئی حق واجب نہیں ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے نیک بندوں کا اپنے اوپر حق بتایا ہے اور اسی حق کا دعا میں واسطہ دینا جائز ہے۔ یہ حق محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اللہ تعالیٰ پر لازم اور واجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجبور ہوں۔

وسیلہ کی دوسری صورت: یہ سمجھنا کہ ہم لوگوں کی رسائی خدا تعالیٰ کے دربار تک نہیں ہو سکتی اس لیے ہمیں جو درخواست کرنی ہو اس کے مقبول بندوں کے سامنے پیش کریں اور جو مانگنا ہو ان سے مانگیں اور یہ بزرگ اس قدرت سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے ہماری مرادیں پوری کر سکتے ہیں۔ یہ صورت بالکل ناجائز ہے اور شرک ہے۔

وسیلہ کی تیسری صورت: براہ راست بزرگوں سے اپنی حاجت تو نہ مانگیں البتہ ان کی خدمت میں یہ گزارش کی جائے کہ وہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہماری حاجت پوری ہونے کی دعا فرمائیں۔

اس صورت کا حکم یہ ہے کہ زندہ بزرگوں سے ایسی درخواست کرنا جائز ہے لیکن جو بزرگ وفات پا چکے ہوں ان کی قبر پر جا کر ایسی درخواست کرنا مشتبہ سی چیز ہے کیونکہ صحابہ و تابعین سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر آپ سے دعا اور شفاعت کے لیے درخواست کرنا جائز ہے۔

سماع:

صوفیاء کے ہاں جو سماع کا تذکرہ ملتا ہے تو وہ اس وقت جائز ہے جب اس میں یہ شرائط ملحوظ ہوں۔

۱۔ گانے بجانے کے کسی قسم کے آلات کا استعمال نہ ہو۔

۲۔ سامع یعنی سننے والا نفس پرست نہ ہو بلکہ متقی اور پرہیز گار ہو اور اس کا مقصد لطف اندوزی نہ ہو بلکہ علاج ہو یعنی اس کو اللہ کے ذکر میں نشاط نہ پیدا ہوتا ہو اور اس کی طبیعت نہ کھلتی ہو تو اس غرض سے طبیعت کو ابھارنے کے لیے کچھ اشعار سن لے۔

۳۔ پڑھنے والا بھی مخلص ہو اور متقی دیندار ہو۔

۴۔ جو لوگ موجود ہوں وہ سب راہ سلوک کے راہی ہوں ان میں کوئی فاسق دنیادار نہ ہو کوئی مرد نہ ہو اور کوئی عورت نہ ہو۔

جب ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو وہ سماع جائز نہ ہو گا اور آج کل عرسوں پر سماع کے نام سے جو کچھ ہوتا ہے اس میں تو ایک شرط بھی موجود نہیں ہوتی۔ اس لیے آج کل کی قوالیاں اور محفل سماع سب حرام ہیں۔

بدعات القبور

قبروں پر دھوم سے میلہ کرنا، کثرت سے چراغ جلانا، عورتوں کا وہاں جانا، چادریں ڈالنا، پختہ بنانا، بزرگوں کے راضی کرنے کو قبروں کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا، قبروں کو بوسہ دینا، یا طواف و سجدہ کرنا، دین و دنیا کے ضروری کاروبار کا حرج کرکے درگاہوں کی زیارت کے لیے سفر و اہتمام کرنا، وہاں گانا بجانا، اُونچی اونچی قبریں بنانا، ان کو منقش بنانا، ان پر پھول ہار ڈالنا، اس کی طرف نماز پڑھنا، اس پر عمارت بنانا، پتھر وغیرہ لکھ کر وہاں لگانا، چادر شامینہ، نقارہ، کھانا، مٹھائی وغیرہ چڑھانا، عرس کرنا یا عرسوں میں شریک ہونا۔ (تعلیم الدین ص:۳۱) (قال النبی ﷺ لا تجعلو قبری و ثناً بعدی ۱۲ مشکوٰۃ)

بدعات الرسوم[1]

تیجا، چالیسواں وغیرہ کو ضروری سمجھ کر کرنا، باوجود ضرورت کے عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا، نکاح، ختنہ، بسم اللہ وغیرہ میں اگرچہ وسعت بھی نہ ہو مگر ساری خاندانی رسمیں بجالانا خصوصاً ناچ رنگ وغیرہ کرنا، ہولی یا دیوالی کی رسمیں کرنا، مردکا مستی، مہندی، سرخ کپڑے یا کثرت سے انگوٹھیاں چھلّے پہننا، سلام کی جگہ بندگی، کورنش وغیرہ کہنا، دیور، جیٹھ پھوپھی زاد، خالہ زاد بھائی کے روبرو بے محابا عورت کا آنا، گگرادریا سے گاتے بجاتے لانا، راگ باجا سننا، بالخصوص اس کو عبادت سمجھنا، نسب پر فخر کرنا، یا کسی بزرگ کے منسوب ہونے کو کافی سمجھنا، سلام کو بے ادبی سمجھنا، یا خط میں بعد ادائے آداب وعبودیت لکھنا، کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا، شادیوں میں فضول خرچی اور خرافات باتیں ہندوؤں کی رسمیں کرنا۔ دولہا کو خلاف شرع پوشاک پہنانا، آتشبازی، ٹٹیاں وغیرہ کا سامان کرنا، فضول آرائش کرنا، بہت سی روشنی مشعلیں لے جانا، دولہا کا گھر کے اندر عورتوں کے درمیان جانا، چوتھی کھیلنا، مہر زیادہ مقرر کرنا، کنگنا، سہرا باندھنا، غمی میں چلّا کر رونا، منہ اور سینہ پیٹنا، بیان کرکے رونا، استعمالی گھڑے توڑ ڈالنا، برس روز تک یا کم و بیش اس گھر میں اچار نہ پڑنا، کوئی خوشی کی تقریب نہ

---

[1] واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیه آبائنا آلایه ۱۲

ہونا، مخصوص تاریخوں میں پھر غم کا تازہ کرنا، حد سے زیادہ زیب وزینت میں مشغول ہونا، سادی وضع کو معیوب جاننا، مکان میں تصویریں لگانا، مرد کو لباس ریشمی استعمال کرنا، خاصدان، عطردان وغیرہ چاندی سونے کے استعمال کرنا، عورت کو بہت باریک کپڑا پہننا، یا بجتا زیور پہننا، کفار کی وضع اختیار کرنا، میلوں میں جانا، دھوتی، لہنگا پہننا، لڑکوں کو زیور پہنانا، ڈاڑھی منڈانا یا کٹانا یا چڑھانا، شیطان کی کھڈی یا چندیا کھلوانا، مونچھ بڑھانا، ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننا، مردوں کا عورتوں کی اور عورتوں کا مردوں کی وضع اختیار کرنا، محض زیب وزینت کے لیے دیوار گیری، چھت گیری لگانا، سیاہ خضاب، شگون ٹوٹکہ کرنا، کسی چیز کو منحوس سمجھنا، خدائی رات کرنا، بدن گُودنا، سفید بال نوچنا، شہوت سے گلے لگنا یا ہاتھ ملانا، کُسم زعفران کا کپڑا مرد کو پہننا، شطرنج گنجفہ وغیرہ کھیلنا، خلافِ شرع جھاڑ پھونک کرنا اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں بطور نمونہ کے چند اُمور کا بیان کر دیا ہے اووروں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

۲/ تاریخ کا چاند دیکھنا:

بعض لوگ تیسرا چاند یعنی دو تاریخ کے چاند کو دیکھنا منحوس تصوّر کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں نحس کا کوئی تصوّر نہیں، چاند اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، نیز اس کے طلوع سے بہت سے احکام متعلق ہیں، چاند خواہ دوسری تاریخ کا ہو یا چودھویں کا، یا آخری تاریخ کا، وہ ایک ہی شے ہے، یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی شے ایک دن نحس کا باعث ہو جائے اور دوسرے دن نہ ہو؟ اس لیے اس کی کوئی اصل نہیں، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پرندہ اور صفر وغیرہ کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں"''عن النبی ﷺ قال: لا عدوی ولا طیرۃ، ولا هامة ولا صفر '' عن أبي هريرةؓ (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۵۷۵۷، باب لاهامة ولا صفر، کتاب الطب، نیز دیکھیے صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰۔ محشی) چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں جن چیزوں کو لوگ منحوس سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان تمام چیزوں سے نحس کی نفی فرمائی۔

بلّی آڑے آگئی:

بعض لوگوں کے سامنے سے اگر بلّی گزر جائے تو وہ اس کو منحوس سمجھتے ہیں اور اگر سفر پر جا رہے ہوں تو سفر کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں۔

یہ عمل قطعاً غلط اور نادرست ہے، اسلام کسی جانور یا کسی شے میں نحس کا قائل نہیں، یہ مشرکانہ توہمات ہیں، اس

لیے ایسی باتوں سے بچنا چاہیے۔ حضرت حکیم بن معاویہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ

''لا شؤم و قد یکون الیمن في الدار والمرأۃ والفرس'' (الجامع الترمذی، حدیث نمبر: ۲۸۲۴، ۱۲۷۵، عن حکیم بن معاویۃؓ، باب ما جاء فی الشؤم، کتاب الأدب)

''نحس کسی چیز میں نہیں البتہ بعض اوقات گھر میں، عورت میں، اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔''

ختنہ کے اکیس دن بعد غسل دینا:

ختنہ کے بعد نہلانے کے لیے کوئی دن متعین کرنا حدیث میں نہیں آیا ہے، ایسا کوئی حکم شریعت میں درست نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہو نہلایا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے کوئی دن متعین کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے، اس سے اجتناب کریں۔

امام ضامن باندھنا:

بعض لوگ شادی بیاہ یا سفر کے دوران بائیں بازو پر امام ضامن باندھتے ہیں۔ جو ہرے کپڑے یا زریں فیتے کا ہوتا ہے، جس میں ۳۵/۵ روپیہ سکہ کی شکل میں باندھتے ہیں یہ ایک مشرکانہ عمل ہے۔

اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ ''توحید اور اللہ کو ایک ماننا'' ہے، اللہ کو ایک ماننے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کر لیا جائے، بلکہ اللہ کو ایک ماننے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ صرف اللہ ہی کی ذات نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی ہستی بھی وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو خدا کو منظور نہ ہو اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی نقصان اور آزمائش ہی مقدر ہو تو کوئی ولی، پیر اور امام تو کجا نبی اور پیغمبر بھی اس سے بچا نہیں سکتا، اس لیے امام ضامن وغیرہ باندھنا اسلامی مزاج و مذاق اور عقیدۂ توحید کے منافی ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مشرکانہ عمل ہے، اسے خوب اجتناب کرنا چاہیے۔

سفر کی مشقتوں سے بچاؤ کا نسخہ خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی سفر شروع کرے تو اس سے پہلے دو رکعت نماز ادا کر لے، آپ ﷺ کا یہی معمول مبارک تھا، پھر سفر کے شروع میں یہ دعا پڑھے:

''اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِيْ السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ. اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِيْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِيْ

أَهْلِنَا، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعَثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنْ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَمِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالَ[1]۔

”اے اللہ! آپ ہی سفر کے ساتھی اور اہل و عیال کے نگہبان ہیں، اے اللہ! میں سفر کی مشقت اور واپسی کی تکلیف سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، خداوندا! آپ سفر میں مدد فرمائیں، ہمارے اہل و عیال کی نگہداشت فرمائیں، میں بہتر حال کے بعد بُری حالت، مظلوم کی بددعا اور اہل و عیال اور مال کے بارے میں کوئی بُری بات دیکھنے سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

یہ نماز اور دعاء انشاء اللہ سفر کی صعوبتوں سے حفاظت کا ذریعہ ہو گا، آپ اس طرح خود اللہ سے مانگتے ہیں نہ کہ اللہ کے بندوں سے، اس میں انسان کے عقیدہ کی بھی حفاظت ہے، اللہ کی خوشنودی بھی ہے، اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع و پیروی بھی۔

نوشہ کو شادی میں سہرا باندھنا:

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے [”النکاح سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی“ (سنن ابن ماجة، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها، کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۴۴۰۷)]، اور ظاہر ہے کہ جو چیزیں سنت سے ثابت ہوں، ان کو سنت ہی کے طریقہ سے انجام دینا ضروری ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ جائز نہیں، جیسے نماز آپ ﷺ کی سنت ہے، آپ ﷺ نے ایک رکعت میں دو سجدے فرمائے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایک رکعت میں تین سجدے کرنا درست نہ ہو گا، پس جب نکاح بھی آپ ﷺ کی سنت ہے تو ضروری ہے کہ نکاح بھی حضور ﷺ ہی کے طریقہ پر کیا جائے، آپ ﷺ نے نہ خود اس طرح کی چیز پہنی، اور نہ آپ ﷺ کے اصحابؓ نے اس لیے سہرا باندھنا قطعاً غیر شرعی اور غیر اسلامی عمل ہے، اس سے بچنا چاہیے، اور نکاح کے مبارک موقع پر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہو۔

---

۱ الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۴۳۹، عن عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ، باب ما یقول إذا خرج مسافرا۔

دلہن کو وداعی سہرا باندھنا:

اسلام میں سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں، صحابہؓ اور سلف صالحینؒ نے کبھی اس طرح کی چیز نہیں باندھی، یہ بعض غیر مسلم قوموں کی رسم ہے، جس کو ناسمجھی اور نادانی میں ہمارے مسلمان بھائیوں نے لے لیا ہے، اس لیے نہ دولہا کو سہرا باندھنا چاہیے اور نہ دلہن کو۔

مخصوص راتوں میں روشنی کرنا اور جھنڈیاں لگانا:

بارہ ربیع الاوّل کی شب کو، یا پندرہ شعبان کی رات، یا ستائیسویں رمضان کی خاص راتوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کے انتظام کو فقہاء نے بدعت اور اسراف یعنی فضول خرچی کہا ہے۔

قال العلامة الحمویؒ: قوله وفرشه و ایقاده ای وقت الصّلاة یقدر ما یدفع الظّلمة و من البدع المنکرة ما یفعل فی کثیر من البلدان من ایقاد القنادیل الکثیرة فی لیالی معروفة فی السّنة فی السّنة کلیلة نصف من شعبان۔۔۔الخ (غمز عیون البصائر ج:۲ص:۲۳۵، القول فی احکام المساجد)

توبہ میں رخسار تھپتھپانا:

کچھ لوگ توبہ کرتے وقت اپنے رخسار تھپتھپاتے ہیں یہ بھی محض ایک رسم ہے، شریعت میں توبہ کے معنی لوٹنے کے ہیں، یعنی اللہ کا ایک بندہ گناہ کا ارتکاب کر کے گویا اللہ تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے، اور پھر وہ اپنے گناہوں سے شرمسار ہو کر اپنے مالک کی طرف لوٹ آتا ہے، توبہ کے لیے ضروری ہے کہ گناہ پر ندامت ہو، گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ ہو، اور اگر شریعت نے اس گناہ کے لیے کوئی کفارہ متعین کیا ہو، تو کفارہ ادا کیا جائے، توبہ میں رخسار تھپتھپانے کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ محض ایک رسم ہے، جس سے بچنا چاہیے، کیونکہ طریقہ وہی معتبر ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو۔

فال دیکھ کر نام کا انتخاب:

بچّوں کے نام انبیاء کرام علیہم السّلام، صحابہؓ اور صالحینؒ کے نام پر رکھنا چاہیے اور ایسا نام رکھنا چاہیے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تحسین کی ہے، حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، نام کے لیے فال دیکھنا ایک بے اصل بات

ہے، اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، دراصل ہندو بھائیوں کے یہاں اس طرح کا تصوّر پایا جاتا ہے، اسلام میں نیک فالی کی گنجائش ہے، نیک فالی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے موقع پر کوئی ایسا نام یا لفظ سامنے آجائے جس میں کامیابی اور مقصد برآری کا مفہوم ہو، یا کوئی ایسی بات ہو جائے جس کو باعثِ راحت سمجھا جاتا ہو تو اس سے نیک فالی لیتے ہوئے اچھی امید کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''نیک فالی بہتر کلمہ ہے، جو آدمی کو سننے میں آئے۔ ''**الكلمة الصالحة يسمعها أحدكم**''[1] جیسے آپ کسی کام کے لیے نکل رہے ہوں اور ایسے شخص سے آپ کی ملاقات ہو گئی جس کا نام ''نافع'' ہے، تو یہ فال نیک ہے کہ انشاء اللہ اس میں نفع حاصل ہو گا، اس طرح نیک فالی کی اسلام میں گنجائش ہے، بد فالی اور بد شگونی البتہ اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً نادرست ہے[2]۔

نام رکھائی اور سالگرہ:

عہد نبوی ﷺ، خیر القرون اور سلف صالحین کے زمانہ میں نام رکھائی اور سالگرہ وغیرہ کی مسرفانہ تقریبات نہیں ہوا کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی صاحبزادیوں، نواسے اور نواسیوں کے نام رکھے ہیں، لیکن کبھی بھی اس طرح کا اہتمام نہیں کیا گیا، اسی طرح یومِ ولادت میں دعوت وغیرہ کا اہتمام جسے آج کل سالگرہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحین سے ثابت نہیں، یہ مغربی اقوام سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، چوں کہ اسے ''دینی عمل'' سمجھ کر انجام نہیں دیا جاتا، اس لیے اسے بدعت تو نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ بدعت کا تعلق امرِ دین سے ہوتا ہے، لیکن غیر مسلموں سے مماثلت اور غیر اسلامی تہذیب سے تاثر اور مشابہت کی وجہ سے کراہت سے بھی خالی نہیں، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

---

١ فتح الباری لابن الحجر العسقلانی: ۲۲۵/۱۰، باب نمبر: ۵۴۔ قال النبی ﷺ: لا طيرة، وخيرها الفأل۔ قالو وما الفأل يا رسول الله؟ قال: الكلمة الصالحة يسمعها أحدكم'' عن أبي هريرة رضي الله عنه، (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۵۵، باب الفأل، کتاب الطب، نیز دیکھیے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۳) محشی۔

٢ دیکھیے: ردالمحتار: ۳/۴۴۔۴۵۔

''والفأل: ضد الطيرة، كأن يسمع مريض يا سالم أو يا طالب أو يا واجد، أو يستعمل فى الخير والشر .... ووجهه أن الفأل أمل و رجاء اللخير من الله تعالىٰ عند كل سبب ضعيف أو قوي، بخلاف الطيرة'' (حاشية ابن عابدين على الدر: ۳/۴۴۔۴۵، مطلب فى الفأل والطيرة، باب العيدين، كتاب الصلاة) محشی۔

۲۱ویں دن پھول پہنانا:

بعض علاقوں میں دستور ہے کہ بچہ کی پیدائش کے ۲۱ دن بعد لوگ اسے پھول پہنا کر اور گھوڑے پر بیٹھا کر پھیراتے ہیں یہ نری خرافات ہیں اور اس قسم کی خرافات کی حوصلہ افزائی اسلام کا مزاج نہیں، بچّہ کی پیدائش یقیناً ایک خوشی کی بات ہے، اور اس کے اظہار کے لیے عقیقہ کا طریقہ رکھا گیا ہے کہ ساتویں دن بال مونڈوائے جائیں، استطاعت ہو تو بال کے ہم وزن چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے[1]۔ تاکہ آپ کے پڑوسی اور سماج کے غریب لوگ بھی آپ کی اسی خوشی میں شریک ہو جائیں، باقی یہ سب رسم و رواج نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، اور نہ ان کا کرنا مناسب ہے کہ یہ فضول خرچی ہے، اور قرآن نے فضول خرچی سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے[2]۔

کتّوں کا رونا:

بعض علاقوں میں کتے کے رونے کی آواز سن کر لوگ کہتے ہیں کہ کوئی مرنے والا ہے، کیونکہ کتّے کو ملک الموت نظر آتے ہیں:

یہ توہمات میں سے ہے کہ کتّے کا رونا کسی آدمی کے مرنے کی علامت ہے، یا یہ کہ خاص طور پر اس کو ملک الموت نظر آتے ہیں، البتہ یہ بات روایات میں آئی ہے کہ بعض ایسی چیزیں جو انسان کی نگاہ سے اوجھل رکھی گئی ہیں، بعض اوقات حیوانات کو نظر آتی ہیں، لیکن خاص طور پر ملک الموت کا کتّوں کو نظر آنا یہ حدیث سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

بدعت کی آمیزش:

قارئین کرام! دیکھنا چاہیے کہ آج مسلمانوں میں کس قدر لاتعداد اور بے حد و شمار رسوم و رواج، ہادئ عالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور فقہ کے خلاف جاری و ساری ہیں۔

علّامہ عبد الرّحمن ابن جوزیؒ ایک مجلس میں فرماتے ہیں ہمارے اس دین کے اندر علم و عمل دونوں طرف سے داخل ہونے والی بدعتوں پر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایسے دو راستوں سے داخل ہوئی ہیں جو اس دین سے پہلے سے

---

۱ ''عن سمرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم السابع و يحلق رأسه ويسمع ألخ'' (سنن أبي داؤد: ۳۹۲، كتاب الضحايا) محشی

۲ اسرائیل: ۲۶۔۲۷۔ محشی

موجود تھے اور لوگوں کے دل ان سے مانوس تھے۔

چنانچہ علم اور اعتقاد میں داخل ہونے والی بدعتیں فلسفہ کے راستہ سے آئی ہیں اس طرح کہ علماء کی ایک جماعت نے ہمارے دین کے سلسلے میں اتنے پر اکتفاء نہیں کیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے قناعت فرمائی تھی۔ یعنی صرف کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ ﷺ ہی پر توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ فلسفہ کی مباحث میں بھی غور وفکر شروع کر دیا، پھر وہ اس علم کلام میں داخل ہوگئے جس نے انہیں ایسی بحثوں میں مبتلا کر دیا کہ ان کے عقائد خراب ہوگئے۔

اور عمل کے باب میں داخل ہونے والی بدعتیں رہبانیّت کے راستے سے آئی ہیں، کیونکہ زاہدوں کی ایک جماعت نے راہبوں سے تقشّف اور بدحالی کا راستہ حاصل کیا، صرف ہمارے نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی سیرت پر نظر نہیں ڈالی اور ان لوگوں نے دنیا کی مذمّت سنی لیکن اس کے مقصود کو نہیں سمجھ سکے۔ پھر مقصود کے سمجھنے میں غلطی کے ساتھ علم شریعت سے بے رخی بھی اکٹھی ہوگئی اس لئے قبیح بدعتیں وجود میں آئیں۔

اگر مسلمان دیانت داری اور نیک نیتی سے غور کریں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آج ہماری خوشی و غمی، ختم و فاتحہ، درود کی، عید و بقرہ عید، شب برأت، چھوٹی بڑی گیارہویں، کونڈے، جمعرات، تیجہ، پانچواں، ساتواں، نوواں، چالیسواں، یہ سب کھانے پینے کا پنڈورا بکس اور گورکھ دھندا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو بدعت نہ ہو اگر خاص بدعت نہ ہوگی تو بدعت کی آمیزش ضرور شامل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بدعت و خرافات سے بچائے اور سنت مصطفیٰ ﷺ کا پابند و شیدائی بنائے۔ آمین!

کفر و شرک اور ارتداد کے بعد سب سے بڑا گناہ بدعت ہے۔ بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو اور شرع کی چاروں دلیلوں یعنی کتاب اللہ، سنت رسول حضرت محمد ﷺ، اجماع امّت، قیاس مجتہدین سے اس کا ثبوت نہ ملے اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔

چند مشہور بدعتیں یہ ہیں:

۱۔ قبروں پر دھوم دھام سے میلاد کرنا، چراغ جلانا، چادریں ڈالنا اور غلاف ڈالنا اور پھول چڑھانا، پختہ قبریں بنانا، قبروں پر گنبد بنانا، عورتوں کا وہاں جانا، اپنے خیال سے بزرگوں کو راضی کرنے کے لیے قبروں کی حد سے تعظیم کرنا، میّت کے ساتھ عہد نامہ وغیرہ رکھنا۔

۲۔ تعزیہ یا قبروں کو چومنا چاٹنا، خاک ملنا، طوف کرنا، قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، قبروں پر اذان دینا، مٹھائی، چاول، گلگلے، چُوری وغیرہ چڑھانا۔

۳۔ تعزیہ کو سلام کرنا، تعزیہ عَلَم وغیرہ رکھنا اس پر حلوہ مالیدہ چڑھانا۔

۴۔ محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا، مہندی میسی نہ لگانا، مرد کے پاس نہ رہنا، لال کپڑے پہننا، یا محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ نہ کرنا۔

۵۔ غم کے موقع پر چلّا کر رونا، منہ اور سینہ پیٹنا، بیان کر کے رونا، استعمالی گھڑے توڑ ڈالنا، سال بھر تک یا کم و بیش اچار نہ پڑنا، کوئی خوشی کی تقریب نہ کرنا، مخصوص تاریخوں میں پھر غم تازہ کرنا۔

۶۔ تیجہ، چالیسواں وغیرہ کو ضروری سمجھ کر کرنا۔ نکاح، ختنہ، بسم اللہ وغیرہ میں اگرچہ وسعت نہ ہو مگر ساری خاندانی رسمیں کرنا، خصوصاً قرض وغیرہ لے کر ناچ گانا وغیرہ کرنا۔ یہ تو اور ہی ڈبل گناہ ہے۔

۷۔ سلام کی جگہ بندگی آداب وغیرہ کہنا یا سر پر ہاتھ رکھ کر جھک جانا۔ سلام کو بے ادبی سمجھنا، خط میں بعد آدائے آداب وعبودیت لکھنا، کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا۔

۸۔ راگ، باجا، گانا سننا، خصوصاً اس کو عبادت سمجھنا، جیسا کہ قوالی کے موقع پر ہوتا ہے۔ ڈومنیوں وغیرہ کا بجانا اور دیکھنا اور اس پر خوش ہو کر ان کو انعام دینا۔

۹۔ نسب پر فخر کرنا یا کسی بزرگ سے منسوب ہونے کو نجات کے لیے کافی سمجھنا، کسی کے نسب میں کسر ہو تو اس پر طعن کرنا۔

۱۰۔ جائز پیشہ کو ذلیل سمجھنا۔

۱۱۔ باوجود ضرورت کے عورت کے دوسرے نظام کو معیوب سمجھنا۔

۱۲۔ شیخی اور ریاء کے لیے ''مہر'' زیادہ مقرر کرنا۔

۱۳۔ دولہا کو خلافِ شرع لباس پہنانا، آتش بازی وغیرہ کا سامان کرنا، بہت سی روشن مشعلیں لے جانا، آتش بازی کرنا، اس کے سامنے آنا جانا، بالغ سالیوں وغیرہ کا سامنے آنا، اس سے ہنسی دل لگی کرنا، چوتھی کھیلنا۔

۱۴۔ حد سے زیادہ زیب وزینت میں مشغول ہونا۔ سادگی وضع کو معیوب سمجھنا۔

۱۵۔ حصول عمر کے لیے لڑکے کے کان یا ناک چھیدنا۔

۱۶۔ عقیقہ کے وقت رسوم کرنا مثلاً کٹوری یا چھاج میں اناج یا نقدی وغیرہ ڈالنا۔

۱۷۔ ۲۲ رجب کو کونڈے کرنا۔

۱۸۔ میّت کے گھر کھانے کے لیے جمع ہونا۔ ختم فاتحہ و ایصالِ ثواب کی رسمیں یعنی دن، تاریخ و خوراک و طریقہ وغیرہ مختلف موقعوں کے لیے مخصوص کرنا۔

۱۹۔ داڑھی منڈانا یا کٹانا یا چڑھانا یا سفید بال کھینچنا، سیاہ خضاب لگانا، مونچھ بڑھانا۔

۲۰۔ شراب کا حلوہ، محرم کا کھچڑا اور شربت وغیرہ۔

غرضیکہ اس قسم کی بہت سی بدعات رائج ہیں جن کی شرع شریف میں کوئی سند نہیں ہے۔ لوگوں نے اپنی طرف سے تراش لی ہیں اور ان کو شرع اور عبادت سمجھ کر عمل کرتے ہیں اور نہ کرنے والے اور منع کرنے والوں کو طعن کرتے ہیں اور اس سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سے باتیں ہیں نمونہ کے طور پر یہاں چند نقل کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بدع [illegible] آمین)

بدعات کی مختصر فہرست

کلمے میں لائی گئی بدعتیں:

۱۔ پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے چلنا

۲۔ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

۳۔ نکاح کے کلمے پڑھانے کی رسم

۴۔ جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا

۵۔ اپنی طرف توجہ دلانے کیلئے کلمے کا استعمال

اذان کی بدعتیں:

۱۔ قبر پر اذان دینا۔

۲۔ اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کرنا۔

۳۔ دوران اذان حضور ﷺ کے نام پر انگوٹھے چومنا۔

۴۔ جمعہ میں اذان ثانی مسجد میں نہ ہونے کی تجویز دینا۔

۵۔ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے پر اصرار کرنا۔

۶۔ وبا اور قحط دور کرنے کے لئے اذان دینا۔

نماز کی بدعتیں:

۱۔ نماز کے بعد اونچی آواز سے ذکر کرنا۔

۲۔ نماز کے بعد اجتماعی ذکر کرنا۔

۳۔ نماز کے بعد مصافحہ کرنا۔

۴۔ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا۔

۵۔ نماز کے بعد تین دعائیں کرنا۔

۶۔ نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر جعلی درود پڑھنا۔

۷۔ جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنا۔

۸۔ نماز تراویح پر اُجرت لینا۔

۹۔ نماز تراویح کے لیے حافظ کو اُجرت دینا۔

۱۰۔ شب برأت میں اجتماعی نوافل پڑھنا۔

نماز جنازہ، کفن و دفن کی بدعتیں:

۱۔ دفن کرنے میں تاخیر کرنا۔

۲۔ مرنے پر نوحہ کرنا۔

۳۔ اجنبی غیر آدمی سے غسل دِلوانا۔

۴۔ غسل پر اجرت دینا۔

۵۔ غسل والی جگہ کو تین دن خالی چھوڑنا۔

۶۔ غسل والی جگہ پر چراغ جلانا۔

۷۔ جمع اور عیدین کے موقع پر غم تازہ کرنا۔

۸۔ تین دن سے زیادہ سوگ کی حالت میں رہنا۔

۹۔ میّت کے گھر میں عورتوں کا جمع ہونا۔

۱۰۔ مروجہ قدم گننا

۱۱۔ اس کے بعد دعا کرنا۔

۱۲۔ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا۔

۱۳۔ جنازے کے ساتھ قرآن مجید لے جانا۔

۱۴۔ قرآن مجید کو میّت کے سرہانے رکھ کر جنازہ پڑھنا۔

۱۵۔ ملاؤں کا دائرے کی شکل میں دھرنا مارنا۔

۱۶۔ جنازہ میں حلوہ، بتاسے اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا۔

۱۷۔ کفن پر کفنی لکھنا۔

۱۸۔ دفن کے وقت قرآن پاک کی اونچی آواز میں تلاوت کرنا۔

۱۹۔ دوسری جگہ کی مٹی قبر پر ڈالنا۔

۲۰۔ رسم قل کرنا۔

۲۱۔ تیسرے دن قبرستان جانا۔

۲۲۔ تیجہ، ساتواں، چالیسواں، سالانہ کرنا۔

۲۳۔ قبر پختہ کرنا۔

۲۴۔ قبر پر پھول ڈالنا۔

۲۵۔ جمعرات کے دن ختم کرنا۔

۲۶۔ قرآن خوانی کے پیسے دینا۔

۲۷۔ قرآن خوانی پر کھانا کھانا۔

۲۸۔ قرآن خوانی پر کھانا دینا۔

۲۹۔ قبر پر گنبد بنانا۔

۳۰۔ عرس کرنا۔

۳۱۔ قبرستان میں میلہ کرنا۔

۳۲۔ قبر کو غسل دینا۔

۳۳۔ قبر پر چادر ڈالنا۔

۳۴۔ قبر پر جھنڈیاں لگانا۔

۳۵۔ قبر پر چراغ جلانا۔

۳۶۔ قبر کو ایک بالشت سے زیادہ اونچی کرنا۔

۳۷۔ قبر کو بوسہ دینا۔

۳۸۔ قبر کو سجدہ کرنا بدترین شرک اور بدعت ہے۔

۳۹۔ قبر سے دعا مانگنا بدترین شرک اور بدعت ہے۔

۴۰۔ درگاہوں کا طوف کرنا بدترین شرک اور بدعت ہے۔

۴۱۔ قبر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونا۔

۴۲۔ محرم میں قبروں پر پانی ڈالنا۔

۴۳۔ بیماروں کو قبرستان شفا کی غرض سے لے جانا بدترین شرک اور بدعت ہے۔

۴۴۔ حیض اور نفاس والی عورتوں کو میّت کے پاس سے ہٹانا

۴۵۔ بعض لوگوں کا یہ اعتقاد کہ میّت کی روح اس گھر کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے جس مکان میں اس کا انتقال ہو۔

۴۶۔ جس کمرے میں انتقال ہو اس کے اندر سبز ٹہنی رکھنا۔

۴۷۔ میّت کے ناخن اور بال کاٹنا۔

۴۸۔ میّت کی آنکھوں میں مٹی ڈالنا اور یہ کہنا کہ ابن آدم کی آنکھ نہیں بھرتی مگر مٹی سے۔

۴۹۔ صبح وشام رونے کا اہتمام کرنا۔

۵۰۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ سال بھر میّت پر غم منایا جاتا ہے، عورتیں مہندی نہیں لگاتیں، اچھے کپڑے نہیں پہنتیں، اور بناؤ سنگار نہیں کرتیں۔ اور اس کو غم کا سال کہا جاتا ہے یہ بھی بدعت ہے۔

۵۱۔ تیسرے دن تک میّت کے کپڑے اس خیال سے نہ دھونا کہ ایسا کرنے سے میّت سے عذاب قبر ٹل جاتا ہے۔

۵۲۔ کفن پر میّت کا نام، شہادتین، اور اہل بیت کے نام لکھنا۔

۵۳۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ میّت اگر نیک ہو گا تو اس کا جنازہ ہلکا ہو گا اور اگر نیک نہیں ہو گا تو اس کا جنازہ بھاری ہو گا۔

۵۴۔ جنازہ کے ساتھ خاموشی ترک کر کے بلند آواز سے ذکر کرنا اور لوگوں کا آپس میں بات چیت کرنا۔

۵۵۔ قبر پر عرق گلاب چھڑکنا۔

۵٦: قبر پر لوگوں کے لئے کھانا پینا رکھنا۔

متفرق بدعات:

☆ ایصال ثواب کے لیے تاریخوں کا التزام
☆ ایصال ثواب کے لیے کھانوں کا تعین
☆ اہل میّت کے ہاں دعوتیں اڑانا
☆ ایصال ثواب کا کھانا امیروں کو کھلانا
☆ ہندو کا کھانا اگلے دن کھانا
☆ میّت کے ایصال ثواب کے لئے تیسرا، ساتواں، چالیسواں اور برسی کرنا۔
☆ میّت کی قبر پر چالیس دن تک بیٹھنا، اور وہاں قرآن خوانی اور ختم کرنا۔
☆ قبر پر خیمہ نصب کرنا۔
☆ کسی ولی کی قبر کے ارد گرد موجود درخت و پتھر کو مقدّس سمجھنا، اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اس درخت سے اگر کچھ کاٹا گیا تو اس کاٹنے والے کو نقصان پہنچے گا۔
☆ یہ اعتقاد رکھنا کہ جو شخص آیۃ الکرسی کی تلاوت کرکے شیخ عبد القادر جیلانی کے روضے کی طرف منہ کرکے سات قدم چلے اور ہر قدم پر ان پر سلام بھیجے تو اس کی حاجت پوری ہو گی۔
☆ اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لئے درگاہوں، مزاروں اور قبروں پر جانا، اس کے لئے دور دراز کے سفر طے کرنا، اور ان سے اپنی حاجات کا سوال کرنا۔
☆ بیوی کے انتقال کے بعد خاوند کا دوسرا نکاح کرنے کے بعد، متوفیہ بیوی کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اس سے بیوی کی غیرت کی حرارت ٹھنڈی ہو گی۔
☆ قبروں پر تلاوت کے لئے قرآن رکھنا۔
☆ قبروں پر تبرک کے قصد سے رومال اور کپڑے باندھنا۔
☆ قبروں کو بوسہ دینا، اور ان پر رکھی ہوئی چیزوں کو اپنے بدن پر ملنا۔

☆ قبروں پر جانوروں کا ذبح کرنا۔
☆ گیارہ روپے روزانہ سرکاری وظیفہ
☆ گیارہویں میں عوام وخواص کے دو مسلک
☆ جرمنی میں پاگلوں کی عید کا ایک منظر
☆ پاکستان میں میلے سارا سال
☆ سرکار بغداد کی نظریں
☆ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ولادت شریفہ کی تصوری یاد
☆ ولادت منانے کی رسم پہلے سے دو قوموں میں
☆ عیدیں صرف دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ
☆ مساجد میں محافل نعت
☆ قیام تعظیم

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بدعات اور رسومات مسلمانوں میں رائج ہیں اور ہر علاقے میں مختلف قسم کی بدعتیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود بھی ان بدعات کو چھوڑ دے اور دوسروں کو بھی منع کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے کر اپنا فرض منصبی پورا کریں اللہ رب العزت ہر قسم کی بدعات اور رسومات سے تمام مسلمانوں کو بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندَ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة، ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

/۳۱مارچ ۲۰۱۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مختلف مہینوں میں ہونے والی بدعات کا بیان

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکیؔ جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

ماہ محرم کی بدعات ورسومات

الحمد للہ ربّ العالمین، قیوم السماوات والأرضین۔

والحمد للہ الذي أکملَ لنا دیننا، وأتمَّ علینا نعمتَه، ورضيَ لنا الإسلامَ دینًا، وأمرنا أن نستهدیَه صراطه المستقیم، صِراط الذین أنعمَ علیهم غیر المغضوب علیهم ـا لیهود ـ، ولا الضالین ـ النصاری ـ۔

وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله، أرسله بالدین القیّم، والحنیفیة السَّمْحة، وجعله علی شریعةٍ من الأمر، وأمره أن یقول: ''هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ۣ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ'' (یوسف: ۱۰۸) صلی اللہ وسلم علیه، وزاده شرفًا لدیه۔

وبعدہٗ

ماہ محرم کی بدعات ورسومات

ماہ محرم برکات کا حامل مہینہ ہے مگر بعض لوگ اس ماہ کی برکات حاصل کرنے کے بجائے بدعات ورسومات میں پڑ کر اس کی حقیقی فضیلت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس ماہ کی برکت وعظمت اور فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ عبادات میں مشغول ہو کر تجلیات رحمانی کا بڑا حصہ حاصل کیا جائے مگر ہم نے محرم الحرام کے مہینے اور خاص طور پر اس کی دسویں تاریخ میں طرح طرح کی خود تراشیدہ رسومات وبدعات کا اپنے آپ کو پابند کر کے بجائے ثواب حاصل کرنے کے اُلٹا معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو کر ہلاکت کا سامان فراہم کر لیا۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ماہ محرم فضیلت کی وجہ سے جس طرح اس میں عبادات کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح اس ماہ کے اندر گناہوں اور معصیت میں ملوث ہونے کے وبال وعتاب کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس ماہ میں جن اُمور کی ہدایات پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کی ہیں وہ دو ہیں: ایک نویں دسویں، یا دسویں گیارہویں کا روزہ جو کہ سنت ہے، دوسرے دسویں کو

حسب استطاعت اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت و فراخی کرنا جو کہ مستحب ہے۔ ان کے علاوہ جن بدعات ورسومات کا رواج ہمارے زمانے میں ہورہا ہے وہ سب قابلِ ترک ہیں ان میں سے بعض مروجہ بدعات ورسومات کا تذکرہ اس جگہ بھی کیا جاتا ہے۔ جن کو لوگ باعث ثواب سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ سخت گناہ کے کام ہیں اور احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے تاکہ ان بدعات سے بچ کر صحیح اعمال اختیار کیے جائیں۔

ایک بڑی غلط فہمی:

بہت سے لوگ پروپیگنڈہ کی وجہ سے ایسا سمجھتے ہیں کہ محرم اور عاشورہ کی یہ اہمیت اور فضیلت حضرت سیدنا حسینؓ کی شہادت سے متعلق ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ شریعت جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مکمل ہوگئی تھی۔ سیدنا حسینؓ کا واقعہ تو بہت بعد میں پیش آیا۔ خلفاء راشدین کا دَور ختم ہو چکا اس کے بھی کئی سال کے بعد۔ بھلا اس سے شریعت کے کسی مسئلہ کا تعلق کیا ہو سکتا ہے۔

سیدنا حسینؓ کا واقعہ شہادت بلاشبہ بہت دردناک اور تکلیف دہ واقعہ ہے۔ لیکن اسلام میں ماتم کرنا جائز نہیں۔ اسلام ماتم کا دین نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ کا ہر ہر ورق شہداء کے خون سے رنگین ہے۔ اگر ماتم کیے جائیں تو ہر دن ماتم ہی کرنا ہو گا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت، حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی شہادت بلکہ اس سے قبل سیّد الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت، غزوۂ موتہ کے شہداء کا واقعہ، بیر معونہ کا واقعہ، غزوۃ الرجیع کا واقعہ۔ یہ واقعات جو آنحضور ﷺ کے لیے بھی درد و غم کا باعث بنے تھے۔ ان کو کیوں بھول جائیں۔ لیکن اسلام ماتم کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ دین کے لیے جان ومال قربان کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ان ہمارے بزرگوں نے دینِ حق کے لیے جانیں دیں ہم دین کے لیے کیا قربانی پیش کررہے ہیں۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے واقعہ کو بعض دشمنان دین اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ایک عام آدمی صرف دس محرم کو ہی نہیں بلکہ پورے محرم کے مہینے کو رنج وغم کا مہینہ سمجھنے لگتا ہے، جبکہ حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ شہادت تو وہ مرتبہ عظیم اور نعمت عظمیٰ ہے جس کے حصول کی پیارے پیغمبر ﷺ نے یوں خواہش کی تھی کہ میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت النّبی ﷺ یقول والّذی نفسی بیدہ لو لا انّ رجالا مِّن المؤمنین لا تطیب انفسھم ان یتخلفوا عنّی، ولا اجد ما احملھم علیه ، ما تخلفت عن سریة

تغزو فی سبیل اللّٰه ، والّذی نفسی بیده لوددت انّی اقتل فی سبیل اللّٰه ثمّ اُحیٰ، ثمّ اُقتل، ثمّ اُحیٰ ،ثُمّ اُقتل، ثمّ اُحیٰ ،ثُمّ اُقتل۔(مسلم ۱۸۷۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے۔

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر ایمان والوں میں سے کچھ لوگ ایسے نہ ہوتے جن کا دل جہاد میں مجھ سے پیچھے رہنے کو گوارہ نہیں کرتا (اور میں مسلمانوں پر شاق نہ سمجھتا تو میں کسی پلٹن سے کبھی پیچھے نہ رہتا جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں) اور میرے پاس اتنی سواریاں نہیں کہ انہیں سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں، اور نہ وہ خود اس کی گنجائش پاتے ہیں اور ان پر شاق ہے یہ بات کہ وہ مجھ سے الگ رہیں (اگر یہ بات نہ ہوتی) تو میں کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے لشکر کے ساتھ جانے سے نہ رکتا۔ جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے جا رہا ہوتا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری یہ تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

اس حدیث مبارک سے معلوم کہ اللہ رب العزت نے اس دن حضرت حسینؓ کو شہادت کے اس عظیم الشان مرتبہ سے نوازہ جس کی خود پیارے پیغمبر ﷺ نے آرزو اور خواہش کی تھی۔ اور یہی وہ مرتبہ ہے جس کے حصول کے بعد انسان حیات جاودانی حاصل کرلیتا ہے، اور اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے کہ خود قرآن اس کے بارے میں یہ فیصلہ فرماتا ہے۔

”وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝“ (البقرہ: آیت: ۱۵۴)

ترجمہ: جو شخص اللہ کے راستہ میں قتل کر دیا جائے اس کو مردہ مت کھو بلکہ وہ زندہ ہے لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔

رنج اور غم کا اظہار تو کسی کی موت پر ہوتا ہے، اور جس کو حیات جاودانی عطا کی گئی ہو اس پر یہ صدیوں تک کا غم منانا کیسا؟

شاہ عبد الحق محدّث دہلویؒ ما ثبت بالسّنۃ میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابن حجر ہیثمی مصریؒ جو مکہ مکرمہ کے مفتی اور اپنے وقت کے شیخ الفقہاءَ والمحدثین تھے اپنی کتاب الصواعق المحرقہ میں لکھتے ہیں:

جان لو کہ حضرت حسینؓ کو عاشورہ کے دن جو مصیبت لاحق ہوئی وہ صرف شہادت تھی، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ اور مرتبہ بلند فرمایا اور اہل بیت طاہرین کے درجات سے ملحق کر دیا، تو اگر کوئی اس دن اس مصیبت کو یاد کرے تو "انّا للّٰه وانّا الیه راجعون" پڑھے۔ تاکہ حکم کی فرمانبرداری ہو جائے اور موعودہ ثواب حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے "انا للّٰه" پڑھنے والوں کے لئے فرمایا ہے۔

"أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ" (البقرہ آیت: ۱۵۷)

ترجمہ: ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

وایّاہ ثم ایّاہ ان یشغله ببدع الرافضة من الندب والنیاحة والحزن اذ لیس ذالک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاته ﷺ اولیٰ بذالک واحریٰ۔ (الصواعق المحرقه ص ۵۳۴، ج۲)

ترجمہ: اور خبردار اس ماہ محرم میں روافض کی بدعات میں مبتلا نہ ہونا، جیسے مرثیہ خوانی، آہ وبکاہ، اور رنج والم وغیرہ کیونکہ یہ مسلمانوں کے شایان شان نہیں، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اس کا زیادہ مستحق پیارے پیغمبر ﷺ کا یوم وفات ہو سکتا تھا۔

غم منانا:

سب سے پہلی برائی جو اس مبارک مہینے میں اور خاص طور پر یوم عاشورہ (دس محرم) کو کیجاتی ہے وہ ہے غم منانا، یاد رکھیے از روئے حدیث کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ غم منانا جائز نہیں، سوائے بیوی کے کہ اس کو حکم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی موت پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ منائے۔

ماتم منانا:

محرم الحرام میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی وجہ سے ماتم کرنا، کپڑے پھاڑنا اور مرثیہ وغیرہ پڑھنا نہ صرف یہ کہ منع ہے بلکہ اس کو سننا بھی گناہ ہے اور دیکھنا بھی۔ شیخ احمد رومیؒ اپنی کتاب مجالس الابرار (ص ۲۵۳) میں لکھتے ہیں: وامّا اتخاذہ ماتمًا لاجل قتل حسین بن علی رضی اللہ عنہ کما یفعله الرّوافض فهو من عمل:

”اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا“ (الکہف: ۱۰۴)

اذ لم یامر اللّٰہ ولا رسولہ با تخاذ ایام مصائب الانبیأ و موتھم ماتما فکیف بما دونھم۔

اور عاشورہ کو حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کی وجہ سے ماتم بنالینا، جیسا کہ روافض کرتے ہیں پس یہ ان لوگوں کے عمل میں سے ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا“ (الکہف: ۱۰۴)

کہ وہ لوگ جن کی عملی کوشش دنیاوی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیاء کے مصائب اور اموات کے دن ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا، تو پھر اوروں کے لئے ماتم کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اور فرماتے ہیں:

والقاص الذی یذکر الناس قصة القتل یوم عاشوراً ویحرق ثوبه ویکشف رأسه ویأمرهم بالقیام والتسبیح تأسفا علیٰ المصیبة یجب علی ولا ت الدین ان یمنعو منهم والمستمعون لا یعذرون فی الاستماع۔

اور وہ قصہ گو جو لوگوں کو یاد دلائے قصہ قتل یوم عاشورہ کا، اور پھاڑ ڈالے اپنے کپڑے، اور اپنا سر کھول لے، اور لوگوں کو کھڑا کر کے رنج اور تأسف کی حالت میں (حضرت حسینؓ) کی شہادت پر بیہودہ کلمات بکتے ہیں۔ تو دین کے حاکموں اور علم برداروں پر واجب ہے کہ ان کو منع کریں اور روکیں۔ اور (جو جوگ ایسی مجالس میں شرکت کریں یا ان کو سنیں) تو ان کو سننے پر معذور نہ سمجھا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماتم کرنے والے، دیکھنے والے اور سننے والے سب کے سب گناہ گار ہیں۔ اور والیان دین پر ان کا روکنا واجب ہے۔

نوحہ کرنا:

یوم عاشورہ کی بدعات میں سے ایک بدعت نوحہ کرنا بھی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ دس محرم کو لوگ نوحہ کرتے ہیں، گال پیٹتے ہیں، اور سر کے بال وغیرہ کھول لیتے ہیں زنجیر زنی کر کے اپنے نفوس کو تکلیف پہنچاتے ہیں، جس کی حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے لعنت فرمائی ہے نوحہ کرنے

والے اور اس کی طرف کان لگانے والے پر۔(ابو داؤد)

اور ایک حدیث میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وشقّ الجيوب ودَعا بدعوة الجاهليّة۔ (بخاری ومسلم)

ہم میں سے نہیں ہے وہ شخص جو اپنے گال پیٹے، اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانے کے طور وطریقے اختیار کرے۔

دوسری حدیث میں پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ماتم آنکھ اور دل سے ہو وہ جائز ہے، اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطانی فعل ہے۔(مشکوٰۃ)

مرثیہ گانا:

محرم کی بدعات میں سے ایک بدعت مرثیہ گانا ہے پورے مہینے میں حضرت حسینؓ کے مرثیہ کو گا گا کر پڑھا جاتا ہے اور پھر اس کو پڑھ کر روتے، چیختے اور چلاّتے ہیں، حالانکہ ان مرثیوں کی اکثر روایات بالکل غلط اور موضوع ہوتی ہیں اور اس کو پڑھنا اور سننا باعث اجر وثواب سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ شریعت میں مصیبت کے وقت بالقصد وارادہ رونے سے منع فرمایا ہے احادیث میں اس کی صاف ممانعت آئی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔ نیز حضرت عبد الرحمٰنؓ پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

صوتان ملعونان فی الدّنیا والآخرۃ مزمار عند نغمۃ ورنۃ عند مصیبۃ۔

دو آوازیں جو دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں خوشی کے وقت گانا بجانا، اور مصیبت کے وقت مرثیہ پڑھنا اور نوحہ کرنا۔(بزار، جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۳۰)

اور جو مرثیہ مصیبت کے وقت بھی نہیں بلکہ صدیوں بعد کیا جائے وہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

سیاہ لباس پہننا:

محرم کی بدعات میں سے ایک بدعت سیاہ لباس پہننا ہے جبکہ شریعت میں کسی خاص رنگ یا لباس کا اس لئے اختیار کرنا کہ اس سے رنج وغم کا اظہار مقصود ہو ممنوع ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت عمران بن حصینؓ سے ایک قصے میں منقول ہے کہ ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ غم میں چادر اتار کر صرف کرتہ پہنے ہیں، یہ وہاں غم کی اصطلاح تھی۔

آپ ﷺ نہایت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ جاہلیت کے کام کرتے ہو یا جاہلیت کی رسم کی مشابہت کرتے ہو، میرا تو یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ تم پر ایسی بدعا کروں کہ تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ پس فوراً ان لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر کبھی ایسا نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی خاص وضع و ہیئت اظہار غم کے لیے بنانا بھی حرام ہے۔

شیعہ حضرات جو اس ماہ میں سیاہ لباس پہن کر ماتم مناتے ہیں یہ خود ان کے اپنے مقتدایان مذہب کے فیصلے کے بھی سراسر خلاف ہے چنانچہ امام جعفر صادقؒ سے جب سوال کیا گیا کہ عورتیں سیاہ کپڑے پہن کر نماز پڑھیں تو فرمایا کہ سیاہ کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی کہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے۔ اور امیر المؤمنین نے اصحاب کو سکھلایا کہ سیاہ لباس نہ پہنو کیونکہ سیاہ پوشی فرعون کا لباس ہے۔ اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مؤمنوں سے کہہ دے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی سیاہ کپڑے۔ (بار الرجیٰ ص ۲۱۵۔۲۱۶۔۲۴۲ مصنف ملا بہاؤالدین عاملی)

یومِ عاشورہ کی چھٹی:

دیکھا جاتا ہے کہ لوگ عام طور پر اس دن چھٹی کر دیتے ہیں حالانکہ یہ کئی وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ شیعوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان کے عزائم و ارادوں کو بڑھا دینا ہے اور ان منکرات کی تائید و تقویت ہے۔ دوسرے یہ کہ شیعہ اس دن ماتم کرتے ہیں۔ سخت مصیبت و مشقت اور محنت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مسلمان چھٹی کر کے ان کے تماش گیر بن جاتے ہیں جبکہ منکرات کو دیکھنا بھی غلط ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تعزیہ کی بدعت:

تعزیہ بنانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور اس کا بنانا رسومات میں داخل ہونے کی وجہ سے سخت گناہ ہے۔ مال اچھی اور جائز کمائی سے ہونا چاہیے اور خرچ بھی صحیح مصرف میں ہونا چاہیے اور بعض عوام جہلاء تو تعزیہ کے سامنے نذر و نیاز کرتے ہیں جس کا کھانا "**وما اهل به لغير الله**" میں داخل ہو کر حرام ہے۔ اس کے آگے دست بستہ تعظیم سے کھڑا ہونا اور عرضیاں لٹکانا اور اس کو دیکھنے کو ثواب سمجھنا سخت معصیت ہے اور بعض ان میں سے درجہ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں۔

"**اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ**ۙ" (الصّٰٓفّٰت: ۹۵) (کیا ایسی چیز کو پوجتے ہو جس کو خود تراشتے ہو؟) میں داخل ہو کر مؤجب کفر و شرک ہے۔ العیاذ باللہ (بارہ مہینوں کے فضائل و احکام ص:۹۱)

حضرت حسینؓ کی طرف اس کی نسبت اور ان کا نام اس پر چسپاں کرنا:

بلکہ بعض جہلائ تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ اس میں شاید حضرت حسینؓ جلوہ افروز ہیں۔ بعض نادان یوں کہتے ہیں کہ جناب اس کو حضرت حسینؓ کے ساتھ نسبت ہو گئی اور ان کا نام لگ گیا، اس لئے یہ تعزیہ قابل تعظیم ہو گیا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ نسبت کی تعظیم ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر جب کہ نسبت واقعی ہو۔ مثلاً حضرت امام حسینؓ کا کوئی لباس ہو یا اور کوئی ان کا تبرک ہو۔ ہمارے نزدیک بھی وہ قابلِ تعظیم ہیں اور جو نسبت اپنی طرف سے تراشی ہوئی ہو وہ ہرگز اسباب تعظیم سے نہیں ورنہ کل کو کوئی خود امام حسینؓ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تو چاہیے کہ اس کو اور زیادہ تعظیم کرنے لگو۔ حالانکہ بالیقین اس کو گستاخ و بے ادب قرار دے کر اس کی سخت توہین کے درپے ہو جاؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ نسبت کاذبہ سے وہ شے معظم نہیں ہوتی، بلکہ اس کذب کی وجہ سے زیادہ اہانت کے قابل ہوتی ہے۔ اس بناء پر انصاف کر لو کہ یہ تعزیہ تعظیم کے قابل ہے یا اہانت کے۔

تعزیہ کے ساتھ باجے بجاتے ہیں، اس کے دفن کرنے کی جگہ کو زیارت گاہ سمجھتے ہیں، مرد و عورتیں آپس میں بے پردہ ہو جاتے ہیں، نمازیں نہیں پڑھتے، ان سب امور کی برائی ہر مسلمان جانتا ہے۔

ماتمی جلوس کی ابتداء:

محرم کے ماتمی جلوسوں کی بدعت چوتھی صدی کے وسط میں معز الدولہ دیلمی نے ایجاد کی۔ شیعوں کی مستند کتاب "منتہی الآمال" (ج:۱، ص: ۴۵۳) میں ہے:

"جملہ (ای مؤرّخین) نقل کردہ اند کہ ۳۵۲ھ (سی صد و پنجاہ و دو) روز عاشور معز الدولہ دیلمی امر کرد اہلِ بغداد را بہ نوحہ و لطمہ و ماتم بر امام حسین و آنکہ زنہا مویہا را پریشان و صورتہا را سیاہ کنند و بازارہا را بہ بندند، و بر دکانہا پلاس آویزاں نمائند، وطباخین طبخ کنند، وزنہائے شیعہ بیروں آمدند در حالیکہ صورتہا را بہ سیاہی دیگ وغیرہ سیاہ کردہ بودند وسینہ می زدند، ونوحہ می کردند، سالہا چنیں بود۔ اہلِ سنت عاجز شدند از منع آں، لکون السلطان مع الشعیۃ۔"

ترجمہ: "سب مؤرِّخین نے نقل کیا ہے کہ ۳۵۲ھ میں عاشورہ کے دن معز الدولہ دیلمی نے اہلِ بغداد کو امام

حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرنے، چہرہ پیٹنے اور ماتم کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ عورتیں سر کے بال کھول کر اور منہ کالے کر کے نکلیں، بازار بند رکھے جائیں، دُکانوں پر ٹاٹ لٹکائے جائیں اور طباخ کھانا نہ پکائیں۔ چنانچہ شیعہ خواتین نے اس شان سے جلوس نکالا کہ دیگ وغیرہ کی سیاہی سے منہ کالے کیے ہوئے تھے اور سینہ کوبی و نوحہ کرتی ہوئی جا رہی تھیں۔ سالہا سال تک یہی رواج رہا اور اہلِ سنت اس (بدعت) کو روکنے سے عاجز رہے، کیونکہ بادشاہ شیعوں کا طرف دار تھا۔"

حافظ ابنِ کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں ۳۵۲ھ کے ذیل میں یہی واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

"فی عاشر المحرّم من هٰذه السنة أمر معز الدولة بن بویه – قبحه الله – ان تغلق الأسواق، وان یلبس النساء المسوح من الشعر، وأن یخرجن فی الأسواق، حاسرات عن وجوههن، ناشرات شعورهن، یلطمن وجوههن، ینحن علی الحسین بن علی بن أبی طالب۔ ولم یکن أهل السنّة منع ذٰلك لکثرة الشیعة وظهورهم، وکون السلطان معهم۔" (البدایہ والنہایہ ج:۱۱، ص:۲۴۳)

ترجمہ: "اس سال (۳۵۲ھ) کی محرّم دسویں تاریخ کو معز الدولہ بن بویہ دیلمی نے حکم دیا کہ بازار بند رکھے جائیں، عورتیں بالوں کے ٹاٹ پہنیں اور ننگے سر، ننگے منہ، بالوں کو کھولے ہوئے، چہرے پیٹتی ہوئی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرتی، بازاروں میں نکلیں، اہلِ سنت کو اس سے روکنا ممکن نہ ہوا شیعوں کی کثرت و غلبہ کی وجہ سے اور اس بنا پر کہ حکمران ان کے ساتھ تھا"

اس سے واضح ہے کہ چوتھی صدی کے وسط تک اُمت ان ماتمی جلوسوں سے یکسر ناآشنا تھی، اس طویل عرصے میں کسی سنی امام نے تو درکنار، کسی شیعہ مقتدا نے بھی اس بدعت کو رَوا نہیں رکھا، ظاہر ہے کہ ان ماتمی جلوسوں میں اگر ذرا بھی خیر کا پہلو ہوتا تو خیر القرون کے حضرات اس سے محروم نہ رہتے، حافظ ابن کثیر کے بقول:

"وهٰذا تکلف لَا حَاجة إلیه فی الْإسلام، ولو کان هٰذا أمرًا محمودًا لفعله خیر القرون و صدر هٰذه الاُمَّة و خیرتها۔ وهم أوْلی به ''لو کانا خیر ما سبقونا الیه'' وأهل السنة یقتدون وَلا یبتدعون۔" (البدایہ والنہایہ ج:۱۱، ص: ۲۵۴)

ترجمہ: "اور ایہ ایک ایسا تکلف ہے جس کی اسلام میں کوئی حاجت و گنجائش نہیں، ورنہ اگر یہ اَمر لائقِ تعریف

ہوتا تو خیر القرون اور صدرِ اوّل کے حضرات جو بعد کی اُمت سے بہتر و افضل تھے، وہ اس کو ضرور کرتے کہ وہ خیر و صلاح کے زیادہ مستحق تھے، پس اگر یہ خیر کی بات ہوتی تو وہ یقیناً اس میں سبقت لے جاتے۔ اور اہلِ سنت، سلف صالحین کی اقتدا کرتے ہیں، ان کے طریقے کے خلاف نئی بدعتیں اختراع نہیں کیا کرتے۔''

الغرض جب ایک خود غرض حکمران نے اس بدعت کو حکومت و اقتدار کے زور سے جاری کیا اور شیعوں نے اس کو جزو ایمان بنالیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اگلے ہی سال یہ ماتمی جلوس سنی شیعہ فساد کا اکھاڑا بن گیا اور قاتلینِ حسین نے ہر سال ماتمی جلوسوں کی شکل میں معرکہ کربلا برپا کرنا شروع کر دیا، حافظ ابنِ کثیر ۳۵۳ھ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''ثم دخلت سنة ثلاث و خمسين و ثلاث مائة. في عاشر المحرّم منها عملت الرافضة عزاً الحسين كما تقدم في السمة الماضية. فاقتتل الروافض وأهل السُّنَّة في هٰذا اليوم قتالاً شديدًا وانتهبت الأموال۔'' (البدایہ والنہایہ ج:۱۱، ص: ۲۵۳)

ترجمہ: ''پھر ۳۵۳ھ شروع ہوا تو رافضیوں نے دس محرّم کو گزشتہ سال کے مطابق ماتمی جلوس نکالا، پس اس دن روافض اور اہل سنت کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور مال لُوٹے گئے''

چونکہ فتنہ و فساد ان ماتمی جلوسوں کا لازمہ ہے، اس لیے اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں اس بدعتِ سیئہ کا کوئی وجود نہیں، حتیٰ کہ خود شیعی ایران میں بھی اس بدعت کا یہ رنگ نہیں جو ہمارے ہاں کربلائی ماتمیوں نے اختیار کر رکھا ہے، حال ہی میں ایران کے صدر کا بیان اخبارات میں شائع ہوا، جس میں کہا گیا:

''علم اور تعزیہ غیر اِسلامی ہے۔ عاشورہ کی مروّجہ رُسوم غلط ہیں۔ ایران کے صدر خامنہ ای کی تنقید۔ تہران (خصوصی رپورٹ) ایران کے صدر خامنہ ای نے کہا ہے کہ یومِ عاشورہ پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ کرنے کے مروّجہ طریقے یکسر غلط اور غیر اسلامی ہیں۔ اسلام آباد کے انگریزی اخبار ''مسلم'' کی رپورٹ کے مطابق ایرانی سربراہِ مملکت نے نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ یہ طریقہ نمود و نمائش پر مبنی اور اِسلامی اُصولوں کے منافی ہے۔ فضول خرچی اور اِسراف ہمیں امام حسین رضی اللہ عنہ کے راستے سے دُور کر دیتا ہے۔ انہوں نے عَلم اور تعزیے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ خواہ یہ محراب و گنبد کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں، یاد تازہ کرنے کی اسلامی شکل نہیں، ان نمائشی چیزوں پر رقم خرچ کرنا حرام ہے اور عاشورہ کی رُوح کے منافی ہے، کیونکہ یوم عاشورہ تفریح کا دن نہیں ہے۔ امام خمینی کے

فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے صدر خامنہ ای نے کہا کہ مذہبی تقریبات کے دوران لاؤڈ اسپیکر کو بہت اُونچی آواز میں استعمال نہیں کرنا چاہیے اور عزاداری کے مقام پر بھی پڑوسیوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہیے۔ لوگوں کو ماتم کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس رسم کو لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہونا چاہیے۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی پیر ۱۹ محرم ۱۴۰۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

ہندو پاک میں یہ ماتمی جلوس انگریزوں کے زمانے میں بھی نکلتے رہے اور "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں بھی ان کا سلسلہ جاری رہا۔ اہلِ سنت نے اکثر و بیشتر فراخ دِلی ورواداری سے کام لیا اور فضا کو پُر امن رکھنے کی کوشش کی، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود کبھی یہ بدعت فتنہ وفساد سے مبرا نہیں رہی۔ انگریزوں کے دَور میں تو ان ماتمی جلوسوں کی اجازت قابلِ فہم تھی کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" انگریزی سیاست کی کلید تھی، لیکن یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد اس فتنہ وفساد کی جڑ کو کیوں باقی رکھا گیا، جو ہر سال بہت سی قیمتی جانوں کے ضیاع اور ملک کے دو طبقوں کے درمیان کشیدگی اور منافرت کا موجب ہے؟ بظاہر اس بدعتِ سیئہ کو جاری رکھنے کے چند اسباب ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ ہمارے اربابِ حل و عقد نے ان ماتمی جلوسوں کے حسن وقبح پر نہ تو اسلامی نقطۂ نظر سے غور کیا اور نہ ان معاشرتی نقصانات اور مضرتوں کا جائزہ لیا جو ان تمام ماتمی جلوسوں کے لازمی نتائج کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ایک نظام جو انگریزوں کے زمانے سے چلا آتا تھا، انہوں نے بس اسی کو جوں کا توں برقرار رکھنا ضروری سمجھا اور اس میں کسی تبدیلی کو شانِ حکمرانی کے خلاف تصوّر کیا۔ عاشورائے محرّم میں جو قتل و غارت اور فتنہ وفساد ہوتا ہے، وہ ان کے خیال میں کوئی غیر معمولی بات نہیں، جس پر کسی پریشانی کا اظہار کیا جائے یا اسے غور وفکر کے لائق سمجھا جائے۔

دوسرا سبب یہ کہ اہلِ سنت کی جانب سے ہمیشہ فراغ قلبی ورواداری کا مظاہرہ کیا گیا، اور ان شر انگیز ماتمی جلوسوں پر پابندی کا مطالبہ نہیں کیا گیا، اور ہمارے حکمرانوں کا مزاج ہے کہ جب تک مطالبے کی تحریک نہ اُٹھائی جائے وہ کسی مسئلے کو سنجیدہ غور وفکر کا مستحق نہیں سمجھتے۔

تعزیہ کا جلوس دیکھنا:

مگر پھر بھی ان دنوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجالس اور تعزیہ کے جلوسوں کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتی ہے۔ جس میں کئی طرح کے گناہ ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں دشمنانِ صحابہؓ اور دشمنانِ قرآن کے ساتھ تشبہ ہے، اور

پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے: **من تشبّہ بقوم فھو منھم۔** جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اسی میں شمار ہو گا۔ دوسرا گناہ یہ ہے کہ اس سے ان دشمنان اسلام کی رونق بڑھتی ہے۔ جو کہ بہت بڑا گناہ ہے، پیارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم۔

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی رونق کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔

شاہ عبد العزیز محدّث دھلویؒ فتوٰی عزیزی میں لکھتے ہیں کہ تعزیہ داری جو مبتدعین کرتے ہیں بدعت ہے جو مبتدع کو خدا کی لعنت میں گرفتار کر دیتی ہے اور اس کے فرائض اور نوافل بھی درگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، تعزیہ کے تابوت کی زیارت کرنا، اور اس پر فاتحہ پڑھنا، اور مرثیہ پڑھنا اور کتاب سننا اور فریاد کرنا اور سینہ کوبی کرنا اور حضرت حسینؓ کے ماتم میں اپنے آپ کو زخمی کرنا یہ سب چیزیں ناجائز ہیں۔ (فتاوٰی عزیزی ص ۱۵۵، ۲۷۳) اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان مجالس میں جانے اور تعزیہ کے جلوسوں میں شریک ہونے سے پرہیز کریں، ورنہ شرکت کے باعث خواہ وہ تماشہ بینی کے طور پر ہی کیوں نہ ہو عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا:

محرم کے مہینے میں بالخصوص نویں، دسویں اور گیارہویں تاریخ میں کھانا پکا کر حضرت حسینؓ کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں، حضرت حسینؓ کے نام کی دیگیں پکائی جاتی ہیں، روٹیاں تقسیم کی جاتی ہیں، اور بعض علاقوں میں روٹیاں گھروں کی چھتوں سے جلوس پر پھینکی جاتی ہیں جن میں سے اکثر زمین پر گر کر پاؤں میں روندی جاتی ہیں سب ناجائز ہے، بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عاشورہ کے دن کھچڑا پکنا ضروری ہے، اگر کھچڑا نہیں پکایا تو عاشورہ کی فضیلت ہی حاصل نہیں ہو گی۔ اس قسم کی کوئی بات نہ تو حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائی اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نے اور تابعینؒ نے اور بزرگان دین نے اس پر عمل کیا، صدیوں تک اس عمل کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ یہ طریقہ غلط ہے۔

ایصال ثواب کا سب سے افضل طریقہ:

یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق نقد رقم کسی کار خیر میں لگا دیں جو صدقہ جاریہ والے اعمال ہیں ان میں لگا دیں کہ

جب تک وہ چیز باقی رہے گی برابر اس کو ثواب ملتا رہے گا، یا کسی مسکین کو دے دیں۔ یہ طریقہ اس لئے افضل ہے کہ اسے مسکین اپنی ضرورت اور مرضی کے مطابق خرچ کر سکے گا۔ اور یہ صورت ریا اور نمود سے بھی پاک ہے۔ جبکہ مرّوجہ طریقوں میں مختلف قسم کی قباحتیں پائی جاتی ہیں۔

حضرت حسینؓ کے نام کی سبیلیں لگانا:

اسی طرح محرم کے مہینے میں حضرت حسینؓ کے نام کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں جن میں لوگوں کو شربت پلایا جاتا ہے اور اس میں ان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اس سے ان شہیدوں کی پیاس بجھے گی جو میدان کربلا میں پیاسے شہید ہو گئے تھے اس لئے کہ شربت مسکن عطش ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ جو چیز صدقے میں دی جاتی ہے میت کو بعینہٖ وہی چیز ملتی ہے یہ خیال بالکل باطل اور لغو ہے۔ ان کے پاس شربت نہیں پہنچتا بلکہ جو چیز اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں دی جائے اس کا ثواب پہنچتا ہے قرآن میں ارشاد فرمایا:

"لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ" (الحج: ۳۷)

اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جانوروں کا گوشت پوست نہیں پہنچتا بلکہ ثواب پہنچتا ہے۔ اس لئے ایصال ثواب میں اپنی طرف سے ایسی تخصیص کہ: سردی ہو یا گرمی، شربت ہی تقسیم کرنا ہے یا زردہ ہی پکانا ہے، یا کھچڑا ضرور پکانا ہے، تو کھانا بھی متعیّن، دن بھی متعیّن، مہینہ بھی متعیّن، حالانکہ شریعت نے ان چیزوں کی تعیین نہیں فرمائی، بلکہ آزادی دی ہے کہ آپ جب چاہیں، جو چاہیں صدقہ کر سکتے ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی آزادی پر اپنی طرف سے پابندیاں لگانا سخت گناہ اور بدعت ہے۔

حضرت حسینؓ کے لئے لفظ امام کا استعمال:

حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں کہ امام کا لفظ اہل حق کے ہاں بھی استعمال ہوتا ہے اور شیعہ کے ہاں بھی۔ اہل حق کے ہاں اس کا معنیٰ پیشوا، رہبر اور مقتدا کے ہیں، اور اہل تشیع کے ہاں امام عالم الغیب اور معصوم ہوتے ہیں، ان کے ہاں امام کا درجہ نبیوں سے بھی بڑا ہے۔ ظاہر ہے اس لفظ کے استعمال کرنے میں ہم تو وہی معنیٰ ملحوظ رکھتے ہیں جو اہل حق کے ہاں ہیں اس اعتبار سے تمام صحابہؓ، تابعینؒ، اولیاًاللہ اور علمأ، امام ہیں۔ اس لئے امام ابو بکرؓ، امام عمرؓ، امام عثمانؓ، امام علیؓ، امام ابو ہریرہؓ کہنا چاہیئے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

النجوم امنة للسمأ واصحابی امنة لامتی۔

میرے سب صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، سب کے سب امام ہیں جس کی چاہو اقتداء کرلو، ہر ستارے میں روشنی ہے جس سے چاہو روشنی حاصل کر لو، تمام صحابہ ؓ کو امام بتایا، اس معنٰی سے سارے صحابہ اور سارے تابعین، اور تمام علمأ کرام بھی امام ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ لوگ امام ابو بکرؓ، امام عمرؓ، نہیں کہتے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ اثر مسلمانوں میں کہیں غیر سے آیا ہے، یہ اہل تشیع کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے۔ اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

علیہ السلام کا اطلاق:

ایسے ہی ان دونوں (یعنی حضرات حسنینؓ) کے لئے علیہ السلام بھی وہی لوگ کہتے ہیں جو انہیں انبیأ علیہم السلام کا درجہ دیتے ہیں، اس لئے اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔ اور جس طرح دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعائیہ کلمات لکھے اور کہے جاتے ہیں ایسے ہی دعائیہ کلمات (یعنی رضی اللہ عنہ) حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی لکھے اور کہے جائیں۔

ماہ محرم کو منحوس سمجھنا:

بعض لوگ اپنے بچّوں کو امام حسینؓ کا فقیر بناتے ہیں اور ان سے بعضے بھیک بھی منگواتے ہیں۔ اس میں اعتقادی فساد تو یہ ہے کہ اس عمل کو اس کی طول حیات میں مؤثر جانتے ہیں۔ یہ صریح شرک ہے اور بھیک مانگنا بلا اضطرار حرام ہے۔

بعض لوگ محرم میں شادی، بیاہ اور خوشی کی تقریبات نہیں کرتے بلکہ اسے برا اور منحوس سمجھتے ہیں، جو شریعت کے سراسر منافی ہے۔ شریعت میں محرم یا کسی دوسرے مہینے میں نکاح اور شادی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ زیادہ عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور نکاح بھی عبادت ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ رب العزّت کا قرب اور تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا تزوّج العبد فقد کمل نصف الدّین فلیتق اللہ فی النّصف الباقی۔(شعب الایمان للبیہقی ص: ۳۸۳، ج: ۴)

ترجمہ: کہ جب آدمی شادی کرتا ہے تو اسکا آدھا دین مکمل ہو جاتا ہے تو اس کو چاہیے کہ باقی آدھے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ نکاح کریں تاکہ اس غلط سوچ کی بیخ کنی ہو۔ اس طرح بعض لوگ اس بچے کو جو محرم میں پیدا ہو، اسے منحوس سمجھتے ہیں یہ سب واہیات اور غلط عقائد ہیں جن کا ترک ضروری ہے۔ اس لئے تمام مسلمان خود بھی اس کا اہتمام کریں اور دوسروں سے بھی اس کا اہتمام کروائیں کہ اس دن بڑی بڑی طاعات جیسے روزہ وغیرہ کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہوں اور ہر گز روافض کی اور شیعوں کی بدعت میں مشغول نہ ہوں۔ جیسے نوحہ اور ماتم اور رونا دھونا۔ یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔ ورنہ آنحضرت ﷺ کی وفات کا دن اس کا زیادہ مستحق تھا۔ اسی طرح نواصب جو اہل بیت کے دشمن ہیں ان کا طریقہ بھی اختیار نہ کرو۔ یہ جاہل ہیں۔ فاسد سے فاسد کا اور بدعت کا بدعت سے مقابلہ کرتے ہیں۔ برائی کے مقابلے میں برائی کرتے ہیں۔ اس دن خوشی اور مسرت ظاہر کرتے ہیں۔ اس کو عید بناتے ہیں، زینت ظاہر کرتے ہیں، خضاب لگاتے ہیں، سرمہ لگاتے ہیں، نئے کپڑے پہنتے ہیں، خرچ میں فراخی کرتے ہیں، ایسے کھانے پکاتے ہیں جو عادت کے خلاف ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب مسنون اور معتاد ہیں۔ حالانکہ سنت ان سب کا ترک ہے۔ اس لیے کہ اس میں کوئی قابل اعتماد اثر و روایت مروی نہیں۔ بعض ائمہ فقہ و حدیث سے پوچھا گیا کہ اس دن سرمہ لگانا، غسل کرنا، مہندی لگانا، دانے پکانا، نئے کپڑے پہننا اور خوشی ظاہر کرنا کیسا ہے؟ تو فرمایا اس میں نہ آنحضرت ﷺ سے کوئی صحیح بات مروی ہے نہ کسی صحابی سے، ائمہ اربعہ اور ان کے علاوہ کسی نے بھی ان چیزوں کو مستحب نہیں سمجھا۔ معتبر کتابوں، میں نہ کوئی صحیح بات مروی ہے، نہ ضعیف، جو کہا جاتا ہے کہ عاشورہ کے دن جو سرمہ لگائے اس کی آنکھ سال بھر نہ دُکھے گی، جو غسل کرے وہ سال بھر بیمار نہ ہو گا اور جو اہل و عیال پر وسعت کرے اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت کریں گے، اسی طرح کے اور فضائل جیسے ایک خاص نماز اور یہ کہ اس میں آدم علیہ السّلام کی توبہ قبول ہوئی، نوح علیہ السّلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری، ابراہیم علیہ اسلام کو آگ سے نجات ملی، اسماعیل علیہ السّلام کو مینڈھے کے ذریعہ بچا لیا گیا، یوسف علیہ السّلام یعقوب علیہ السّلام کو واپس ملے۔ یہ سب باتیں موضوع ہیں۔ صرف توسعہ علی العیال کی حدیث کہ اس کی سند میں کچھ کلام ہے۔ تو یہ جاہل لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اس دن کو عید بناتے ہیں اور یہ رافضہ اس کو ماتم اور غم کا دن مناتے ہیں۔ یہ دونوں سنت کے خلاف ہیں۔ اور ایسے ہی یہ باتیں بعض حفاظ نے ذکر کی ہیں۔ (ماثبت بالسنۃ ص:۱۶)

عاشورہ کے دن گھر والوں پر وسعت کرنا:

ہاں ایک ضعیف اور کمزور حدیث ہے، مضبوط حدیث نہیں ہے، اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن اپنے گھر والوں پر اور ان لوگوں پر جو اس کے عیال میں ہیں، مثلاً اس کے بیوی، بچّے، گھر کے ملازم وغیرہ، ان کو عام دنوں کے مقابلے میں عمدہ اور اچھا کھانا کھلائے اور کھانے میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔ یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اس عمل پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ انشاء اللہ حاصل ہوگی۔ لہٰذا اس دن گھر والوں پر کھانے میں وسعت کرنی چاہیے، اس کے آگے لوگوں نے جو چیزیں اپنی طرف سے گھڑلی ہیں، ان کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔

احادیث موضوعہ:

توسعہ علی العیال کی حدیث کی تفصیل گذر چکی کہ وہ معتبر ہے، بقیہ سب باتیں غیر معتبر ہیں۔ علّامہ ابن القیم نے بھی تصریح کی ہے کہ عاشورہ کے دن سرمہ لگانا، تیل لگانا، خوشبو لگانا، اس مضمون کی حدیث جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ (ماثبت بالسنۃ ص:۱۷)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ علی بن محمد ابن عراق کی ''**تنزیہ الشرعیۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ**'' سے ایک موضوع حدیث نقل کی ہے۔ جس میں یہ مضمون ہے جو عاشورہ کے دن روزہ رکھے اس کو ساٹھ سال کے روزے اور قیام کا ثواب ملے گا اور جو اس دن روزہ رکھے اس کو دس ہزار فرشتوں کا ثواب ملے گا، اور جو یہ روزہ رکھے اس کو ہزار حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا ثواب ملے گا، اس کو دس ہزار شہیدوں کا ثواب ملے گا، اس کو سات آسمانوں کا ثواب ملے گا، اور جو کوئی اس دن کسی بھوکے کو کھلائے تو گویا اس نے امّت محمدیہ کے سارے فقراء کو پیٹ بھر کر کھلایا اور جس نے کسی یتیم کے سر پر اس دن ہاتھ پھیرا اس کے لیے ہر بال کے بدلہ میں جنت میں ایک درجہ بلند ہوگا۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات کو پیدا کیا۔ آسمان، زمین، قلم، لوح، جبرئیل علیہ السّلام، ملائکہ، آدم علیہ السّلام، اسی دن ابراہیم علیہ السّلام پیدا ہوئے، اسی دن ان کو آگ سے نجات ملی، اسماعیل علیہ السّلام کا فدیہ آیا، فرعون غرق ہوا، ادریس علیہ السّلام کو آسمان پر اُٹھایا گیا، آدم علیہ السّلام کی توبہ قبول ہوئی، داؤد علیہ السّلام کی مغفرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوئے۔

قیامت اسی دن آئے گی۔

یہ حدیث موضوع ہے۔ ابن الجوزی نے ابن عباسؓ سے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ اس کی آفت حبیب بن ابی حبیب ہے۔ (ماثبت بالسنۃ ص:۲۰)

اس کے بعد شاہ صاحب نے ایک اور موضوع حدیث ذکر کی۔ جس میں یہ باتیں بھی ہیں۔ اسی دن یوسف علیہ السّلام قید خانہ سے نکلے، اسی دن یعقوب علیہ السّلام کی بینائی واپس ملی، اسی دن ایوب علیہ السّلام کی بلا ٹلی، اسی دن یونس علیہ السّلام مچھلی کے پیٹ سے باہر نکلے..... اسی دن محمد ﷺ کے اگلے پچھلے ذنوب معاف ہوئے، اسی دن قوم یونس علیہ السّلام کی دعا قبول ہوئی، جو اس دن روزہ رکھے اس کے لیے چالیس سال کا کفارہ ہو گا، سب سے پہلی مخلوق دنیا کی عاشورہ کا دن ہے، سب سے پہلی بارش اسی دن ہوئی، جو اس دن روزہ رکھے گویا ہمیشہ روزہ رکھا، یہ انبیاء کا روزہ ہے، جس نے اس رات کو زندہ کیا گویا ساتوں آسمان والوں کے برابر عبادت کی، جس نے چار رکعت اس طرح پڑھی کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور پچاس مرتبہ قل ھواللہ احد تو اس کے پچاس سال آئندہ اور پچاس سال گذشتہ کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے ملأ اعلیٰ میں نُور کے ہزار منبر بنا دیں گے، اور جس نے ایک گھونٹ پانی پلا دیا گویا ایک لمحہ نافرمانی نہیں کی، جس نے اس دن کسی مسکین گھرانے والوں کو پیٹ بھر کھلایا وہ پل صراط پر بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ اور جس نے کوئی صدقہ دیا گویا کسی سائل کو کبھی واپس نہیں کیا...... اور جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا گویا اولاد آدمؑ کے سارے یتیموں کے ساتھ بھلائی کی، جس نے کسی مریض کی عیادت کی اس نے تمام اولاد آدمؑ کے بیماروں کی عیادت کی۔

ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ بعض متأخرین نے اس کو وضع کر کے اس کے لیے یہ سند جوڑ دی۔ (ماثبت بالسنۃ ص:۲۱)

بہر حال محرم میں جتنی بھی باتیں لوگوں نے ایسی گھڑی ہوئی ہیں جن کا اس ماہ مبارک سے کوئی تعلق نہیں ان کی حیثیت بدعت کی سی ہے اور وہ سب امور ضلالت اور گمراہی میں داخل ہیں۔ اس مبارک مہینے میں دو ہی کام پیارے پیغمبر ﷺ سے ثابت ہیں:

(۱) نو، دس۔ یا دس اور گیارہ، محرم کا روزہ رکھنا اور اپنے اہل وعیال پر وسعت کرنا۔ باقی سب بدعات ہیں۔ اللہ رب العزت بدعات سے بچائے اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سنہ ہجری پر تہنیت:

سنہ ہجری اور واقعہ ہجرت کو تازہ کرنے کے لئے ہر نئے ہجری سال پر مبارک باد دینے کا عمل آہستہ آہستہ رسم و رواج کا درجہ اختیار کرلیتا ہے، اور اس طرح بدعتیں وجود میں آتی ہیں، ہجرت کے بعد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دس سال مدینہ میں رہے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد ۳۰ سال خلافت راشدہ کا عہد رہا، صحابہؓ کی نگاہ میں اس واقعہ کی اتنی اہمیت تھی کہ اسی کو اسلامی کیلنڈر کی بنیاد و اساس بنایا گیا، اور حضرت عمرؓ کے عہد سے ہی ہجری تقویم کو اختیار کر لیا گیا تھا، لیکن ان حضرات نے کبھی سالِ نو یا یوم ہجرت منانے کی کوشش نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اس طرح کے رسوم و رواج کا قائل نہیں ہے، کیونکہ عام طور پر رسمیں نیک مقصد اور سادہ جذبہ کے تحت وجود میں آتی ہیں، پھر وہ آہستہ آہستہ دین کا جزو بن کر رہ جاتی ہیں، اس لیے اسلام کو بے آمیز رکھنے کے لیے ایسی رسموں سے گریز ضروری ہے۔

گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظُلم مَت کرو:

قرآن کریم نے جہاں حرمت والے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اس جگہ پر ایک عجیب جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ:

"فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ" (سورۃ التوبۃ: آیت ۳۶)

یعنی ان حرمت والے مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ ظلم نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان مہینوں میں گناہوں سے بچو، بدعات اور منکرات سے بچو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں، جانتے تھے کہ ان حرمت والے مہینوں میں لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں گے اور اپنی طرف سے عبادت کے طریقے گھڑ کر ان پر عمل کرنا شروع کر دیں گے، اس لیے فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

دوسروں کی مجالس میں شرکت مت کرو:

شیعہ حضرات اس مہینے میں جو کچھ کرتے ہیں، وہ اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، لیکن بہت سے اہلِ سنت حضرات بھی ایسی مجلسوں میں اور تعزیوں میں اور ان کاموں میں شریک ہو جاتے ہیں جو بدعت اور منکر کی تعریف میں آ جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو صاف حکم دے دیا کہ ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو بلکہ ان اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں اور اس کے لیے روزہ رکھنے میں اور اس کی طرف رجوع کرنے میں اور اس سے دعائیں

کرنے میں صرف کرو اور ان فضولیات سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مہینے کی حرمت اور عاشورہ کی حرمت اور عظمت سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا کے مطابق اس دن کو گزارنے کی توفیق عطا فرما۔

ماہ صفر اور غلط تصوّرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہ صفر سے متعلق دور حاضر کے لوگوں کے خیالات:

آج کل ماہ صفر سے متعلق عام لوگوں کے ذہنوں میں مختلف خیالات جمے ہوئے ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

☆ بعض لوگ صفر کے مہینے میں شادی بیاہ اور دیگر پر مسرّت تقریبات منعقد کرنے اور اہم امور کا افتتاح اور ابتداء کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اور کہا کرتے ہیں کہ صَفر میں کی ہوئی شادی صِفر ہوگی (یعنی ناکام ہوگی) اور اس کی وجہ عموماً ذہنوں میں یہ ہوتی ہے کہ صفر کا مہینہ نامبارک اور منحوس ہے، اس لئے صفر کے مہینے کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر ربیع الاوّل کے مہینے سے اپنی تقریبات شروع کر دیتے ہیں، اس وہم پرستی کا دین سے کوئی واسطہ نہیں۔

☆ بعض لوگ صفر کے مہینے کے ابتدائی تیرہ دنوں کو بطور خاص منحوس جانتے ہیں اور تیرہ تاریخ کو کچھ گھونگھنیاں پکا کر تقسیم کرتے ہیں تاکہ اس نحوست سے حفاظت ہو جائے۔ یہ بھی بالکل بے اصل بات ہے۔

بد شگونی اور بد فالی:

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر شگون اور فال لینے کا بھی بہت رواج تھا۔ ان کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو کسی ہرن کو اس کی جگہ سے دوڑاتے اور بھڑکاتے یا کسی پرندے کو اڑا دیتے۔ اگر پرندہ یا ہرن دائیں جانب جاتا تو وہ اس کو مبارک سمجھا جاتا اور نیک فال لیتے اور وہ کام کر لیتے، نیز سفر پر جانا ہوتا تو چلے جاتا۔ اور اگر پرندہ بائیں طرف کو اڑاتا یا ہرن بائیں جانب چلا جاتا تو اس کو نامبارک اور منحوس سمجھتے اور پھر وہ کام نہ کرتے اور جہاں جانا ہوتا وہاں بھی

نہ جاتے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے ’’ لا طیرۃ‘‘ فرما کر اس کی مکمل تردید فرمادی اور واضح فرمایا کہ بدفالی اور بدشگونی محض بے حقیقت اور غلط بات ہے۔ ان کا کسی کام کے برے ہونے میں بالکل دخل نہیں ہے بلکہ اس قسم کا اعتقاد رکھنا جائز بھی نہیں ہے۔ کامیابی اور ناکامی، نفع و نقصان سب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ پرندے یا ہرن کے دائیں طرف جانے میں کوئی خیر اور بائیں جانب جانے میں کسی طرح کی کوئی برائی بالکل نہیں ہے۔

شریعت اسلامیہ کے نزدیک ماہ صفر بھی دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے، ایّام جاہلیت میں اس ماہ صفر کے بارے میں جو تصوّر تھا کہ یہ نحوست کا مہینہ ہے، اسلام نے اس کو رد کیا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم اور دوسری کتب میں واضح الفاظ میں ’’**لا صفر ولا طیرۃ**‘‘ وغیرہ سے ایّام جاہلیت کے عقائد فاسدہ کی سختی کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ اس بدعت قبیحہ کو ترک کردیں اور ایسے عقائد فاسدہ سے توبہ کریں۔

بعض لوگ صفر کے مہینے اور چہار شنبہ یعنی بدھ) کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی اچھا کام نہیں کرتے حالانکہ اسلام کی نگاہ میں نہ کوئی مہینہ منحوس ہے اور نہ کوئی دن اور نہ کوئی وقت اور نہ ایّام و اوقات سے کسی چیز کی کامیابی اور ناکامی اور نفع و نقصان متعلق ہے، نحس کا یہ تصوّر دراصل مشرکانہ خیالات کی پیداوار ہے۔ اسلام کی نظر میں منحوس وہ عمل ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر ہو۔ اسلام سے پہلے لوگ ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس توہم پرستی کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ صفر کے نحس کی کوئی حقیقت نہیں ’’**لا صفر**‘‘[1] اسی طرح حدیث بالا میں پیارے پیغمبر ﷺ نے ’’**لا طیرۃ ولا صفر** ‘‘کے ساتھ ساتھ (**لاطیرۃ ولاصفر** کا ذکر اوپر ہو چکا) ’’**ھامہ**‘‘ کی بھی نفی فرمائی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت کے لوگ **ھامہ** یعنی پرندے سے بدشگونی اور نحوست مراد لیتے تھے، اور اس کے متعلق ان میں طرح طرح کی باتیں پھیلیں ہوئیں تھیں مثلاً:

☆ ان کا خیال تھا کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ’’ھامّہ‘‘ ہے وہ ہمیشہ فریاد کرتا رہتا ہے کہ مجھے پانی پلاؤ مجھے پانی پلاؤ، اور جب مقتول کا بدلہ قاتل سے لے لیا جاتا ہے تو یہ پرندہ اڑ جاتا ہے۔

---

۱ ’’عن النبی ﷺ قال: لا عدوی ولا طیرۃ، ولا ھامة ولا صفر‘‘ عن أبي ھریرۃ رضی اللہ عنہ، (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، باب لا ھامة ولا صفر، کتاب الطب، نیز دیکھیے: صحیح مسلم: حدیث نمبر: ۲۲۲۰) محشی۔

☆ بعض کا خیال تھا کہ مردہ کی ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جاتی ہیں تو وہ ھامّہ بن کر قبر سے نکل جاتی ہیں اور ادھر ادھر گھومتی رہتی ہیں اور اپنے گھر والوں کی خبر لیتی پھرتی ہیں۔

☆ بعض کا خیال تھا کہ "ھامّہ" وہ اُلّو ہے جو کسی کے گھر پر بیٹھ کر آوازیں لگاتا ہے اور انہیں ہلاکت اور بربادی کی اور موت کی خبریں دیتا ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا اور واضح فرمایا کہ ھامّہ کی کوئی حقیقت نہیں۔(مرقات واشعۃ اللمعات)

ارواح کی آمد ورفت:

ہمارے معاشرے میں ھامہ سے ملتی جلتی کچھ چیزیں ہیں رائج ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔مثلاً بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تمام ارواح جمعہ یا جمعرات کی رات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں اور خیرات کرنے کی درخواست کرتی ہیں، اور خیرات نہ کرنے والوں پر بددعا کرتیں ہیں۔ اور مرنے کے بعد روزانہ ایک ماہ تک اپنے گھر کا گشت کرتی رہتیں ہیں۔ اسی طرح خاص طور عورتوں کا یہ خیال ہے کہ شب برأت، شب معراج، شب قدر اور عید وغیرہ میں بھی روحیں اپنے گھروں پر آتی ہیں، اس لئے وہ ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں، یہ اعتقاد بھی غلط ہے، اور کسی حدیث صحیح سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

ماہ صفر کا آخری بدھ:

☆ بعض لوگ اس دن چھٹی کرنے کو اجر وثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں، خصوصاً مزدور طبقہ مالکان سے چھٹیاں مانگتا ہے اور مٹھائی کے پیسے اور عیدی طلب کرتا ہے، اور مشہور ہے کہ اس دن آنحضرت ﷺ نے غسلِ صحت فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک شعر بھی اس سلسلے میں بنایا ہوا ہے۔

آخری چہار شنبہ آیا ہے غسل صحت نبی ﷺ نے پایا ہے

اس کی بھی کچھ اصل نہیں، بلکہ بدعت ہے اور کھانے پینے کی غرض سے لوگوں نے اسے ایجاد کیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دن (یعنی صفر کے آخری بدھ کو) تو آنحضرت ﷺ کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی اور آپ ﷺ کی مرضِ وفات پر خوشی کیسی؟ (دیکھئے تاریخ ابن اثیر، تاریخ طبری)

لہٰذا جن لوگوں میں یہ رواج جاری ہے ان کو چاہئے کہ اس بدعت کو چھوڑیں اور شریعت اسلامیہ کے احکام کی

پیروی اختیار کریں۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

آخری چار شنبہ:

اس دن سیر و تفریح کرنا اور جلوس نکالنا، یہ سب ناجائز ہیں، اور یہ اس بنیاد پر کیے جاتے ہیں کہ اس دن نبی ﷺ صحت یاب ہوئے تھے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات بھی ثابت نہیں۔

چار شنبہ کے دن کے بارے میں بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ اس دن عمل کا آغاز بہتر ہے[1]۔ گو اس حدیث کے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق نہیں ہے، تاہم یہ بات تو حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نُور اور روشنی کو پیدا فرمایا، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: ''وخلق النور یوم الاربعاء''[2] اس حدیث سے ایک حد تک اس دن کی فضیلت و کرامت کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح بعض روایتوں سے منگل، بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھنے کا معمول نبی ﷺ بھی معلوم ہوتا ہے[3]، اس لیے صفر کے مہینہ اور چہار شنبہ کے دن کو منحوس سمجھنا قطعاً درست نہیں، محض توہم پرستی ہے، جس سے بچنا چاہیے۔

---

۱ وذکر بُرهان الإسلام عن صاحب الهسايةأنه مابدئ شيئ يوم الأربعاء ألا تم فلذالك كان المشائخ يتحرون ابتداء الجلوس فيه للتدريس : لأن العلم نُور نبدئ به يوم خلق النور۔ انتهى، ويمكن حمله على غير أربعاء آخر لشهر ''(كشف الخفاء و مزيل الألباس: ۳/۱، ط: عاالإحياء، بيروت) محشى

۲ صحيح مسلم، حديث نمبر: ۲۷۸۹، عن أبي هريرةؓ، باب ابتداء الخلق و خلق آدمؑ

۳ ''عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول اللهﷺ يصوم من الشهر السبت والأحد والاثنين و من الشهر الآخر الثلاثاء والأربعاء والخميس'' (الجامع للترمذى، حديث نمبر: ۷۴۶، باب ماجاء في صوم يوم الاثنين والخميش، كتاب الصوم، جمع الفوائد، حديث نمبر: ۳۰۰۵)

رجب کے مہینے میں ہونے والی بدعات

سیّد السّادات حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ والرضوان کے کونڈوں کے متعلق شرعی حکم:

قارئین کرام:

حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ دین کو سب سے زیادہ جاننے والے، دین کو خوب سمجھنے والے، دین پر مکمل طور پر عمل کرنے والے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان سے زیادہ دین کو جانتا ہوں، یا ان سے زیادہ دین کا ذوق رکھتا ہوں، یا ان سے زیادہ عبادت گزار ہوں، تو حقیقت میں وہ شخص پاگل ہے اور وہ دین کی فہم نہیں رکھتا۔

ماہ رجب کے بارے میں بھی لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں ان کی حقیقت سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

مثلاً ۲۲ رجب کے کونڈے اور ستائیسویں رجب کی رات کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ شب معراج ہے اور اس کو اسی طرح منانا جس طرح شب قدر کو منایا جاتا ہے، اور شب معراج کی فضیلت بھی شب قدر کی طرح ہے، اور اس میں مخصوص نوافل کا ادا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن واقعہ معراج کے بعد اٹھارہ سال تک پیارے پیغمبر ﷺ زندہ رہے اور آپ ﷺ کے بعد تقریباً سو سال تک صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے، پھر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا اس پورے عرصہ میں کوئی ثابت نہیں کہ ان حضرات نے (۲۷) رجب کو خاص عبادت کا اہتمام کیا ہو۔

۲۷: رجب کی شب میں عبادت اور دن کو روزہ رکھنا:

۲۷ رجب کی رات کو خاص طور پر عبادت کا اہتمام کرنا بدعت ہے، یوں تو اللہ توفیق دے تو ہر رات عبادت کرنا بہتر ہی بہتر ہے، لیکن کسی خاص رات کو عبادت کے لئے مختص کرنا جب کی شریعت میں اس کی تعیین نہ ہو وہ بدعت ہے۔

اسی طرح ستائیس (۲۷) رجب کا روزہ ثابت نہیں:

بعض لوگ ستائیس رجب کے روزے کو عاشورہ اور عرفہ کے روزہ کی طرح فضیلت والا روزہ سمجھتے ہیں، اگرچہ ایک یادو ضعیف روایتیں تو اس کے بارے میں ہیں، لیکن صحیح سند سے کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس بدعت کا سد باب کیا:

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں جب انہیں معلوم ہوا کہ بعض لوگ ۲۷ رجب کو بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھ رہے ہیں، چونکہ ان کے یہاں دین سے ذرا بھی ادھر ادھر ہونا ممکن نہیں تھا، اس لئے فاروق اعظمؓ فوراً گھر سے نکل پڑے، اور جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا ان میں سے ایک ایک کے پاس جا کر زبردستی اپنے سامنے کھانا کھلاتے کہ میرے سامنے کھا کر ثبوت دو کہ تمہارا روزہ نہیں ہے۔ اس کا اس قدر اہتمام اس لئے کیا کہ لوگ خاص اس دن کے روزہ کو زیادہ فضیلت نہ دیں، بلکہ اس کو عام دنوں کی طرح کا نفلی روزہ سمجھیں۔ اور اس لئے بھی یہ اہتمام کیا کہ اس بدعت کا سد باب ہو اور دین کے اندر اپنی طرف سے زیادتی نہ ہو۔

۲۲ رجب کے کونڈوں کی حقیقت:

آج کل معاشرے میں فرض وواجب کے درجے میں جو چیز پھیل گئی ہے، وہ کونڈے ہیں، اگر آج کسی نے کونڈے نہیں کئے تو وہ مسلمان ہی نہیں، نماز پڑھے یا نہ پڑھے، روزے رکھے یا نہ رکھے، گناہوں سے بچے یا نہ بچے، لیکن کونڈے ضرور کرے، اور اگر کوئی شخص نہ کرے یا کرنے والوں کو منع کرے تو اس پر لعنت اور ملامت کی جاتی ہے۔ حالانکہ ان کونڈوں کی کوئی اصل قرآن وحدیث، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور بزرگان دین سے کہیں ثابت نہیں، اور اس کو اتنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں دین کا کوئی دوسرا کام ہو یا نہ ہو، مگر کونڈے ضرور ہوں، اس لئے کہ اس میں کھانے پینے اور دل بھلانے کا سامان ہوتا ہے جس کے ہم لوگ خوگر ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر پوریاں پکائی جاتیں ہیں، حلوہ پکتا ہے اور اِدھر اُدھر ایک دوسرے کے ہاں بھیجا جاتا ہے، خوب میلا ہوتا ہے، چونکہ یہ بڑے مزے کے کام ہیں اس واسطے شیطان نے اس میں لوگوں کو مشغول کر دیا کہ نماز پڑھو یا نہ پڑھو، مگر یہ کونڈے ضرور کرو۔

نیز ان چیزوں نے ہماری امّت کو خرافات میں مبتلا کر دیا ہے۔

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امّت خرافات میں کھو گئی

بہت سے لوگ صرف ناواقفیت کی وجہ سے بھی یہ کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کوئی عناد نہیں ہوتا لیکن دین سے ناواقفیت کی بناپر وہ بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت ایک دوسرے کے ہاں بھیجا جاتا ہے، یہ بھی شاید قربانی ہی کی طرح کوئی ضروری عمل ہے۔ اس لئے کونڈوں کی شرعی حیثیت بیان کی جاتی ہے تاکہ لوگ ان بدعات سے بچ سکیں اور دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سمجھا سکیں۔

۲۲ رجب کے کونڈے:

اس کو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز سمجھا جاتا ہے لیکن یہ مندرجہ ذیل وجوہ سے ناجائز ہے۔

۱۔ ایصالِ ثواب میں خاص دن کی تخصیص ہے جو بدعت ہے۔

۲۔ یہ رافضیوں کا فعل ہے اور وہ حضرت امیر معاویہؓ کی اس تاریخ میں وفات کی خوشی اس عنوان سے مناتے ہیں۔

۳۔ شیعوں اور رافضیوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

حضرت جعفر صادقؒ:

حضرت سید السّادات جعفر صادقؒ خانوادہ نبوت کے چشم وچراغ ہیں، اکابرین اسلام میں آپ کا بلند مقام ہے۔

ولادت: ۸ رمضان ۸۰ھ یا بروایت دیگر ۱۷: ربیع الاوّل ۸۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وصال: ۱۵ شوال ۱۴۸ھ کو ۶۵ سال کی عمر میں ہوا (کما فی البدایۃ والنھایۃ)

۲۲ رجب کے کونڈوں کی حقیقت:

یہ ہے کہ یہ بالکل خلاف شرع ہیں اور یہ بے اصل بدعت مخالفین اسلام اور معاندین صحابہ کرامؓ کی ایجاد ہے جو اٹھارویں صدی کے اواخر میں شمالی ہند کے علاقے سے شروع ہوئی اور لکھنؤ اور رامپور کے نوابوں اور روافض نے اس کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا اور حضرت جعفر صادقؒ کے نام سے ایک افسانہ اور قطعی طور پر ایک جھوٹی داستان گھڑی کہ حضرت جعفر صادقؒ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ:

۲۲ :رجب کو کونڈے کرو اور میرے توسل سے مراد طلب کرو، مراد پوری نہ ہو تو قیامت میں تمہارا ہاتھ اور میرا دامن ہو گا۔

حالانکہ نہ تو بائیس رجب کا دن باتفاق مؤرخین حضرت جعفر صادقؒ کی پیدائش کا دن ہے، نہ یوم وصال یعنی وفات کا۔

بلاشک وشبہ یہ آپ پر بہتان اور تہمت ہے۔ مسلمانوں کے پاس اللہ کی کتاب قرآن مجید، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنّت قائمہ بلا تحریف و تبدّل موجود ہے۔ اور آپ ﷺ کا امّت پر احسان عظیم ہے، تمام دنیا کے مسلمان تمام عمر بھی آپ ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتے، اور آپ ﷺ کو امت سے اس قدر پیار ہے کہ والدین کو بھی بچے کے ساتھ اتنی محبت نہیں ہوتی۔ "اَلنَّبِیُّ اَولیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"۔ آپ ﷺ کی شان ہے۔ قیامت کے دن جب تمام انبیاء ورسل علیہم السلام "نَفْسِی نَفْسِی" پکاریں گے، تو آپ ﷺ "امتی امتی" فرمائیں گے۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنی پیاری امّت کو مصائب اور مشکلات کے حل کے لئے اس قسم کے کونڈے بھرنے کی تجویز نہیں دی، تو پھر ایک ولی کس طرح یہ تجویز کر سکتا ہے۔؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ "

(الانعام: ۱۷)

اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس کے کوئی رد نہیں کر سکتا اور اگر تم کو فائدہ پہنچائے تو وہ ہر بات پر قادر ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کی تکلیف دور نہیں کر سکتا، حاجت روائی نہیں کر سکتا، غیر اللہ کی نذر کرنا شرک ہے۔ اور حضرت جعفر صادقؒ تو بڑے درجہ کے بزرگ ہیں کوئی ادنیٰ ترین مسلمان بھی اس قسم کی لاف وگزاف نہیں کر سکتا۔

ہر مسلمان پانچ وقت نمازوں میں کئی کئی بار " اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ؕ "۔ پڑھتا ہے جس کا مطلب واضح یہ ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ کونڈوں کا عمل نماز کی روح کے منافی ہے، اور نماز

میں اللہ سے مدد واستعانت کا جو بار بار اقرار کیا جاتا ہے اس کے بھی منافی ہے۔

حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب جھوٹی داستان:

جو داستان حضرت جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

مدینہ منوّرہ کا ایک لکڑ ہارا قسمت کا مارا روزی کمانے کسی دوسرے ملک کو چلا گیا۔ اس کی بیوی نے مدینہ کے وزیر اعظم کے یہاں جھاڑو دینے کی نوکری کرلی۔ ایک دن جب وہ صحنِ خانہ میں جھاڑو دے رہی تھی تو امام جعفر صادق اس راہ سے یہ فرماتے ہوئے گزرے کہ:

"کوئی شخص کیسی ہی مشکل اور حاجت رکھتا ہو، آج ۲۲ رجب کو پوریاں پکا کر دو کونڈوں کو بھر کر ہمارے نام سے فاتحہ دلا دے تو مراد اس کی پوری ہو۔ اگر نہ ہو تو حشر کے روز اس کا ہاتھ ہو گا اور ہمارا دامن۔"

یہ سنتے ہی لکڑ ہارن نے اپنے دل میں منّت مانی کہ میرا شوہر جسے گئے ہوئے ہوئے ۱۲ سال گذر گئے تھے جیتا جاگتا کچھ کمائی کے ساتھ واپس آجائے تو میں امام کے نام کے کونڈے کروں گی۔ جس وقت وہ منّت کی نیّت کر رہی تھی، عین اسی وقت اس کے خاوند نے دوسرے ملک کے جنگل میں جب سوکھی جھاڑی پر کلہاڑی چلائی تو کسی سخت چیز پر لگ کر گری اس نے وہاں کی زمین کھودی تو اسے ایک دفینہ ملا۔ وہ یہ خزانہ لے کر مدینہ آیا۔ اس نے ایک عالی شان حویلی بنوائی اور ٹھاٹھ سے رہنے لگا۔ جب لکڑ ہارن نے اپنی مالکہ، وزیر اعظم کی بیوی سے یہ حال بیان کیا تو اس نے کونڈوں کے اثر سے خزانہ ملنے کو جھوٹ سمجھا۔ چنانچہ اس بد عقیدگی کی پاداش میں اسی دن وزیر اعظم پر عتابِ شاہی نازل ہوا اور مال و دولت ضبط کر کے شہر بدر کر دیا گیا۔

جنگل کو جاتے ہوئے وزیر نے بیوی سے پیسے لے کر خربوزہ خریدا۔ اور رومال میں باندھ کر ساتھ لے چلے۔ راستے میں شاہی پولیس نے انہیں شہزادے کے قتل کے شبہ میں گرفتار کر لیا۔ جب بادشاہ کے سامنے رومال کھولا گیا تو خربوزے کی جگہ شہزادے کے خون سے لتھڑا ہوا سر نکلا۔ بادشاہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ کل صبح سویرے اس کو پھانسی دی جائے۔ رات کو قید خانہ میں یہ دونوں میاں بیوی دل میں سوچ رہے تھے کہ ہم سے ایسی کیا خطا ہو گئی جس کی وجہ سے اس حال کو پہنچے۔ یکایک وزیر کی بیوی کو خیال آیا کہ میں امام کے کونڈے کرنے سے انکار کر بیٹھی تھی۔ اس نے اسی وقت توبہ کی اور مصیبت سے نجات ملنے پر کونڈے بھرنے کی منّت مانی۔

اس کا منّت ماننا تھا کہ حالات کا رنگ پلٹا، گم شدہ شہزادہ صبح کو صحیح سلامت واپس آگیا۔ ان دونوں کو قید سے رہائی ملی۔ وہ واپس مدینہ آئے۔ بادشاہ نے وزیر کو دوبارہ وزارتِ عظمیٰ پر بحال کیا اور اس کی بیوی نے دھوم دھام سے امام کے کونڈے بھرے۔ (نیاز نامہ امام جعفر صادق سلطان حسین تاجر کتب بھنڈی بازار بمبئی)

یہ لغو کہانی خود ظاہر کرتی ہے کہ اس کا گھڑنے والا لکھنؤ کا کوئی جاہل داستان گو تھا جس کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ:

(۱) مدینہ منّورہ میں اس زمانے کے اندر نہ کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے نہ وزیر اعظم۔

(۲) حضرت جعفر صادقؒ کی عمر کے ۵۲ سال تک بنو امیہ کی خلافت رہی جس کا صدر مقام دمشق (ملک شام) تھا مگر ان کی خلافت میں بھی وزیر اعظم کا کوئی عہدہ نہیں تھا، اس کے بعد ۱۶ سال تک آپ عباسی خلافت میں رہے جس کا صدر مقام بغداد تھا ان کے ہاں بھی آپ کی موجودگی میں وزارت عظمیٰ کا عہدہ قائم نہ ہوا تھا۔

(۳) یہ کہانی حضرت جعفر بن محمدؒ پر تہمت کے سوا کچھ نہیں آپ کا دامن ایسی لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک ہے کہ وہ دینی علوم میں بصیرت اور بلند مقام رکھنے کے باوجود اپنی فاتحہ دلا کر کھلے شرک میں مبتلا ہوں۔

۲۲ رجب کے کونڈے حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی خوشی کے طور پر منائے جاتے ہیں:

دراصل ۲۲ رجب ۶۰ھ کو امیر المؤمنین، امام المتقین، خال المسلمین، کاتب وحی رسول اللہ ﷺ جناب حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اسلام اور مسلمانوں کی پچاس سال تک خدمت کرنے کے بعد وفات پائی تھی۔ جو پیارے پیغمبر ﷺ کے برادر نسبتی اور عم زاد تھے، منافقوں کو ہمیشہ ان کے ساتھ بغض وعداوت رہی ہے۔

روافض جس طرح امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کی خوشی میں ان کے مجوسی قاتل ابولؤلؤ فیروز کو بابا شجاع کہہ کر عید مناتے ہیں، اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہؓ کی رحلت اور وفات کی خوشی میں ۲۲ رجب کو پوریاں اور حلوہ پکا کر یہ تقریب مناتے ہیں، لیکن پردہ پوشی کے لئے ایک روایت گھڑ کر حضرت جعفر بن محمد صادق کی طرف منسوب کر دی ہے، تاکہ راز فاش ہونے سے رہ جائے، اور دشمنان معاویہؓ کونڈوں کے نام پر اپنی خوشی کا ایک دوسرے کا ساتھ اظہار کر سکیں۔ ان کی تقیہ سازی اور اس پر فریب طریقۂ کار سے کئی سادہ لوح توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی لاعلمی کی وجہ سے شریک ہو جاتے ہیں۔

اس لئے یاد رکھیں کہ اس رسم کا پیارے پیغمبر ﷺ کی شریعت سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی صحابہ کرامؓ تابعین اور

اتباع تابعینؒ کے دور میں یہ رسم موجود تھی اس لئے یہ رسم سراسر بدعت اور گمراہی ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔اور خاص طور پر اس لئے بھی کہ یہ صحابی رسول حضرت امیر معاویہؓ کے دشمنوں کی تقریب ہے۔

شعبان المعظم و منکرات شب برأت

شعبان کے مہینے میں شب برات کے اندر ہونے والی رسوم و بدعات:

۱۔ بہت سے چراغ روشن کرنا اور لہو و لعب کے لیے جمع ہونا آتش بازی میں مشغول ہونا اور غالباً یہ عمل ہنود کی دیوالی سے لیا گیا ہے۔ علی بن ابراہیم کا قول ہے کہ زیادہ روشنی کرنا یہ بعض برامکہ سے شروع ہوا ہے۔ یہ لوگ اصل میں آتش پرست تھے۔ جب اسلام لائے تو انہوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کی تاکہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے وقت آگ کو سجدہ کریں پھر آئمہ ہدیٰ نے ان منکرات کو باطل کیا اور آٹھویں صدی کے شروع میں بلاد مصریہ وشامیہ میں ان منکرات کا خوب قلع قمع کیا گیا (عجب نہیں کہ یہ آتش بازی بھی ان کا شعبہ ہو) (هذا كله من ما ثبت بالسنة للشيخ الدهلوی)

۱۔ ۱۴ تاریخ شعبان کو تہوار منانا اور عید بقر عید کی طرح بچّوں کے کپڑے پہنانا اور عیدی دینا بے اصل ہے۔

۲۔ مکتب کے معلموں کو اس دن میں مثل عید کے تعطیل بھی نہیں کرنا چاہیے۔(سال بھر کے مسنون اعمال)

۳۔ بچّوں کو آتش بازی کے لیے رقم دینا سخت گناہ ہے۔ حضرت حکیم الامّت اپنے رسالہ زوال السنۃ عن اعمال السنۃ ص:۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔

آتش بازی مطلقاً خصوصاً اس رات میں بالکل معصیت ہے۔ آتش بازی کے لیے اپنے بچّوں کو پیسے دینا یا ان کے لیے خریدنا یا کسی قسم کی اعانت اس کے متعلق کرنا بھی ناجائز ہے۔

اس آتش بازی کی اصل دیکھی جائے تو یہ نکلتی ہے کہ برامکہ ایک قوم ہے یہ اصل میں آتش پرست تھے پھر اسلام لے آئے۔ ان میں اچھے لوگ بھی تھے مگر بعض میں آتش پرستی کا مادہ موجود تھا یہ فعل ان کا ایجاد کیا ہوا ہے تاکہ اس بہانہ مرکز کی طرف توجہ رہے پھر دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا تو جب ماخذ اس کا مادہ کفر ہے تو یہ شبہ کفر کا ہوا۔ اس کو دوسری معصیتوں سے زیادہ اہتمام کے ساتھ چھوڑ دینا چاہیے اور خیر یہ معصیت تو بر نگ معصیت ہی ہے کرنے والے

بھی اس کو برا ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے واقعات اس کی بدولت ہر سال پیش آتے ہیں کسی کا ہاتھ جل گیا، کسی کی جان جاتی رہی، کسی کا مکان خاک سیاہ ہو گیا اور فرضاً کچھ بھی نہ ہوا تو اتلاف مال تو ضرور ہے۔ زیادہ تر پیران نابالغ پر تعجب ہے جن کے دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشا دیکھیں گے مگر چونکہ وقار کے خلاف ہے اس لیے بچّوں کو آڑ بناتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں بچےّ نہیں مانتے، تماشوں میں بچّوں کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

(اسی طرح بعض لوگ یُوں کہتے ہیں کہ حلوے کے لیے بچےّ ضد کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ چار دن پہلے پکاؤ اس دن نہ پکاؤ۔ بعض شہروں میں شب برأت سے ایک دن پہلے عرفہ مشہور ہے کہ شب برات میں تو پرانے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں اور ایک دن پہلے جدید مُردوں کو تاکہ وہ پرانے مُردوں میں شامل ہو جائیں۔ شریعت میں ان رسموں کی کوئی اصل نہیں)۔ (شب مبارک)

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شب برات میں ہونے والی رسوم وبدعات کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں: غرض عبدیت تو یہ ہے کہ جیسے حکم ہو ویسے کرے، مگر لوگوں نے اس شب میں برکات چھوڑ کر بیہودہ حرکات اختیار کر رکھی ہیں، چنانچہ آتش بازی ایسی منکر حرکت ہے نام ہی میں اس کے متکبر ہونے کا اقرار ہے کہ نام بھی ایسا ایجاد کیا گیا جس میں آتش بھی ہے، اور بازی بھی۔ نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خطرہ کی چیز ہے اور لہو ولعب ہے، بھلا آتش سے تلبّس ہونا بھی کوئی اچھی بات ہے۔

حدیث شریف میں تو یہاں تک ارشاد ہے کہ سوتے وقت چراغ کو گل کر دو۔ جو کہ عادتاً دُور ہی رکھا جاتا ہے، پھر تلبّسِ قریب سے تو ممانعت کیوں نہ ہو گی؟ واقعی بڑی خطرہ کی چیز ہے، چنانچہ بہت سے واقعات اس کی بدولت ہر سال پیش آتے ہیں، کسی کا ہاتھ جل گیا، کسی کی جان جاتی رہی، کسی کا مکان سیاہ ہو گیا، اور اگر فرضاً کچھ بھی نہ ہوا تو اتلاف مال تو ضرور ہی ہے، جس کی وہی مثل ہے کہ "گھر پھونک تماشہ دیکھ" یہاں پر ایک صاحبزادے کا ہاتھ جَل گیا ہم کو اُمید تھی کہ اب یہ حرکت چھوٹ جائے گی، اللہ ورسول ﷺ کی مخالفت بھی ہے، اور دنیا کا مالی وجانی نقصان بھی ہوتا ہے، لیکن بہادر لوگ نہیں باز آئے۔

زیادہ تر پیرانِ نابالغ پر تعجب ہے جن کے دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ ہم خود تماشہ دیکھیں مگر چونکہ وقار کے خلاف ہے اس لیے بچّوں کو آڑ بناتے، اور یہ عذر کرتے ہیں کہ بچےّ نہیں مانتے، تماشوں میں بچّوں کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

صاحبو! ان بچّوں کو کیوں بدنام کرتے ہو، بلکہ تمہاری ہی گود میں ایک بچّہ ہے جس کو نفس کہتے ہیں۔ وہ تم کے لے جاتا

ہے، اگر سچ مچ وہی ضد کرتے ہیں، تب بھی یہ عذر قابلِ قبول ہے دیکھو! اگر تمہارا بچّہ باغیوں میں شامل ہو کر گولہ چھوڑنے لگے تو تم اس کو روکو گے یا نہیں؟ ضرور روکو گے اگر نہ مانے گا تو جبراً روکو گے، اسی طرح یہاں کیوں نہیں روکا جاتا؟ بس یُوں کہو کہ گناہ اس کو نہیں سمجھتے، اگر تم خود معصیت کو بُرا سمجھتے تو بچّوں کو اس کی عادت کیوں ڈالتے۔ بھلا اگر بچّے تم سے سانپ مانگنے لگیں تو کیا دے دو گے؟ پھر جس کو خدا اور رسول ﷺ نے مضر کہا ہے کیا وجہ ہے کہ اس کی عادت ڈالی جاتی ہے؟

معلوم ہوا کہ خدا اور رسول کے فرمانے کی وقعت نہیں پھر یہ کہ یہ مال تمہارا کہاں ہے؟ سب خدا ہی کی ملک ہے تم محض خزانچی ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے "وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (المنافقون:۷) ہمیں یہ اجازت نہیں کہ جیسے چاہیں خرچ کریں، خدا کا مال ہے اس کی مرضی کے بغیر قیامت میں سوال ہو گا کہ تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ پس جب بچّوں کو آتش بازی کے لیے پیسے دینا شرعاً حرام ہے تو تم دینے والے کون ہو؟ ہر گز مت دو، اور ضد کرنے دو، اور کھیل تماشہ میں بھی ان کو مت کھڑے ہونے دو۔ (ملخص از وعظ "شعبان")

شب براءت کی اتنی اصل ہے کہ پندرہویں رات اور پندرہواں دن اس مہینے کا بہت بزرگی اور برکت کا ہے، ہمارے پیغمبر ﷺ نے اس رات کو جاگنے کی اور اس دن روزہ رکھنے کی عادت دلائی ہے، اور اس رات میں ہمارے حضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ مُردوں کے لیے بخشش کی دعا مانگی ہے، تو اگر اس تاریخ میں مُردوں کو کچھ بخش دیا کریں، چاہے درود شریف پڑھ کر، چاہے نقد دے کر، چاہے ویسے ہی دُعا بخشش کی کر دے تو یہ طریقہ سنت کے موافق ہے، اس سے زیادہ جتنے بکھیڑے لوگ کر رہے ہیں اس میں حلوے کی قید لگا رکھی ہے اور اس طریقہ سے فاتحہ دلاتے ہیں اور خوب پابندی سے یہ کام کرتے ہیں یہ سب واہیات ہیں۔

شب براءت میں یا شادی میں انار پٹاخے اور آتش بازی چھڑانے میں کئی گناہ ہیں:

اوّل: مال فضول برباد جاتا ہے قرآن شریف میں مال کے فضول اُڑانے والوں کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے[۱]۔ اور ایک آیت میں فرمایا ہے کہ مال فضول اُڑانے والوں کو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے، یعنی ان سے بیزار ہیں[۲]۔

دوسرے: ہاتھ پاؤں جلنے کا اندیشہ یا مکان میں آگ لگ جانے کا خوف۔ اوّل جان یا مال کو ایسی ہلاکت اور خطرے

---

۱ بہشتی زیور۔ حصہ ششم۔ آتش بازی کا بیان۔ ص:۵۔ ط: مکتبۃ الایمان اُردو بازار کراچی

۲ سورہ بنی اسرائیل:۲۷

میں ڈالنا خود شرع میں بُرا ہے۔

تیسرے: لکھے ہوئے کاغذ آتش بازی کے کام میں لاتے ہیں، خود حروف بھی ادب کی چیز ہیں، اس طرح کے کاموں میں ان کو لانا منع ہے۔ بلکہ بعض بعض کاغذوں پر قرآن کی آیتیں یا حدیثیں یا نبیوں کے نام لکھے ہوتے ہیں بتلاؤ تو سہی ان کے ساتھ بے ادبی کرنے کا کتنا بڑا وبال ہے؟ تم اپنے بچّوں کو ان کاموں کے واسطے کبھی پیسے مت دو[1]۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات و رسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہ: ۲ محرم ۱۴۳۴ھ / ۱۶ نومبر ۲۰۱۲)

---

[1] سورہ الاعراف: ۳۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مروّجہ جشن عید کا شرعی جائزہ

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکّی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللھم
صل علی محمد وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللھم
بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له الذي أمر باتباع صراطه المستقيم، ونهى عن اتباع السبل المضلة. وأشهد أن محمداً عبده ورسوله الذي حذّر من البدع غاية التحذير، صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم على الدين القويم، وسلم تسليماً كثيراً۔

أما بعد،

فإن الله سبحانه۔ جعل لِكُلِّ أُمَّة مَنْسكاً هم ناسكوه؛ لإقامة ذكره والالتفات إلى شكره، فقال تعالىٰ ''وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ''(الحج: ٣٤) وقال سبحانه: ''لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ'' (الحج: ٦٧)

و قد تَعَبَّد اللهُ هذه الأمة المرحومة، أمة الإسلام بعيدين حوليين في العام الواحد، هما: عيد الفطر، و عيد الأضحى، فعن أنس۔ رضي الله عنه۔ قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة، ولهم يومان يلعبون فيهما، فقال: ''قد أبدلكم الله بهما خيراً منهما: يوم الأضحى، ويوم الفطر'' أخرجه أبو داؤد، والنسائي بسند صحيح۔

فصلی الله وسلم علی من أتم الله به النعمة علی هذه الأمة، وأکمل به الدین، وجعله خاتماً للأنبیاء والمرسلین، وجعل شریعة ناسخة لکل شِرْعَة ودین، ورفع بشریعته کل جهالة وبدعة، وبعثه داعیاً أن لا یعبد إلا الله، وأن لا یعبد الله إلا بما شرع، فکان من نعم الله علی عباده في شرعه المطهر: سنة العید لأهل الإسلام فأنعم الله علی المسلمین بعیدین زمانیین حولیین، هما عیدا أهل الإسلام: عید الفطر، وعید الأضحی، ویقال: عید النحر۔

محفل میلاد اور اجلاس سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۲ ربیع الاول کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا "جشن عید" منایا جاتا ہے۔ اور آج کل اسے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمہ چشم بصیرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صغر سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شباب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر و فکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و نماز، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد و تقویٰ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و خشیت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح و جنگ، خفگی و غصہ، رحمت و شفقت، تبسم و مسکراہٹ، الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت و سکون امّت کے لیے اسوہ حسنہ اور اکسیر ہدایت ہے، اور اس کا سیکھنا سکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا امّت کا فرض ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب و اصحاب، ازواج و اولاد، خدام و عمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس و پوشاک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیاروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں، خچروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے کیوں کہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیّبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک ولادت شریفہ سے لے کر قبل از نبوت تک کا۔ اور دوسرا بعثت سے لے کر وصال شریف تک کا۔ پہلے حصّہ کے جستہ جستہ بہت سے واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیات طیّبہ کا دوسرا حصّہ — جسے قرآن کریم نے امّت کے لیے "اسوۂ حسنہ" فرمایا ہے — اس کا مکمل ریکارڈ حدیث و سیرت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ باہمہ خوبی و زیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے جمال جہاں آراء کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امّت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب ﷺ کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل وثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ — اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو — یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لیے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت طیّبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کی سیرت طیّبہ کے ایک ایک نقشے کو اپنی زندگی کے ظاہر وباطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ ﷺ کے ہر امتی کی صورت وسیرت، چال ڈھال، رفتار وگفتار، اخلاق وکردار آپ ﷺ کی سیرت کا مرقع بن جائے۔ اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہے۔ —

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے۔ آپ ﷺ کے فضائل و کمالات اور آپ ﷺ کے بابرکت اعمال و اخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اور آپ ﷺ کی زندگی کے ہر نقشِ قدم پر مر مٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین، صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدیٰ ان دونوں طریقوں پر عامل تھے۔ اور آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل و مجلس میں آپ ﷺ کی سیرت طیّبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا عمر فاروقؓ کا یہ واقعہ سنا ہو گا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لیے آیا۔ واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا۔ برخوردار تمہاری چادر ٹخنوں سے نیچے

ہے۔ اور یہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے خلاف ہے—ان کے صاحبزادے سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کو آنحضرت ﷺ کی سیرت طیّبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت ﷺ نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے۔ جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے۔ اور جہاں آنحضرت ﷺ فطری ضرورت کے لیے اترے تھے، خواہ تقاضا نہ ہو تا تب بھی وہاں اترتے اور جس طرح آنحضرت ﷺ بیٹھے تھے اس کی نقل اتارتے—رضی اللہ عنہ یہی عاشقان رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے دم قدم سے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیّبہ صرف اوراق کتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی۔ اور اس کی بوئے عنبرین نے مشام عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے مگر ان کی شکل وصورت، اخلاق وکردار اور اعمال ومعاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمال محمد ﷺ کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سریت نبوی ﷺ کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جشن آمد رسول منانے کا باعث عہد صحابہؓ میں موجود تھا:

آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی خوشی کو اجتماعی طور پر منانا ایک ایسا عمل ہے جس کا سبب باعث اور محرکات سب عہدِ صحابہ میں بھی موجود تھے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو آج سامنے آیا ہو۔ وہ تمام محرکات ودواعی جن پر آج عمل کی بناء رکھی جاتی ہے۔ عہدِ صحابہؓ اور قرون مشہود لہا بالخیر میں باحساس اتم موجود تھے۔ لیکن ہمیں کوئی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کبھی اس موقع پر اجتماعی خوشی کی ہو آخر کیوں؟ اور نہ سہی کبھی آپ ﷺ کی اولاد حضرت سیّدہ فاطمہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت امامؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی کبھی اپنے والد اور نانا کا یومِ ولادت منایا ہو اس کا آپ کو کبھی ثبوت نہ ملے گا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا آپ نے اس پر کبھی غور کیا؟ کہ ان میں سے کسی کو بھی وہ بات نہ سوجھی جسے آج ہم نے مدار ایمان اور شعار اہل سنّت بنالیا ہے، یہ تو ناممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ پیارے پیغمبر ﷺ کا جشن مناتے، مگر تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ مجتہدین اور محدثین میں سے کوئی اسے نقل نہ کرتا، میلاد کے ان جلوسوں کے ناجائز اور خلاف شریعت ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کا ثبوت قرآن وسنت اور خیر القرون میں نہیں ملتا، نہ تو انہوں نے محبت وعشق کے نام پر نئے نئے طریقے رائج کیے اور نہ ہی حقیقی پیغام کو جاننے، سمجھنے اور پھیلانے کے سوا کوئی دوسرا طرز حیات اختیار کیا

اس لئے کہ ان کا عشق و محبت بلا شک وشبہ مسلّم تھا، وہاں ہر روز، روز عید اور ہر شب شب برأت کا قصہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی ''سیرت النبی ﷺ'' کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیّبہ تھا۔ اور جب ان کا ہر قول و عمل سیرت النبی ﷺ کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آسکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت ﷺ کے مبارک دَور سے بعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکہ چلنے لگا— الحمد للہ یہ امّت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزرے دَور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت ﷺ کی سیرت طیّبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو و کاجل سنوارتے ہیں اور ان کے لیے محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنج قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ ایسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دوبار سیرت النبی ﷺ کے نعرے لگاکر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی ﷺ کا جو حق تھا وہ قرض انہوں نے پورا ادا کردیا، اور اب ان کے لیے شفاعت واجب ہوچکی ہے۔ مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دُور دُور تک سیرت طیّبہ کی کوئی جھلک دِکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت ﷺ کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھرچ کھرچ کر صاف کرڈالا ہے۔ اور روز مرہ نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے پتھر دل کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے مٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قوالی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت ﷺ کا حق ادا ہوجاتا ہے۔

آج بھی جس دل و دماغ پر آپ ﷺ کی رسالت جلوہ پیرا ہوگی وہ آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی کو ذاتیات کے پہلو سے نہ دیکھے گا۔ آئینہ رسالت میں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی کے ہر قدم کو آپ ﷺ کی سنت اور سیرت کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے گا۔ صحابہؓ آپ ﷺ کی اسی جذبۂ محبّت سے سرشار تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی آپ سے مطلق محبّت کے جذبات کا اظہار نہ کیا تھا۔

میلاد شریف کیا خلفائے راشدین، اہل بیت اور صحابہ کرامؓ نے منایا؟

جب ہم پیارے پیغمبر ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کی سیرت کو دیکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ نہ تو آپ

ﷺ نے اپنی ولادت کا دن منایا جبکہ نبوت کے ملنے کے بعد آپ ﷺ تیئیس سال مسلمانوں میں موجود رہے، اور نہ ہی اپنے صحابہؓ کو اس کا حکم دیا، نہ ہی خلفائے راشدینؓ اپنے (۳۰) تیس سالہ خلافت راشدہ کے دور میں اس دن کو منایا۔

☆ پیارے پیغمبر ﷺ کے یار غار سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ جو خلیفہ اوّل تھے جنھوں نے ۱۱ لاکھ مربع میل تک اسلام کا پرچم لہرایا، ان کے دور خلافت میں دو مرتبہ ربیع الاوّل کا مہینہ آیا کیا انہوں نے یہ دن منایا؟

☆ فاروق اعظمؓ جنہوں نے ۲۲ لاکھ مربع میل تک اسلام کی سرحدات کو وسعت دی، ان کے دور خلافت میں دس مرتبہ ربیع الاوّل کا مہینہ آیا، کیا انہوں نے اس دن کو منایا؟

☆ امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنیؓ جنہوں نے ۴۴ لاکھ مربع میل کے علاقے پر پرچم اسلام کو لہرایا اور اسلامی سرحدات کو وسعت دی، ان کے دور خلافت میں بارہ مرتبہ ربیع الاوّل کا یہ مہینہ آیا، کیا انہوں نے میلاد شریف منایا؟

☆ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں ۵ مرتبہ یہ مہینہ آیا کیا انہوں نے یہ دن منایا؟

☆ پھر مجموعی طور پر دور صحابہ کرامؓ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ نہ ہی صحابہ کرامؓ نے ہجری ۱۱۰ تک کے اپنے دور میں یہ دن منایا۔

☆ اور نہ ہی تابعینؒ نے کم و بیش دو سو بیس سالہ اپنے دور میں اس دن کو منایا، اور نہ ہی اتباع تابعینؒ نے اس دن کو منایا۔

☆ اور نہ ہی ائمہ اربعہ نے اس کے بارے میں کہا، کیا خیر القرون کی نسل محبت رسول سے بے بہرہ تھی؟ کیا قرون مشہود لھا بالخیر کے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبّت نہ تھی؟ کیا ان میں اتباع سنّت کا جذبہ نہیں تھا؟ یہ مبارک ادوار تو محبّت رسول و اتباع سنّت، ایمانی حرارت اور قوت ایمانی کے بے نظیر قرون ہیں۔ اگر صحابہ کرامؓ کے دور میں عید میلاد النبی منائی جاتی، اور آج کی طرح جلسے جلوس ہوتے، دعوتیں ہوتیں، میلاد پڑھی جاتی تو یہ تاریخ کوئی کیسے بھول سکتا تھا اور آپ ﷺ کی تاریخ پیدائیش میں کیسے اختلاف پڑ سکتا تھا؟ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ سارے ہنگامے جو آج ہوتے ہیں، خیر القرون میں نہ تھے، اور تاریخ اسلام کی مکمل چھے صدیاں ایسی گزری ہیں کہ جن میں ان محافل کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ یہ ساری خرافات بعد کی پیداوار ہیں، اور اصل تاریخ کا بھول جانا اس کی واضح دلیل ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور دلیل نہیں ہو سکتی۔ یا تو صحابہ کرامؓ نے

جان بوجھ کر ولادت اور وفات کی تاریخ کا ذکر نہیں فرمایا، یا یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی بھلوا دیا اور اس میں بڑی حکمت یہ ہو کہ ولادت کی تاریخ پر بدعات اور خرافات کا سلسلہ شروع ہو جاتا، اور وفات پر رونے کا اور یہ دونوں چیزیں شریعت کے خلاف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں تاریخیں بھلوا کر بدعات کی جڑ ہی کاٹ دی۔ اس کی دوسری مثال ہمارے سامنے بیعت رضوان کی ہے جس کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا:

”لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا“ (الفتح: ۱۸)

بالتحقیق اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور جان لیا وہ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اطمینان پیدا کر دیا۔ اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی۔

ظاہر ہے یہ بیعت جس درخت کے نیچے ہوئی تھی وہ بڑا مبارک درخت تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے سال ہی یہ درخت صحابہ کرامؓ کے ذہنوں سے نکلوا دیا انہیں بھول گیا۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں دوسرے سال ہم نے اس کو بہت تلاش کیا مگر اس کا کوئی پتہ نہ چلا، اللہ رب العزّت نے ذہنوں سے بالکل بھلوا دیا تاکہ آنے والے لوگ اس درخت کی پوجا پاٹ میں نہ پڑ جائیں۔ بعض لوگوں نے جب ایک درخت کے بارے میں مشہور کر دیا کہ یہ وہ درخت ہے تو فاروق اعظمؓ نے فوراً اس درخت کو کٹوا دیا، اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج تم تو اس درخت کے نیچے برکت کے لئے نماز پڑھتے ہو لیکن بعد میں آنے والے اس کی پوجا پاٹ میں ہی کہیں نہ لگ جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے:

لیکن یوم ولادت میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ سوموار کا دن ہے، اور سوموار کے دن ۱۲ / ربیع الاوّل کسی صورت نہیں بنتی بلکہ اس کے قریب قریب بھی نہیں بنتی، صحیح حساب اگر بنتا ہے تو پہلی تاریخ کا، یا دوسری کا، یا آٹھویں یا نویں کا اس لئے کہ ربیع الاوّل کا مہینہ اور پیر کا دن یہ دو باتیں تو مسلّم ہیں، اور ان دونوں کا اجتماع ۱۲: ربیع الاوّل کو کسی صورت ممکن نہیں، البتہ مذکورہ تاریخوں میں سے کوئی سی تاریخ لے لی جائے تو حساب بن جاتا ہے، پھر علامہ مغلطائیؒ نے ۲ ربیع الاوّل کو قرار دیا ہے، مگر حضرت ابن عباسؓ و جبیر بن مطعمؓ سے ۸: ربیع الاوّل ماثور ہے، اور اکثر محدثین و مؤرخین کا یہی مختار ہے۔

خود بریلوی مکتبہ فکر کے موجد مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی ۱۲ ربیع الاوّل کے قائل نہیں، بلکہ تحقیق احمد رضا بریلوی ص: ۱۲۔۱۳ فتاوٰی رضویہ ج ۲۶ ص: ۴۱۲۔۴۱۵) میں لکھتے ہیں کہ مختلف اقوال ہیں اور زیادہ تر قول ۸۔۹ ربیع الاوّل کا ہے، البتہ وفات کی تاریخ پر سب جمہور متّفق ہیں کہ ۱۲: ربیع الاوّل ہی میں ہوئی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے غالباً اس حکمت سے کہ آقائے نامدار سرور کائنات رحمت دو عالم حضرت محمدِ مصطفےٰ ﷺ کے یومِ پیدائش کو کہ کہیں کوئی شرعی تقدس نہ دے سوموار کو ہی پہلی وحی فرمائی۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں تھے جب پہلی وحی آئی۔ اور وہ سوموار کا دن تھا۔ اب اس دن کو ایک یاد نے نہیں دو یادوں نے گھیر لیا۔ بایں اس دن کو کوئی شرعی حیثیت نہیں دی گئی۔ شرعی حیثیت دنوں میں سے صرف جمعہ کو حاصل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا مگر کبھی صحابہؓ کو اس کی تعلیم نہ دی نہ کبھی اجتماعی طور پر اسے منانے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ سے سُن کر اسے اپنے ہاں رائج نہ کیا نہ کسی امام اور مجتہد نے اس دن کے روزے کو اجتماعی صورت دی ہے۔

حضرت ابو قتادہ الانصاریؓ کہتے ہیں حضور ﷺ سے آپ کے سوموار کے دن روزہ رکھنے کا پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ذاك يوم ولدت فيه و يوم بعثت او انزل علي فيه۔''

ترجمہ: اس میں میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری بعثت ہوئی یا فرمایا سوموار کے دن ہی مجھ پر (پہلی) وحی اُتری۔

حضور ﷺ نے یہ بات بھی پوچھنے پر ارشاد فرمائی۔ صحابہؓ کو اس یومِ ولادت پر نہ کسی عمل کا حکم دیا نہ روزے کا۔ اللہ رب العزت نے اسی دن آپ ﷺ پر وحی کا آغاز فرمایا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس ولادت کی خوشی میں سوموار کا روزہ رکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرے گا آپ ﷺ کی بعثت کا تصوّر خواہ مخواہ اس پر محیط ہو گا اور دونوں کے ملنے سے بات یہاں پر آئے گی کہ مسلمانوں کے لیے آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی بھی رسالت کے باعث ہے۔ نہ وہ خوشی جو آپ ﷺ کی پیدائش پر ابولہب نے کی تھی۔

یہ بات تو واضح ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی اجتماعی خوشی منانا عہدِ صحابہؓ اور اگلے دونوں قرنوں میں نہ تھا۔ لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اس کا آغاز کب ہوا؟

آپ ﷺ کی ولادت کی اجتماعی خوشی کرنا کب سے شروع ہوا

محفلِ میلاد کی ایجاد:

سب سے پہلے مصر کے رافضی فاطمیوں نے اس بدعت کو نصاریٰ کے دیکھا دیکھی ایجاد کیا، کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کا "برتھ ڈے" یوم ولادت (سالگرہ) مناتے ہیں اور اس میں تمام کام کاج معطل کر کے چھٹی منائی جاتی ہے، اسی کی نقل کرتے ہوئے پہلے ان فاطمی شیعوں نے یوم ولادت رسول ﷺ منایا پھر حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے یوم پیدائش منائے۔ یہ وہ پہلا موقعہ تھا جب یہ بدعت اسلام میں داخل ہوئی پھر موصل کے بادشاہ سلطان (۱) ابو سعید کوکبری بن زین الدین علی بن بکتکین بن محمد جو ملک المعظم مظفر الدین، صاحب اربل کے نام سے مشہور تھے نے اس کو باقاعدہ ایجاد کیا۔

ولكن السيوطيّ (۳) ۔ رحمه الله۔ اطلق ذلك كتابه (حُسن المقصد في عمل المولد)۔ الذي ضمنه كتابه الحاوي۔ فقال: (وأوّلُ من أحدث فعل ذالك۔ الا حتفال بالمولد النبوي۔ صاحب إربل الملك المظفر أبو سعيد كوكبرىٰ (۴) بن زين الدين علي بن بكتكين، أحد الملوك الأمجاد)۔

(۴) هكذا ورد اسمه في كتاب ''الحاوي'' وصحة الاسم هو: أبو سعيد كوكبروي بن أبي الحسن علي بن بكتكين بن محمد، الملقب الملك المعظم مظفر الدين صاحب إربل، ولد سنة ۵۴۹ھ، تولىٰ الملك بعد أبيه سنة ۵۶۳ھ۔ وكان عمره ۱۴ سنة، ثم اعتقل و أُخرج، فاتصل بخدمة صلاح الدين الأيوبي، وحظى عنده، وزوّجه أخته ربيعة خاتون بنت أيوب، وشهد مع صلاح الدين مواقف كثيرة أبَان فيها عن شجاعته، خاصة في حطين، ولّاه صلاح الدين إربل بعد موت

أخيه زين الدين سنة ۵۸۰ھ، وكان شهماً شجاعًا فاتكا عاقلاً عالماً عادلاً۔ رحمه الله ۔ ، ومما اشتهر به: عمله للمولد النبوي واحتفاله الهائل به، وقد صنّفَ له أبو الخطاب بن دِحية مجلداً في المولد النبي سمّاه: التنوير في مولد البشير النذير، فأجازه علىٰ ذلك بألف دينار۔ وقد عمر الجامع = وقال الشيخ حمود التويجري(۱): (أ ن الا حتفال بالمولد بدعة في الإسلام أحدثها سلطان إربل في آخر القرن السادس من الهجرة، أو في أول القرن السابع) .ا.ھ(۲)

فإذا عرفنا ذلك، فلاشكّ أن العبيد يين هم أول من احتفل بالمولد النبوي، حسب ماورد في كتب التاريخ والسير؛ لأنَّ العبيديين دخلوا مصر وأسسوا ملكهم في النصف الثاني من القرن الرابع الهجري، واستمرت دولتهم القرن الخامس، ونصف القرن السادس الهجري۔

فقد دخل المعز معد بن إسماعيل (۳) القاهرة في سنة ۳۶۲ھ (۴) في رمضان، وكان ذلك بداية حكمهم في مصر (۱) ۔ وقيل: في سنة ۳۶۳ھ (۲) ۔ وكان آخر خليفة فيهم هو العاضد (۳)۔ توفي سنة ۵۶۷ھ (۴)

وأما مظفر الدين (۵) صاحب إربل، فولادته كانت في سنة ۵۴۹ھ۔ وتوفي سنة ۶۳۰ھ (۶)

فهذا دليلٌ قاطعٌ علىٰ أن العبيديين سبقوا صاحب إربل – الملك المظفر – بالا حتفال بالمولد النبوي۔

فصاحب إربل ليس أول من احتفل بالمولد النبوي، وإنّما سبقه إلىٰ ذلك العبيديون بحوالي قرنين من الزمان، وهذا لا يمنع أن يكون صاحب إربل هو أول من احتفل بالمولد النبوي في الموصل؛ لأنَّ احتفالات العبيديين كانت في دولتهم – وهي في مصر كما ذُكِرَ في كتب التاريخ –، والله أعلم۔ (البدع الحولیۃ ص۱۵۱)

جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

۱۔ بارہ ربیع الاوّل کی تاریخ کا تعین۔

۲۔ علماء وصلحاء کا اجتماع۔

۳۔ اور ختم محفل پر طعام کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھاہے۔ اور بعض نے عادل و ثقہ۔

یہ بادشاہ میلاد کی محفلوں میں بے دریغ پیسہ خرچ کرتا اور آلات لہو ولعب کے ساتھ راگ رنگ کی محفلیں منعقد کرتا تھا: مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: وقد صرح اهل التّاريخ بانّه يجمع اصحاب المالهى والمزامير فى هذا العمل ويسمع الغناء واصوات اللّهو ويرقص بنفسه ومن حوله كذالك فلا شكّ فى فسقه و ضلالته فكيف يستند بعض مثله ويعتمد على قوله۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۲)

اہل تاریخ نے صراحت کی ہے کہ یہ بادشاہ بھانڈوں اور گانے والوں کو جمع کرتا، اور گانے کے آلات سے گانا سنتا اور خود ناچتا اور اس کے ارد گرد والے لوگ بھی ناچتے۔ ایسے شخص کے فسق اور گمراہی میں کوئی شک نہیں ہے اس جیسے کے فعل کو کیسے روا اور اس کے قول پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

مختصر کیفیّت اس کے فسق کی اور ایجاد بدعت کی یہ ہے کہ یہ مجلس مولود کے اہتمام میں بیس قبے لکڑی کے بڑے عالیشان بنواتا اور ہر قبہ میں پانچ پانچ طبقے ہوتے، ابتداء صفر سے اس کو مزین کیا جاتا، ہر طبقہ میں ایک ایک جماعت راگ گانے والوں، اور باجے کھیل تماشہ ناچ کود کرنے والوں کی بٹھائی جاتی، اور بادشاہ مظفر الدین خود مع اراکین و ہزار ہا مخلوقِ قرب وجوار کے ہر روز ان قبوں اور طبقوں میں جاکر ناچ رنگ وغیرہ سن کر خوش ہوتا۔ قبل دو روز یوم مولد کے اونٹ، گائیں، بکریاں بے شمار طبلوں اور آلات لہو ولعب کے ساتھ نکال کر باہر میدان میں ان کو ذبح کروا کر مختلف قسم کے کھانے تیار کروا کر اہل مجلس کو کھلاتا۔ چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں ہے:

فأذا كان اوّل صفر زيّنوا تلک القباب بأنواع الزينة الفاخرة المتجمّلة وقعد فى كل قبة جوق من المغانى و جوق من ارباب الخيال ومن اصحاب الملاهى۔

وايضاً فيه : فكان مظفر الدّين ينزل كل يوم بعد صلوٰة العصر و يقف علىٰ قبة ، قبة الىٰ آخرها ويسمع غناءهم و يتفرج علىٰ خيالاتهم۔

ايضاً فيه: فأذا كان قبل المولد بيومين اخرج من الابل والبقر ،والغنم شيئاً كثيرا

زائدا عن الوصف وزفها بجميع ما عنده من البطول والمغاني والملاهي حتى يا تيها الىٰ الميدان ثم يشرعون في نحرها و ينصبون القدور و يطبخون الالوان المختلفة ، فاذا كان ليلة المولد عمل السماعات بعد ان يّصلي المغرب في القلعة۔(تاریخ ابن خلکان ص۴۳۷)

خود بریلوی علماء کی تصدیق:

خود بریلوی علماء کی تصدیق ہے کہ اس بدعت کو سب سے پہلے شاہ اربل نے ایجاد کیا تھا۔ چنانچہ بریلویوں کے مفتی احمد یار خان صاحب اپنی کتاب (جاء الحق ص: ۲۳۷:ج۱) میں ایک عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے، اور عمر ابن دحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں۔

بریلویوں کے ایک اور عالم جناب قاضی فضل احمد صاحب اپنی کتاب (انوارِ آفتاب صداقت ص ۳۹۳) پر لکھتے ہیں :

یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اس ہیٔت کذائیہ (یعنی مخصوص شکل) سے یہ عمل خیر وبرکت ونعمت ورحمت ۶۰۴ھ سے بحکم بادشاہ اولی الامر۔۔۔ جاری ہے۔ اس کتاب کی مولانا احمد رضا خان صاحب سمیت ۱۴ بڑے علماء نے تصدیق کی ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ بریلوی علماء کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اس مخصوص شکل کے ساتھ میلاد کی ابتداء پیارے پیغمبر ﷺ کی رحلت کے چھے سو سال بعد ساتویں صدی میں ہوئی ہے اور شاہ اربل اس کا موجد ہے۔

شاہ اربل کی پشت پناہی کرنے والا اور مولود کی کتاب کا پہلا مصنّف:

ملک اربل کا اصل مقصد علماء کرام کو ائمہ مجتہدین کی پیروی سے ہٹانا اور خود نئے نئے اجتہادات کا خوگر کرنا تھا۔ جب وہ قرآن وحدیث سے آزادانہ اجتہاد اور استنباط کریں گے تو پھر کون سی بات ہے جو ثابت نہ ہو سکے اور کون سی بات ہے جو رَد نہ ہو سکے — اصول فقہ کی جب پیروی نہیں تو اب جو مسئلہ چاہو قرآن وحدیث کے نام سے چلا دو۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی پُوری سیاسی گاڑی اسی راہ سے نہیں چلائی — یاد رکھیے اگر کوئی چیز اسے بے دین راہ روی سے روک سکتی ہے تو وہ ائمہ سلف کی پیروی ہے اور ملک اربل اس کا مخالف تھا۔

ملک اربل کے پس پردہ جو غیر مقلد عالم اس فتنے کو ہوا دے رہا تھا وہ عمر بن دحیہ ابو الخطاب (۶۳۳ھ) تھا۔ اس کا

مسلک حافظ ابن حجر (۵۸۲ھ) کی زبان سے سنیے:۔

کثیر الوقیعة فی الائمة و فی السلف من العلماء خبیث اللسان احمق شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متهاونا۔ (لسان المیزان ج:۴، ص:۲۹۶)

ترجمہ وہ ائمہ دین اور علماء سلف کی شان میں بہت گستاخیاں کیا کرتا تھا بڑا بد گو تھا بڑا احمق تھا اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتا تھا غور و فکر (فقہ) میں بہت کم تھا دین کے کاموں میں بہت سست تھا۔

اس نے مولود کی جو کتاب لکھی تھی حسب تحریر ابن خلکانؒ اس کا نام "التنویر فی مولد السراج المنیر" ہے بعض نے "التنویر فی مولد البشیر والنذیر" بھی لکھا ہے۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ سلطان کو مجلس میلاد سے عشق ہے تو اس نے سلطان تک رسائی پیدا کی، کتاب لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی، اور خود پڑھ کر سنائی۔ سلطان اربل نے خوش ہو کر ایک ہزار دینار یا اشرفی اس کو انعام میں دی۔

اس غیر مقلد کے ساتھ اور بھی کئی مولوی لگ گئے۔ بادشاہ اس محفل میلاد پر ہر سال تین لاکھ روپیہ خرچ کرتا اور ان مجالس کو دنیوی اعتبار سے ہر طرح کی رونق سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا۔ دُنیا پرست مولوی اس سے پُورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ وہ راہ ہے جس سے اس امّت میں بدعات داخل ہوئیں اور یہی وہ تحریک ہے جس نے بریلویت کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔

محفل میلاد پر علماء کا رد عمل:

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امّت کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کی بحث چلی، علّامہ فاکہانی اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا اور اسے "بدعت سیئہ" قرار دیا۔ اور دیگر — علماء نے سلطان کی ہم نوائی کی۔ اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو نہ صرف "علماء و صلحاء کے اجتماع" تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آ کر ان کی نئی نئی اختراعات کا تختہ مشق بنتی چلی گئی۔ ملک اربل نے غیر مقلد علماء کی اُکساہٹ پر جو محفلِ میلاد ترتیب دی اور حضور ﷺ کے یومِ پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح ڈالی، علّامہ نصیر الدین شافعی، علّامہ ابن امیر الحاج مالکی، حافظ ابن تیمیہ حنبلی (۷۲۸ھ) اور حضرت مجدد الف ثانی حنفی (۱۰۳۵ھ) نے اپنے اپنے وقت میں اس کی پرزور تردید کی اور بدعت کے سیلاب کے آگے ہر طرف سے روک کے پل

باندھے۔ علّامہ ابن امیر الحاج مالکی لکھتے ہیں:

ومن جملة ما احد ثوه من البدع مع اعتقاد هم ان ذٰلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فى الشهر الربيع الاوّل من المولد وقد احتوى ذٰلك علىٰ بدع و محرمات ..... لان ذٰلك زيادة فى الدين و ليس من عمل السف الماضيين۔ (مدخل ج:۱، ص:۸۵)

ترجمہ: ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے قائم کرر کھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاوّل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور ممنوعات پر مشتمل ہو گیا ہے.... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں۔

کسی عمل کا ناجائز ہونا درکنار اگر ادنیٰ گمان بھی پیدا ہو کہ یہ کام بدعت ہے یا سنت تو علماء احناف نے اس کو چھوڑنے کا ہی حکم دیا ہے۔

علّامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) لکھتے ہیں:

ويلزم ان ما تردد بين بدعة و واجب اصطلاحى فانه يترك كالسنة۔

ترجمہ: اور جو چیز بدعت ہونے اور سنّت ہونے میں زیرِ بحث ہو اُسے چھوڑ دیا جائے۔

اور علّامہ شامی (۱۲۵۳ھ) لکھتے ہیں:

اذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك النسة راجحاً علىٰ فعل البدعة۔

ترجمہ: جب کوئی مسئلہ سنت اور بدعت میں اٹکا ہو تو اس سنت کو چھوڑنا بدعت کا خطرہ لینے سے بہتر ہے۔

علّامہ شامی کا یہ فیصلہ آپ کے سامنے ہے۔ احناف ہمیشہ اسی اصول پر چلے ہیں۔ اور اہل بدعت نے ہمیشہ یہ کہہ کر بدعات کے لیے راہ ہموار کی کہ اس میں حرج کیا ہے۔ ہم اسے کوئی دین کا حکم نہیں سمجھتے۔

وقال الشاطبيُّ (۱) في ''الاعتصام'' بعد أن عرَّف البدعة ومنها: التزام الكيفيات والهيئات المعينة، كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد واتخاذ يوم ولادة النبى صلى الله عليه وسلم عيداً، وما أشبه ذلك... إلخ) (۲) ا.ھ۔

اور امام شاطبیؒ الاعتصام میں بدعت کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں کہ؛ ان ہی میں سے ایک خاص کیفیت اور ہیئت

کا متعین کرنا ہے جیسے اجتماعی طور پر یک آواز ذکر کرنا، اور یوم ولادت نبی ﷺ کو یوم عید بنانا وغیرہ۔

قال شيخ الإسلام ابن تيمية (١): (وأما اتخاذ موسم غير المواسم الشرعية كبعض ليالي شهر ربيع الأول، التي يُقال إنها ليلة المولد، أو بعض ليالي رجب، أو سائر الأعياد والمواسم المبتدعة، فإنهَا من المنكرات المكروهات سواء بلغت الكراهة التحريم، أولم تبلغهل وذلك أن أعياد أهل الكتاب والأعاجم نهي عنها؛ لسببين:

أحدهما: أن فيها مشابهة الكفار۔

والثاني: أنها من البدع۔ فما أحدث من المواسم والأعياد هو منكر، وإن لم يكن فيها مشابهة لأهل الكتاب؛ لوجهين:

أحدهما: أن ذلك داخل في مسمىٰ البدع والمحدثات، فيدخل فيما رواه مسلم (٣) في صحيحه عن جابر (١)۔ رضي الله عنهما۔ قال: كان رسول الله ﷺ إذ خطب احمرّت عيناه، وعلا صوته، واشتدَّ غضبه، حتىٰ كأنه منذر جيش يقول صبحكم ومساكم، ويقول: ''بُعثت أنا والساعة كهاتين – ويقرن بين أصبعيه: السبابة والوسطىٰ – ويقول: ''أما بعد، فإن خير الحديث كتاب الله و خير الهدي هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة'' (٢)۔ وفي رواية للنسائي (٣): ''وكل ضلالة في النار'' (٤)

و فيما رواه مسلم (٥) – أيضاً – في الصحيح عن عائشة (٦)۔ رضي الله عنها – عن النبیﷺ أنه قال: ''من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردّ'' (٧)۔ وفي لفظ في الصحيحين: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ'' (٨)

و في الحديث الصحيح الذي رواه أهل السنن عن العرباض بن سارية (٩) عن النبیﷺ أنه قال: ''إنَّهُ من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي، وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل بدعة ضلالة'' (١٠)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور غصہ بڑھ جاتا تھا، گویا کہ آپ ﷺ کسی حملہ آور لشکر سے ڈرارہے ہوں جو صبح یا شام کسی بھی وقت حملہ آور ہو جائے، اور فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور شہادت اور درمیان والی انگلی ملا کر دکھاتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات جاری کی جو ہمارے دین میں نہ ہو تو اس کی وہ بات رد ہے (یعنی مردود ہے اور قابل قبول نہیں ہے)

جو کوئی ایسا کام کرے گا جس پر ہمارا مذہب نہیں وہ رد ہے۔

وقال ابن الحاج (۳) في ''المدخل'': (فصل في المولد: ومن جملة ما أحدثوه من البدع، مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات، وأظهر الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوىٰ علىٰ بدع ومحرمات جملة۔

فمن ذلك: استعمالهم المغاني، ومعهم آلات الطرب من الطار المصر صر (۴) والشبابة(۵) وغير ذلك، مما جعلوه آلة السماع .... فانظر –رحمنا الله وإياك– إلىٰ مخالفة السنة المطهّرة ما أشنعها وأقبحها، وكيف تجر إلىٰ المحرمات، ألا ترىٰ أنهم لما خالفوا السنّة المطهَّرة، وفعلوا المولد، لم يقتصروا علىٰ فعله، بل زادوا عليه ما تقدم ذكره من الأباطيل المتعددة، فالسعيد السعيد من شدَّيده علىٰ امتثال الكتاب والسنّة ولطريق الموصلة إلىٰ ذلك، وهي اتباع السلف الماضين – رضوان الله عليهم أجمعين –؛ لأنَّهم اعلم بالسنَّة منّا، إذهم أعرف بالمقال، وأفقه بالحال...) ا.هـ(۱)

ابن الحاجؒ فرماتے ہیں کہ ربیع الاوّل کے مہینے میں جتنی بھی بدعات نکالی گئی ہیں اور جن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بڑی عبادات میں سے ہیں جیسے عید میلاد منانا، یہ سب کی سب بدعات اور محرمات ہیں۔ اور پھر ان مواقع پر ہونے والے منکرات کا ذکر کیا ہے۔

☆ وقال الشيخ تاج الدين عمر بن علي اللخمي المشهور بالفكهاني (٣) – بعد حمد الله والثناء عليه بما هو أهل له، والصلاة والسلام علىٰ نبينا محمد عبدالله ورسوله وآله وصحبه أجمعين: (أما بعد، فإنه تكرر سؤال جماعة من المباركين عن الاجتماع الذي يعمله بعض الناس في شهر ربيع الأول و يسمونه المولد ، هل له أصل في الشرع؟ أو هو بدعة وحدث في الدين؟ وقصدوا الجواب عن ذلك مبيناً، والإيضاح عنه معيناً، فقلت وبالله التوفيق:

لا أعلم لهذا المولد أصلاً في كتاب ولا سنّة، ولا ينقل (٣) عمله عن أحدٍ من علماء الأمة، الذين هم القدوة في الدين، المتمسكون بآثار المتقدمين ، بل هو بدعة أحدثها البطالون (۴)، وشهوة نفس اعتنىٰ بها الأكّالون، بدليل أنّا إذا أدرنا عليه الأحكام۔

شیخ تاج الدین عمر بن علیؒ بھی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مروّجہ میلاد کی کتاب وسنّت میں کوئی اصل نہیں اور نہ ہی علمائے امّت جو متقدّمین کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اور دین میں ان کا ایک اہم مقام ہے ان میں سے کسی سے یہ عمل منقول ہے بلکہ یہ اہل باطل اور پیٹ کے پجاریوں کی ایجاد کی ہوئی بدعت ہے۔

☆ الخمسة قلنا إما أن يكون واجباً، أو مندوباً، أو مباحاً، أو مكروهاً، او محرماً، وليس بواجب إجماعاً، ولا مندوباً؛لأنَّ حقيقة المندوب ما طلبه الشرع من غير ذم علىٰ تركه، وهذا لم يأذن فيه الشرع، ولا فعله الصحابة ولا التابعون ولا العلماء المتدينون فيما علمت، وهذا جوابي عنه بين يدي الله تعالىٰ إن عنه سئلت، ولا جائز أن يكون مباحاً؛ لأنَّ الا بتدع في الدين ليس مباحاً بإجماع المسلمين، فلم يبق إلا أن يكون مكروهاً أو۔

☆ وقال محمد عبد السّلام خضر الشقيري (١) في كتابه ''السنن والمبتدعات'': (في شهر ربيع الاول وبدعة المولد فيه: لا يختص هذا الشهر بصلاة ولا ذكر ولا عبادة ولا نفقة ولا صدقة، ولا هو موسم من مواسم الإسلام كالجمع والأعياد التي رسمها لنا الشارع – صلوات الله وتسليماته عليه، وعلىٰ سائر إخوانه من الأنبياء والمرسلين –، ففي هذا الشهر وُلِدَ ﷺ، وفيه تپوفي، فلما ذا يفرحون بميلاده ولا يحزنون لو فاته؟! فاتخاذ مولده موسماً، والاحتفال به

بدعة منكرة، وضلالة لم يردبها شرع ولا عقل، ولو كان في هذا خير فكيف يغفل عنه أبو بكر (۲۹ وعمر (۳) و عثمان (۴) وعلي (۵) – رضوان الله عليهم –، وسائر الصحابة والتابعين و تابعيهم، والأئمة وأتباعهم؟ لا شك أن ما أحدثه المتصوفون الاكا لون البطّالُون أصحاب البدع، وتبع الناس بعضهم بعضاً فيه إلا من عصمه الله، ووفقه لفهم حقائق الإسلام، ثم أي فائدة تعود، وأي ثواب في۔

محمد عبد السلام حضر شقیریؒ اپنی کتاب سنن والمبتدعات میں ماہ ربیع الاوّل اور بدعت مولود کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ یہ مہینہ نہ تو کسی خاص نماز کے لئے مخصوص ہے اور نہ ذکر، عبادت صدقہ خیرات کے لئے اور نہ ہی کسی خاص عبادت عید وغیرہ کا سیزن ہے جو اسلام میں شارع علیہ السلام نے ہمارے لئے مقرر کی ہیں۔ اسی مہینہ میں آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اسی میں وفات، تو پھر میلاد پر خوشی کیوں منائی جاتی ہے اور وفات پر غم کیوں نہیں؟ اس لئے آپ ﷺ کی ولادت کو عید اور جشن بنانا بدعت اور گمراہی ہے جس کی نہ تو شرع اجازت دیتی ہے اور نہ ہی عقل، اگر اس میں کوئی خیر وبھلائی ہوتی تو سیدنا حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تمام صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعینؒ اور ائمہ دین اور انکے پیروکار اس سے کس طرح غفلت برت سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اہل بدعت اہل باطل پیٹ کے پجاری چند صوفیوں کی ایجاد ہے جس کے پیچھے ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی کچھ لوگ لگ گئے اور جن کو اللہ نے دین اسلام کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی ہے وہ اس سے بچ گئے اور اللہ نے ان کو اس بدعت سے محفوظ رکھا۔

هذا الأمور الباهظة، التي تعلق بها هذه التعاليق، وتنصب بها هذا السرادقات، وتضرب بها الصواريخ؟ وأي رضا لله في اجتماع الرقاصين والرقاصات والطبالين والزمّارين، واللصوص والنشالين، والحاوي والقرادتي (٦)، وأي خير في اجتماع ذوي العمائم الحمراء والخضراء والصفراء والسوداء، اهل الإلحاد في اسماء الله، والشخير والنخيز والصفير بالغابة، والدقّ بالبازات والكاسات، والشهيق والنعيق [بح أح يا ابن المرة، أم أم، أن ن، سابينها يا رسول الله، يا صاحب الفرح المدا آديا عم يا عم اللّع اللّع] (٧) كاقرود، مافائدة هذا كله؟! فائدته

سخرية الإفرنج بنا وبديننا.

☆ وقال الشيخ محمد بن إبراهيم آل الشيخ (۲) في جواب علىٰ سؤال عن حكم الاحتفال بمولد النبي ﷺ، وهل فعله أحد من أصحابه أو التابعين وغيرهم من السلف الصالح:

(لا شك أن الاحتفال بمولد النبي ﷺ من البدع المحدثة في الدين، بعد ن انتشر الجهل في العالم الإسلامي، وصار للتضليل والإضلال، والوهم والإيهام مجال عميت فيه البصائر، وقوي فيه سلطان التقليد الأعمىٰ، وأصبح الناس في الغالب لا يرجعون إلىٰ ما قام الدليل علىٰ مشروعيته، وإنّما يرجعون إلىٰ ما قاله فلان وارتضاه علان، فلم يكن لهذه البدعة المنكرة أثر يذكر لدىٰ أصحاب رسول الله ﷺ، ولا لدىٰ التابعين وتابعيهم، وقد قال ﷺ: ''عليكم بسنّتي وسنّة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' (۳)۔ وقال – عليه السلام – يضاً – : ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ'' (۴) وفي رواية: ''من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردّ'' (۵)

وقال شيخ الإسلام ابو العباس ايضاً في جواب له في صفحة (۲۹۸) من المجلد الخامس والعشرين من [مجموع الفتاوى]: وأما اتخاذ موسم غير المواسم الشرعية كبعض ليالي شهر ربيع الأول التي يقال: إنها ليلة المولد، أو بعض ليالي رجب، أو ثامن عشر ذي الحجة، أو اول جمعة، من رجب، أو ثامن شوال الذي يسميه الجهال: عيد الأبرار – فإنها من البدع التي لم يستحبها السلف ولم يفعلوها، انتهى۔

ومن المنكرين لبدعة المولد من أكابر العلماء المحققين إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الشاطبي رحمه الله تعالىٰ، فقد ذكر بعض انواع البدع في اول كتابه [الاعتصام]، وعد منها اتخاذ يوم ولادة النبي ﷺ عيداً، وكلامه في ذم المولد في صفحة (۳۴) من الجزء الأول المطبوع في مطبعة المنار بمصر سنة (۱۳۳۱ھ)۔

ومنهم أبو عبدالله ابن الحاج في كتابه [المدخل] فقد قال فيه: (فصل في المولد) ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات وإظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى على بدع و محرمات جمة، فمن ذلك استعمالهم الأغاني ومعهم آلات الطرب من الطار المصرصر والشبابة و غير ذلك مما جعلوه آلة للسماع، ومَضوا في ذلك على العوائد الذميمة في كونهم يشتغلون في أكثر الأزمنة التي فضلها الله تعالیٰ وعظمها ببدع و محرمات۔ ولا شك أن السماع في غير هذه الليلة فيه ما فيه، فكيف به إذا انضم إلى فضيلة هذا الشهر العظيم الذي فضله الله تعالیٰ، و فضلنا فيه بهذا النبیﷺ الكريم على ربه عزو جل؟! وقد نقل ابن الصلاح رحمة الله تعالیٰ: أن الإجماع منعقد على أن آلات الطرب إذا اجتمعت فهي محرمة۔ ومذهب مالك: أن الطار الذي فيه الصراصر محرم، وكذلك الشبابة، ويجوز الغربال لإظهار النكاح۔ فآلة الطرب والسماع اى نسبة بينها وبين تعظيم هذا الشهر الكريم الذي منّ الله تعالیٰ علينا فيه بسيد الأولين والآخرين – ثم أطال الكلام في ذكر المولد وصرح في عدة مواضع من كلامه أنه بدعة، وأطال الكلام أيضاً في ذكر ما يفعل فيه من أنواع المنكرات من الغناء والرقص واستعمال آلات اللهو والطرب و اختلاط الرجال والنساء وغير ذلك من المنكرات التي ذكرها وبالغ في ذمها والتحذير منها ... إلى أن قال: ألا ترى أنهم لما خالفوا السنة المطهرة، وفعلوا المولد لم يقتصروا على فعله، بل زادوا عليه ما تقدم ذكره من الأباطيل المتعددة۔ فالسعيد من شدّ على امتثال الكتاب والسنة والطريق الموصلة الیٰ ذلك وهی اتباع السلف الماضين؛ لأنهم أعلم بالسنة منا إذهم أعرف بالمقال وافقه بالحال۔ وكذلك القتداء بمن تبعهم باحسان إلى يوم الدين، وليحذر من عوائد أهل الوقت وممن يفعل العوائد الرديئة۔ وهذه المفاسد مركبة على فعل المولد إذا عمل بالسماع فإن خلا منه وعمل طعاماً فقط ونوٰى به المولد ودعا إليه الإخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط إذ أن ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضين، واتباع

السلف أولى، بل أوجب من أن يزيد نية مخالفة لما كانوا عليه؛ لأنهم أشد الناس اتباعاً لسنة رسول الله ﷺ وتعظيماً له ولسنته ﷺ، ولهم قدم السبق في المبادرة إلى ذلك۔ ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوى المولد، ونحن لهم تبع فيسعنا ما وسعهم ... إلى أن قال: ثم انظر رحمنا الله وإياك إلى مخالفة السنة ما أشنعها، ألا ترى أنهم لما ابتدعوا فعل المولد على ماتقدم تشوفت نفوس النساء لفعل ذلك۔

وممن ألّف في إنكار بدعة المولد وذمها تاج الدين عمر بن علي اللخمي السكندري المشهور بالفاكهاني من متأخري المالكية، وقد سمع كتابه [المورد في الكلام على عمل المولد]، وقال فيه بعد الخطبة۔ أما بعد: فإنه تكرر سؤال جماعة من المباركين عن الاجتماع الذي يعمله بعض الناس في شهر ربيع الأول ويسمونه: المولد، هل له أصل في الشرع أو هو بدعة وحدث في الدين؟ وقصدوا الجواب عن ذلك فقلت وبالله التوفيق: لاأعلم لهذا المولد أصلاً في كتاب ولا سنة ولم ينقل عن أحد من علماء الأمة، الذين هم القدوة في الدين، المتمسكون بآثار المتقدمين، بل هو بدعة أحدثها البطالون، وشهوة نفس اعتنى بها الاكالون، بدليل أنا إذا أدرنا عليه الأحكام الخمسة قلنا: إما أن يكون واجباً أو مندوباً أو مباحاً ومكروهاً أو محرماً، وهو ليس بواجب إجماعاً، ولا مندوباً؛ لأن حقيقة المندوب: ما طلبه الشرع من غير ذم على تركه، وهذا لم يأذن فيه الشرع ولا فعله الصحابة ولا التابعون ولا العلماء المتدينون فيما علمت، وهذا جوابي عنه بين يدي الله تعالىٰ إن عنه سئلت، ولا جائز أن يكون مباحاً؛ لأن الابتداع في الدين ليس مباحاً بإجماع المسلمين فلم يبق إلا أن يكون مكروهاً أو حراماً وحينئذٍ يكون الكلام فيه في فصلين، والتفرقة بين حالين۔

أحدهما: أن يعمله رجل من عين ماله لأهله وأصحابه وعياله،لا يجاوزون في ذلك الاجتماع على أكل الطعام، ولا يقترفون شيئاً من الآثام، وهذا الذي وصفناه بأنه بدعة مكروهة وشناعة، إذلم يفعله أحد من متقدمي أهل الطاعة، الذين هم فقهاء الإسلام وعلماء

الأنام، سرج الأزمنة، وزين الأمكنة۔

والثاني: أن تدخله الجناية وتقوى به العناية حتى يعطي أحدهم الشئ ونفسه تتبعه .... لا سيما إن انضاف إلى ذلك شئ من الغناء بآلات الباطل من الدفوف والشبابات واجتماع الرجال مع الشباب المرد والنساء الغانيات، إما مختلطات بهم أو مشرفات، والرقص بالتثني والانعطاف، والاستغراق في اللهو ونسيان يوم المخاف، وكذلك النساء إذا اجتمعن على انفرادهن رافعات أصواتهن بالتهنيك والتطريب۔

وممن كتب في إنكار بدعة المولد أبوالطيب محمد شمس الحق العظيم آبادي وشيخه بشير الدين القنوجي۔ ذكر ذلك شمس الحق في تعليقه على كتاب [الأقضية والاحكام] من [سنن الدارقطني] عند الكلام على حديث عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ قال: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد'' قال شمس الحق: ولشيخنا العلامة بشير الدين القنوجي في ذالك الباب كتاب مستقل سماه [غاية الكلام في إبطال عمل المولد والقيام]۔

وممن كتب في إنكار بدعة المولد وذمها: رشيد رضا في صفحة (١١١)، من الجزء السابع عشر من [المنار]، وهو أيضاً في صفحة (١٢٤٢، ١٢٤٣) من المجلد الرابع من فتاوى رشيد رضا۔ فقد سئل عن قرائة القصص المسماة بالموالد، هل هي سنة أم بدعة؟ ومن أول من فعل ذلك؟ فأجاب بقوله: (هذه الموالد بدعة بلا نزاع، وأول من ابتدع الاجتماع لقرائة قصة المولد النبوي احد ملوك الشراكسة بمصر)۔

وممن كتب في إنكار بدعة المولد وذمها محمد بن عبدالسلام خضر الشقيري في كتابه المسمى ب [السنن والمبتدعات] قال فيه: (فصل فى شهر ربيع الأول و بدعة المولد فيه) لا يختص هذا الشهر بصلاة ولا ذكر ولا عبادة ولا نفقة ولا صدقة ولا هو موسم من مواسم الإسلام۔ كالجمع والأعياد – التي رسمها لنا الشارع، صلوات الله وتسليماته عليه وعلىٰ سائر إخوانه من الأنبياء والمرسلين، ففي هذا الشهر ولد ﷺ وفيه توفي، فلم يفرحون بميلاده

ولا يحزنون لوفاته ؟! فاتخاذ مولده موسماً والاحتفال به بدعة منكرة ضلالة لم يرد بها شرع ولا عقل، ولو كانا في هذا خير فكيف يغفل عنه أبو بكر و عمر و عثمان و علي وسائر الصحابة والتابعين و تابعيهم والأئمة وأتباعهم؟! لا شك أنه ما أحدثه إلا المتصوفون الأكالون البطالون أصحاب البدع۔ وتبع الناس بعضهم بعضاً فيه إلا من عصمه الله ووفقه لفهم حقائق دين الإسلام۔ ثم أي فائدة تعود وأي ثواب في هذا الأموال الباهظة التي تعلق بها هذا التعاليق وتنصب بها هذا السرادقات وتضرب بها الصواريخ؟ واى رضا لله في اجتماع الرقاصين والرقاصات والمومسات والطبالين والزمارين واللصوص والنشالين والحاوي والقرداتي؟! وأي خير في اجتماع ذوي العمائم الحمراء والخضراء والصفراء والسوداء۔ أهل الإلحاد في أسماء الله والشخير والنخير والصفير بالغابة، والدق بالبارات والكاسات والشهيق والنعيق بأح أح، يا ابن المرة، أم أم ان ان، سابينها، يا رسول الله، يا صاحب الفرح، المدا آد يا عم يا عم، اللع اللع، كالقرود!!

علامہ عبد الرحمٰن مغربی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله ﷺ والخلفاء والائمة۔ كذا في الشرعة الالٰهية)

یہ تحقیق میلاد کا کرنا بدعت ہے، نہ تو آنحضرت ﷺ نے اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدینؓ نے اور ائمہ مجتہدین نے، خود اس کو کیا اور نہ اس کا حکم دیا۔

اور علامہ احمد بن محمد مصریؒ مالکی لکھتے ہیں کہ:

قد اتفق علماء المذاهب الاربعة بذم هٰذا العمل۔ (القول المعتمد)

چاروں مذاہب کے علماء اس عمل میلاد کی مذمت پر متّفق ہیں۔

قارئین کرام: آپ ان ٹھوس حوالوں سے اس مسئلہ کی تہ تک پہنچ گئے ہوں گے کہ خیر القرون میں یہ عمل نہ تھا بلکہ چھٹی صدی کے بعد ایجاد ہوا تھا، اور اس عمل کے موجودین کا حال بھی معلوم ہو چکا ہے کہ بادشاہِ وقت اس کا سرپرست

تھا اور بحسب "الناس علیٰ دینِ ملو کھم" عوام کا اس سے متأثر ہونا ہر گز بعید از قیاس نہ تھا، عوام تو کیا بلکہ بعض خواص بھی اس کے عالمگیر پروپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان مسلمانوں کے اس عمل کے جواز کے لئے شرعی دلائل کی تلاش اور جستجو شروع کر دی گئی اور دور دراز کے قیاسات سے کام لے کر اس گاڑی کو چلانے کی کوشش کی گئی۔ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

کاش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم رہے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنان رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر کبھی غور کیا ہوتا کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان تو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کون سا پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لیے شعار اسلام بنا دیا جس سے چھ صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے؟ کیا اسلام میرے یا کسی کے ابّا کے گھر کی چیز ہے کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کر ڈالو؟

اسلام میں سالگرہ اور یادگار منانے کا کوئی تصوّر نہیں

قارئین کرام:

جس فضیلت کو دائمی اللہ پاک نے بنا دیا یا اس کے رسول پاک ﷺ نے فرما دیا وہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ مثلاً رمضان یا شعبان یا محرم الحرام یا عیدین وغیرہ اور پھر ان کے لیے ہدایات اور احکامات رسول کریم ﷺ نے فرما دیئے یہ سب تسلیم اور قابل عمل ہیں اور جن کے متعلق آپ ﷺ نے ہدایات نہ دی ہوں مثلاً رسول پاک ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی، طائف تشریف لے گئے، جنگ بدر، جنگ احد اور دیگر غزوات میں حصّہ لیا جس جگہ قدم مبارک آپ ﷺ کے پڑ گئے کتنی فضیلت اس جگہ کی ہو گی کہ سارے زمین و آسمان سے بڑھ کر قیمت اس جگہ کی ہو گئی۔ اور بہت سے سینکڑوں ایسے واقعات پیش آئے کہ ہر واقعہ ہر کلمہ ہر اٹھنا بیٹھنا برکت والا اور عظمت والا ہے لیکن کہیں اس کی ہر برس تقریب منانے کا حکم نہیں ہے۔ کوئی ہدایت نہیں ہے۔ لہٰذا بغیر حکم وہدایت کے اس کو اپنانا صحیح نہیں ہے۔

حضرت حلیمہ کے یہاں آپ ﷺ کا جانا۔ فرشتوں کا آپ ﷺ کے دل مبارک کو دھونا۔ آپ ﷺ کا غارِ حراء میں تشریف لے جانا وہاں انوار الٰہی کا ظاہر ہونا۔ پھر نبوت کا عطا ہونا، وحی کا نازل ہونا جب وحی نازل ہوئی اور تین سال تک آپ ﷺ نے چھپ چھپ کر عبادت الٰہی کی اور دین کی تبلیغ کی، پھر آپ ﷺ کو فکر ہوئی کہ لوگ استہزاء کریں

گے، وحی نازل ہوئی کہ آپ ان کے استہزاء کی فکر نہ کیجیے اور حضرت جبرائیلؑ نے ان پانچ آدمیوں کو جو مشرکین میں سے تھے جن سے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ حرم شریف میں جا کر انگلی کا اشارہ کیا جس سے وہ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے اور میدان تبلیغ کے لیے صاف ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر جا کر اللہ کا کلمہ بلند کیا۔

اسلام کا کلمہ بلند کرنے کا وہ سب سے پہلا دن تھا کیا وہ دن مقدّس نہیں ہے؟ ہمیشہ ہمیشہ یادگار رہنے کا دن تھا۔

رسول کریم ﷺ کی زندگی کا ہر ہر قدم اور ہر ہر واقعہ ایسا ہے کہ یادگار منانے والے اگر ان کو مرتب کریں تو ہزاروں سے بڑھ کر ان کی تعداد ہو گی مگر اسلام ہر اس رسم کو توڑنے آیا جو اسلام سے قبل جاری تھیں اس لیے ان کی یادگاریں بنانے کا حکم نہیں دیا۔

مکہ سے ہجرت اور غارِ ثور کا قیام بدر کی پہلی رات ہر دن اور ہر رات اپنے اندر خاص خاص برکات لیے ہوئے ہیں لیکن اس کے لیے نہ خدا کے احکام ہیں نہ رسول پاک ﷺ کے احکام ہیں حالانکہ ہر ایک ان میں سے اس قابل ہے کہ اس کا جشن منایا جاتا، لیکن اسلام ایک فطرت کا دین ہے۔ اس میں ان یادگاروں کے منانے کی کھپت نہیں ہے۔

تم بتاؤ آپ ﷺ کی ساری تریسٹھ سال کی زندگی میں ہر سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں سے کونسا دن ایسا ہے اور کونسے دن کا کونسا گھنٹہ ایسا ہے جو یاد رکھنے اور اس پر قربان ہونے کے قابل نہیں ہے؟ لیکن کیا کبھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کوہِ صفا کا دن مناؤ، مکہ سے ہجرت کا دن مناؤ۔ انہیں میں سے پیدائش اور وفات کے دن ہیں ان کے لیے آپ کے کوئی خصوصی احکام نہیں ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ ایک مجلس میں فرماتے ہیں:

ہندوستان میں تو مسلمان دوہری چکی میں پستے تھے اوپر انگریز نیچے ہندو پھر پیسہ بھی اتنا نہ تھا، حکومت بھی نہ تھی۔ یہاں آکر اللہ میاں نے دولت دی، حکومت دی، آزادی دی۔ اب لگ گئے اچھلنے کودنے دین کے نام پر دین کا کام تو ہوتا نہیں کہ رشوت چھوڑیں، نمازیں پڑھیں، اس میں تو محنت ہے بس ہمارے شیطان نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ تم پکے مسلمان ہو، اسلام تمہارا ٹھیکہ ہے یہاں عبادات کی ضرورت نہیں سود کھائے جاؤ جائز کو ناجائز کیے جاؤ۔ عورتوں کو ننگا پھراتے رہو بس دنیا میں اسلام کی زندگی کا یہ ثبوت پیش کرو کہ جلوس نکالو، ڈنڈے ہاتھ میں لو اور نیا کام ایجاد کرو۔ ان کھیل تماشوں کا نام اسلام رکھ دو۔ ساری دنیا میں تم سب سے اونچے ہو جاؤ گے۔

ابلیس نے ہم کو برباد کر کے چھوڑ دیا، ہندوستان میں تو گائے کا گوشت کھانے کا نام اسلام تھا یہاں پر گانا بجانا، شور مچانا اس کا نام اسلام رکھ دو، روزے میں نماز میں، قرآن پڑھنے میں تو تم کو تکلیف ہوگی اسلام کے احکام پر چلنے میں تو بھوکے ننگے ہو جاؤ گے بس یہ شور ہنگامہ کر لو اور اسلام کا لیبل لگا لو۔

اللہ نے دو عیدیں بنائیں تھیں ہم تین عیدیں کریں گے بلکہ عید پر اتنے کھانے والے نہیں ہوتے جتنے اس تیسری عید پر ہوتے ہیں، بھوکے کو کھانا کھلانا منع نہیں مگر اس کا تماشا کرنا اور اس کو دین سمجھنا درست نہیں، ایک عقل کی بات یہ بھی ہے کہ وفات کے دن عید منانے میں خوب ان کو شیطان نے سمجھایا ہے بھلا وفات کا دن بھی خوشی منانے کا دن ہے اور اگر پیدائش کے دن عید مناتے ہو تو نبوت ملنے، ہجرت کرنے، جنگ بدر، فتح مکہ، فتح خندق کون کون سی عیدیں مناؤ گے؟ اب یہ کیسی حق تلفی ہے کہ آپ کی زندگی کے تریسٹھ سالوں میں سے صرف معراج اور وفات یا ولادت کو تو عید بنا دیا اور باقی دن کیا ہوئے؟ زیادہ نہیں تو کم از کم آپ ﷺ کی عمر مبارک کے تریسٹھ سالوں میں سے تریسٹھ دن کی تو عید مناتے، مگر کچھ نہیں محض رسم کو پورا کرنا ہے۔

بے مثال مذہب:

افسوس ہے کہ ایک ایک چیز کو فنا کر رہے ہیں، جس طرح موٹی بنی ہوئی رسی کٹتی ہے تو ایک ایک تار کٹتا ہے اسی طرح دین کا ایک ایک تار مٹ رہا ہے اور یاد رکھو دین تو نہیں مٹے گا ہم مٹ جائیں گے۔ یہ سنتوں کا مٹنا اور ان کی جگہ کھیل تماشے پیدا کرنا کس قدر خرابی کی بات ہے۔ ارے ایسا پاکیزہ مذہب جو دنیا کے لیے قابل مثال قابلِ تقلید ہے اس کو تم صورت سے، سیرت سے توڑ مروڑ کر کیوں ہنسی اڑاتے ہو اپنی بھی اور دین کی بھی، چاہے عمل میں کوتاہی ہو مگر اعتقاد تو صحیح رکھو اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانی کی گیارہویں ہر مہینہ میں ہوتی ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہیں ان میں سے کوئی اس قابل تم نے نہ سمجھا، کیا یہ سارے شیخ سارے اولیاء اور صوفیاء ایک صحابیؓ کے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

شب قدر کی عبادت ثابت ہے:

غرض آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس قابل ہے کہ اس کی یادگار منائی جائے لیکن آپ ﷺ کے ارشادات سے یادگاروں کو منانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور ہم آپ کے منع کرنے کے باوجود عید منائیں اس دن کو

مقرر کر کے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ ہاں شب قدر کے لیے فرمایا اس رات کو عبادت کیا کرو، جاگا کرو۔ اللہ سے معافی چاہا کرو۔ اس رات میں اتنی بخشش ہوتی ہے جس کا کوئی شمار نہیں۔ مگر کوئی روایت کوئی حدیث آپ ﷺ کی ان جلوس جلسوں، نعروں کی، ضعیف یا قوی کوئی ہے؟ اگر ہے تو لاؤ۔ کوئی روایت نہیں۔ اب ایک بے وقوفی کی بات یہ ہے کہ ان رسومات کے خلاف کچھ کہو تو وہ کہتے ہیں یہ وہابی ہے۔ بس ان کے نزدیک وہابی ایک گالی ہو گئی۔ مگر عقل سے نہیں سوچتے کہ جن کی ہدایت ہمارے پیارے رسول ﷺ نے نہ دی ہو اور ہم اپنی طرف سے گھڑ کر کریں اس کے لیے فرمایا ہے سب سے بدتر کام دین میں وہ ہیں جو اپنی طرف سے کرو، چونکہ اس میں معاذ اللہ یہ الزام ہے کہ ہمارے لیے نفع کا ایک کام تھا وہ حضور ﷺ نے ہم کو نہیں بتایا گویا یہ آپ کو الہام ہوا ہے کہ ہاتھی گھوڑے جلوس میں نکالو، نعرے لگاؤ اور ایک فتنہ کھڑا کرو۔

عیدیں منانے لگو گے تو دفتر نہ جاسکو گے:

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد فوراً ارتداد پھیلا۔ صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سارے دنیا کے کفار اور ان کی ذریات مل جائیں اور حجر و شجر مل جائیں اور میرے ساتھی بھی ساتھ نہ دیں میں اکیلا اسلام کو زندہ رکھنے اور سنت کو جاری رکھنے کے لیے اپنی گردن کٹا دوں گا کیا یہ دن عید منانے کے قابل نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریاؤں میں گھوڑے ڈال دیئے ایک پیالہ رہ گیا۔ دریا پر لاٹھی مار کر پیالہ طلب کیا اور دریا نے لا کر دیا کیا وہ دن یادگار منانے کے قابل نہیں، سرور کائنات ﷺ کے غلاموں کے یہ کام ہیں ایک صحابی راستہ بھولتے ہیں جنگل میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں میں رسول کریم ﷺ کا غلام ہوں یہ جگہ خالی کر دو ہم آج بسیرا کریں گے، دیکھنے والوں نے دیکھا جانور اپنے منہ میں بچّے لے کر بھاگے چلے جا رہے ہیں، یہ دن تھا عید منانے کے قابل اگر عیدیں منانے پر آؤ گے تو دفتر جا سکو گے نہ دکان جا سکو گے۔ عیدوں میں ہی الجھ کر رہ جاؤ گے۔ سال کے بارہ مہینوں میں سے گیارہ مہینہ تو سوتے رہتے ہیں۔ کبھی رسول کریم ﷺ یاد نہیں آتے۔ کوئی کام کرتے وقت آپ ﷺ کا خیال نہیں آتا۔ آپ ﷺ کے احکام کی تلاش نہیں ہوتی۔ بچپن سے اسکول میں پڑھ کر بے دین رہے پھر دفتر یا دکان میں بیٹھ گئے، دین کہاں سے آئے، اللہ کا پیغام رسول کے احکام ان کو کیسے پہنچائے جائیں اب یہ سب تماشہ کے نام پر جمع ہو جاتے ہیں۔ چلو ڈھول تماشوں سے جمع ہوئے تو جا کر مولوی صاحب نے اللہ اور رسول کا پیغام پہنچا دیا مولوی صاحب کا صرف رسول پاک ﷺ کا پیغام ان تک پہنچا دینا مقصد تھا مگر اب وہ جلسہ بھی چلنے لگا اور جلوس میں بدل گیا اور یہ مقصد بھی ختم ہوا۔

محفلِ سیرت کا صحیح طریقہ:

یاد رکھو جتنی محبّت حضور ﷺ سے زیادہ ہو گی اتنا ہی دین آئے گا۔ جتنی محبّت سے دُوری ہو گی اتنی ہی دین سے دُوری ہو گی، اب کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حیات طیّبہ کے تذکرہ کے لیے صرف یہی مہینہ مقرر نہ کریں۔ ہر مہینہ ہر ہفتہ محفلیں، وعظ اور سیرت کے مقرر کر کے اہتمام سے کرائیں اور سنت کے مطابق درود کی کثرت کریں اور عمل کی اللہ سے توفیق مانگیں "گلزار سنت" رسالہ دیکھ کر اعمال سیکھیں۔ حضور ﷺ والے اس طرح آپ ﷺ کی سنت پر جو قدم ہمارا پڑے گا دین مضبوط ہو گا۔

عید میلاد النبی منانے کی بنیاد:

حق تعالیٰ نے یوم بدر کو یوم الفرقان کہا ہے تو جس دن کی تعریف اور اس کا ذکر خداوند کریم قرآن میں کریں کیا وہ دن عید منانے کا نہیں ہے۔ دراصل یہ ڈے اور دن یہود و نصاریٰ کے مقرر کیے ہوئے ہیں جو مخصوص طور پر مناتے ہیں۔ جن کے پاس کچھ ہے نہیں۔ وہ موت اور پیدائش کو ہی ڈے منا لیتے ہیں جن کے پاس بھری پڑی ہیں نعمتیں اللہ کے فضل و کرم سے ان کو کیا ضرورت ہے ایسے ڈے منانے کی؟ یہ تو وہ منائیں جو خالی ہیں کسی نعمت سے بچارے بھک منگے ہیں کوئی راہ عمل ملتی ہی نہیں، مسلمانوں کے لیے حضور ﷺ کے قدم مبارک جہاں پڑھ گئے ہیں وہ ان کے لیے متبرک ہے۔ لیکن ان کے جانثار صحابہ کرامؓ، اب تک کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ کوئی ڈے مناتے تھے کیا ان سے بھی زیادہ محبّت کا دعویٰ ہے ہم کو؟ غرض یہ کہ عیدیں کہاں تک مناؤ گے۔ حضور ﷺ نے جو عمل کیا یا کچھ فرمایا وہ دنیا بھر کی خوشیوں سے بالاتر ہے اور عید منانے کے قابل ہے لہٰذا جو طریقہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے اسی پر عمل کرنا ہماری کامیابی ہے۔ یہ سیرت کے بیان روزانہ ہوں یا کم از کم ہفتہ وار تو ہوتے رہیں۔ یہ ایک سال بعد ایک دن دھوم دھڑکا مچالیا اور گیارہ مہینہ خاموش بیٹھ گئے۔ یہ کونسی شریعت ہے؟ لہٰذا ان رسمی طور طریقوں سے بچو اور سنتوں پر چلو، حق تعالیٰ توفیق بخشیں۔ (مجالس مفتی اعظم ص۶۶)

برسی منانے کی رسم کو ختم کرنے کی اسلامی حکمت:

دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیان مذہب کی برسی منانے کا معمول ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے یومِ ولادت پر "عید میلاد" منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے

کی رسم کو ختم کر دیا تھا اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام اس ظاہری سج دھج، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں۔ وہ اس شور و شغب اور ہاؤہو سے ہٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے۔ اور عقائد حقہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تربیت ہے۔ ''انسان سازی'' کا کام کرتا ہے۔ اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے جن کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ع ''جگمگاتے در و دیوار دل بے نُور ہیں''

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرہ طوبیٰ ہے جس کا پھل اور سایہ دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں '' اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ '' (الرعد:۳۵) کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام اور کسی خاص تاریخ کا مرہون منت نہیں بلکہ آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دو چار ہستیاں ہوں گی جن کی سالگرہ منا کر وہ فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے آسمان کی بلندیاں ہیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گردراہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش سوا لاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے — جو انسانیت کے ہیرو ہیں۔ اور جن میں سے ایک ایک کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کا قافلہ ہے ان کی تعداد بھی سوا لاکھ سے کیا کم ہو گی؟ پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارۂ نُور تھے۔ اور جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجیے اس امّت کو سال بھر میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لیے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟ — چونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لیے آنحضرت ﷺ، صحابہ و تابعین کے بعد چھ صدیوں تک امّت کا مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزندانِ تثلیث نے صلیبی جنگیں لڑیں۔ اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا۔ ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاتحانہ حملہ

ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا سا احساس کمتری پیدا ہوا۔ اس لیے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے مقدّس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ''یوم ولادت'' کا جشن منانے لگی۔ یہ قوم کی کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔ امّت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لے کر آج تک علمائے امّت نے اسے ''بدعت'' قرار دیا اور اسے ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے زمرے میں شمار کیا۔

جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوسوں کی ابتداء:

اگرچہ ''میلاد'' کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی، اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کیے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے ''عید'' کا نام دیتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میری قبر کو 'عید نہ بنانا'''۔ اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ ''عید'' بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو ''عید میلاد النبی'' کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون مسلمان اس سے ناواقف ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے ''عید'' کے دو دن مقرر کیے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو بھی ''عید'' کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو ''عید'' قرار دے سکتے تھے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ سہی، خلفائے راشدینؓ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو ''عید'' کہہ کر ''جشنِ عید میلاد النبیؐ'' کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو ''عید'' کہنے میں غلطی پر ہیں۔ یا یہ کہ نعوذ باللہ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے — ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاوّل بتاتے ہیں۔ بعض ۸ ربیع الاوّل، اور مشہور بارہ ربیع الاوّل ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاوّل ہی کو ہوئی — گویا ہم نے ''جشنِ عید'' کے لیے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغ مفارقت دے گئے، اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ ''جشنِ عید'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیّبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ (نعوذ باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہو گا۔

بہر حال میں اس دن کو "عید" کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے۔ اور اسلامی اصطلاحات کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔ (ملخص از اختلاف امت اور صراط مستقیم)

ہندوستان میں انگریزوں نے ۱۲ ربیع الاوّل کو میلاد النبی مقرر کیا:

ہندوستان میں گو ہندو صدیوں سے جنم اشٹمی منا رہے تھے۔ کرشن کنہیا کا یومِ جنم ہر سال بڑے تزک و احتشام اور رونق سے مناتے لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوئے۔ انہوں نے انہیں دیکھ کر اپنے میں ایک خاص دن میلاد النبی منانے کی راہ اختیار نہ کی۔ مفتوح قوموں کی عادتیں فاتحین کے لیے کبھی سامانِ جذب نہیں بنتیں۔ لیکن فاتح اقوام کی عظمت کمزور ذہنوں میں خوامہ مخواہ گھسی چلی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے تو ہندوستان کے مسلمان متاثر نہ ہوئے لیکن انگریزوں کے کرسمس کی پیروی ان کے لیے چنداں معیوب نہ تھی کیونکہ یہ ایک فاتح قوم کا عمل تھا۔ انگریزوں نے میلاد النبی کی ۱۲ ربیع الاوّل ان کے لیے مقرر کی تاکہ وہ عیدین کی طرح اس دن بھی خوشی منائیں۔ انگریزوں نے اپنے حقوقِ خدمت میلاد النبی کی خوشی کے لیے موقوف اور اس دن ان کی چھٹی کا اعلان کرایا۔

مولانا احمد رضا خان کے بڑے بھائی مولانا عبد السمیع رامپوری لکھتے ہیں:

اس وقت میں جو حکام فرمانروا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقۂ تعظیم و آداب حضرت ﷺ سے نہیں بایں ہمہ انہوں نے اپنی کچہری اور محکمہ میں جا بجا اہلِ اسلام کے لیے مثلِ عید اور بقر عید کے ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد ﷺ کے بارہویں تاریخ ربیع الاوّل کو مقرر کر رکھا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ انگریز، کام کاروبار ضروری میں اپنے حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری کو اس روز (میلاد النبی کے) واسطے بجا آوری مراسم فرحت و سرور و تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں اور یہ لوگ اس کے مقابل (انگریزوں کی اس تحریک کے مقابل) زبان مبارک سے فرماویں کہ یہ فعل بدعت ہے۔ (انوارِ ساطعہ ص:۱۷۰)

بریلوی عالم محمد عبد الحکیم شرف قادری تذکرہ اکبر اہل سنت ص ۵۵۹: میں لکھتے ہیں:

آپ (محمد نور بخش توکلی) ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندو پاک میں "بارہ وفات" کی بجائے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی اور محمد نور بخش توکلی کا انتقال ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ کو ہوا تھا۔ (یاد

رہے عید میلاد النبی سے پہلے لوگ بارہ ربیع الاوّل کو بارہ وفات کہتے تھے)

ایک دوسرے بریلوی عالم علامہ اقبال احمد فاروقی مقدمہ تذکرہ سیدّنا غوث اعظم ص: ۸ پر موصوف کی دینی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ آپ کی دینی خدمات سے ایک نہایت اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں "بارہ وفات" غلط العمومی اصطلاح کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرنے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیل عام منظور کرائی۔ اور آج یہی تعطیل خدا کے فضل سے اسلامیان پاکستان کی ایک اہم تقریب میں تبدیل ہوگئی ہے۔

جشن عید میلاد النبی کے جلوسوں کی ابتداء ۱۹۲۹ میں ایک ہندو نو مسلم (جس کا اسلامی نام عنایت اللہ قادری تھا اس کے ہاتھوں ہوئی۔ ابو الزاہد مولانا سرفراز خاصاحب صفدر منہاج الواضح میں لکھتے ہیں کہ یہ شخص اس جلوس کا تنہا بانی ہونے کا مدعی ہے۔

بریلویوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ جب انگریزوں کو حضور پیغمبر اسلام کی تعظیم سے کوئی اعتقادی تعلق نہیں پھر وہ میلاد النبی ﷺ کے مراسم فرحت و سرور میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں، اگر وہ سوچتے تو پا لیتے کہ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح مسلمان ان رسوم میں گھِر جائیں جن میں نصاریٰ کرسمس پر گھِرے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں یہ رسم انگریزوں نے تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں جاری کی تھی۔ انوارِ ساطعہ ۱۳۰۰ھ میں لکھی گئی تھی۔ اس طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے اسے عید کی طرح منانے کا جذبہ بھی پہلے انگریزوں کے دلوں میں اُبھرا تھا اور انہوں نے اس دن کی چھٹی اسی لیے مقرر کی کہ مسلمان اس دن کو منانے میں وہ سب کام کر گزریں جو نصاریٰ کرسمس پر کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی کے نام پر بے حیائی اور فحاشی:

اور پھر یہ "عید" جس طرح آنحضرت ﷺ کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے۔ بے ریش لڑکے غلط سلط نعتیں پڑھتے ہیں، موضوع اور من گھڑتے قصے کہانیاں جن کا حدیث و سیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں، شور و شغب ہوتا ہے۔ نمازیں غارت ہوتی ہیں اور نوجوان و نو خیز لڑکیاں زرق برق لباس میں بازاروں میں گھومتیں ہیں، بالا خانوں سے برہنہ سر اور بے پردہ جلوس کے شرکاء پر گل پاشی کرنا اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے،

کاش، آنحضرت ﷺ کے نام پر جو "بدعت" ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ ﷺ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔

غضب یہ کہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان خرافاتی محفلوں میں بنفسِ نفیس تشریف بھی لاتے ہیں — فیاغربۃ الاسلام! (ہائے، اسلام کی بیچارگی!)

"عید میلاد النبیؐ" کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سوانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں — اور "بیت اللہ" کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں — اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے۔ فیااسفاہ!

"جشن عید میلاد" کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجیے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اوّل: اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ملا علی قاری کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لیے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچیے! جو مقدّس نبی (ﷺ) قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہو گا؟ اور پھر یہ بھی دیکھیے کہ یہ فضول خرچی وہ غربت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی، کپڑا، مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہ رقم آنحضرت ﷺ کے ایصال ثواب کے غرباء و مساکین کو چپکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں اجڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کیے جا سکتے تھے جو اپنے والدین کے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سجتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نان شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس ہستی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی بھوک پیاس سن کر تڑپ جاتے تھے۔ آج کمیونزم اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم

دنیا کی مقدّس ترین ہستی — کے نام پر سارا کھیل کھیلیں گے تو لادین طبقے، دین کے بارے میں کیا تاثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "اخوان الشیاطین" فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بناڈالا تھا۔

ع "بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبیست"

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقع پر تعزیہ، عَلَم، دُلدُل وغیرہ نکالا کرتے ہیں، انہوں نے جو کچھ حسینؓ اور آل رسول ﷺ کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ ﷺ کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔ انصاف کیجیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضہ اطہر اور بیت اللہ کا سا معاملہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیہ اور دُلدُل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

تیسرے اس بات پر بھی غور کیجیے کہ روضہ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی ہے وہ شیعوں کے تعزیہ کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضہ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر وبرکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آ جاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضہ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس وبرکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر اگلے دن اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دینا کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی عاقل کے نزدیک اس میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں باعث لائق تعزیر جرم تصوّر کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے، لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسینؓ کے تعزیہ پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ اب رفتہ رفتہ عوام کالانعام اس نو ایجاد بدعت کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں، روضہ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، اور بیت اللہ کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے، گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ و مدینہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے، اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت وشناعت اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لیے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے، اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعاء و تضرع گریہ و زاری اور توبہ استغفار میں گزارتے — اس رسم کا نام "تعریف" یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا — بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار کی توفیق ہو جایا کرتی۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی اور فرمایا:

"اَلتَّعْرِیْفُ لَیْسَ بِشَیْءٍ" یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے۔

شیخ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

"چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہو گا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں۔" (ص:۱۷۶، ج:۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا کہ "میری قبر کو عید نہ بنالینا" اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اور انہیں حج کی طرح عید اور موسم بنالیا تھا۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لیے انبیاء

اولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ و علماء کی شکل میں ہوں۔" (بحوالہ الجنۃ لاہل السنۃ ص:۷)

اور البحر الرائق، کفایہ شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ "جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔ اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے۔" (الجنۃ لاہل السنہ ص:۷)

ان تصریحات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روضہ اطہر اور کعبہ شریف کا سوانگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظر میں اس کی کیا حیثیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ "جشن عید میلاد" کے نام پر جو خرافات رائج کر دی گئی ہیں۔ اور جن میں ہر آئے سال مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت، اس کی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصوّر سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئداد جب آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ ﷺ پر کیا گزرتی ہوگی؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا؟ بہر حال میں اس کو نہ صرف "بدعت" بلکہ "تحریف فی الدین" تصوّر کرتا ہوں۔ اور اس بحث کو امام ربانی مجدد الف ثانی کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں۔ جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ کے بارے میں فرمایا ہے:

"بہ نظر انصاف بینند کہ اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں زمان دنیا زندہ می بوond وایں مجلس و اجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند واین اجتماع را پسندیدن یانہ۔ یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرموند، مقصود فقیر اعلام بود۔ قبول کنند یانہ کنند ہیچ مضائقہ نیست وگنجائش مشاجرہ نہ۔"

ترجمہ: انصاف کی نظر سے دیکھیے کہ اگر بالفرض حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا آیا آپ اس پر راضی ہوتے، اور اس پر اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے — فقیر کا مقصود صرف امر حق کا اظہار ہے۔ قبول کریں یا نہ کریں کوئی پرواہ نہیں۔ اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔ (دفتر اوّل مکتوب ۲۷۳) (ملخص اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۹۰)

دین مکمل ہو چکا مگر بدعتی اس کو نامکمل سمجھ کر روز نئی بدعات نکالتا ہے۔ آج ربیع الاوّل کو جلوس نکالنے والے کہتے

ہیں کہ جو جلوس نہیں نکالتے وہ عاشق رسول ﷺ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جلوس نہ ہوتا تھا، تو کوئی عاشق رسول ﷺ نہ تھا اور یہ جلوس نہ صحابہ کرامؓ نے نکالا اور نہ تابعینؒ نے نکالا نہ تبع تابعینؒ نے نکالا۔ کل کوئی اور بدعت شروع کریں گے۔ مثلاً بارہ ربیع الاول کو نماز عید شروع کردیں۔ اور کہیں کہ جو بارہ ربیع الاول کو نماز عید نہیں پڑھتا وہ عاشق رسول نہیں۔ تو ان کے کہنے کے مطابق تو کوئی مسلمان عاشق رسول ﷺ نہیں ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب قوم کی اصلی روح نکل جاتی ہے تو وہ اسی قسم کی طفل تسلیوں سے دنیا کو فریب دینے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ پورے سال تو حضرت محمد ﷺ کی شریعت و سنت کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو ایک شقی دشمن کرتا ہے اور ایک رات سیرت و میلاد کی محفل قائم کر کے محبّت رسول ﷺ کا دعویٰ کیا جائے۔ اس سے بڑھ کر نفاق کیا ہو گا؟

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب تک قوم شریعت پر چلنے کی توفیق سے بانصیب تھی تمام امّت سراپا شریعت تھی اور ہر شخص اپنی سیرت و صورت اور عمل و کردار سے شریعت اسلامی، محبّت رسول اور اتباع سنت کا پیکر تھا اس وقت نہ سیرت کی ان رسمی محفلوں کی حاجت تھی نہ میلاد النبی ﷺ کے جلسوں کی ضرورت۔

یہ دکھ نہیں کہ اندھیروں سے صلح کی ہم نے
ملال یہ ہے کہ اب صبح کی طلب بھی نہیں

مروجہ محفل میلاد پر اہل بدعت کے دلائل کے جوابات:

ہم باحوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد پیارے پیغمبر ﷺ کے چھ سو سال بعد پیدا ہوئی ہے اس لئے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس مروجہ محفل میلاد کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید یا احادیث نبویہ ﷺ یا صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، اتباع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر مروجہ محفل میلاد قرآن و سنّت سے یا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہوتی تو بریلوی حضرات یہ کبھی نہ فرماتے کہ اس مخصوص محفل میلاد کا ایجاد کرنے والا بادشاہ اور مولوی عمر بن دحیہ ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عوام کو مغالطہ دینے کے لئے وہ قرآن پاک کی چند آیات اور کچھ احادیث بھی پیش کرتے ہیں اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل اور جوابات بھی قارئین کے لئے پیش کر دیں۔

شیخ سرفراز خان صاحب صفدرؒ مفتی احمد یار خان صاحب کی اس بارے میں انوکھی دلیل کا ذکر یوں فرماتے ہیں:
کہ وہ لکھتے ہیں کہ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے، جس ملک میں بھی جاؤ مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے، علماء امّت اور اور اولیاء اللہ نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائے ہیں (الیٰ ان قال) لہٰذا محفل میلاد پاک مستحب ہے (جاء الحق: ص ۲۲۷/۲۲۴) میں لکھتے ہیں کہ " استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں (بلفظہٖ)

الجواب: یہی حرمین شریفین بھی تھے اور حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ جیسے اولیاء اللہ اور علماء امت بھی تھے، ان کو یہ فائدے اور برکات کیوں نہ سمجھ آسکے؟ اور وہ اس مروجہ مجلس پاک کے منافع سے کیوں محروم رہے، پھر چھ صدیوں تک جس ملک کے مسلمانوں کو دیکھا، ان میں یہ عمل نہ پایا گیا، نہ معلوم وہ اس کی برکات سے کیوں بہرہ ور نہ ہو سکے؟

بلاشک حرمین الشریفین کی نصوص سے بڑی فضیلت اور رتبہ ثابت ہے۔ لیکن شرعی دلائل صرف چار ہیں۔ اگر حرمین شریفین میں اچھے کام ہوں تو نور علیٰ نور، ورنہ ہرگز حجت نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ:

فی الحرمین الشریفین من شیوع الظلم و کثرۃ الجھل و قلۃ العلم و ظھور المنکرات و فشوع البدع واکل الحرام والشبہات۔ (مرقات ج۳ ص:۲۷۱)

حرمین شریفین میں ظلم شایع ہے، جہالت کثیر ہے علم کم ہے، منکرات کا ظہور ہے، بدعات رائج ہیں، حرام کھایا جاتا ہے، دینی شبہات بھی بکثرت ہیں۔

مفتی صاحب کی یہ تحقیق بھی قابل رشک ہے کہ استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں۔ بدعات کی نشر و اشاعت کے لئے کیا چور دروازہ تلاش کیا ہے، اور یہ بھول گئے کہ استحباب تو اونچی چیز ہے، اباحت بھی حکم شرعی ہے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کے قول و فعل کے بغیر اس کا ثبوت بھی نہیں ہو سکتا۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

الندب حکم شرعی لا بدلہ من دلیل۔ (رد المختار)

استحباب شرعی حکم ہے، اس کے لئے دلیل درکار ہے۔

شہید اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ میلاد سے متعلق سوالات کے جواب میں لکھتے ہیں:
مسئلے کی وضاحت کے لیے چند امور ملحوظ رکھیے!

اوّل:... اس میں تو نہ کوئی شک و شبہ ہے نہ اختلاف کی گنجائش کہ آنحضرت ﷺ کا تذکار مقدّس اعلیٰ ترین مندوبات میں سے ہے، اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ "میلاد" کے نام سے جو محفلیں سجائی جاتی ہیں ان میں بہت سی باتیں ایسی ایجاد کر لی گئی ہیں جو حدودِ شرع سے متجاوز ہیں، یعنی مروجہ میلاد دو چیزوں کا مجموعہ ہے، ایک مستحب و مندوب، یعنی تذکار نبوی ﷺ، دوم وہ خلاف شرع خرافات جو اس کے ساتھ چسپاں کر دی گئی ہیں اور جن کے بغیر میلاد کو میلاد ہی نہیں سمجھا جاتا، گویا ان کو "لازمۂ میلاد" کی حیثیت دے دی گئی ہے۔

دوم:... جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے مباح یا مندوب ہو، مگر عام طور سے اس کے ساتھ قبیح عوارض چسپاں کر لیے جاتے ہوں، اس کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ اس میں ذوق کا اختلاف ایک فطری چیز ہے، جس کی نظر نفس مندوب پر ہوگی اس کا ذوق یہ فیصلہ کرے گا کہ ان عوارض سے تو بے شک احتراز کرنا چاہیے، مگر نفس مندوب کو کیوں چھوڑا جائے، بخلاف اس کے جس کی نظر عوام کے جذبات و رجحانات پر ہوگی اس کا فتویٰ یہ ہوگا کہ خواص تو ان عوارض سے بلاشبہ احتراز کریں گے، لیکن عوام کو ان عوارض سے روکنا کسی طرح ممکن نہیں، اس لیے عوام کو اس سیلاب سے بچانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے سامنے بند باندھ دیا جائے، یہ دونوں ذوق اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اور ان کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں، کیونکہ جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ نفس مندوب کے قائل ہیں، خلاف شرع عوارض کے جواز کے وہ بھی قائل نہیں، اور جو عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی نفس مندوب کو ناجائز نہیں کہتے، البتہ خلاف شرع عوارض کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں۔

سوم:... اس ذوقی اختلاف کے رونما ہونے کے بعد لوگوں کے تین فریق ہو جاتے ہیں: ایک فریق تو ان بزرگوں کے قول و فعل کو سند بنا کر اپنی بدعات کے جواز پر اِستدلال کرتا ہے۔ دُوسرا فریق خود ان بزرگوں کو مبتدع قرار دے کر ان پر طعن و ملامت کرتا ہے۔ اور تیسرا فریق کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین کے اِرشادات کو سند اور حجت سمجھتا ہے، اور ان کے بزرگوں کے قول و فعل کی ایسی توجیہ کرتا ہے کہ ان پر طعن و ملامت کی گنجائش نہ رہے، اور اگر بالفرض کوئی توجیہ سمجھ میں نہ آئے تب بھی یہ سمجھ کر کہ یہ بزرگ معصوم نہیں ہیں، ان پر زبان طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتا، پہلے دونوں مسلک

افراط و تفریط کے ہیں اور تیسرا مسلک اعتدال کا ہے۔

ان امور کے بعد گزارش ہے کہ حضرت حاجی صاحب نُور اللہ مرقدہ کے فعل سے اہل بدعت کا استدلال قطعاً غلط ہے، کیونکہ ہماری گفتگو "میلاد" کے ان طریقوں میں ہے جن کا تماشا دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس میلاد کو تو حضرت حاجی صاحب بھی جائز نہیں کہتے، اور جس کو حاجی صاحب جائز کہتے ہیں وہ اہل بدعت کے ہاں پایا نہیں جاتا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ "مسیح موعود" کا آنا مسلمان ہمیشہ مانتے آئے ہیں، اور میں "مسیح موعود" ہوں، لہٰذا قرآن و حدیث کی ساری پیشگوئیاں میرے حق میں ہیں، پس اگر مرزا قادیانی، قرآن و حدیث والا "مسیح موعود" نہیں، اور اس کا قرآن و حدیث کو اپنی ذات پر چسپاں کرنا غلط ہے تو ٹھیک اسی طرح اہلِ بدعت کے ہاں بھی حضرت حاجی صاحب والا "میلاد" نہیں، اس لیے حضرت کے قول و فعل کو اپنے "میلاد" پر چسپاں کرنا محض مغالطہ ہے۔

بہر حال صحیح اور اِعتدال کا مسلک وہی ہے جو حضرات اکابر دیوبند نے اختیار کیا کہ نہ ہم مروجہ میلاد کو صحیح کہتے ہیں اور نہ ان اکابر کو مبتدع کہتے ہیں، یہ تو مسئلے کی مختصر وضاحت تھی۔ آپ کے بارے میں میری مخلصانہ نصیحت یہ ہے کہ اپنی صلاحتیوں کو دین کی سربلندی اور اپنی اصلاح پر صرف کریں، تاکہ ہم آخرت میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں، موجودہ دَور میں حق طلبی کا جذبہ بہت کم رہ گیا ہے۔ جس شخص نے کوئی غلط بات ذہن میں بٹھالی ہے، ہزار دلائل سے اسے سمجھاؤ، وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، بس آدمی کا مذاج یہ ہونا چاہیے کہ ایک بار حق کی وضاحت کر کے اپنے کام میں لگے، کوئی مانتا ہے یا نہیں مانتا؟ اس فکر میں نہ پڑے۔

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نہ شنید یا شنید

جواب: .... ہمارے یہاں ربیع الاوّل میں "سیرت النبی ﷺ" کے جلوسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور "جشنِ عید میلادالنبی" بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے، چراغاں ہوتا ہے، جھنڈیاں لگتی ہیں، جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکلتے ہیں، ان تمام اُمور کو آنحضرت ﷺ کے حقِ محبّت کی ادائیگی سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہلِ فکر کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کی تاریخِ ولادت میں مشہور قول ۱۲ ربیع الاوّل کا ہے[1]، لیکن محققین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ ﷺ

---

١ والمشهور أنه صلى الله عليه وسلم ولد يوم الإثنين ثاني عشر ربيع الأوّل وهو القول الثالث في الكلام لامصنف وهو قول محمد بن

کی ولادت ۸ ربیع الاوّل کو ہوئی[1]، اور آپ ﷺ کی وفات شریفہ راجح اور مشہور قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوئی[2]۔ گویا ربیع الاوّل کا مہینہ اور اس کی بارہ تاریخ صرف آپ کا یومِ ولادت نہیں بلکہ یومِ وفات بھی ہے۔ جو لوگ اس مہینے اور اس تاریخ میں ''جشنِ عید'' مناتے ہیں، انہیں سو بار سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اپنے محبوب ﷺ کی وفات پر تو ''جشنِ عید'' نہیں منا رہے۔ مسلمان بڑی بھولی بھالی قوم ہے، دُشمنانِ دین کے خوشنما عنوانات پر فیرفتہ ہو جاتی ہے۔ صفر کے آخری بدھ کو آنحضرت ﷺ کا مرضِ وفات شروع ہوا[3]، دُشمنوں کو اس کی خوشی ہوئی اور اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹنا شروع کیں، اِدھر مسلمانوں کے کان میں چپکے سے یہ پھونک دیا کہ اس دن آنحضور سرورِ کون و مکاں ﷺ نے ''غسلِ صحت'' فرمایا تھا اور آپ سیر و تفریح کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ناواقف مسلمانوں نے دُشمنوں کی اُڑائی ہوئی اس ہوائی کو ''حروفِ قرآن'' سمجھ کر قبول کر لیا اور اس دن گھر گھر مٹھائیاں بٹنے لگیں۔ جس طرح ''یومِ مرض'' کو یومِ صحت'' مشہور کر کے دُشمنانِ رسول نے خود حضور ﷺ کے اُمتی کہلانے والوں سے اس دن مٹھائیاں تقسیم کرائیں، اسی طرح آپ ﷺ کے ''یومِ وفات'' کو ''یومِ میلاد'' مشہور کر کے مسلمانوں کو اس دن ''جشنِ عید'' منانے کی راہ پر لگا دیا۔ شیطان اس قوم سے کتنا خوش ہو گا جو نبی کریم ﷺ کے مرضِ موت پر مٹھائیاں تقسیم کرتی ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے دن ''جشن'' مناتی ہے.....! کیا دُنیا کی کوئی غیرت مند قوم ایسی ہو گی جو اپنے مقتدا و پیشوا کے یومِ وفات پر ''جشنِ عید'' مناتی ہو؟ اگر نہیں تو

اسحاق بن یسار وإمام المغازی وقول غیره قال ابن کثیر وهو المشهور عند الجمهور و بالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیه الإجماع سهو الشی علیه العمـ (المواهب اللدنّیة ج:۱ص:۱۳۲ طبع دار المعرفة، بیروت)

۱ وقیل لثمان خلت منه قال الشیخ قطب الدین القسطلانی وهو اختیار أکثر أهل الحدیث و نقل عن ابن وجبیر بن مطعم وهو اختیار أکثر من ه معرفة بهٰذا الشأن یعنی التاریخ واختاره الحمیدی و شیخه بن حزم وحکی القضاعی فی عیون المعارف إجماع أهل الزیج علیه و رواه الزهری عن محمد بن جبیر بن مطعم و کان محمد عارفاً بلنسب وأیام العرب أخذ ذٰلك عن أبیه جبیر۔ (المواهب اللدنیّة مع شرح ج:۱ص: ۱۳۱۔۱۳۲ طبع دار المعرفة بیروت)

۲ وکانت وفاته یوم الإثنین بلا خلاف من ربیع الأوّل وکاد یکون إجماعًا .... ثم عند إسحاق والجمهور أنها فی الثانی عشر منه۔ (فتح الباری، باب مرض النبی ﷺ ووفاته ج:۸ ص:۱۲۹)۔ فتوفی علیه الصلاة والسلام حین زاغت الشمس وذٰلك عند الزوال ثم الذدی عند ابن اسهاق والجمهور .... أنه ماتِ لِاثنتی عشرة لیلة خلت مین شهر ربعی الأوّل .... ثم ان وفاته علیه الصلاة والسلام فی الیوم الإثنین۔ (المواهب اللدنیّة مع شرحه ج:۳، ص:۱۱۰۔۱۱۱ طبع دار المعرفة، بیروت)

۳ فصل فی حوادث السُّنّة الحادیة عشرة من الهجرة ..... وفیها مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم فی آخر ال☆ربعاء من صفر و کان ذٰلك الیوم ثلاثین من شهر صفر المذکور۔ (بذل القوة فی حوادث سنی النبوة ص:۲۹۶ طبع جامعة السند، حیدر آباد، پاکستان، أیضًا البدایة والنهایة ج:۳ص:۱۹۷، تاریخ طبری ج:۳ص:۱۸۴، تاریخ ابن کثیر ج:۲ص:۱۲۱)

سوال یہ ہے کہ مسلمان "بارہ وفات" پر "جشنِ عید" کس کے اشارے پر مناتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کام کا حکم دیا تھا؟ کیا رسول اللہ ﷺ دُنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے فرما گئے تھے کہ میری وفات کے دن کو "عید" بنالینا؟ کیا خلفائے راشدینؓ، صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی نے اس دن "جشنِ عید" منایا؟ کیا حدیث وفقہ کی کسی کتاب میں مذکور ہے کہ "بارہ وفات" کا دن اسلام میں "عید" کی حیثیت رکھتا ہے؟ اور یہ کہ اس دن مسلمانوں کو سرکاری طور پر چھٹی کرنی چاہیے اور "جشنِ عید" منانا چاہیے....؟

"جشنِ عید" منانا روافض کے ماتمِ محرّم کی تقلید ہے، اور کسی کی برسی منانا (خواہ پیدائش کی ہو یا وفات کی) خود خلافِ عقل و دانش ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب "تحفۂ اثنا عشریہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"نوع پانزدہم امثال متجددہ را یک چیز بعینہ دانستن، وایں وہم خیلے بر ضعیف العقول غلبہ دارد حتیٰ کہ آب دریا و شعلہ وچراغ و آب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب و یک شعلہ خیال کنند، واکثر شیعہ در عادات خود منہمک ایں خیال اند، مثلاً روز عاشور اور ہر سال کہ بیاید آں را روزِ شہادت حضرتِ امام عالی مقام حسین علیہ السّلام گمان برند واحکام ماتم و نوحہ و شیون و گریہ و زارے۔ وفغاں و بے قرارے آغاز نہند مثل زنان کہ ہر سال برمیّت خود ایں عمل نمایند، حالانکہ عقل بالبداھت میداند کہ زمان امر سیال غیر قارست ہرگز جز او ثبات و قرار ندارد و اعادۂ معدوم محال و شہادت حضرتِ امام در روزے شدہ بود کہ ایں روز ازاں روز فاصلہ ہزار و دو صد سال دارد ایں روز را باآں روز چہ اتحاد و کدام مناسبت وروز عید الفطر و عید النحر را بریں قیاس نباید کرد کہ درآں جا مایہ سرور و شادے سال بسال متجدد دست یعنی اداء روزہ رمضان و ادائے حج خانہ کعبہ کہ (شکر النعمة المتجدّدة) سال بسال فرحت و سرور نو پیدا مے شود و لہٰذا اعیاد شرائع بریں وہم فاسد نیامدہ بلکہ اکثر عقلا نیز نوروز مہرجان و امثال ایں تجددات و تغیرات آسمانی را عید گرفتہ اند کہ ہر سال چیزے نو پیدا می شود و موجب تجدد احکام میباشد و علیٰ ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین و تعید بعید غدیر و

امثال ذالک مبنی بر ہمیں وہم فاسد ست از یجا معلوم شد کہ روز نزول آیۃ (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ) وروز نزولِ وحی و شبِ معراج راچرا در شرع عید قرار ندادہ اند و عید الفطر و عید النحر راقرار دادہ اند و روز تولد و وفات ہیچ نبے را عید نگرد انید ندو چرا صوم یوم عاشورا کہ در سال اوّل بموافقت یہود آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بجا آور دہ بودند منسوخ شد دریں ہمہ ہمیں سرست کہ وہم رادخلے نبا شد بدون تجدد نعمت حقیقتہ سرور و فرحت نمودن یا غم وماتم کردن خلافِ عقل خالص از شوائب وہم است۔'' (تحفہ اثنا عشریہ، فارسی، ص:۳۵۱)

ترجمہ:.... ''نوع پانز دہم نئی نئی اَمثال کو ایک چیز بعینہٖ جاننا اور یہ وہم کرنا ضعیف العقول پر بہت غلبہ رکھتا ہے، یہاں تک کہ دریا کے پانی اور شعلہ اور چراغ اور آب فوارہ کو اکثر لوگ ایک آگ اور ایک شعلہ خیال کرتے ہیں۔ اکثر شیعہ ان خیالات کے عادتوں میں ڈُوبے ہوئے ہیں، مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے، ہر سال روزِ شہادت حضرت امام عالی مقام علیہ السّلام کا گمان کرتے ہیں اور احکامِ ماتم اور شیون اور گریہ وزاری اور فغاں و بے قرار شروع کرتے ہیں، عورتوں کی طرح کہ ہر سال اپنی میّت پر یہ عمل کرتے ہیں، حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا غیر قار رہے، یعنی قرار نہ پکڑنے والا، کوئی جز اس کا ثابت و قائم نہیں رہتا، اور اس زمانے کا لوٹنا بھی محال ہے، اور شہادت حضرت امامِ رضی اللہ عنہ کی جس دن ہوئی اُس دن سے اِس دن تک فاصلہ گیارہ سو پچاس برس کا ہوا، پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہو گیا اور کون سی مناسبت ہو گئی۔

عید الفطر اور عیدِ قرباں کو اس پر قیاس کرنا نہیں چاہیے، کیونکہ اس میں خوشی اور شادی سال در سال نئی ہے، یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا کہ شکر النعمۃ المتجدّدۃ (یعنی شکر ہے نئی نئی نعمت کا) سال در سال فرحت و سرور نیا پیدا ہوتا ہے۔ اسی واسطے عیدین شریعت کی اس وہمِ فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں، بلکہ اکثر عقلاء نے بھی نوروز اور مہرجان اور اَمثال اس کی نئی باتوں اور تغیرِ آسمانی کو خیال کر کے عید اختیار کی ہے کہ ہر سال ایک چیز نئی پیدا ہوتی ہے، اور اس پر نئے نئے اَحکام کیے جاتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس بابا شجاع الدین کی عید منانا اور غدیر خم کی عید منانا اور مثل ان کے، سب کی بنا، وہمِ فاسد پر ہے، اور اسی موقع سے معلوم ہوا کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' اور جس دن وحی نازل ہوئی اور شبِ معراج، ان دنوں کو شرع میں کیوں نہیں عید ٹھہرایا ہے اور عید الفطر

اور عید قرباں کو عید ٹھہرایا، وہ دن بھی تو بڑی خوشی کے تھے، ایسے کسی نبی کے تولد اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھہرایا اور روز عاشورا کا کہ اوّل سال یہود کی موافقت سے آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا، کیوں منسوخ ہوا؟ ان سب باتوں میں یہی بھید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقیہ کے کے فرحت اور سرور کا ہونا یا غم اور ماتم کرنا، اس عقل کے خلاف ہے جو آمیزش وہم سے خالص ہے۔" (ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ: ص:۶۲۶)

علاوہ ازیں اس قسم کے جشنوں میں وقت برباد ہوتا ہے، ہزاروں روپیہ ضائع ہوتا ہے، نمازیں غارت ہوتی ہیں، نمود و نمائش ہوتی ہے، مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، بے حجابی و بے پردگی ہوتی ہے۔ ذرا غور کیجیے! کیا ان تمام باتوں کو آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیّبہ اور آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے کوئی جوڑ ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کے مقدّس نام پر ان تمام چیزوں کا روا رکھنا کتنا بڑا ظلم ہے...؟

آنحضرت ﷺ کی ولادتِ شریفہ اور آپ ﷺ کا وجودِ سامی سراپا رحمت ہے (حق تعالیٰ شانہ کی مزید عنایت در عنایت یہ کہ ہمیں آنحضرت ﷺ کی اُمت میں شامل ہونے کا شرف عطا فرمایا، (اَللّٰهُمَّ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ) مگر اس رحمت سے فائدہ اُٹھانے والے وہی خوش قسمت ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی سنت و سیرت کو اپنانے اور آپ ﷺ کے مقدّس اُسوۂ حسنہ پر گامزن ہونے کی توفیق ارزانی کی جاتی ہے کہ یہی آپ ﷺ کی تشریف آوری کا مقصدِ وحید ہے۔

آنحضرت ﷺ کا اُسوۂ حسنہ ہر اُمتی کے لیے مینارۂ نُور ہے اور دین و دنیا کی فلاح آنحضرت ﷺ کی تعلیمات، آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور آپ ﷺ کے اَحکام و اِرشادات کے اِتباع پر موقوف ہے اور اس کی ضرورت صرف نماز روزہ وغیرہ عبادات تک محدود نہیں، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت، اخلاق و عادات اور شکل و شمائل الغرض! زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے۔

امّت مسلمہ کے لیے آنحضرت ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کا التزام متعدد وجوہ سے ضروری ہے۔

اوّل: .... حق تعالیٰ شانہ نے بار بار تاکیداتِ بلیغہ کے ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کا حکم فرمایا ہے، بلکہ اپنی اطاعت و بندگی کو آنحضرت ﷺ کی اطاعت و اتباع کے ساتھ مشروط فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء: ۸۰)

دوم: .... ہم لوگ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کا عہد کر کے آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں اور ہمارے اس ایمانی عہد کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ایک ایک فیصلے پر دِل و جان سے راضی ہوں، آپ ﷺ کے ایک ایک حکم کی تعمیل کریں اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کو اَپنائیں، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا“ (النساء: ۶۵)

سوم:... آنحضرت ﷺ ہر اُمتی کے لیے محبوب ہیں اور یہ محبّت شرطِ ایمان ہے، ارشادِ نبوی ہے:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان ج:۱، ص:۶)

اور محبّت کا خاصہ ہے کہ ایک محبِ صادق اپنے محبوب کی ہر ہر اَدا پر مرمٹتا ہے، اور اسے محبوب کی تمام ادائیں محبوب ہوتی ہیں یہ نہ ہو تو دعویٔ محبّت محض لاف و گزاف ہے۔ پس ہماری ایمانی محبّت کا تقاضا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جائیں، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا پر مرمٹیں، اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کو زندہ کریں، اس کے بغیر ہمیں بارگاہِ الٰہی سے محبّت، نبوی کی سند نہیں مل سکتی۔

چہارم: ... آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی کمالِ انسانیت کا نقطۂ معراج ہے، اور آپ ﷺ کی تمام ادائیں، تمام سنتیں اور آپ ﷺ کا پورا اُسوۂ حسنہ مظہرِ کمال بھی ہے اور مظہرِ جمال بھی۔ پس جو شخص جس قدر آنحضرت ﷺ کی پیروی کرے گا اور اسے جس قدر اُسوۂ رسولِ اکرم ﷺ کی اقتدا و اِتباع نصیب ہو گی، اسی قدر کمالِ انسانیت سے بہرہ ور ہو گا، اور جس قدر اسے اُسوۂ نبوی سے بُعد ہو گا، اسی قدر وہ کمالاتِ انسانیت سے گرا ہوا ہو گا۔ پس آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی ”انسانِ کامل“ کے لیے معیار اور نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ پس نہ صرف اہلِ ایمان کو بلکہ پوری انسانیت کو لازم ہے کہ کمالِ انسانی کی معراج تک پہنچنے کے لیے اس ”انسانِ کامل“ ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کرے، واللہ اعلم!

یہ اس امّت پر حق تعالیٰ شانہ کا احسانِ عظیم ہے کہ آنحضرت ﷺ محبوب ربّ العالمین ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کا مکمل ریکارڈ امّت کے سامنے اس طرح موجود ہے کہ گویا آنحضرت ﷺ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاکیزہ شمائل اور احادیث کا مستند ذخیرہ موجود ہے اور ہر دَور میں اکابرِ اُمت

اور حضراتِ محدثین نے اسے اپنے اپنے انداز میں مرتب فرمایا ہے، تاکہ اُمت ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت و اِرشادات سے واقف ہو، آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی پیروی کو اپنا مقصدِ زندگی بنائے اور اُسوۂ نبوی ﷺ کے قالب میں اپنی زندگی کے تمام شعبوں کو ڈھالے۔

موجودہ دَور میں جبکہ سرورِ کونین ﷺ کی سنتوں سے مغایرت بڑھتی جارہی ہے اور مسلمان اپنے دِین کی تعلیمات اور اپنے مقدّس نبی ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر غیروں کے طور طریقے اپنا رہے ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو چند روزہ جشن منانے کے بجائے ان کی متاعِ گم گشتہ کی طرف بار بار بلایا جائے اور انہیں اسلامی تعلیمات اور سرکار، دوعالم ﷺ کی سنتوں کی دعوت دی جائے، کیونکہ مسلمانوں کی دُنیوی و اُخروی ہر طرح کی صلاح و فلاح اِتباعِ سنت ہی میں مضمر ہے۔

قارئین کرام آپ علمائے حق کی آراء عید میلاد النبی ﷺ کے بارے میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں اب آخر میں میں عرب کے چند نامی گرامی علماء اور مفتیان اکرام کی مروجہ جشن عید میلاد النبی ﷺ سے متعلق لکھی گئی کتب سے چند اقتباسات پیش کر کے اس کتاب کو ختم کرتا ہوں جن میں ان علمائے کرام نے مروجہ محافل میلاد اور عید میلاد سے متعلق تقریباً وہی کچھ بیان کیا ہے جس کا ذکر آپ اس سے قبل الحمد للہ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔

الشيخ الإمام أبي حفص تاج الدين الفاكهاني:

فقلت وبالله التوفيق: لا أعلم لهذا المولد أصلاً في كتاب ولا سنة(٣)، ولا ينقل عمله عن أحد من علماء الأمة (٤)، الذين هم القدوة في الدين، المتمسكون بآثار المتقدمين، بل هو بدعة، احدثها البطّالون (١)، وشهوة نفسٍ اغتنى (٢) بها الأكّالون، بدليل أنّا إذا أدرنا (٣) عليه الأحكام الخمسة قلنا:

إما ان يكون واجباً، أو مندوباً، أو مباحاً، أو مكروهاً، أو محرماً!!

وهو ليس بواجب اجماعا، ولا مندوبا، لان حقيقة المندوب ما طلبه الشرع من غير ذم على تركه (١)، وهذا لم يأذن فيه الشرع، ولا فعله الصحابة، ولا التابعون، [ولا العلماء] المُتَدَيّنون – فيما علمت – وهذا جوابي عنه بين يدي الله تعالىٰ إن عنه سئلت۔

ولا جائز أن يكون مباحاً؛ لأن الابتداع في الدين ليس مباحاً بإجماع المسلمين۔

فلم يبق إلا ان يكون مكروهاً، أو حراماً (٢)، وحينئذٍ يكون الكلام فيه في فصلين، والتفرقة بين حالين:

أحدهما: أنْ يعمله رجلٌ مِن عَيْن مالِهِ لأهله وأصحابه وعياله، لا يجاوزون [في] ذٰلك الاجتماع على أكل الطعام، ولا يقترفون شيئاً من الآثام (٣): فهذا الذي وصفناه بأنه بدعة مكروهة، وشناعة، إذ لم يفعله أحد من متقدمي أهل الطاعة، الذين هم فقهاء الإسلام، وعلماء الأنام، سُرُج الأزمنة، وزين الأمكنة۔

والثاني: أن تدخله الجناية (١)، و تقوى به العناية (٢)، حتى يُعطي أحدهم الشيء ونفسه تَتْبَعُه، وقلبه يُؤلِمُه ويوجعه؛ لما يجد من ألم الحيف (٣) وقد قال العلماء رحمهم الله تعالىٰ: أخذ المال بالحياء كأخذه بالسيف (٤)، لا سيما إن انضاف إلى ذلك شيء من الغناء مع البطون الملأى بآلات الباطل، من الدفوف(٥)، والشّبابات، واجتماع الرجال مع الشباب المُرْد (٦) ، والنساء الغانيات، إما مختلطات بهم، أو مُشْرِفات (١)، والرقص بالتثني والانعطاف (٢)،

والاستغراق في اللهو ونسيان يوم المخاف(٣)۔

وكذلك النساء إذا اجتمعن على انفرادهنّ رافعاتٍ أصواتهن بالتَّهْنِيكِ (٤) والتطريب في الإنشاد، والخروج في التلاوة والذكر عن المشروع والأمر المعتاد(٥)، غافلات عن قوله تعالیٰ: ''إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ'' (الفجر:١٤)

لسماحة مفتي الديار السعودية الشيخ محمد بن إبراهيم آل الشيخ:

قسم العلماء الاجتماع الذي يعمل في ربيع الأول ويسمى باسم: المولد إلى قسمين:

أحدهما: ما خلا من المحرمات فهو بدعة لها حكم غيرها من البدع، قال شيخ الإسلام ابن تيمية في [الفتاوى الكبرى]: أما اتخاذ موسم غير المواسم الشرعية كبعض ليالي شهر ربيع الأوّل التي يقال: إنها ليلة المولد، أو بعض ليالي رجب، أو ثامن عشر ذي الحجة، أول جمعة من رجب، أو ثامن شوال الذي يسميه الجهال: عيد الأبرار۔ فإنها من البدع التي لم يستحبها السلف الصالح ولم يفعلوها۔

وقال في [الاقتضاء]: (إن هذا – أي اتخاذ المولد عيداً – لم يفعله السلف مع قيام المقتضي له، وعدم المانع منه)، قال: (ولو كان هذا خيراً محضاً أو راجحاً لكان السلف رضي الله عنهم أحق به منا، فإنهم كانو أشد محبة لرسول الله ﷺ وتعظيماً له منا وهم على الخير أحرص)۔

وقال ابن الحاج في [المدخل]: فإن خلا – أي المولد النبوي – منه – أي من السماع و توابعه – وعمل طعاماً فقط، ونوى به المولد ودعا إليه الإخوان،، وسلم من كل ما تقدم ذكره، فهو بدعة بنفس نيته فقط، إذ أن ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السف الماضين، واتباع السلف أولى، بل أوجب من أن يزيد نية مخالفة لما كانوا عليه؛ لأنهم أشد الناس اتباعاً لسنة رسول الله ﷺ، وتعظيماً له ولسنته ﷺ، ولهم قدم السبق في المبادرة إلى ذلك ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوى المولد، ونحن لهم تبع فيسعنا ما وسعهم، وقد علم أن

اتباعهم في المصادر والموارد، كما قال الشيخ بو طالب المكي – رحمه الله – في كتابه۔ وقد جاء في الخبر: ''لا تقوم الساعة حتى يصير المعروف منكراً والمنكر معروفاً''، وقد وقع ما قاله عليه الصلاة والسلام بسبب ما تقدم ذكره وما يأتي بعد؛ لأنهم يعتقدون أنهم في طاعة، ومن لا يعمل عملهم يرون أنه مقصر، فإنا لله وإنا إليه راجعون۔ ا۔ هـ۔

لسماحة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن باز:

أما بعد:

فقد تكرر السؤال من كثير عن حكم الاحتفال بمولد النبيﷺ، والقيام له في أثناء ذلك، وإلقاء السّلام عليه، وغير ذلك مما يفعل في الموالد۔

والجواب أن يقال: لا يجوز الحتفال بمولد الرسولﷺ، ولا غيره؛ لأن ذلك من البدع المحدثة في الدين؛ لأن الرسول ﷺ لم يفعله، ولا خلفاؤه الراشدون، ولا غير هم من الصحابة – رضوان الله على الجميع – ولا التابعون لهم بإحسان في القرون المفضلة، وهم أعلم الناس بالسنة، وأكمل حباً لرسول اللهﷺ ومتابعة لشرعه ممن بعدهم ۔

وقد ثبت عن النبىﷺ أنه قال: ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ'' (١) أي: مردود عليه، وقال في حديث آخر: ''عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، إياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' (١)

ففي هذين الحديثين تحذير شديد من إحداث البدع والعمل بها۔

وقد قال الله سبحانه في كتابه المبين: ''وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ'' (الحشر: ٧)، وقال عزو جل: ''فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝'' (النور: ٦٣)، وقال سبحانه: ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝'' (الاحزاب: ٢١)، وقال تعالىٰ: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ '' (التوبہ: ۱۰۰)، وقال تعالیٰ: ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ '' (المائدہ: ۳)

والآيات في هذا المعنى كثيرة:

وإحداث مثل هٰذه الموالد يفهم منه: أن الله سبحانه لم يكمل الدين لهذه الأمة، وأن الرسول ﷺ لم يبلّغ ما ينبغي للأمة أن تعمل به، حتى جاء هؤلاء المتأخرون فأحدثوا في شرع الله ما لم يأذن به، زاعمين: أن ذلك مما يقربهم إلى الله، وهذا بلا شك فيه خطر عظيم، واعتراض على الله سبحانه، وعلى رسوله ﷺ، والله سبحانه قد أكمل لعباده الدين، وأتم عليهم النعمة۔

وقد صرح جماعة من العلماء بإنكار الموالد والتحذير منها؛ عملاً بالأدلة المذكورة و غيرها۔

وخالف بعض المتأخرين فأجازها إذا لم تشتمل على شيء من المنكرات؛ كالغلو في رسول الله ﷺ، وكاختلاط النساء بالرجال، واستعمال آلات الملاهي، وغير ذلك مما ينكره الشرع المطهر، وظنوا أنها من البدع الحسنة۔

والقاعدة الشرعية؛ رد ما تنازع فيه الناس إلى كتاب الله، وسنة رسوله محمد ﷺ۔

كما قال الله عزو جل: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا '' (النساء: ۵۹)، وقال تعالیٰ: ''وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ '' (الشوریٰ: ۱۰)

وقد رددنا هذه المسألة – وهي الا حتفال بالموالد – إلى كتاب الله سبحانه، فوجدناه يأمرنا باتباع الرسول ﷺ فيما جاء به ويحذرنا عما نهى عنه، ويخبرنا بأن الله سبحانه قد أكمل لهذه الأمة دينها، وليس هذا الاحتفال مما جاء به الرسول ﷺ، فيكون ليس من

الدين الذي أكمله الله لنا وأمرنا باتباع الرسول فيه، وقد رددنا ذلك – أيضاً – إلى سنة الرسولﷺ فلم نجد فيها أنه فعله، ولا امر به ولا فعله أصحابه رضي الله عنهم، فعلمنا بذلك أنه ليس من الدين، بل هو من البدع المحدثة، ومن التشبه بأهل الكتاب من اليهود والنصارى في أعيادهم۔

وبذلك يتضح لكل من له أدنى بصيرة ورغبة في الحق وإنصاف في طلبه أن الاحتفال بالموالد ليس من دين الإسلام، بل هو من البدع المحدثات التي أمر الله سبحانه ورسولهﷺ بتركها والحذر منها۔

ولا ينبغي للعاقل أن يغتر بكثرة من يفعله من الناس في سائر الأقطار، فإن الحق لا يعرف بكثرة الفاعلين، وإنما يعرف بالأدلة الشرعية، كما قال تعالىٰ عن اليهود والنصارى: ''وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ط قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ '' (البقرہ: ۱۱۱)، وقال تعالىٰ: ''وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط'' (الانعام: ۱۱۶)

ثم إن غالب هذه الاحتفالات بالموالد مع كونها بدعة لا تخلو من اشتمالها على منكرات أخرى؛ كاختلاط النساء بالرجال، واستعمال الأغاني والمعازف، وشرب المسكرات والمخدرات، وغير ذلك من الشرور، وقد يقع فيها ما هو أعظم من ذلك وهو الشرك الأكبر، وذلك بالغلو في رسول اللهﷺ، أ وغيره من الأولياء، ودعائه والاستغاثة به وطلبه المدد، واعتقاد أنه يعلم الغيب، ونحو ذلك من الأمور الكفرية۔

قيام:

ومن ذلك: أن بعضهم يظن أن رسول الله ﷺ يحضر المولد؛ ولهذا يقومون له محيين ومرحبين، وهذا من أعظم الباطل وأقبح الجهل، فإن الرسولﷺ لا يخرج من قبره قبل يوم القيامة، ولا يتصل بأحد من الناس، ولا يحضر اجتماعاتهم، بل هو مقيم في قبره إلى يوم القيامة، وروحه في أعلى عليين عند ربه في دار الكرامة، كما قال الله تعالىٰ في سورة المؤمنون:

''ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝''

وقال النبيﷺ: ''أنا أول من ينشق عنه القبر يوم القيامة، وأنا أول شافع، وأول مُشَفَّعٍ'' عليه من ربه أفضل الصلاة والسلام۔

فهذه الآية الكريمة والحديث الشريف وما جاء في معناهما من الآيات والأحاديث، كلها تدل على أن النبيﷺ وغيره من الأموات إنما يخرجون من قبورهم يوم القيامة، وهذا أمر مجمع عليه بين علماء المسلمين ليس فيه نزاع بيهنم ، فينبغي لكل مسلم التنبه لهذه الأمور، والحذر مما أحدثه الجهال وأشباههم من البدع والخرافات التي ما أنزل الله بها من سلطان۔ والله المستعان وعليه التكلان ولا حول ولا قوة إلا به۔ (حکم الاحتفال بالمولد النبوی ص:۶۳)

الرد القوي على الرفاعي والمجهول وابن علوي و بيان أخطائهم في المولد النبوي

لفضيلة الشيخ حمود بن بن عبدالله التويجري:

وإذا علم هذا فليعلم أيضاً أن الاحتفال بليلة المولد واتخاذها عيداً لم يكن من هدي رسول اللهﷺ، وإنما هو من المحدثات التي أحدثت بعد زمانهﷺ بنحو من ستمائة سنة، وعلى هذا فالا حتفال بهذا العيد المحدث داخل فيما حذّر الله منه في قوله تعالىٰ: ''فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝'' (النور:۶۳) ، ولو كان في الاحتفال بهذا العيد المبتدع أدنى شيء من الخير لسبق إليه الصحابة رضي الله عنهم، فإنهم كانوا أسبق إلى الخير ممن جاء بعدهم۔

ومنها قوله تعالى: '' اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝'' (الاعراف:۳)۔ قال ابن كثير في تفسير هذه الآية الكريمة: أي اقتفوا آثار النبي الأمي الذي جاءكم بكتاب من رب كل شيئ ومليكه ''وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ''، أي لا تخرجوا

عما جاءكم به الرسول إلى غيره فتكونوا قد عدلتم عن حكم الله إلى حكم غيره، انتهى۔

وإذا علم أن الله تعالى أمر عباده باتباع ما أنزله في كتابه ونهاهم عن اتباع الأولياء من دونه فليعلم أيضاً أن اتخاذ ليلة المولد عيداً من اتباع الأولياء الذين ابتدعوا إحياء ليلة المولد واتخذوها عيداً يفعلونه في كل عام۔

آگے جاکر لکھتے ہیں:

قلت: ومن الأعمال المردودة بلا ريب إحياء ليلة المولد كل عام؛ لأنه لم يكن من أمر النبيﷺ، ولا من عمل الصحابة رضي الله عنهم، ولا من عمل التابعين وتابعيهم بإحسان، وإنما هو من محدثات الأمور التي حذَّر منها رسول الله ﷺ، وأخبر أنها بدعة وضلالة۔

وأما مخالفة الرفاعي لما كان عليه سلف الأمة و أئمتها والمسلمون جميعاً منذ زمان رسول الله ﷺ، إلى آخر القرن السادس من الهجرة فهو ظاهر، فإنهم لم يكونوا يحتفلون بالمولد ويتخذونه عيداً، ولم يكونوا يخصون ليلة المولد ولا يومه بشيء من الأعمال دون سائر الليالي والأيام۔ ولو كان الاحتفال بالمولد خيراً لسبق إليه الصحابة رضي الله عنهم، فإنهم كانوا أسبق إلى الخير وأحرص عليه ممن جاء بعدهم،

وقد روى الإمام أحمد في [الزهد] عن ابن مسعود رضي الله عنه، أنه قال: (عليكم بالسمت الأول)، وروى محمد بن نصر المروزي في كتاب [السنة] عنه رضي الله عنه، أنه قال: (إنكم اليوم على الفطرة، وإنكم ستحدثون ويحدث لكم، فإذا رأيتم محدثة فعليكم بالهدي الأول)، وروى الإمام أحمد، ومحمد بن نصر عنه رضي الله عنه، أنه قال: (اتبعوا ولا تبتدعوا فقد كفيتم، وكل بدعة ضلالة)، وروى أبو نعيم في [الحليه] عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، أنه قال: (من كان مستناً فليستن بمن قد مات، أولئك أصحاب محمدﷺ، كانوا خير هذه الأمة، أبرها قلوباً، وأعمقها علماً، وأقلها تكلفاً، قوم اختارهم الله لصحبة نبيهﷺ، ونقل دينه، فتشبهوا بأخلاقهم وطرائقهم، فهم أصحاب محمدﷺ، كانوا على الهدى

المستقيم، ولله رب الكعبة)، وقد روى رزين نحو هذا عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه۔

الإنصاف فيما قيل في المولد من الغلف والإجحاف لفضيلة الشيخ أبي بكر جابر الجزائري

إن المولد النبوي الشريف في عرف اللغة العربية؛ هو المكان أو الزمان الذي ولد فيه خاتم الأنبياء وإمام المرسلين محمد صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم.

فمولده المكاني: – فداه نفسي وأبي و أمي – هو دار أبي يوسف المقام عليها اليوم مكتبة عامة بمكة المكرمة۔ ومولوده الزماني: هو يوم الإثنين الثاني عشر من ربيع الأول من عام الفيل على أشهر الروايات وأصحها، الموافق لاغسطس من عام سبعين وخمسمائة من تاريخ ميلاد المسيح عيسى ابن امريم عليه السلام۔

هذا هو المراد من كلمة المولد النبوي الشريف في العرف اللغوي، والذي لم يعرف المسلمون غيره طيلة ستة قرون وربع قرن، أي: من يوم نزول الوحى إلى مطلع القرن السابع الهجري، ثم بعد سقوط الخلافة الإسلامية الراشدة وانقسام بلاد المسلمين وتمزقها، وما تبع ذلك من ضعف وانحراف في العقائد، والسلوك، وفساد في الحكم والإدارة ظهرت بدعة المولد النبوي الشريف كمظهر من مظاهر الضعف والانحراف، فكان أول من أحدث هذه البدعة الملك المظفر صاحب إربل من بلاد الشام (۱) غفر الله لنا وله۔

وأول من ألّف فيها مولداً أبو الخطاب بن دحية سماه: [التنوير في مولد البشير النذير] قدمه للملك المظفر الآنف الذكر فأجازه بألف دينار ذهباً۔

ومن طريف ما يعلم في هذا الشأن: أن السيوطي ذكر في كتابه [الحاوي]: أن الملك المظفر، مبتدع بدعة المولد، قد أعد سماطاً في أحد الموالد التي يقيمها، وضع عليه خمسة آلاف رأس غنم مشوي، عشرة آلاف دجاجة، ومائة فرس ، ومائة ألف زبدية، وثلاثين ألف صحن حلوى۔ وأنه أقام سماعاً للصوفية من الظهر إلى الفجر، وكان يرقص فيه بنفسه مع الراقصين۔ فكيف تحيا أمة ملوكها دراويش يرقصون في حفلات الباطل؟! وإنا لله وإنا إليه راجعون۔

وإن قيل: وإذا كان المولد بدعة أفلا يثاب فاعله على أفعال البر التي فيه من ذكر ودعاء وإطعام طعام؟

نقول: هل يثاب على صلاة في غير وقتها؟ هل يثاب على صدقة لم تقع في موقعها؟ هل يثاب على حج في غير وقته؟ هل يثاب على طواف حول غير الكعبة أو على سعي بين غير الصفا والمروة؟ فإن قيل في كل هذه: لا ، لا، قيل: كذالك في أفعال البر المصاحبة للمولد لا، لا؛ لعلة الإحداث فيها، والابتداع الذي صاحبها، إذلو صح ذلك وقبل من فاعله لأمكن الإحداث في الدين، وهذا مردود بقول الرسول ﷺ ''من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد'' (۱)

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات ورسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندُ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

۱۲: اپریل ۲۰۱۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾

مروّجہ درود وسلام کی شرعی حیثیت

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکّی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

اللهم صل على محمد وعلى ال محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى ال محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم
انك حميد مجيد

درود شریف اور بدعات

درود شریف ایک عمدہ ترین عبادت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (الاحزاب:۵۶)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔ اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صلوٰۃ کی اضافت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد دعائے رحمت ہے۔ اسی طرح مومنوں کی طرف بھی صلوٰۃ کی اضافت طلب رحمت کے معنی میں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور آپ ﷺ کی تعریف اور اعزاز واکرام کرتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں، سو تم بھی اللہ سے رحمت کے نزول کی دعا کرو۔ حدیث شریف میں درود شریف کی جو شان اور درجہ بیان ہوا ہے وہ گنتی سے باہر ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ

"جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔" (مسلم، ج:۱، ص:۱۷۵۔ مشکوٰۃ، ج:۱، ص:۸۶)

اور ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ

"جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔" (مستدرک، ج:۱، ص:۵۵۰)

اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ

"جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھی ہو اور اس نے آنحضرت ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا ہو تو وہ مجلس ان کے لیے باعث وبال ہوگی۔" (مستدرک، ج:۱، ص:۵۵۰۔ مشکوٰۃ، ج:۱، ص:۱۹۸)

الغرض درود شریف کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ذکر اور درود

شریف کے پاک الفاظ سے ہر وقت اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

درود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن اسی طریقے سے جس طرح حضرات صحابۂ کرامؓ اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا۔ خیر القرون میں نہ درود شریف کے حلقے باندھے جاتے تھے اور نہ بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا۔ فقہ حنفی کی مستند کتاب میں لکھا ہے:

”ذکر بالجہر یعنی اونچی آواز میں ذکر کرنا حرام ہے۔

کیوں کہ صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا اِلٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تو تمہیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔ (شامی، ج:۵، ص:۵۰)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس عبادت کے لیے شریعت مطہرہ نے کسی مخصوص ہیئت کے ساتھ قید نہیں لگائی اور اس کے لیے کسی خاص اہتمام اور اجتماع کی ترغیب نہیں دی تو یقیناً کوئی مخصوص طرز و طریقہ غلط ہوگا۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت سالم بن عبید صحابیؓ کی مجلس میں ایک صاحب کو چھینک آئی تو اس نے کہا ”السّلام علیکم“ آپ نے فرمایا: ”تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی“ وہ صاحب اس سے ذرا بگڑے، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو وہی بات کہی ہے جو ایسے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں کسی کو چھینک آتی اور وہ — ”السّلام علیکم“ کہتا تو آپ فرماتے ”تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی“ — اور پھر ارشاد فرماتے کہ جب کسی کو چھینک آئے اسے ”الحمد للہ“ کہنا چاہیے۔ سننے والوں کو ”یرحمک اللہ“ کہنا چاہیے۔ اور اسے جواب میں پھر ”یغفر اللہ لی ولکم“ کہنا چاہیے۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۴۰۶)

دیکھیے کہ جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جو کہ کوفہ کے گورنر تھے، بلند آواز سے ذکر کرنے والوں اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے اور فرماتے کہ تم بدعتی ہو۔ اگر اس فعل کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو موصوف ایسا کبھی نہ کرتے۔

کوئی حضرت ابن عمرؓ سے پوچھے کہ آپ نے درود و سلام سے کیوں منع کیا اور والسلام علی رسول اللہ کے الفاظ سے آپ کو کیا تکلیف ہوئی ہے؟ کیا جناب رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجنا گناہ ہے؟ بے موقع اور بے محل درود و سلام سے تو وہابی

منع کیا کرتے ہیں، آپ اس زمرے میں کیسے شامل ہوگئے؟ مگر یہ حضرات تو سراپا مطیع رسول تھے۔(ﷺ) حمد و سلام کے موقع اور محل کو بہ خوبی جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس وقت پڑھنے والے بھی ہوتے تھے، درود شریف بھی تھا آنحضرت ﷺ کے ساتھ عشق و محبّت بھی بے انتہا تھی، مگر گلے پھاڑ پھاڑ کر درود شریف پڑھنے کا نہ صرف یہ کہ تصوّر ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کو بدعت اور پڑھنے والوں کو بدعتی سمجھتے تھے اور مسجدوں سے نکال دیا کرتے تھے اور بے موقع درود و سلام سے منع فرمایا کرتے تھے۔ جب اُس وقت بلند آواز اور بے موقع درود شریف پڑھنے کا ثواب نہ تھا تو آج کیسے ثواب کا باعث بن سکتا ہے؟ کیا ایسا کرنے والوں پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟(معاذ اللہ)

اذان کے کلمات میں اضافہ:

قارئین کرام:

اذان کے کلمات اللہ رب العزت کی طرف سے متعین و مقرر ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ کے پسندیدہ ہیں، چنانچہ احادیث میں آتا ہے:

۶۴۰– عن ابْنَ عُمَرَ، قال: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ للصلاة، وَلَيْسَ يُنَادِي بِهَا أَحَدٌ، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، فَقَالَ عُمَرُ أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ؟ فقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ»

”حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان مدینہ میں آکر جمع ہوگئے تو نماز کے لیے وقت اور اندازہ معین کرنے لگے (کیونکہ) کوئی آدمی نماز کے لیے بلانے والا نہ تھا (ایک روز) جب اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو بعضوں نے کہا کہ نصاری کی طرح ناقوس بنالیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ یہود کی طرح سینگ بنالیا جائے (یہ تمام تجاویز سن کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی کیوں نہ مقرر کر دیا جائے جو نماز کے لیے (لوگوں کو) بلالیا کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلال! کھڑے ہوکر نماز کے لیے منادی دیا کرو۔“ (بخاری و مسلم)

۶۴۱– (۱)عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ، فَذَكَرُوا اليَهُودَ وَالنَّصَارَى «فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ، وَأَنْ يُوتِرَ الإِقَامَةَ» قال إسماعيلُ: فَذَكَرْتُه لِأَيُّوبَ۔ فقال:

إِلَّا الإِقَامَةَ۔ متفق علیه

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ نے (اذان کی مشروعیت سے پہلے نماز کے وقت کا اعلان کرنے کے سلسلے میں آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض لوگوں نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا (کہ ان کی مشابہت ہو گی) پھر سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات جفت کہیں (یعنی اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہیں اور باقی کلمات سوائے آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے جو ایک مرتبہ کہا جاتا ہے وہ دو مرتبہ کہیں (اور تکبیر کے کلمات (سوائے اللہ اکبر کے) ایک ایک مرتبہ کہیں) شیخ اسماعیلؒ (جو اس حدیث کے راوی اور بخاری و مسلمؒ کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر ایوب سے (جو اس حدیث کے راوی ہیں اور جنہوں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے) کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ دو مرتبہ کہنا چاہیے (یعنی تکبیر کے اوّل و آخر میں ''اللہ اکبر'' کے علاوہ بقیہ کلمات ایک ایک مرتبہ ہیں اور لفظ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ دو مرتبہ ہے)۔ (بخاری و مسلم)

وَعَن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ بن عبدِ ربِّه، قال: لَمَّا أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوسِ يُعْمَلُ؛ لِيَضْرِبَ بِهِ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلَوَاتِ طَافَ بِي وَأَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوسًا فِي يَدِهِ، فَقُلْتُ: يَا عَبْدَ اللهِ أَتَبِيعُ النَّاقُوسَ؟ قَالَ: وَمَا تَصْنَعُ بِهِ؟ قُلْتُ: نَدْعُو بِهِ إِلَى الصَّلَاةِ. قَالَ: أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ. فَقُلْتُ له: بَلَى۔ قال. فَقَالَ: تَقُولُ: اللهُ أَكْبَرُ، إلى آخره، وكذا الإقامة ".

فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ: " إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللهُ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ، فَإِنَّهُ أَنْدَى صَوْتًا مِنْكَ " فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهِ، قَالَ: فَسَمِعَ ذَلِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهُ وَيَقُولُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ مَا أَرَى، فَقَالَ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ " رواه أبو داؤد، والدارمي، وابن ماجه؛ إِلَّا أَنَّه لم يذكر الإقامةَ۔ وقال الترمذي: هذا حديثٌ صحيح، لكنّه لم يصرّح قصة الناقوس۔

''اور حضرت عبداللہ ابن زید بن عبد ربہؓ فرماتے ہیں کہ جب سرور کائنات ﷺ نے ناقوس بنائے جانے کا حکم دیا تا کہ نماز کی جماعت میں لوگوں کو حاضر ہونے کے لیے اسے بجایا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ

میں ناقوس لیے ہوئے (جاتا) ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ بندہ خدا! کیا تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس شخص نے کہا کہ تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز (کی جماعت) کے لیے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا کہ ہاں ضرور بتاؤ! اس شخص نے کہا کہ کہو اللہ اکبر تک اس نے اذان بتا کر پھر اسی طرح اقامت بھی بتائی، جب صبح ہوئی تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا آپ ﷺ سے بیان کیا، آپ ﷺ نے (خواب سن کر) فرمایا کہ، انشاء اللہ تعالیٰ خواب سچا ہے، اب تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر جو کچھ خواب میں دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ اور وہ اذان کہیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ چنانچہ میں بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہو کر انہیں سکھلاتا گیا اور وہ اذان دیتے رہے۔ راوی کہتے ہیں کہ، حضرت عمر ابن خطابؓ نے جب اپنے مکان میں اذان کی آواز سنی تو (جلدی کی بنا پر) اپنی چادر کھینچتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور یہ کہتے ہوئے (آنحضرت ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الحمد للہ (یعنی تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں) یہ حدیث ابوداؤد، دارمی، اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے مگر ابن ماجہ نے تکبیر کا ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن انہوں نے ناقوس کے قصّہ کی تصریح نہیں کی ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مسجد بنائی گئی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے وقت اعلان کے لیے کوئی ایسی چیز متعیّن کی جانی چاہیے جس کے ذریعہ تمام لوگوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جایا کرے تاکہ سب لوگ وقت پر مسجد میں حاضر ہو جائیں اور جماعت سے نماز ہو سکے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ نماز کے وقت کسی بلند جگہ پر آگ روشن کر دی جایا کرے تاکہ اسے دیکھ کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں بعضوں کی رائے ہوئی ناقوس بجانا چاہیے تاکہ اس کی آواز سن کر لوگ مسجد میں حاضر ہو جائیں۔

چند صائب الرائے صحابہؓ نے ان تجویزوں کے سلسلہ میں عرض کیا کہ آگ تو یہودی اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لیے روشن کرتے ہیں، اسی طرح ناقوس نصاریٰ اپنی عبادت کے وقت اعلان کے لیے بجاتے ہیں لہٰذا ہمیں یہ دونوں طریقے اختیار نہیں کرنے چاہئیں تاکہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت لازم نہ آئے، لہٰذا ان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ سوچنا چاہیے۔

بات معقول تھی اس لیے بغیر کسی فیصلہ کے مجلس برخاست ہوئی اور صحابہؓ اپنے اپنے گھر آگئے۔ ایک مخلص صحابی

حضرت عبداللہ ابن زیدؓ نے جب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اس سلسلہ میں بہت فکر مند ہیں اور کوئی بہتر طریقہ سامنے نہیں آتا تو بہت پریشان ہوئے ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ مسئلہ کسی طرح جلد از جلد طے ہو جائے تا کہ آنحضرت ﷺ کا فکر دُور ہو جائے چنانچہ یہ اسی سوچ و بچار میں گھر آ کر سو گئے۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فرشتہ شکل ان کے سامنے ہوا اذان کے کلمات کہہ رہا ہے۔

بعض روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ فرماتے تھے کہ اس وقت میں بالکل سویا ہوا نہیں تھا بلکہ غنودگی کے عالم میں تھا اور بعض روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر بدگمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کہتا کہ میں اس وقت سویا ہی نہیں تھا۔ اسی بناء پر بعض علماء نے اس واقعہ کو حال اور کشف پر محمول کیا ہے جو ارباب باطن کو حالت بیداری میں ہوتا ہے۔

بہر حال حضرت عبداللہ ابن زیدؓ صبح کو اٹھ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ خواب سچ ہے اور فرمایا کہ بلالؓ کو اپنے ہمراہ لو، تم انہیں وہ کلمات جو تمہیں خواب میں تعلیم فرمائے گئے ہیں بتاتے رہو وہ انہیں زور سے ادا کریں گے کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔

چنانچہ جب اس طرح دنوں نے اذان دی اور حضرت بلالؓ کی آواز شہر میں پہنچی تو حضرت عمر فاروقؓ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ابھی جو کلمات ادا کیے گئے ہیں میں نے بھی خواب میں ایسے ہی کلمات سنے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ منقول ہے کہ اسی رات میں دس گیاریا چودہ صحابہؓ نے ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔ (ملخص از مشکوٰۃ شریف باب الاذان ص:۲۰۵)

اس طرح یہ اذان جس کی تعلیم براہ راست اللہ رب العزت نے دی اور معراج کے موقع پر یہی اذان پیارے پیغمبر ﷺ عرش عظیم پر ایک فرشتہ سے سن چکے تھے، آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں حرمین شریفین کی فضاؤں میں گونجتی رہی حضرات صحابہ کرامؓ، و تابعینؒ اور اسلافِ امّت کا مسلسل عمل گواہ ہے کہ انہوں نے اسی اذان کو اپنائے رکھا اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم و اضافہ نہ کیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات اللہ تبارک و تعالیٰ اور اسکے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت میں، اور اولیاء و اسلاف اور فقہائے امّت کی مکمل اتباع میں ہے، اور یہی اہل سنّت والجماعت کا مسلک ہے، لہٰذا ہمیں صرف وہی اذان دینی چاہیے جو مسنون و منقول ہے۔ بعض شیعہ حضرات نے اذان کے وسط میں اور بعض مبتدعین نے اذان کے شروع میں جو اضافے کئے ہیں وہ قرآن و سنّت کی رو سے صحیح نہیں ہے، بلکہ بدعت ہے۔

اسلام میں عبادات سب توقیفی ہیں جن کا صحابہ کرامؓ سے منقول وماثور ہونا ضروری ہے۔ راہِ حق کی تعیین حضرت خاتم النبیین ﷺ نے ما انا علیہ واصحابی سے کر دی ہوئی ہے اور یہ بات اپنی جگہ پختہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں صلوٰۃ وسلام ہرگز نہ تھا۔ نہ شروع اذان میں نہ آخر اذان میں نہ درمیان میں —— اذان میں اگر کچھ بھی اضافے کی گنجائش ہوتی تو اذان کے آخری جملے لآالٰہ الا اللہ کے ساتھ اقرار رسالت محمد رسول اللہ ضرور ملایا جاتا۔ جب یہ نہیں تو کوئی اور کلمہ یا صلوٰۃ اس حکم میں نہیں کہ اسے اذان میں داخل کیا جا سکے۔

صاحب مجالس فرماتے ہیں:

قَدْ غُيِّرَتْ هٰذِهِ اَلسُّنَّةُ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ فِيْٓ اَكْثَرِ الْبُلْدَانِ لِاَنَّ اَهْلُهَا يُؤَذِّنُوْنَ بِاَنْوَاعِ النَّغْمَاتِ وَالْاِلْحَانِ .... ثُمَّ اَنَّهُمْ لِحِرْصِهِمْ عَلَى التَّغَنِّيْ لَمْ يَكْتَفُوْا بِكَلِمَاتِ الْاَذَانِ بَلْ زَادُوْا عَلَيْهَا بَعْضَ الْكَلِمَاتِ مِنَ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِيْمِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ مَشْرُوْعًا بِنَصِّ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكَانَ مِنْ اَكْبَرِ الْعِبَادَاتِ وَاَجَلُّهَا لٰكِنْ اِتِّخَاذَ هَا عَادَةً فِي الْاَذَانِ عَلَى الْمَنَارَةِ لَمْ يَكُنْ مَّشْرُوْعًا اِذْ لَمْ يَفْعَلُهَآ اَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْن ولا غيرهم من ائمة الدّين وليس لاحد اَنْ يَّضِعَ الْعِبَادَاتِ اِلَّا فِيْ مَوَاضِعِهَا الَّتِيْ وَضَعَهَا فِيْهَا الشَّرْعُ وَمَضٰى عَلَيْهَا السَّلْفُ اَلَا تَرٰى اَنَّ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ مَعَ كَوْنِهَا مِنْ اَعْظَمِ الْعِبَادَاتِ لَا يَجُوْزُ لِلْمُكَلَّفِ اَنْ يَّقْرَءُهَا فِي الرُّكُوْعِ وَلَا فِي السُّجُوْدِ وَلَا فِي الْقَعْدَةِ لِاَنَّ كُلًّا مِّنْهَا لَيْسَ مَحَلًّا۔ (مجالس الابرار ص:۳۰۷)

آج کل اکثر مقامات پر مسنون اذان میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ اولاً تو یُوں کہ مؤذن لوگ اذان کے کلمات کو گا گا کر مختلف لہجوں میں ادا کرتے ہیں، پھر جب راگ ورنگ کے دلدادہ طبقہ کے ذوق کی تکمیل نہ ہوئی تو انہوں نے اذان کے موجودہ کلمات کو کم سمجھا اور درود شریف کا اضافہ کر لیا (اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہند و پاک میں اذان سے قبل یہ اضافہ لاؤڈ سپیکر کے بعد کی پیداوار ہے) گویا کہ درود شریف کا پڑھنا قرآن وسنّت کی رو سے مستحسن اور بہت بڑی عبادت ہے، لیکن اسے اذان کا جزو بنا لینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضرات صحابہ کرام، حضرات تابعینؒ اور دیگر ائمہ وفقہاء امّت میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ شریعت اسلامیہ نے عبادات کو جس مقام وجس کیفیت پر رکھا ہے، خصوصاً جس پر اسلاف امّت کا عمل جاری ہے اس میں تبدیلی کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی توضیح کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ تلاوۃ کلام پاک

باوجودیکہ بہت بڑی عبادت ہے لیکن کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ رکوع، سجدہ، یا قعدہ میں قرآن پڑھے چونکہ ان میں سے کوئی جگہ بھی تلاوت کا محل نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اظہار محبّت کے لیے بعض شیعہ نے اذان میں **اشھد ان امیر المومنین و امام المتقین علیًا و لی اللہ** الخ وغیرہ کلمات کا اضافہ کیا، ذخیرہ احادیث میں کہیں ان الفاظ کا پتہ نہیں ملتا، نیز داخلی شہادت کے طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ دَور نبوی ﷺ میں موجود نہ تھے۔ اس کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں موجود نہ تھے۔ خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔

خلیفۂ چہارم حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے دَور میں موجود نہ تھے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبّت کا تقاضا ہے کہ وہی اذان دی جائے جو ان کے دَورِ خلافت میں دی جاتی تھی۔

لہٰذا ایسے الفاظ جو خیر القرون میں نہیں، یقیناً سیاسی یا مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ ہیں اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ مشہور شیعہ محقق شیخ طوسی نے کتاب الاستبصار کے باب عدد الفصول فی الاذان والاقامۃ (کلمات اذان واقامت) کی حدیث نمبر ۲، ۳، ۴، ۵ میں کلمات اذان واقامت کا ذکر کیا ہے لیکن مندرجہ بالا کلماتِ شہادت کا ذکر نہیں۔ (محمد بن حسن طوسی الاستبصار ج:۱، ص)

بلکہ شیعہ کے رئیس المحدثین ابو جعفر محمد علی الصدوق المتوفی ۳۸۱ھ نے **مَنْ لَّا يَحْضُرُهُ الْفَقِيْهَ بَابُ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ** کی حدیث نمبر ۳۵ میں پوری اذان درج کی ہے جس میں **حی علی الفلاح** کے بعد صرف **حی علی خیر العمل** کا اضافہ ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

''قَالَ مُصَنِّفُ هٰذَا الْكِتَابِ هٰذَا هُوَ الْاَذَانُ الصَّحِيْحُ لَايُزَادُ فِيْهِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ وَالْمُفَوِّضَةُ لَعَنَهُمُ اللهُ قَدْ وَضَعُوْا اَخْبَارًا وَّ زَادُوْا فِي الْاَذَانِ مُحَمَّدٌ وَّاٰلُ مُحَمَّدٍ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ مَرَّتَيْنِ وَفِيْ بَعْضِ رِوَايَاتِهِمْ بَعْدُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَّلِيُّ اللهِ مَرَّتَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَّوٰى بَدَلَ ذٰلِكَ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا مَّرَّتَيْنِ وَلَا شَكَّ فِيْ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللهِ وَاَنَّهٗ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا وَّ اَنَّ مُحَمَّدًا وَّاٰلَهٗ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ وَلٰكِنْ لَّيْسَ ذٰلِكَ فِيْ اَصْلِ الْاَذَانِ..... اَبُوْ جَعْفَرُ

الصَّدُوقُ: فَقِيْهُ مَنْ لَّا يَحْضُرُ الْفَقِيْهِ۔ ج:۱، ص:۱۸۸

اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ یہی وہ صحیح اذان ہے جس میں کمی و بیشی جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ شیعہ کے فرقہ مفوضہ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے احادیث گڑھی ہیں، اور اذان میں " محمّد و اٰل محمّد خیر البریّة" کا اضافہ کیا ہے، اور ان میں سے بعض نے "اشهد انّ محمّداً رّسول الله " کے بعد "اشهد انّ علیاً ولی الله " کا جملہ دو دفعہ بڑھالیا ہے، جبکہ بعض نے " اشهد انّ علیاً امیر المؤمنین حقاً " کا جملہ دو دفعہ بڑھایا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ علیؓ اللہ کے ولی ہیں اور وہ برحق امیر المؤمنین ہیں، اور محمد ﷺ اور ان کی اہل میں بہتر ہیں، لیکن یہ کلمات اذان کا حصّہ بالکل نہیں ہیں۔

الغرض سابقہ تحقیق سے یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ شہادت علیؓ کے مروّجہ کلمات اذان کا حصّہ نہیں، بلکہ شیعہ محدّث نے تو ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اب اہل تشیع کی اذان کے رد عمل میں اگر کوئی شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف ومنقبت کے طور پر اذان میں اضافہ کرے تو یقیناً یہ اضافہ بھی بدعت اور غیر مسنون شمار ہو گا چونکہ اسلام نے سنت وبدعت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ مسلک ومشرب اور شخصیات کی جکڑ بندیوں سے بالاتر ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی سنی بھی اسلامی عبادات میں اضافہ کر۔

اذان سے پہلے درود وسلام

پاک وہند میں بعض مبتدعین نے اذان سے قبل درود شریف کا اضافہ کیا۔

۱۔ جائزہ از روئے قرآن: ارشادِ ربّانی ہے۔اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝(الاحزاب:۵۶)

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام پڑھا کرو۔

یہ آیت خود رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور کون ہے جو آپ ﷺ سے زیادہ بڑھ کر اس کے مفہوم و مراد سے واقف ہو۔ آپ ﷺ نے حسب عادت یہ آیت بھی حضرات صحابہؓ کو سمجھائی۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اس پر عمل کیا: اگر اس آیت کے مفہوم میں اذان سے قبل درود شریف پڑھنا بھی ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ ضرور بتلاتے اور حضرات صحابہؓ ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے، لیکن آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں اذان سے قبل درود شریف نہ پڑھا گیا۔

آنحضور ﷺ کے بعد حضرات صحابہ قرآنی مفاہیم سے بخوبی واقف تھے۔ جن میں ابن عباسؓ جیسے سیّد المفسرین بھی موجود تھے۔ اس کے باوجود حضرات صحابہ نے اذان سے قبل درود شریف نہ پڑھا۔ معلوم ہوا کہ اذان سے قبل درود شریف قرآنی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ اب اگر اس درود میں کوئی

شخص اس درود کو آیت کے مفہوم میں داخل کرے تو بارگاہ الٰہی کی گستاخی ہوگی، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذان کے جو کلمات عطا ہوئے، ان میں ایک چیز کی کمی تھی جسے اب پورا کیا گیا۔ نیز اس سے بارگاہِ رسالت کی گستاخی ہوگی کہ یا تو اللہ کے رسول ﷺ کو آیت کا مکمل مفہوم معلوم نہ تھا یا معلوم تھا مگر آپ نے امّت کو نہیں بتلایا۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ کی حیات طیّبہ میں جو اذان دی جاتی تھی وہ قدرے قابل اصلاح تھی اور درود شریف کے اضافے کی متقاضی تھی۔

نیز اس سے شانِ صحابہ میں گستاخی ہوگی کہ یا تو وہ قرآنی مراد سے ناواقف تھے یا واقف ہونے کے باوجود انہوں نے اس محبوب عمل کو چھوڑے رکھا۔

علامہ خالد محمود اپنی کتاب مطالعہ بریلویت میں لکھتے ہیں:

”بریلوی مولویوں کو جب دین میں کوئی نئی چیز داخل کرنی ہو تو وہ عام طور پر اسے تخصیص کی راہ سے لاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ خاص ہوتا ہے لیکن اس پر دلیل وہ عام لاتے ہیں۔ کسی عمل کو کسی خاص وقت سے یا کسی خاص ہئیت سے مخصوص کرنے کا حق صرف شریعت کو ہے۔ اگر اس نے اسے کسی خاص وقت یا کسی خاص ہئیت سے خاص نہیں کیا تو بریلوی اسے کسی خاص وقت سے خاص کر کے ایک بدعت کیوں کھڑی کر دیتے ہیں اور جب ان سے اس کی دلیل پوچھی جائے تو وہ دلیل میں لاتے ہیں ان عمومات کو جن کا اس خاص وقت یا خاص ہئیت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا— بات چل رہی ہوتی ہے اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی اور وہ آیت پڑھنی شروع کر دیتے ہیں جس میں مطلق درود و سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ اب یہ لوگوں کو مغالطہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ دعویٰ خاص اور دلیل عام۔“

عوام کو چاہیے کہ وہ ان کے اس طریق واردات سے آگاہ رہیں جب وہ اس طرح مغالطہ دیں تو انہیں صاف کہیں آپ کا دعویٰ خاص ہے۔ آپ اذان کے ساتھ درود و سلام پڑھتے ہیں اور آپ جو دلیل پیش کر رہے ہیں یہ عام ہے اس میں اذان کا کوئی ذکر نہیں۔ سو آپ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

افسوس کے مولانا احمد رضا خاں بھی اسی راہ پر چلے ہیں۔ بات اذان کی ہو رہی تھی۔ آپ مطلق درود کو لے بیٹھے۔ دیکھیے کیسی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں:

”جس امر کا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں مطلق حکم دیتا ہو اور خود اپنا اور اپنے ملائکہ کا فعل بتاتا ہو اسے (اذان کے ساتھ پڑھنے کو) بدعت کہہ کر منع کرنا انہیں وہابیوں کا کام ہے اور وہابیہ گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہو گا اس کی گمراہی ان سے ہلکی ہے۔“[۱]

دیکھیے اعلیٰ حضرت کس دبے انداز میں شیطان کی خیر خواہی کر گئے ہیں۔ بریلویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شیطان نماز پڑھتا ہے۔ اور وہ بھی دکھانے کے لیے نہیں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید اس کی مغفرت ہو جائے[۲]۔

---

۱ احکام شریعت حصہ اوّل ص:۶۵ طبع مراد آباد

۲ ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ اوّل ص:۱۲

جائزہ از روئے سنّت:

مسنون اذان کی تمام تفصیلات پیارے پیغمبر ﷺ نے بتلادی تھیں، مؤذن کا انتخاب، اذان کے دوران جواب، اذان کے بعد کی دعاء وغیرہ۔

اگر اذان سے قبل درود شریف مسنون و مستحب ہوتا تو آپ ﷺ امّت کو یہ بھی بتا دیتے۔ لیکن ذخیرۂ احادیث میں کہیں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔

اللہ کے رسول ﷺ کی محبّت کا تقاضا ہے کہ ہمیں بھی وہی اذان پسند ہو جو خود آپ ﷺ کو پسند تھی۔ ہم وہی مسنون اذان دیں جو آپ ﷺ کی حیات طیّبہ میں حرمین شریفین و دیگر مساجد کی مقدّس فضاؤں میں گونجتی رہی۔

ب۔ عشق و محبّت کے زبانی داعی نہیں بلکہ کردار و عمل کے غازی اپنے تن من دھن کو قربان کر دینے والے سچے محبّ اور عاشقِ رسول ﷺ تمام حضرات صحابہؓ تھے۔ اگر اذان میں یہ اضافہ کسی درجہ میں بھی حضور ﷺ کے قرب کا سبب ہوتا تو سب سے پہلے یہ کام حضرات صحابہؓ کرتے خصوصاً بارگاہِ رسالت کے مؤذنین جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، حضرت ابو محذورۃ رضی اللہ عنہ چونکہ وہ بارگاہِ رسالت کے مزاج آشنا تھے۔

لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ سچی محبّت کے تقاضوں کو پورا کیا کہ وہی مسنون اذان دیتے رہے جو اللہ کے رسول ﷺ کو پسند تھی۔ الغرض اذان میں اس اضافہ کو محبّت کا لبادہ اڑھانے کی کوشش نہیں کی جاسکتی۔

ج۔ اذان میں اس قسم کا اضافہ تو بڑی دُور کی بات ہے۔ سنت رسول ﷺ کے دلدادہ حضرات صحابہؓ تو عام مسنون اوراد و اذکار میں بھی ذرّہ بھر آمیزش کو برداشت نہ کرتے تھے گو کہ وہ آمیزش بظاہر کتنی ہی دلآویز ہو۔ ملاحظہ فرمائیں: عَن نَّافِعٍ اَنَّ رَجُلاً عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ابْنُ عَمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَآ اَنْ نَّقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے چھینک مار کر کہا،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ اس پر فوراً ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حمد و سلام کا تو میں بھی قائل ہوں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ایسا نہیں سکھایا۔ آپ نے بتلایا کہ ہم اس موقع پر صرف الحمد للہ کہا کریں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ بذاتِ خود والسلام علی رسول اللہ کوئی قابلِ اعتراض جملہ نہیں جب ایک صحابیؓ رسول کو ایک عام مسنون ذکر الحمد للہ پر السلام علی رسول اللہ کا اضافہ منظور نہیں تو خود صاحب سنت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان جیسے اہم معاملہ میں الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کا اضافہ کیونکر منظور ہو گا۔

(د) صاحب مجالس کا یہ اصول بڑا وزنی اور واضح ہے کہ جن عبادات کی کیفیّت و حیثیت متعیّن ہے ان میں حذف یا زیادت کا اختیار کسی کو نہیں، اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جو شخص نماز ظہر کے پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد عمداً درود شریف پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بھول کر پڑھے تو سجدۂ سہو کرنا ہو گا۔

چونکہ قعدہ اولی میں درود شریف نہیں قعدۂ ثانیہ میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں درود شریف متعین کیا ہے۔ اس کو وہاں سے ہٹانا جائز نہیں اور جہاں متعین نہیں وہاں بڑھانا جائز نہیں۔

مشہور حنفی محقق علّامہ ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایۃ میں اس بات کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو۔ اَوْتَاخِیْرُ الْقِیَامِ اِلَی الثَّالِثَۃِ بَسَبَبِ الزِّیَادَۃِ عَلَی التَّشَھُّدِ سَاھِیاً وَّ لَوْ بِحَرْفٍ مِّنَ الصَّلَاۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۵۰۲)

اگر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے میں تاخیر ہو گئی اور بھول کر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا استدلال حدیث سے:

بریلوی حضرات حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلّوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرًا۔ (سنن ابی داؤد ج:۱، ص:۷۷)

ترجمہ: جب تم مؤذن کو (اذان دیتے) سنو تو تم بھی وہ کلمات کہو جو وہ مؤذن کہہ رہا ہے۔ پھر تم مجھ پر درود پڑھو۔

جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ (سنن ابی داؤد ج:۱: ص۷۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کو درود شریف سے ایک بڑی مناسبت ہے، اذان کے ساتھ اسے پڑھنا بڑا ہی مناسب ہے، اذان کے بعد ہم اس لئے درود پڑھتے ہیں کہ سب سننے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے اور وہ بھی پڑھیں، سو یہ ہمارا پڑھنا تعلیماً ہے۔

جواب: یہ درود شریف پڑھنے کا حکم اذان سننے والوں کو ہے، اذان دینے والے کو نہیں، اذان ایک دعوت اور اعلان ہے، دعوت اور اعلان کی اصل یہ ہے کہ وہ جہراً ہو پیارے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

المؤذن يغفر له مدى صوته۔

مؤذن کی اس حد تک مغفرت کی جاتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے۔ تاکہ دوسروں کو پتہ چلے (کہ اذان ہو رہی ہے) ۔ اور درود شریف پڑھنا ایک دعا ہے اور دُعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو — اذان سننے والے جس طرح آہستہ آواز سے کلمات اذان ساتھ ساتھ دُہراتے ہیں، اسی آواز سے وہ آگے درود شریف پڑھ لیں گے۔ مؤذن بآواز بلند درود شریف اذان کے ساتھ ملائے یہ بات کہاں سے نکل آئی۔ اس پر غور کیجیے۔

۲۔ جو بات تعلیماً بآواز بلند کہی جائے وہ کچھ دنوں بعد چھوڑ دی جاتی ہے تاکہ عبادت اپنی اصل پر آجائے۔ آنحضرت ﷺ نے آمین بھی بآواز بلند کہی تاکہ مقتدیوں کو آمین کے محل اور تلفظ کا پتہ چل جائے۔ پھر جو آمین سنّت قائمہ قرار پائی وہ اب تک احناف کے ہاں آہستہ آواز سے کہی جاتی ہے۔

اذا دعا بالدعاء المأثور جهراً ومعه القوم ليتعلمو الدعاء لابأس به واذا تعلموا حينئذ يكون جهرا القوم بدعة۔

ترجمہ: جب امام ایسی دعائیں جو آثار میں ملتی ہیں بلند آواز سے مانگے اور قوم بھی اس کے ساتھ اسی طرح کریں تاکہ دعا سیکھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جب وہ سیکھ لیں تو اس وقت انکا بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہو گا۔

۳۔ اب بریلویوں کی مسجدوں میں آج کل جو اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام ملاتے ہیں وہ اذان سے پہلے پڑھتے ہیں۔ اذان کی باری بعد میں آتی ہے۔ اسے ثمّ صلّوا علیّ کا تعمیل حکم بتانا کسی صاحبِ علم کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد پر کبھی عمل کیا یا نہیں۔ اس ارشاد کے اوّلین مخاطب وہی تھے۔ کیا کبھی انہوں نے اپنی اذانوں

میں کلمات اذان کے ساتھ کبھی درودوسلام بلند آواز سے ملایا تھا؟ فاعتبروا یآ اولی الابصار۔

علمائے امّت اور علماء بریلویہ کا تجزیہ:

گذشتہ سطور سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کے عہد مبارک میں اذان سے پہلے اور بعد یہ اضافہ نہیں تھا۔ اس طرح خلافت راشدہ، خلافت بنی امیہ، خلافت عباسیہ اور پھر قریب زمانہ میں خلافت عثمانیہ تک اذان اپنی اصلی حالت میں باقی رہی اور اس دوران آٹھویں صدی میں بعض لوگوں نے اذان میں اضافہ کیا تو علماء امّت نے ان کو سختی سے روک دیا اور اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا، ملاحظہ ہو، علّامہ ابن حجر مکی ہیثمی لکھتے ہیں:

"وَرَدَتْ اَحَادِیْثُ اُخَرَ نَحْوَ تِلْكَ الْاَحَادِیْثِ سَابِقَةً وَلَمْ نَرَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْهَا التَّعَرُّضُ لِلصَّلَاةِ عَلَیْهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْاَذَانِ وَلَا اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلُ اللهِ بَعْدَهٗ وَلَمْ نَرَ اَیْضاً فِیْ کَلَامِ اَئِمَّتِنَا تَعَرُّضاً لِذٰلِكَ اَیْضاً فَحِیْنَئِذٍ کُلٌّ وَّاحِدٍ مِّنْ هٰذَیْنِ لَیْسَ بِسُنَّةٍ فِیْ مَحَلِّهِ الْمَذْکُوْرِ فِیْهِ فَمَنْ اَتٰی بِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِیْ ذٰلِكَ مُعْتَقِدًا سُنِّیَّتَهٗ فِیْ ذٰلِكَ الْمَحَلِ الْمَخْصُوْصِ نُهِیَ عَنْهُ وَمُنِعَ مِنْهُ لِاَنَّهٗ تَشْرِیْعٌ بِغَیْرِ دَلِیْلٍ وَّمَنْ شَرَعَ بِلَا دَلِیْلٍ یُّزْجَرُ عَنْ ذٰلِكَ یَنْهٰی عَنْهُ۔" (الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیۃ، ج:۱ص:۱۳۱)

اس قسم کی اور احادیث بھی ہیں لیکن کسی بھی حدیث میں اذان سے قبل درود شریف اور اذان کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کا ذکر تک نہیں۔ نیز ہمارے ائمہ کے کلام میں بھی اس مسئلہ کا نشان نہیں ملتا، اس طرح یہ دونوں چیزیں اذان میں مسنون نہیں ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی اس مقام پر یہ عمل سنت سمجھ کر کرے گا اسے روکا جائے گا۔ چونکہ یہ تو بلا دلیل ایک مسئلہ کو شریعت کی طرف منسوب کرنا ہے اور ایسا کرنے والے کو سختی کے ساتھ روک دیا جائے گا **علّامہ مفتی محمد حسین نعیمی** لکھتے ہیں: اذان کے کلمات مقرر ہیں۔ اس میں کمی بیشی کرنا یا ان کے آگے پیچھے درود شریف یا قرآن کریم کی آیت بلا فصل ملانا بدعت ہے اور عبادت میں خلل ڈالنے کے مترادف ہے، اذان کے ساتھ اوّل درود شریف کو لازم قرار دینا یا اہل سنت کا شعار بنانا بھی بدعت ہے اور عبادت معہودہ میں تحریف کرنے کی کوشش ہے۔ (ملخص) فتویٰ مفتی محمد حسین نعیمی، جامعہ نعیمیہ، لاہور۔ انوار الصوفیہ میں ہے: قرون اولیٰ میں بلکہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان سے پہلے بلند آواز سے تسمیہ یا صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع نہیں ہے۔ دراصل یہ زوائد وہابیوں دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خواں قسم کے مؤذنین نے پیدا کیے ہیں، یہ رسم جو اسلام میں معہود نہیں تھی، جہلاء بڑھاتے چلے جارہے ہیں اور علماء کرام خاموش

ہیں۔ پتہ نہیں کیا وجہ ہے(ملخص) انوار الصوفیہ (ترجمان آستانہ علی پور شریف) جنوری ۱۹۷۸ء۔ **دارالعلوم حزب الاحناف کا فتویٰ:** فجر ہونے سے پہلے لاؤڈ سپیکر پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ فتویٰ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور، ۱۲۲کتوبر ۱۹۷۸ء۔

الغرض اذان سے پہلے یا بعد درود شریف وغیرہ کا اضافہ قرآن و سنت و اقوال صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اور خود بریلوی مکتب فکر کے علماء نے بھی اس کو بدعت اور ناجائز قرار دیا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ تمام بریلوی حضرات گروہی رجحانات کو بالائے طاق رکھ کر ان حقیقت پسندانہ تعلیمات پر عمل کریں۔

اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی تاریخ:

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ اذان سے پہلے یا اذان کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں تھا، نہ خلفائے راشدینؓ، اور صحابۂ کرامؓ کے دَور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت (دین میں نئی بات ایجاد کرنے کو بدعت کہتے ہیں) سے واقف تھا اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا، (ائمہ اربعہ کا مطلب چار امام (۱) امام ابو حنیفہ، (۲) امام مالک، (۳) امام شافعی، (۴) امام احمد ابن حنبل)۔ بلکہ تقریباً ۷۹۰ھ تک کسی بھی مقام پر یہ بدعت رائج نہ تھی۔

اس بدعت کی ابتداء کب ہوئی اور کس نے کی؟ اس میں کچھ اختلاف ہے، لیکن جس پر جمہور متفق ہیں وہ یہ کہ اس کی ابتداء مصر میں ۷۹۱ھ میں ہوئی۔ اس وقت رافضیوں (شیعوں) کی حکومت تھی۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء السیوطی، ص:۴۹۸، درمختار، ج:۱، ص ۶۴ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۱۱۴ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کی ایجاد ۷۹۱ھ کو ہوئی جب کہ درمختار میں ۷۸۱ھ لکھا ہے۔

اصل واقعہ یُوں پیش آیا کہ ایک جاہل نام نہاد صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالاں کہ مدارِ شریعت خوابوں پر نہیں ہے اور نہ وہ شرعاً حجت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور راشی حاکم کے سامنے پیش کیا اور اس نے قانوناً یہ بدعت جاری کر دی۔

چنانچہ علّامہ مقریزی فرماتے ہیں کہ

”وہ جاہل صوفی، قاہرہ کے محتسب کے پاس گیا۔ اس وقت نجم الدین

محمد الطبذی جو ایک جاہل شیخ تھا، قضا اور محاسبے میں بد اخلاق تھا، ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا اور کمینگی اور بے حیائی کا پتلا تھا۔ حرام اور رشوت لینے سے دریغ نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی قرابت اور ذمے کا پاس اس کو نہ تھا۔ گناہوں پر بڑا حریص تھا۔ اس کا جسم مالِ حرام سے پلا ہوا تھا۔ اس کے نزدیک علم کا کمال بس دستار و جبہ تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ رضائے الٰہی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کوڑے لگانے اور عہدۂ قضا پر برابر جما رہنے سے ہے۔ اس کی جہالتوں کے قصے اور اس کے گندے افعال کے قصے ملک میں مشہور ہیں۔" (بحوالہ الابداع فی مضار الابتداع، ص:۱۶۱)

علّامہ طحطاوی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ

یہ کارروائی محمد الطبذی کے حکم سے ہوئی۔ (طحطاوی، ص:۱۰۴، بطبع مصر) امام عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو) یہ فرمایا کہ یہ سلام کہنا جیسا کہ مؤذن اب کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ اور حضرات خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں نہ تھا اور فرماتے ہیں کہ یہ رافضیوں کے دُور میں مصر میں رائج ہوا۔ انہوں نے اپنے خلیفہ اور اس کے وزراء پر اذان کے بعد سلام کہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حاکم بامر اللہ کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے اس کی بہن کو اقتدار سونپا تو اس پر اور اس کی وزراء عورتوں پر مؤذن یہ سلام کرتے رہے۔ جب عادل بادشاہ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے اس بدعت کو ختم کر دیا اور مؤذنوں کو حکم دیا کہ اس بدعت کی جگہ وہ آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کریں اور شہروں اور دیہاتوں کے باشندوں کو بھی اُس نے یہی حکم دیا۔ (کشف الضمہ، ج:۱، ص:۸۷، طبع ۱۳۷۰ھ)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ و سلام نہ تو آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ حضرات خلفائے راشدینؓ کے دورِ مسعود میں۔ بلکہ اس کی ابتداء مصر میں اس زمانے میں ہوئی جب وہاں رافضیوں کا اقتدار تھا۔ انہوں نے ملکۂ مصر اور اس کی وزراء عورتوں پر سلام کہنا شروع کر دیا۔ جب عادل بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا دَور شروع ہوا تو انہوں نے اس بدعت کو ممنوع قرار دے کر اس کے بجائے مصر کے شہروں اور دیہاتوں میں آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام

پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس سے یہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس بدعت نے مصر میں اس طرح وبائی شکل اختیار کر لی تھی کہ اس کو بالکل ختم کر دینا اس وقت کے بادشاہ کے بس میں بھی نہ تھا۔ یہاں[1] تک کہ انہوں نے غالباً اس قاعدے کے پیش نظر

اذا بتليتم ببلائين فاختروا اهونهما۔

"جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ تو ان دونوں میں سے ہلکی کو اختیار کر لو۔"

آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کو جاری کیا تا کہ ملک میں فساد پیدا نہ ہو اور نہ خلفشار کی نوبت آئے اور اس طرح روافض کی جاری کردہ بدعتِ ضلالہ ختم ہو۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امّت کو ملک عادل کی اتباع کا حکم نہیں دیا بلکہ حکم تو یہ ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس عبارت مین صاف اور واضح لکھا ہے کہ یہ کارروائی نہ تو آنحضرت ﷺ کے وقت ہوئی اور نہ حضرات خلفائے راشدینؓ کے دَور مین، حالاں کہ اس وقت اذان بھی ہوتی تھی، مسجدیں بھی تھیں، پڑھنے والے بھی ہوتے تھے اور ان میں محبّت بھی کمال درجے کی ہوتی تھی، پھر وہ کون سی نئی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اس بدعت پر عمل کرنے کی شرعی ضرورت پیش آگئی۔

امام ابن حجر المکی فرماتے ہیں کہ

"بلاشبہ مؤذنوں نے فرض نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے، مگر صبح اور جمعہ کی اذان سے پہلے وہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور مغرب میں وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے وہ غالباً نہیں پڑھتے اور اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین بن ایوب کے دَور میں اور اس کے حکم سے مصر اور اس کی ریاست میں ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حاکم مخذول قتل کر دیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ وہ اسکے لڑکے کے حق میں یُوں سلام کہیں "اَلسَّلَامُ عَلَى الْاِمَامِ الطَّاهِرِ" پھر اس کے بعد اور حکمرانوں پر بھی یہ سلام ہوتا رہا، یہاں تک کہ صلاح الدین نے اس کو ختم کیا اور اس کے عوض میں آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام جاری کیا۔ اس کا یہ فعل بہت اچھا

---

۱ سلطان صلاح الدین ایوبی مرحوم اگرچہ اس بدعت کو ختم نہ کر سکے، لیکن اپنے زمانے کے حکمرانوں پر سلام کے بدلے حضور علیہ السّلام پر صلوٰۃ و سلام سے بدل دیا۔ ذرا سوچیے! کیا ایوبی کی یہ جرأت اسلام کا حصہ بن سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ دین و شریعت مکمل ہے۔ کسی بھی شخص کو اس میں حذف و اضافے کا کوئی اختیار نہیں۔

ہے سو اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمارے مشائخ اور اس طرح دوسرے بزرگوں سے اس کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان کے بعد اس کیفیت سے جس طرح کہ اب مؤذن حضور اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ درود شریف تو سنت ہے مگر اس کیفیت سے پڑھنا بدعت ہے۔'' (الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ ،ج:۱،ص:۱۳۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اللہ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے'' جملہ دعائیہ صرف اس فعل سے متعلق ہے کہ سلطان صلاح الدینؒ نے فساق وفجار حکام پر سلام کے طریقے کو بند کر دیا تھا اور جس صلوٰۃ و سلام کو انہوں نے جاری کیا اُس سے اس جملے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ و مشائخ کے فتاوے سے اذان کے بعد حضور اکرم ﷺ پر نفس صلوٰۃ و سلام کو سنت اور رائج کیے گئے طریقے کو بدعت لکھا ہے۔

امام ابن حجر آگے لکھتے ہیں:

''اس مضمون کی کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور ہم نے ان میں سے کسی میں نہیں دیکھا کہ اذان سے پہلے آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے اور نہ یہ کہ بعد میں محمد رسول اللہ کے الفاظ پڑھے جائیں اور ہم نے اپنے اماموں کے کلام میں بھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے اس سے کچھ اختلاف کیا ہو۔ ان حالات میں یہ دونوں باتیں اس مذکور مقام میں سنت نہیں بلکہ بدعت ہیں۔ سو جس شخص نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی سنت سمجھ کر اس مخصوص محل میں کرے تو اسے منع کیا جائے گا اور روکا جائے گا، کیوں کہ یہ بلا دلیل شریعت بنانا ہے اور جو شخص بغیر دلیل کے شریعت بنائے تو اس کو اس سے ڈانٹا جائے گا اور روکا جائے گا۔'' (ج:۱،ص:۱۳۱)

ملاحظہ کیجیے کہ کس صفائی سے امام ابن حجر نے اس بدعت کو روکنے کی کوشش اور جرأت کی ہے۔

مطلق درود شریف اور ذکر کی فضیلت کی حدیثوں سے اذانوں اور نمازوں سے پہلے یا بعد میں جہراً پڑھنے پر استدلال کرنا اپنی غیر معصوم رائے سے دین میں دخل دینا ہے۔ چنانچہ علّامہ ابو اسحاق الشاطبیؒ (وفات ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ

''ان مطلق احکام میں قید لگانا جن میں شریعت کی طرف سے قید لگانا ثابت نہیں، شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔'' (الاعتصام،ج:۱،ص:۲۸۴، طبع مصر)

اسی طرح ذکر وغیرہ کا معاملہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔'' (عن سعدؓ صحیح الجامع الصغیر، ج:۲، ص:۸)

ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ درست بھی ہو تو اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ آہستہ ذکر کرنا بہر حال بہتر ہے اور ترجیح اس کو ہے۔ کیوں کہ اس سے دِکھاوا بھی نہیں ہو گا اور نمازیوں، سونے والوں، مطالعہ کرنے والوں اور بیماروں کو اس طرح سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اور امام سخاوی لکھتے ہیں کہ:

مؤذنوں نے پانچ فرض نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے، مگر صبح اور جمعہ کے موقع پر وہ یہ کارروائی اذان سے پہلے کرتے ہیں اور مغرب کے وقت بالکل نہیں کرتے، کیوں کہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے اور اس کی ابتداء سلطان صلاح الدین ابو المظفر یوسف ابن ایوب کے دَور میں ہوئی اور اس کے حکم سے ہوئی، کیوں کہ جب حاکم ابن عزیز قتل ہوا تو اس کی بہن ست الملک نے حکم دیا کہ اس کے لڑکے طاہر پر اس طرح سلام کہا جائے۔'' السّلام علی الامام الطاهر '' پھر اس کے بعد حکمرانوں پر یکے بعد دیگرے سلام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ صلاح الدینؒ نے اس کو بند کر دیا۔ اس کو جزائے خیر ملے اور بے شک اس کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا وہ مستحب ہے یا مکروہ یا بدعت یا محض جائز اور اس کے مستحب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ تم بھلائی کرو اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ و سلام بڑی عبادات میں سے ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب پر حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور علاوہ ازیں اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے قریب دعا کی فضیلت کی حدیثیں بھی آئی ہیں اور درست بات یہ ہے کہ یہ ''بدعت حسنہ'' ہے۔ (القول البدیع، ص:۱۴۴، طبع الہ آباد۔ الہند)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ''اس کو جزائے خیر ملے'' کے جملۂ دعائیہ کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ سلطان صلاح الدین نے ظالم اور عیاش بادشاہوں پر سلام کی بدعت کو ختم کیا تھا۔ رہا آنحضرت ﷺ پر اذانوں کے بعد صلوٰۃ و سلام کا معاملہ تو وہ اس کے بارے میں علمائے کرام سے چار قسم کے اختلافات نقل کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو مستحب کہا اور کسی نے مکروہ، کسی نے اسے بدعت کہا اور کسی نے صرف جائز اور اپنی رائے بدعتِ حسنہ ہونے کی بیان کی۔ بشرطیکہ اس کا کرنے والا نیک نیتی سے یہ کام کرتا ہو اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ بھی ایک خیر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَافْعَلُو

الْخَيْرَ" کہ تم بھلائی کیا کرو اور بہ کثرت حدیثیں صلوٰۃ و سلام کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے وقت دعا کی فضیلت آئی ہے، مگر امام سخاوی نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے دعوے سے بالکل غیر متعلق ہے۔ کیوں کہ صلوٰۃ و سلام کی فضیلت کا کون مسلمان منکر ہے؟ اور اسی طرح سحری کے وقت اور بہ وقت فجر دعا کی فضیلت کا (جو احادیث سے ثابت ہے) کون انکار کرتا ہے؟ دعویٰ اور سوال تو یہ ہے کہ بلند آواز سے جو گلے پھاڑ پھاڑ کر اذانوں سے پہلے یا بعد میں صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے اُس کی کیا دلیل ہے؟ اس کی فضیلت پر کون سی حدیث وارد ہوئی ہے؟ امام سخاوی وہ نہیں پیش کر سکے۔ اگر یہ فعل "وَافْعَلُوا الْخَيْرَ" سے ثابت ہوتا تو حضرات خلفائے راشدینؓ اور صحابۂ کرامؓ اور خیر القرون کے سلف صالحین پر یہ عقدہ کیوں نہ کھلا؟ اور ہم تو مقلد ہیں امام اعظم امام ابو حنیفہ کے، انہوں نے بھی تو یہ کام نہیں کیا۔ کیا اُن کے سامنے "وَافْعَلُوا الْخَيْرَ" کا قرآنی مضمون نہ تھا؟ اگر یہ کارروائی خیر ہوتی تو وہ حضرات کبھی اس سے نہ چُوکتے۔

حافظ ابن کثیر کی رائے:

حافظ ابن کثیر نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

"بہر حال اہلِ سنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل اور قول حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہوا ہو تو وہ بدعت ہے۔ کیوں کہ اگر وہ خیر اور بہتر ہوتا تو ضرور وہ ہم سے اس کے کرنے میں سبقت لے جاتے۔ کیوں کہ انہوں نے بھلائی کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں چھوڑی جس میں وہ سبقت نہ لے گئے ہوں۔" (تفسیر ابن کثیر، ج:۴، ص:۱۵۶)

علّامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں کہ:

"(اہلِ بدعت نے) آنحضرت ﷺ پر چار مقامات پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت ایجاد کی ہے جس کا وجود سلف صالحین کے زمانے میں نہ تھا اور خیر تو ان کی پیروی ہی میں ہے۔ حالانکہ یہ بدعت تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ ایجاد ہوئی ہے۔ ان مقامات میں سے ایک طلوع فجر کے وقت روزانہ اور دوسرا جمعہ کی رات کو عشاء کی اذان کے بعد درود شریف پڑھنا ہے۔" (مدخل، ج:۲، ص:۲۴۹)

فتاویٰ ذخیرۃ السالکین میں لکھا ہے کہ اذان سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھنا ان بدعات میں سے ہے جن کا وجود آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعین کے زمانے میں نہ تھا۔ (بہ حوالہ غایۃ الکلام، ص:۱۲۸)

ان تمام حوالوں سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے

ساتھ صلوٰۃ و سلام کا پڑھنا بدعت ہے اور اس کی ابتداء رافضیوں کے دَور میں ہوئی اور ایسے ظالم حاکم کے ہاتھ پر ہوئی جو بد اخلاق، راشی، حرام خور اور انتہائی کمینہ تھا اور موجودہ صلوٰۃ و سلام کا طریقہ رافضیوں کے سلام کا چربہ ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سلطان صلاح الدینؒ نے رافضیوں کی بدعت کو ختم کر کے اسے رائج کیا۔ آپ اس کو یُوں کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے بڑی بدعت کو ختم کر کے چھوٹی اور ہلکی بدعت اختیار کی، مگر بدعت بہر حال بدعت ہے اور جب بدعت ہوئی تو اس میں حسن کہاں سے آئے گا جسے آپ بدعت حسنہ کہیں۔ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ

"بدعت جب شرعاً مردود ہے تو اس میں حسن کہاں سے پیدا ہو گا۔" (مکتوبات مجدد الف ثانی: حصہ سوم، مکتوب ۱۸۶، ص:۲۷، طبع امر تسر)

حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حق تعالیٰ سے عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا ہے کہ جو چیز دین میں گھڑی گئی ہے اور بدعت جاری کی گئی ہے جو آنحضرت ﷺ اور ان کے خلفائے راشدینؓ کے دَور میں نہ تھیں اگرچہ وہ چیز روشنی میں صبح کی روشنی کی مانند ہو، اس ضعیف کو سیّد المرسلین ﷺ کے طفیل سے اس جماعت میں شامل نہ کرے، جو بدعت کے عمل میں گرفتار اور بدعت کے حسن کے فتنے میں مبتلا ہے۔" (مکتوبات مد دالف ثانی: حصہ سوم مکتوب:۱۸۶، ص:۲۷، طبع امر تسر)

یہ بات یاد رہے کہ جس طرح کسی ثابت شدہ چیز کا کرنا اپنے مقام پر سنت ہے اسی طرح غیر ثابت شدہ چیز کا ترک اور نہ کرنا بھی اپنی جگہ اور اپنے محل میں سنت ہے۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے نہ تو صلوٰۃ و سلام پڑھا اور نہ اس کا حکم فرمایا۔ کیوں کہ یہ کام انہوں نے نہیں کیا اس لیے اب یہ کام ہم نہ کر کے یا اُسے چھوڑ کر انہی کی سنت ادا کریں گے۔ یہ کہنا کہ اُسے چھوڑنے سے کوئی سنت ادا نہیں ہوتی، تو یہ محض اپنے دل کو بہلانے والی بات ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ساری تحریر پڑھنے کے بعد کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ جناب میں تو اب بھی اذان سے پہلے اونچی آواز میں صلوٰۃ و سلام پڑھوں گا کیوں کہ میں یہ عمل نبی (ﷺ) کی محبّت میں کرتا ہوں اور اللہ مجھے میرے اس عمل پر سزا نہیں دے گا۔ تو اُن کے لیے ایک واقعہ نقل کر دیتا ہوں کہ شاید اس سے وہ اپنی ضد سے باز آجائیں۔

حضرت علیؓ (شہادت ۴۰ھ) سے ایک روایت ان الفاظ سے مروی ہے ایک شخص نے عید کے دن نماز عید سے پہلے نفل نماز پڑھنی چاہی تو حضرت علیؓ نے اس کو منع کیا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے

نماز پڑھنے پر سزا نہ دے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اور میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس فعل کو جناب رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ پس تیری یہ نماز فعل عبث (فضول کام) ہو گی اور فعل عبث حرام ہے اور شاید کہ تجھے اللہ اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے۔" (شرح مجمع البحرین، کذا فی الجنہ، ص:۱۶۵، نظم البیان، ص:۷۳)

میرے بھائیو، بزرگو اور دوستو! آپ تو اللہ کے رسول ﷺ کی محبّت میں ایک ایسا عمل کر رہے ہیں جس کا حکم اللہ کے نبی نے نہیں دیا اور یہ شخص تو اللہ کی محبّت میں اللہ کی عبادت کرنا چاہ رہا تھا لیکن ایسے وقت جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم نہیں فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جب اس شخص سے کہہ دیا کہ تیرا عمل فضول ہے اور تجھے اللہ اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے گا تو آپ کس شمار میں ہیں؟

خدارا! اب بھی سنبھل جائیں، دینِ اسلام کسی کے باپ کی جاگیر نہیں کہ جو ہم مناسب یا ٹھیک سمجھیں وہ کرتے رہیں۔ ہمارا دین چودہ سو سال پہلے ہی مکمل ہو چکا تھا اب اس میں کسی نئے طریقے کی عبادت کی ضرورت نہیں، جس پر ہم اللہ سے ثواب کی اُمید کریں۔ یہ ثواب کمانے کے نئے طریقے آپ کو عذابِ جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ اپنے آپ کو بچائیں اور صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے طریقوں پر عمل کرتے ہوئے اللہ اور اس کے پیارے حبیب محمد ﷺ کو خوش کریں کیونکہ ان ہی کی خوشنودگی ہماری مقصدِ حیات

نماز کے بعد صلوٰۃ و سلام

اس امّت مرحومہ پر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسانات بے حد و بے حساب ہیں۔ آپ ﷺ نے کفر و شرک کی نجاست و غلاظت سے پاک کیا، اللہ تک پہنچنے کا صحیح راستہ امّت کو بتلایا۔ انسان کی فلاح و کامیابی کا نسخۂ کیمیا بلاکم وکاست اس تک پہنچایا، ہدایت و ضلالت کا فرق واضح کیا، اور ایک ایسا ابدی نظام حیات عطا فرمایا جس پر چل کر امّت دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح و کامرانی حاصل کر سکتی ہے۔ وغیر ذلك۔

ایسے محسن کے احسانات کا بدلہ نہ دینا بہت بڑی ناشکری اور ناسپاسی تھی۔ لیکن امّت کس طرح بدلہ دے سکتی ہے؟ اور کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے؟ اس مقصد کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) پر درود و سلام بھیجنے کا حکم فرمایا، درود شریف حقیقت میں نبی کریم ﷺ کے احسانات عظیمہ کا اقرار اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے اپنے تعلق کا اظہار اور آپ ﷺ کے احسانات کا بدلہ نہ دے سکنے کا اعتراف ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اس کا حکم دیا گیا ہے[1]، احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) میں اس کے فضائل و برکات بیان کیے گئے[2] اور درود نہ بھیجنے والوں کی مذمت کی گئی ہے[3]۔

احادیث، اس باب میں کثیر ہیں، فقہاء امّت نے اس کے مستقل احکام بیان کیے ہیں۔

فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی زبان پر آئے درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

قال الطحاوی: تجب کلما ذکر، وجعل فی التحفة قول الطحاوی اصح، وهو المختار[4]۔

والمعتمد من المذهب قول الطحاوی کذا ذکره الباقلانی[5]۔

اس کے علاوہ عمر میں ایک مرتبہ صلوٰۃ و سلام پڑھنا فرض ہے، نماز میں سنت اور عام اوقات میں بشرطیکہ کوئی مانع

---

١ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (الاحزاب:٥٦)

٢ مشکوٰۃ المصابیح — باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ٨٦/١ — ونصه: ''من صلی علی واحد اصلی اللہ علیه عشرا''۔

٣ حواله سابقه — ونصه: ''رغم انف رجل ذکرت عنده فلم یصل علیّ''۔

٤ صغیری شرح منیة المصلی لِبراهیم بن محمد الحلبی — صفة الصلوٰۃ — ص:١٢٦ — ط: میر محمد

٥ رد المحتار علی الدر المختار — آداب الصلوٰۃ — مطلب هل نفع الصلوٰۃ عائد للمصلی الخ — ٥١٧/١۔

نہ ہو، مستحب ہے[1]۔

الغرض درود شریف پڑھنا بڑی نیکی کا کام اور بہت فضیلت و برکت کی چیز ہے، البتہ اعمال حسنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی وقت قبول ہوں گے جب کہ ان کو اس طریقہ پر انجام دیا جائے جو طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور ائمہ مجتہدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے ثابت ہے، اگر اس طریقہ سے تجاوز کیا گیا اور خود ساختہ طریقے ایجاد کیے گئے، اسی طرح اعمال کے درجات، ایجادِ بندہ کے طور پر مرتب کیے گئے تو بجائے اجر و ثواب کے حبط اعمال و گناہ کا اندیشہ ہے۔ دیکھیے نماز کس قدر اہم عبادت ہے جس کی فرضیت دین کا ایک رکن ہے لیکن اگر کوئی شخص نماز کو ان اوقات میں پڑھے جن کی ممانعت حدیث میں بیان کی گئی ہے یا بجائے پانچ نمازوں کے چھ نمازیں قرار دے لے بتلایئے ایسے شخص کو کیا کہا جائے گا؟

''اتباع سنت''، اعمال حسنہ کی روح ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اتباع سنت سب سے زیادہ محبوب چیز تھی اور اس میں تھوڑی سی بھی تبدیلی کو یہ حضرات بہت بڑی معصیت اور سنگین جرم شمار کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے۔ یعنی یہ امر ضروری نہ سمجھے کہ امام کے لیے سلام کے بعد داہنی طرف بیٹھنا ضروری ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو بائیں طرف بیٹھتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ حدیث اس طرح ہے:

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: لا یجعلنّ احدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یرٰی حقاً..... الخ[2]

اس کے ذیل میں علّامہ طیبی شارح مشکوٰۃ المصابیح لکھتے ہیں:

وفيه ان من اصر على امر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة و منكر؟[3]

---

۱ الدر المختار شرح تنویر الأبصار لعلاء الدین محمد الحصکفی م۱۰۸۸ھ)، ۵۱۸/۱– وعبارۃ: ''فتوکون فرضاً فی العمر و واجباً کلما ذکر علی الصحیح ..... و سنۃ فی الصلوٰۃ و مستحبۃ فی کل اوقات الامکان''۔

۲ مشکوٰۃ المصابیح– باب الدعاء فی التشہد– الفصل الاول– ۸۷/۱۔

۳ شرح الطیبی– باب الدعاء فی التشہد– ۳۷۴/۲– ط: ادارۃ القرآن کراتشی مرقاۃ المفاتیح– ۳۵۳/۲– مکتبہ امدادیہ ملتان۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا (کہ شیطان نے اسے گمراہ کر دیا) جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہو گا۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ: اگر کوئی حکم سنت یا بدعت ہونے کے درمیان دائر ہو تو ترک سنت راجح ہو گا فعل بدعت کے مقابلے میں۔ چنانچہ "در مختار" میں "باب مکروھات الصلاۃ" میں لکھا ہے:

وقلب الحصا للنهى الاّ لسجوده التام فير خص مرةً وتركها اولى. قال الشامى قوله و تركها اولى: لانه اذا تردد الحكم بين سنةٍ وبدعةٍ كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة[1]۔

فقہاء کرام نے اس امر پر بار بار تنبیہ کی ہے کہ عوام کسی غیر فرض کو فرض نہ بنالیں،

قال فى الفتح: وقيده فى التحفة بكونه على وجه لا يعلم العوام ذلك كى لا يعتاد واصومه فيظنه الجهال زيادة على رمضان[2]۔

واضح رہے کہ کسی غیر فرض کو فرض سمجھنا اور اس کے نہ کرنے والے پر نکیر واعتراض کرنا بدعت ہے اور بدعت کا ارتکاب کرنا اسلام میں بدترین معصیت ہے۔ اعاذنا الله منها

جمعہ کی نماز کے بعد اس طرح صلاۃ وسلام پڑھنا جس کا آج کل بعض مساجد میں رواج ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ کرام کسی سے ثابت نہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے ان کو مسجد سے نکلا دیا اور فرمایا میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں، حدیث اس طرح ہے:

عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه انه أخرج جماعةً من المسجد يهلّلون ويصلّون على النبى صلى الله عليه وسلم جهراً وقال لهم ماأراكم الامبتدعين واخرجه الدارمى فى مسنده۔ فقط والله اعلم۔

---

[1] کتبہ ولی حسن ٹونکی۔

[2] بینات — ربیع الآخر ۱۳۸۶ھ۔

درود و سلام کو بآواز بلند پڑھنا:

درود شریف بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دعا ہے اور دعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔ ذکر بعض حالات میں بعض شرائط کے ساتھ جہر سے بھی ہو سکتا ہے لیکن درود شریف کے لیے جہر کی کوئی صُورت نہیں۔ یہاں اپنے وطن میں بھی پڑھو تو آہستہ اور روضۂ رسول پر حاضری نصیب ہو تو وہاں بھی انتہائے ادب سے دبی آواز سے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزد اینجا

قرآن کریم میں ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝" (الحجرات: ۳،۴)

ترجمہ بے شک جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے حضور دبی آواز رکھتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خالص تقویٰ سے نوازا ہے۔ ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ بے شک وہ لوگ جو آپ (ﷺ) کے حجروں کے باہر سے (دُور سے) پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ ان لوگوں کے سوچنے کا مقام ہے جو یہاں سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں۔

آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا دعا ہے اور دعا میں سنّت یہی ہے کہ وہ آہستہ دبی آواز میں کی جائے۔ درود شریف میں یہ اصل ہر صورت میں رکھی جائے۔ نماز میں بھی درود آہستہ آواز سے پڑھا جاتا ہے اور جہری نمازوں میں بھی اسے جہر سے پڑھنے کی کوئی صورت نہیں۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے لکھا ہے۔

مروّجہ دُرود و سلام کی شرعی حیثیت:

آنحضرت ﷺ پر درود و سلام پڑھنا اعلیٰ ترین عبادت ہے، اور آپ ﷺ کا تذکرۂ مقدّس بھی بڑی سعادت ہے۔ درود شریف نہایت توجہ اور یکسوئی سے پڑھنا چاہیے، اور یہ انفرادی عمل ہے، اجتماعی عمل نہیں۔ آج کی میلاد شریف کے نام پر جو محفلیں ہوتی ہیں، ان میں بہت سی چیزیں ایسی شامل ہو گئی ہیں جو شرعاً درست نہیں، مثلاً نعتیں پڑھنے والے اکثر داڑھی منڈے ہوتے ہیں، نعتوں کے مضامین صحیح نہیں ہوتے، روایات غلط سلط بیان کی جاتی ہیں، اور ان کو نبی کریم ﷺ

سے منسوب کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ مَردوں اور عورتوں کا اِختلاط ہوتا ہے، بعض جگہ روشنی زائد از ضرورت کی جاتی ہے بعض جگہ شیرینی تقسیم کرنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی جلسہ ان مفاسد سے خالی ہو، صحیح روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بیان کئے جائیں اور سامعین پورے ادب واحترام سے سنیں، تو اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔ صلوٰہ وسلام کا جو طریقہ آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے، اسی طریقے میں برکت وسعادت ہے، یہ جو نمازِ جمعہ کے بعد یا دوسرے موقعوں پر لاوَڈ سپیکر پر مل کر راگ گایا جاتا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم نہیں، بلکہ خالص ریاکاری ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنا مقصود ہوتا تو ہر آدمی تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ بیٹھ کر درود شریف پڑھتا، مل کر گانے، لاوَڈ سپیکر استعمال کرنے اور لوگوں کو سنانے کی کیا ضرورت تھی؟ بہر حال صدرِ اوّل سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات ورسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندِ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾

۲۴ اپریل ۲۰۱۳)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ‌ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانْتَهُوۡا‌ ۚ

انگوٹھے چُومنے کا مسئلہ

تالیف

(مولانا) محمد موسیٰ شاکرؔ

خطیب مکّی جامع مسجد شفیلڈ انگلینڈ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستهديه، ونستغفره ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له الذي أمر باتباع صراطه المستقيم، ونهى عن اتباع السبل المضلة، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله الذي حذّر من البدع غاية التحذير، صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم على الدين القويم، وسلم تسليماً كثيراً۔

أما بعد،

اذان میں انگھوٹے چومنا:

قارئین کرام: پیارے پیغمبر ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو پردۂ خفا میں ہو اور امّت سے پوشیدہ ہو، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا، ایک ایک فعل، نشست وبرخاست، آمد ورفت غرضے کہ کوئی بھی فعل پوشیدہ نہیں۔

اذان جیسی عبادت جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی تھی اور ہجرت کے بعد تقریباً دس سال مدینۂ طیبہ میں آپ کے سامنے ہوتی رہی اور اذان کے کلمات نیز اذان دینے والوں کے نام اور اذان کی جملہ کیفیات احادیث کے ذخیرے میں موجود ہیں، مگر کسی بھی صحیح روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ اذان سنتے وقت انگوٹھے چومنے چاہئیں۔

جب اس فعل کا صحیح احادیث سے ثبوت ہی نہیں (اور اذان پیارے پیغمبر ﷺ کے زمانے اور خیر القرون میں بھی ہوتی رہی رہے) تو پھر انگوٹھے چومنے کو آج کیسے دین کہا جاسکتا ہے، اور کس طرح اس کو دین کی نشانی بنانا درست ہے، اور نہ کرنے والوں کو کیوں کر ملامت کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ احادیث کی بے شمار کتابیں ہیں اور ان میں باقاعدہ ایک باب ”الاذان“ موجود ہے، ان میں کوئی بھی ایک صحیح حدیث موجود نہیں جو کہ اذان کے وقت ” اَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہ “ پر انگوٹھے چومنے پر دلالت کرتی ہو۔

اذان کے وقت حضور ﷺ کی تعلیم:

حدیث میں آتا ہے:

۶۵۷—(۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ، قَالَ: قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللّٰه لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»

”اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ راوی ہیں۔ کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا جب تم مؤذن کی آواز سنو تو (اس کے جواب میں) اس کے الفاظ دہراؤ اور پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے بدلہ میں خدا اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے پھر (مجھ پر درود بھیج کر) میرے لیے (خدا سے) وسیلہ کی دعا کرو۔ وسیلہ جنت کا ایک (اعلیٰ) درجہ ہے جو خدا کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھ کو امید ہے کہ وہ بندۂ خاص میں ہوں گا لہٰذا جو شخص میرے لیے وسیلہ کی دعا کرے گا (قیامت کے روز) اس کی سفارش مجھ پر ضروری ہو جائے گی۔“ (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو تم بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات دہراتے جاؤ البتہ چند کلمات ایسے ہیں جن کو بعینہٖ دہرانا نہیں چاہیے بلکہ ان کے جواب میں دوسرے کلمات کہنے چاہئیں جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔ چنانچہ فجر کی اذان میں جب مؤذن ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کہے تو اس کے جواب میں ”صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وبالحق نَطَقْتَ“ (یعنی تم نے سچ کہا ہے اور خیر کثیر کے مالک ہوئے اور تم نے سچ بات کہی) کہنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے اس حدیث میں انگوٹھے چومنے کا کہیں ذکر نہیں۔

دوسری حدیث میں واضح طور پر جواب کا طریقہ بتلایا:

۶۵۸—(۵)وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ؛ فَقَالَ أَحَدُكُمْ: اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ۔ ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؛

قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ إِلَهَ إِلَّا اللهُ ثُمَّ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ. ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ. ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ. ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ''۔ رواہ مسلم۔ (کتاب الصلاۃ، باب فضل الأذان و اجابة المؤذن)

''اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا، جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، پھر جب مؤذن اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے، پھر مؤذن جب اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے تو تم میں سے بھی ہر شخص اشھد ان محمدا رسول اللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو تم میں سے ہر شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو تم میں سے ہر شخص لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے، پھر جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم میں سے ہر شخص کہے اللہ اکبر اللہ اکبر پھر جب مؤذن کہے لا الہ الا اللہ تو تم بھی کہو لا الہ الا اللہ جس نے (اذان کے جواب میں یہ کلمات) صدق دل سے کہے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔'' (مسلم)

تشریح: یہاں اللہ اکبر اختصار کی وجہ سے دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ سمجھانے کے لیے دو ہی مرتبہ کہنا کافی تھا اس لیے شہادتین یعنی اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کو بھی صرف ایک ایک مرتبہ ہی ذکر کیا گیا ہے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے معنی یہ ہیں، برائے سے بچنے اور نیک کام کرنے کی قوّت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتا ہے تو وہ لوگوں کو نماز کے لیے بلاتا ہے۔ لہٰذا اس کے جواب میں یہ کلمہ کہنے والا گویا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک امر عظیم اور زبردست فرض کی ادائیگی کا معاملہ ہے۔ میں ایک عاجز و کمزور بندہ ہوں۔ میری قوّت وطاقت کی کیا مجال کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کی متحمل ہو سکے۔ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہی ہوتی ہے جو ہم اس امر عظیم کو پورا کرتے ہیں اور چونکہ نماز کے لیے آنے کی طاقت اور قوت خدا تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوتی ہے لہٰذا خدا ہماری مدد فرماتا ہے تو ہم نماز کے لیے آتے ہیں۔

نووی فرماتے ہیں کہ مؤذن جب اذان کہتا ہے تو اس کے کہے ہوئے کلمات کو اسی طرح دہرانا یعنی اس کا جواب دینا

مستحب ہے البتہ حیعلتین یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ پڑھنا چاہیے۔ بعض مقامات پر کچھ حضرات حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَلَمْ يَشَاء لَمْ يَكُنْ کہتے ہیں یہ غلط اور مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مؤذن جس طرح کہے اسی طرح جواب دو، صرف ''حی علی الصلوٰۃ'' اور'' حی علی الفلاح'' پر ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھے، اس میں بھی انگوٹھے چومنے کا ذکر کہیں موجود نہیں۔

٦٧٥—(٢٢) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ، قَالَ: «إِنِّي لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ، إِذْ أَذَّنَ مُؤَذِّنُهُ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهُ، حَتَّى إِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، فَلَمَّا قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ; قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ. وَقَالَ بَعْدَ ذَلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَلِكَ» . رَوَاهُ أَحْمَدُ.

''اور حضرت علقمہ ابن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں (ایک روز) حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ان کے مؤذن نے اذان دی، چنانچہ مؤذن جس طرح کہتا تھا حضرت معاویہؓ بھی اسی طرح (اس کے ساتھ ساتھ) کہتے رہے، جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہؓ نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم اور اس کے بعد مؤذن جو کچھ کہتا رہا حضرت معاویہؓ بھی کہتے رہے۔ (پھر فارغ ہو کر) حضرت معاویہؓ نے کہا میں نے سرور کائنات ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔'' (احمد)

تشریح: علّامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کے بعد العلی العظیم کا اضافہ مرویات میں نادر ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِي، فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقِينًا دَخَلَ الْجَنَّةَ» . (رواہ النسائی)

''اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم سرور کائنات ﷺ کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہوئے اور اذان کہنے لگے۔ جب وہ (اذان دے کر) خاموش ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اسی طرح یقیناً (یعنی

خلوص دل سے) کہا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔" (نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص یقین و اعتماد کی پوری قوت اور دل کے پورے خلوص کے ساتھ ان کلمات کو یا تو اذان میں کہے یا اذان کے جواب میں کہے یا مطلقاً کہے تو وہ جنت میں داخل ہونے کا مستحق ہو گا یا نجات پانے والوں کے ہمراہ جنت میں داخل ہو گا۔

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ "پر بھی جواب "اشھد ان محمد ارسول اللہ " کہنا ہے نا کہ صرف ﷺ اور نہ انگوٹھا چومنا، جو لوگ اس طرح کرتے ہیں یعنی ﷺ اور اور انگوٹھے چومتے ہیں "اشھد ان محمدا رسول اللہ " پر یہ حضرات حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ: یہ لوگ جو انگوٹھے چومتے ہیں وہ صرف انگوٹھے ہی کو چومتے ہیں، اگر ان کو پیارے پیغمبر ﷺ سے محبّت ہوتی تو حضور ﷺ کے نام نامی کو چومتے نہ کہ صرف انگوٹھے کو۔

٣: اسی طرح یہ تعلیم دی گئی کہ: صبح کی اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم "کے جواب میں "صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ "کے الفاظ کہو۔(کتاب الاذکار للنووی ص٣٧)

٤: اقامت یعنی تکبیر میں " قد قامت الصلوٰۃ "کے جواب میں "اَقَامَهَا اللہ وَاَدَامَهَا "کے الفاظ کہے جائیں۔(سنن ابی داوٗد) ج ا ص٧٨)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بریلویوں کی ایجاد جو انگوٹھا چومنا ہے اور اسے انہوں نے دین کا حصّہ بنایا ہے، جس کا ثبوت نہ پیارے پیغمبر ﷺ کے عمل سے ہے، اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے، نہ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے، اور نہ محدثین اور فقہاءؒ سے۔

جب شریعت میں اس کا ثبوت ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ دین میں یہ ایجاد ہے، اور پیارے پیغمبر ﷺ پر بداعتمادی کا اظہار بھی ہے۔ معاذاللہ ثم معاذاللہ۔

جو اعمال بھی مستحسن تھے وہ ہمیں پیارے پیغمبر ﷺ نے بتا دیئے، اب اس میں اپنی طرف سے پیوند لگانا ہم اہل سنّت والجماعت کو کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا کیوں کہ یہ شانِ نبوت میں گستاخی ہے جیسا کہ بعض مبتدعین اذان واقامت میں آپ ﷺ کے نام نامی پر انگوٹھے چومتے ہیں، ذخیرہ قرآن واحادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے اس عمل کو جائز ثابت کرنے کے لئے ان حضرات کو من گھڑت قصّوں کا سہارا ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اب ہم ان کے ان من گھڑت قصوں اور روایات کا ذکر کریں گے، اور علمائے امّت کے جوابات بھی۔

انگوٹھے چومنے کی من گھڑت روایات:

ایک قصہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ جسے علّامہ سخاوی رحمہ اللہ نے **المقاصد الحسنہ باب المیم** میں نقل کرکے خود فرمایا کہ "**ولا یصح**" یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے۔

علّامہ سخاوی کی پوری عبارت درج ذیل ہے:

ذَكَرَهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ بَكْرٍ لَّمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ قَالَ هٰذَا وَ قَبَّلَ بَاطِنَ الْاَنْمُلَتَيْنِ السَّابِتَيْنِ وَمَسَحَ عَلٰى عَيْنَيْهِ. فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيْلِيْ فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ۔ وَلَا يَصِحُّ۔

بیان کیا ہے دیلمی نے کتاب مسند الفردوس میں سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حدیث سے، بیشک سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب مؤذن کا قول "اَشْهَدُ اَنَّ محمّدًا رَّسُوْلُ الله" سنا، تو یہ دعا" رَضِيْتُ بِا اللهِ رَبًّا وَّ بِالاِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا" پڑھی اور انہوں نے شہادت کی انگلیوں کے پورے یعنی انگلیوں کے باطن (اندر کے) حصّے کو چوما اور آنکھوں سے لگایا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اس طرح عمل کرے گا جو میرے دوست صدیق اکبرؓ نے کیا تو میری شفاعت اس کے لئے واجب ہو جائے گی۔ اور علامہ سخاویؒ نے مقاصد حسنہ صفحہ ۳۸۴) میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد **لا يَصِحُّ** یعنی یہ روایت درست نہیں فرمایا ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

ایں روایت در مسند الفردوس الدیلمی واقع است ، وآں کتاب مخصوص برائے جمع احادیث ضعیفہ واہیہ است۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۲)

یعنی یہ روایت مسند الفردوس میں ہے جو کہ بیکار قسم کی ضعیف روایتوں کے جمع کرنے کے لئے ہی مخصوص ہے۔

احادیث میں اذان کی اجابت کے بارے میں پیارے پیغمبر ﷺ نے جو طریقہ سکھلایا ہے وہ بالکل واضح ہے۔ اس کو چھوڑ کر ان ضعیف اور منکر روایات پر عمل کرنا انتہائی درجے کی سینہ زوری اور مکابرہ (مقابلہ) اور جھگڑا کرنا ہے۔

کمزور روایات پر عمل کرنے کی شرائط:

اس روایت کے جواب سے پہلے وہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے جو شہید اسلام مولانا محمدؒ یوسف لدھیانویؒ نے اپنی کتاب اختلاف امّت اور صراط مستقیم کے صفحہ نمبر ۱۱۶ پر تحریر فرمایا ہے کہ: صاحب در مختارؒ نے خیر رملیؒ سے اور ابن عابدین نے امام سیوطیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ کمزور روایات پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ روایت بہت زیادہ کمزور نہ ہو مثلاً اس کا کوئی راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم ہو، دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔ (رد مختار، ص:۱۲۸، ج:۱)

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اذان و اقامت میں آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے بد قسمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔

اوّل تو وہ روایت ایسی مہمل ہے کہ ماہرین علم حدیث نے اس کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔

دوسرے، یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔

تیسرے، اس کو کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار تصوّر کرتے ہیں، اور علّامہ شامی اور دیگر اکابر نے ایسا کرنے کو افتراء علی الرسول قرار دیا ہے۔

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ اذان و اقامت دن میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ دس مرتبہ دہرائی جاتی ہے۔ اب اگر اذان و اقامت کے وقت انگوٹھے چومنا سنت ہوتا تو جس طرح اذان و اقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے۔ اور مناروں پر گونجتی ہے اسی طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا۔ حدیث کی ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا۔ اور مشرق سے مغرب تک پوری امّت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

علمائے امّت نے تصریح کی ہے امّت کے عملی تواتر کے مقابلے میں صحیح ترین حدیث بھی موجود ہو تو اس کو یا تو منسوخ سمجھا جائے گا، یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ بہر حال ایک متواتر عمل کے مقابلے میں کسی روایت پر عمل کرنا صحیح نہیں، امام ابو بکر جصاص رازی نے ''احکام القرآن'' میں اس قاعدے کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر ہمارے آئمہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند کے لیے دو آدمیوں کی

شہادت کافی نہیں۔ بلکہ شہادت دینے والی اتنی بڑی جماعت ہونی چاہیے کہ غلطی کا احتمال نہ رہے۔ اس لیے کہ اکا دکا آدمی کی شہادت پر اعتماد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس علاقے کے لاکھوں انسانوں کو گویا اندھا فرض کر رہے ہیں۔ (احکام القرآن ص)

امام سرخسی کسی روایت کے انقطاع معنوی کی چار صورتیں قرار دیتے ہیں:

اوّل: وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو۔

دوم: سنت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو۔

سوم: ایسے مسئلہ میں، جس کی ضرورت ہر خاص و عام کو ہے، وہ امّت کے تعامل کے خلاف ہو۔

چہارم: سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ مگر کسی نے اس کا حوالہ نہ دیا۔ (اصول السرخسی ص:۳۶۴، ج:۱)

دوسری صورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكَذَلِكَ الْغَرِيب من أَخْبَار الْآحَاد إِذا خَالف السّنة الْمَشْهُورَة فَهُوَ مُنْقَطع فِي حُكْمِ الْعَمَل بِهِ۔ لِأَن مَا يَكُونُ مُتَوَاتِرًا مِّنَ السُّنَّةِ أَوْ مُسْتَفِيْضًا أَوْ مُجْمَعًا عَلَيْهِ فَهُوَ بِمَنْزِلَة الْكِتَابِ فِي ثُبُوتِ عِلْمِ الْيَقِينِ، وَمَا فِيهِ شُبْهَة فَهُوَ مَرْدُود فِي مُقَابلَةِ عِلْمِ الْيَقِين۔ (ص:۳۶۶)

ترجمہ: اسی طرح اسی خبر واحد، جس کا راوی صرف ایک ہو۔ جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو (وہ صحیح الاسناد ہونے کے باوجود) عمل کے حق میں منقطع تصوّر ہوگی کیونکہ جو سنت کے متواتر مستفیض اور مجمع علیہ ہو وہ علم الیقین کے ثبوت میں بمنزلہ کتاب اللہ کے ہے۔ اور جس چیز میں شبہ ہو وہ علم الیقین کے مقابلہ میں مردود ہے۔ (ص ۳۶۶)

اس ذیل میں امام سرخسی نے پتے کی بات لکھی ہے۔ اور دراصل اسی کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں وہ فرماتے ہیں:

فَفِي هَذَيْنِ النَّوْعَيْنِ مِنَ الِانْتِقَادِ لِلْحَدِيثِ عِلْمٌ كَثِيرٌ وَصِيَانَةٌ لِلدِّينِ بَلِيغَةٌ؛ فَإِنَّ أَصْلَ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ إِنَّمَا ظَهَرَ مِنْ قِبَلِ تَرْكِ عَرْضِ أَخْبَارِ الْآحَادِ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمَشْهُورَةِ؛

ترجمہ: روایات کو ان دونوں طریقوں پر پرکھنا بہت بڑا علم ہے۔ اور دین کی بہترین حفاظت — کیونکہ بدعات و خواہشات کی اصل یہیں سے ظاہر ہوئی کہ ان افواہی روایات کو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ سے نہیں جانچا گیا۔

آپ غور کریں گے تو تمام بدعات کا سرمنشا یہی ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور امّت کے عملی تواتر سے

آنکھیں بند کر کے اِدھر اُدھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انہیں دین بنالیا گیا، اور پھر کتاب و سنت کو اس پر چسپاں کیا جانے لگا، امام سرخسی لکھتے ہیں۔

انگوٹھے چومنا صحابہ اکرام پر بداعتمادی ہے:

فَإِنَّ قَوْمًا جَعَلُوهَا أَصْلًا مَعَ الشُّبْهَةِ فِي اتِّصَالِهَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَنَّهَا لَا تُوجِبُ عِلْمَ الْيَقِينِ ثُمَّ تَأَوَّلُوا عَلَيْهَا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ الْمَشْهُورَةَ فَجَعَلُوا التَّبَعَ مَتْبُوعًا وَجَعَلُوا الْأَسَاسَ مَا هُوَ غَيْرُ مُتَيَقَّنٍ بِهِ فَوَقَعُوا فِي الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ۔ (ص:۳۶۷)

ترجمہ: چنانچہ کچھ لوگوں نے ان شاذ روایات کو اصل بنالیا حالانکہ ان کی آنحضرت ﷺ کی طرف نسبت مشتبہ تھی۔ اور باوجود یکہ ان سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تھا، اور پھر کتاب اللہ اور سنت مشہورہ میں تاویلیں کر کے اس پر چسپاں کرنا شروع کر دیا پس انہوں نے تابع کو متبوع اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنالیا۔ اس طرح اہواو بدعات کے گڑھے میں جا گرے۔

ٹھیک اسی معیار پر انگوٹھے چومنے کی اس بے اصل روایت کا قصہ بالکل جعلی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم صحابہ و تابعین اور بعد کی ساری امّت کے تعامل کو جھٹلا رہے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہوتی تو ناممکن تھا کہ صحابہ و تابعین کی پوری جماعت دن میں دس مرتبہ اس پر عمل نہ کرتی۔ اور ناممکن تھا کہ تمام کتب حدیث میں اس کو جگہ نہ ملتی۔

مباح عمل میں بدعت کی آمیزش ہو تو وہ عمل ناجائز ہے:

دوم: جو عمل بذاتِ خود مباح ہو مگر اس میں بدعت کی آمیزش ہو جائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

حدیث و فقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے آئمہ احناف نے نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (عالمگیری ص: ۱۳۶، ج:۱، شامی ص:۴۰، ج:۱۲)

در مختار (قبیل صلوٰۃ المسافر) وغیرہ میں ہے۔

سَجْدَةُ الشُّكْرِ مَسْتَحَبَّةٌ۔ بِهِ يُفْتىٰ، لٰكِنَّهَا تُكْرَهُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ، لِاَنَّ الْجَهَلَةَ يَعْتَقِدُوْنَهَا

سُنَّۃً اَوْ وَاجِبَۃً، وَکُلُّ مُبَاحٍ یُؤَدِّی اِلَیْہِ فَھُوَ مَکْرُوْہٌ۔

ترجمہ: سجدہ شکر مستحب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے لیکن نمازوں کے بعد مکروہ ہے، کیونکہ جاہل لوگ اس کو سنت یا واجب سمجھ بیٹھیں گے، اور ہر مباح جس کا یہ نتیجہ ہے وہ مکروہ ہے۔

علّامہ شامی اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ یہ ایک ایسی بات کو، جو دین نہیں، دین میں ٹھونسنے کے مترادف ہے۔ (ردالمختار ص:۱۲۰، ج:۲)

مستحب عمل کو لازم سمجھنا گناہ اور بدعت ہے:

سوم: ایک چیز بذات خود مستحب اور مندوب ہے۔ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے۔

مثلاً آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد اکثر و بیشتر داہنی جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ لگالے کہ دائیں جانب سے گھومنے ہی کو ضروری سمجھنے لگے میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ بسا اوقات بائیں جانب سے گھوم کر متوجہ ہوا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ، ص:۸۵)

فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

واستنبط منه ان المندوب ینقلب مکروھاً اذا خیف ان یرفع عن مرتبته۔

ترجمہ: اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے جب اُسے اپنے درجہ سے اُونچا کیا جائے۔ (مجمع البحار، ج:۲، ص:۲۴۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی لکھتے ہیں:

ان المندوبات قد تنقلب مکروھات اذا رفعت عن مرتبتھا لان التیامن مستحب فی کل شیء من امور العبادۃ لکن لما خشی ابن مسعود ان یعتقدوا وجوبه اشارا الٰہ کراھته[1]۔

---

1 فتح الباری، ج:۲، ص:۲۸۱)

کفار سے مشابہت والا فعل ناجائز ہے:

چہارم جس فعل میں کفار و فجار اور اہل بدعت کا تشبہ پایا جائے اس کا ترک لازم ہے، کیونکہ بہت سی احادیث میں آنحضرت ﷺ نے کفار و فجار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ (مشکوٰۃ ص:۳۷۵)

ترجمہ: جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہوگا۔

اسی قاعدے کے تحت علمائے اہل سنت نے محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ''تذکرہ شہادت'' سے منع کیا ہے۔ اصول الصفار اور جامع الرموز میں ہے:

''سُئِلَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ ذِكْرِ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ فِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَا أَيَجُوْزُ اَمْ لَا ، قَالَ لَا ، لِاَنَّ ذٰلِكَ مِنْ شِعَارِ الرَّوَافِضِ۔'' (بحواله الجنة لاهل السنة، ص:١٤٠)

ترجمہ: آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا دس محرم کو شہادت حسینؓ کا تذکرہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا، جائز نہیں کیونکہ یہ رافضیوں کا شعار ہے۔ (بحوالہ الجنۃ لاھل السنۃ ص:۱۴۰)

کسی فعل کے سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو کیا کرے:

پنجم: جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترک سنت فعل بدعت سے بہتر ہے۔ (البحر الرائق ص:۲۱، ج:۲) اور ردالمحتار ص:۶۴۲، ج:۱ میں ہے:

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُكْمُ بَيْنَ سُنَّةٍ وَبِدْعَةٍ كَانَ تَرْكُ السُّنَّةِ رَاجِحًا عَلٰى فِعْلِ الْبِدْعَةِ۔

ترجمہ: جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنت ہے یا بدعت؟ تو سنت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کرنے کے راجح ہے۔

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اسے سنت بتاتے ہوں اور بعض بدعت۔

سنت و بدعت کے سلسلہ میں جو نکات میں نے ذکر کیے ہیں اگر ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آپ کو یہ

فیصلہ کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی کہ اہل سنت کون ہیں۔ میں اس بحث کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی وصیت پر ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

"وآں راہ دیگر بزعم فقیر التزام متابعت سنت سنیہ است عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ وَالتَّحِيَّةُ واجتناب از اسم و رسم بدعت — تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ، کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، وباحیائے سنت لب کشائد۔

اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت۔ بدعتہائے پہن شدہ راتعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتویٰ می دہند۔ و مردم رابدعت دلالت می نمایند۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب:۵۴)

ترجمہ: وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے) اس فقیر کے نزدیک آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام ورسم سے بھی اجتناب کرنا ہے۔ آدمی جب تک بدعت سئیہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی بُو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج کل از بس دشوار ہے۔ کیونکہ جہان کا جہان دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم مارے؟ یا کسی سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔

اس دُور کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے اور سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں، اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔" (ملخص اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۱۵ تا ۱۲۰)

دیگر موضوع روایات:

۲: انگوٹھے چومنے کے بارے میں دوسری روایت ہے کہ پیارے پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جس نے میرا نام سنا اذان میں اور اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو چوما اور آنکھوں پر ملا تو وہ شخص کبھی بھی فکر مند اور غمگین نہ ہو گا۔

۳: تیسری روایت حضرت حضر علیہ السلام کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ:

عن الحضر علیه السلام انَّه قَالَ مَنْ قَالَ حِيْن يسمعُ الْمُؤَذِّن يَقُول اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُول الله ﷺ مرحبًا بِحَبَيْبِي وقرَّةُ عَيْنِيْ مُحَمَّد بن عبد الله ﷺ ثم قبّل ابهامَيْهِ و يجعلهما علىٰ عَيْنَيْه لم يرِ بد ابدا۔ (قبائل انتخاب ص۱۱: از مقاصد حسنہ ص ۳۸۴)

سیدنا حضرت حضر علیہ السلام سے مروی ہے، بیشک انہوں نے فرمایا کہ جب مؤذن سے سنے وہ کہہ رہا ہے "اشھد انَّ محمَّداً رَّسُولُ اللہ" تو "مرحبا بحبیبی و قرَّۃ عینی محمَّد بن عبد اللہ ﷺ" کہے، پھر چومے اپنے دونوں انگوٹھوں کو اور رکھے دونوں انگوٹھوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر، کبھی نہ دُکھیں۔

حضرت علّامہ امام سخاویؒ نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنۃ" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔

مرفوع وہ حدیث ہوتی ہے جس کو صحابی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بیان کرے "شرح الیمانی" میں لکھا ہے کہ: مکروہ ہے انگوٹھوں کو چُومنا اور آنکھوں پر رکھنا کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اور جو روایات آئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ (حاشیہ جلالین ص: ۳۵۷)

نیز اس روایت کی بابت مقاصد حسنہ میں خود علّامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَكَذَامَآ اَوْرَدَهٗٓ اَبُو الْعَبَّاسِ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ الرَّدَادِ الْيَمَانِيْ الْمُتَصَوِّفِ فِيْ كِتَابِهٖ مُوْجِبَاتُ الرَّحْمَةِ وَعَزَآئِمُ الْمَغْفِرَةِ بَسَنَدٍ فِيْهِ مَجَاهِيْلُ مَعَ انْقِطَاعِهٖ عَنِ الْخِضَرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (اَلْمَقَاصِدُ الْحُسْنَةِ، باب الميم)

ترجمہ: "اور اسی طرح وہ قصہ بھی غلط ہے جس کو ابو العباس یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ و عزائم المغفرہ" میں درج کیا ہے، چونکہ اس کی سند میں بہت سے نامعلوم (مجہول لوگ ہیں ساتھ ہی ساتھ یہ کہ خضر علیہ السّلام کے ساتھ سرے سے راوی کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔)"

☆ اسی طرح ایک روایت حضرت حسنؓ کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے کہ:

عن الحسن رضي الله عنه انه قال من قال حين يسمع المؤذن يقول اشهد انَّ محمَّدا رَّسُول الله ﷺ مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله ﷺ ويقبّل ابهاميه و يجعلهما علىٰ عينيه

لم یعم ولم یرمد۔(مقاصد حسنہ ص۳۸۵)

سیدنا حضرت حسنؓ سے مروی ہے، بیشک انہوں نے فرمایا کہ جب مؤذن سے سنے وہ کہہ رہا ہے "اشہد انَّ مُحمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ" تو"مرحبا بحبیبی وقرّۃ عینی محمّد بن عبد اللہ ﷺ" کہے، پھر چومے اپنے دونوں انگوٹھوں کو اور رکھے دونوں انگوٹھوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر، کبھی اندھا نہ ہو اور نہ دُکھیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ(تحفۂ اثنا عشریہ ص:۴۹۴) پر تحریر فرماتے ہیں:

اعتبار حدیث نزد اہل سنّت بیافتن حدیث در کتب مسندۂ محدّثین است مع الحکم بالصحت، وحدیث بے سند نزد ایشاں شتر بے مہار است کہ اصلا گوش بان نمی نہند۔

اہل سنّت کے نزدیک حدیث قابل اعتبار اسی وقت ہو گی جب باسند محدثین کی کتابوں میں پائی جائے، اور اس پر درست ہونے کا حکم بھی لگایا گیا ہو، اور بے سند حدیث اہل سنّت کے یہاں بے نکیل کا اونٹ ہے جس پر یہ لوگ کوئی دھیان نہیں دیتے۔

☆ **اسی طرح ایک روایت حضرت طاؤسؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ:**

وقال الطؤسی انّہ سمع من الشمس محمد بن ابی نصر البخاری خواجہ حدیث :من قبّل عند سِماعه من المؤذن کلمة الشّهادة ظفرَیْ ابهامَیْه و مسحهما علی عینیه وقال عند المسّ اللهم احفظ حدقتی و نوِّر هما ببرکة حدقتی محمَّد رسول الله ﷺ ، ونوّر هما،لم یعمر۔(المقاصد الحسنه ص:۳۸۵)

حضرت طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے حدیث سنی کہ جو شخص مؤذن سے کلمۂ شہادت سن کر آپ ﷺ کے نام نامی پر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دعاء پڑھے: اللّٰهم احفظ حدقتی و نوّر هما ببرکة حدقتی محمّد رّسول الله ﷺ ، ونوِّر هما، تو وہ اندھا نہیں ہو گا۔

مزید برآں اس حدیث میں غور طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں ایک اختلاف یہ بھی پایا جارہا ہے کہ مؤذن

سے کلمہ شہادت سننے کے وقت جو وظیفہ یا دعاء اب تک نقل کی گئی تھی، اس کے بر خلاف اس روایت میں دوسرے قسم کے بالکل الگ نئے دعائیہ الفاظ منقول ہیں۔

اہل بدعت نے اپنے اس خود ساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپ حضرات اجلہ محدثین سے سُن چکے ہیں۔ اس دَور کے اہل بدعت نے کہا زمین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السّلام ہیں، اب ان کے نام سے بھی انہوں نے ایک روایت گھڑ لی۔ مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السّلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نُور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرطِ محبّت سے ان ناخنوں کو چُوما اور آنکھوں سے لگایا۔ (جاء الحق، ص:۳۸۰)

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نُورِ مصطفوی ہے جو آدم علیہ السّلام کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا۔ کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کبھی نُورِ مصطفوی چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چُومتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدمِ ثانی کا دعویٰ کرنا آپ کے پیش نظر ہو اور اس پر آپ اپنے انگوٹھوں میں نُورِ مصطفوی چمکنے کے مدعی ہوں۔

پہلے خلیفۃ اللہ فی الارض ہوں (جیسے آدم علیہ السّلام) یا پہلے خلیفۂ راشد (حضرت ابو بکر صدیقؓ) بریلویوں نے ان کے نام سے اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایات بنا رکھی ہیں۔

نوٹ: مفتی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے وہ ان کی زبان سے سنیے اور ان محققین کے اس اعتماد پر سر دُھنیے:

ولایت سے انجیل کا ایک بہت پُرانا نسخہ بر آمد ہوا..... اس میں لکھا ہے۔

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پس آدم علیہ السلام نے بمنّت یہ کہا کہ اے پروردگار یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما۔ تب اللہ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی۔ پھر آگے ہے) تب پہلے انسان نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا، اور اپنی دونوں آنکھوں سے ملا۔ (مقیاس حنفیت ص: ۶۰۴)

ان تمام روایات کو ذکر کرنے کے بعد علامہ سخاویؒ نے مقاصد حسنہ کے اسی صفحہ پر اس حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کہ یہ باتیں درست نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

ولا یَصِحُّ فِي الْمَرْفُوع من کل هذا شئی۔ (المقاصد حسنہ: ص۳۸۵)

حدیث مرفوع کے ذریعہ ان باتوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

لایصح فی المرفوع" کا مطلب کیا ہے؟:

مفتی احمد یار خان صاحب نے علامہ سخاوی کی مذکورہ عبارت سے یہ مطلب نکالنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ علامہ سخاوی کے نزدیک یہ بات حدیث مرفوع سے نہیں ثابت ہے بلکہ حدیث موقوف سے ثابت ہے، اسی طرح کا وہم ملا علی قاریؒ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے۔ لیکن یہ مطلب نکالنا سراسر محدثین کے طرز کلام اور ان کی اصطلاح سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اگر ایسی بات ہوتی تو علامہ سخاویؒ مذکورہ عبارت کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ یہ بات حدیث موقوف سے ثابت ہے۔ لہٰذا علامہ سخاویؒ یا دوسرے محدثین نے اس طرح کی جو عبارت تحریر فرمائی ہے، اس سے ان کا مطلب صرف مرفوع کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مطلب مرفوع اور موقوف دونوں روایتوں کی نفی کرنا ہے المقاصد الحسنہ کے ۱۹۵۶ء کے مصری نسخہ میں علامہ سخاوی کے لایصح پر یہ تصریح موجود ہے، جس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ ساری روایات من گھڑت اور باطل ہیں۔

وحکی الخطاب فی شرح مختصرۃ خلیل حکایۃ اخرٰی غیر ما ھنا۔ و توسع فی ذلک ولایصح شئی من ھٰذا فی المرفوع کما قال المؤلف بل کله مختلق ،موضوع۔ (تعلیق المقاصد حسنہ :ص۳۸۵: از عبد اللہ محمد صدیق الازھری الغماری)

حطاب نے شرح مختصرہ خلیل میں دوسری حکایت نقل کی ہے جو اس جگہ نقل کی گئی حکایتوں کے علاوہ ہے، اور انہوں نے اس معاملے میں نرم روی اختیار کی ہے، حالانکہ ان میں سے کچھ بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، جیسا کہ مؤلف (یعنی علامہ سخاوی نے فرمایا ہے) بلکہ یہ ساری باتیں ہی من گھڑت اور جعلی ہیں۔

باقی جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ "لایصح رفعه یا لا یصح فی المرفوع " تو وہ ابن صالح وغیرہ بعض شیوخ کی موقوف روایات کے پیش نظر ہے، وہ اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تب بھی موقوف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہیں، خصوصاً جبکہ ابن صالحؒ وغیرہ صحابی بھی نہیں ہیں، ملا علی قاریؒ کا وہم کوئی نئی چیز نہیں، امام عبد اللہ ابن مبارکؒ نے خوب کہا ہے:

’’ وَمَنْ ذا سَلِمَ من الوَهْم ‘‘ (لسان المیزان ج ۱ ص:۱۷)

وہم سے کون بچ سکتا ہے۔ الا من عصمہ اللہ تعالیٰ۔

اس جگہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لایصحّ کا یہ مطلب نکالنا کہ حدیث صحیح تو نہیں مگر حسن ہے، اصطلاح حدیث اور علم حدیث سے جہالت کی نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں۔ محدّثین جب لا یصحّ فرماتے ہیں تو روایت کی صحت کا مطلق اور کلی طور پر انکار ہی ان کا مطلب ہوتا ہے ورنہ لا یصحُّ کا ساتھ لٰکن حسن، یا بل هو حسن ‘‘وغیرہ جیسے الفاظ کا اضافہ ضرور فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ والی وہ روایت جس میں ’’رضیت با للّٰہ ربًّا ‘‘ والی دعاء کا تذکرہ ہے، اور جسے طحطاوی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے اس کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

ذکر الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابی بکرؓ الصِّدیق انَّ النَّبیﷺ قال من فعل ذالک فقد حلت علیه شفاعتی ، قال السخاوی لا یصح۔ (الموضوعات الکبیر مطبوعہ کراچی ص۱۰۸)

دیلمیؒ نے مسند الفردوس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ عمل کرے گا، اس کے لئے میری شفاعت ضرور ہو گی۔ علامہ سخاویؒ نے فرمایا کہ یہ روایت درست نہیں ہے۔

مزید بر آں ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

و اوردہ الشیخ احمد الرداد فی کتابه مو جبات الرَّحمة بسندٍ فیه مجاهیل مع انقطاعه عن الحضر علیه السلام۔

شیخ احمد رداد نے یہی روایت اپنی کتاب موجبات رحمت میں حضرت حضر علیہ السلام کے حوالہ سے ذکر کی ہے لیکن اس کی سند میں انقطاع کے علاوہ بہت سے مجہول لوگ ہیں۔

اس جگہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ روایت مزکورہ بے بنیاد اور غلط ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ حضرت ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

وکل مایروی فی هٰذا فلا یصح رفعه البتة۔ (الموضوعات الکبیر ص: ۱۰۸)

اس معاملے میں جتنی بھی روایتیں پیش کی جاتیں ہیں، ان میں سے ایک کا بھی فرمان رسول ہونا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ بات کسی صحابیؓ کے قول و فعل سے صحیح طریقہ پر ثابت ہو سکی ہے، اور اسی بات کو سمجھاتے ہوئے ملا

علی قاریؒ فرماتے ہیں:

اذا ثبت رفعه علی الصِّدیق فیکفی العمل۔ (الموضوعات الکبیر ص: ۱۰۸)

اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی اس کا ثبوت ہو جائے تو عمل کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام: علمائے اہل سنّت اور محدثین کرام کے نزدیک تو اذان کے وقت بھی یہ عمل بے ثبوت اور بدعت سیئہ تھا، لیکن اہل بدعت کیسے صبر کرتے، انہوں نے چوں چوں کا شور و غوغا مچانا شروع کر دیا، نہ صرف اذان کے وقت کی قید اڑادی، بلکہ اس بدعت کے جواز و استحباب کی سند دینے لگے اور پھر ان گنت جھوٹی اور غلط روایتوں کو جمع کرنے لگے، حالانکہ علم والے جانتے ہیں کہ نہ یہ روایتیں احادیث ہیں اور نہ یہ عمل جائز ہے، چنانچہ علامہ عبد الحئ لکھنویؒ لکھتے ہیں۔

والحق ان تقبیل الظفرین عند سماع الاسم النّبوی فی الاقامة وغیرها کلما ذکر اسمه علیه الصّلوٰه والسّلام ممّا لم یرد فیه خبر ولا اثر ، ومن قال به فهو المفتری الاکبر ،فهو بدعة شنیعة سیّئة لا اصل لها فی کتب الشّریعة ومن ادعیٰ فعلیه البیان۔ (سعایه ج ۱: ص۴۶)

سچی بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نام اقامت یا اس کے علاوہ دوسرے مواقع پر سننے کے وقت انگلیوں کے چومنے کے سلسلے میں نہ کوئی حدیث رسول صحیح طریقے پر وارد ہے اور نہ کسی صحابی کا قول یا فعل ہی صحیح طریقے پر مروی ہے، لہٰذا جو شخص اس عمل کا قائل ہے وہ بہت بڑا بہتان گڑھنے والا ہے، اس لئے یہ عمل بدترین قسم کی بدعت سیئہ ہے، جس کی شرعی کتابوں میں کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے۔ (ملخص انگشت بوسی سے بائیبل بوسی تک ص ۶۶۔۷۵ مولانا طاہر حسین گیاوی)

فن حدیث میں موضوع احادیث پر کتب:

فن حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علّامہ طاہر حنفی کی تذکرۃ الموضوعات اور ملا علی قاریؒ کی موضوعاتِ کبیر بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب صفحہ ۳۶ اور ص ۷۵ پر یہ رایت لا یصح کہہ کر نقل کی گئی ہے۔ اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لا یصح اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی نہ ہو اور ان کتابوں کا اسلوب سمجھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ یہاں لا یصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت

نہیں— علّامہ سخاوی نے اسے مقاصدِ حسنہ میں بھی نقل کیا ہے۔ مگر ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں اسے علّامہ سخاوی کے حوالے سے ہی لا یصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔ ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجہ تک لایا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے انگوٹھوں کے چُومنے کی روایت کو صرف ضعیفہ نہیں کہا ضعیفہ مجروحہ کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چُومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفسِ ترک کو باعثِ زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد۔ (ابرّ المقال، ص: ۱۰،۱۱، مطبوعہ حسنی پریس)

اور مجموعہ رسائل ج ۲ صفحہ ۱۵۵) پر لکھتے ہیں:

"اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چُومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے پس اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مؤکدہ جانے یا نفسِ ترک کو باعثِ زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل واردا بہامین وارد ہے۔" (احمد رضا خان۔ مضموعہ رسائل ج:۲، ص:۱۵۵)

یہاں مولانا احمد رضا خان نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے۔ اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا درجہ باقی رہ جاتا ہے اس پر آپ خود غور فرمالیں۔

ضعیف احادیث پر عمل کرنے کی شرائط:

یہاں بعض علماء کو ایک غلطی لگی کہ "یہ باتیں ضعیف ہیں اور فضائل میں ضعیف کمزور روایتوں پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے" لیکن اگر ان باتوں کے ثبوت کا ضعیف احتمال بھی ہو تو شاید ان کا کہنا درست ہو گا۔ جب کہ یہ باتیں سرے سے من گھڑت اور موضوع ہیں تو کسی درجہ میں بھی عمل کی بنیاد نہیں بن سکتیں۔

چنانچہ مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، پھر بھی فضائل اعمال میں

حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔(جاء الحق ص: ۳۸۳)

جمہور علماء کے نزدیک اگرچہ ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ ضعیف احادیث پر جو محدثین کرامؒ نے عمل جائز قرار دیا ہے وہ مطلق نہیں بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مقید ہے ،وہ شرائط کیا ہیں ؟ حضرت امام سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) اپنے شیخ حضرت حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

انّ شرائط العمل بالضّعيف ثلاثة ،

الاوّل: متفق عليه وان يّكون الضعيف غير شديد ،فيخرج من انفراد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه۔

الثاني: ان يكون مندرجا تحت اصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له اصل اصلا۔

الثالث: ان لا يعتقد عند العمل به ثبو ته لئلا ينسب الىٰ النبى ﷺ مالم يقله۔(القول البدیع ص:۱۹۵)

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں:

(۱) جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو۔ لہٰذا جس حدیث میں کوئی کذاب (نہایت جھوٹا) یا متھم بالکذب) ہر بات میں جھوٹ بولنے والا) یا ایسا راوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہو گی۔

(۲) یہ کہ وہ عام قاعدے کے تحت درج ہو، اس سے وہ خارج ہو گئی جس کی کوئی اصل نہ ہو، اور محض اختراع (اپنی طبیعت سے نئی پیدا) کی گئی ہو۔

(۳)ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے:۔

لا يعتقد عند العمل به ثبوته۔(القول البدیع للسخاوی)

تا کہ آپ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شرطیں موجود نہ ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہو گی۔ آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے، کیوں کہ جو چیز وثوق کے ساتھ آں حضرت ﷺ سے ثابت نہیں اس کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجۂ اوّل کی متواتر حدیث "من کذب علی" (الحدیث) کے بہ ظاہر خلاف ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:

واَمَّا العمل با لضَّعیف فی فضائل الاعمال فدعوی الاتفاق فیه باطلة. نعم هو مذهب الجمهور لٰکنَّه مشروط بان لا یکون الحدیث ضعیفًا شدید الضُّعف فان کان کذالک لم یقبل فی الفضائل ایضًا۔ (الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۳۱۰)

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعویٰ کرنا باطل ہے، ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہ فضائل اعمال کی حدیث موضوع (من گھڑت) بھی نہ ہو۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ سابقہ شرطوں کے ساتھ فضائل اعمال میں عمل کرنا جائز اور مستحب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ موضوع نہ ہو۔ اگر روایت موضوع ہو گی تو ہرگز قابل عمل نہ ہو گی۔

حافظ ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

وان کان ضَعیفاً لا یَدْ خُل فی حیِّزِ الموضوع فان احدث شعارا فی الدّین مُنِعَ مِنه وَاِن لَّمْ یُحْدِثْ فَهُوَ مَحَلُّ نَظَرٍ۔ (احکام الاحکام ج ۱ ص: ۵۱)

اگر ضعیف حدیث ہو بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو، تو اس پر عمل جائز ہے، لیکن اگر اس سے دین کے اندر کوئی شعار قائم اور پیدا ہوتا ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا، ورنہ اس پر غور کیا جائے گا۔

لیجئے! یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی، اور وہ یہ کہ ضعیف حدیث اس وقت قابل عمل ہو گی جب کہ موضوع اور جعلی نہ ہو اور ساتھ ہی وہ دین کا شعار اور علامت نہ ٹھہرا لی گئی ہو، اگر دین کی علامت یا شعار کا خطرہ ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا۔ اور اہل بدعت حضرات خیر سے ان چیزوں کو سنّت اور حنفیت کا معیار قرار دیتے ہیں۔

اب آپ ہی بتائیں اذان میں یہ انگوٹھے چومنے والے اپنے اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

بریلوی حضرات کو اگر واقعی یہ یقین ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں تو انہیں چاہیے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ سند میں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی۔ ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع درجے تک نہ پہنچی ہو۔ علّامہ سخاوی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:۔

یجوز و یستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعًا۔ (القول البدیع، ص:۱۹۵)

ترجمہ: فضائل اور ترغیب و توبیخ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز اور مستحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ بہ بانگ دہل فرما رہے ہیں:

انگشت بوسی کی تمام روایتیں جعلی ہیں

علّامہ جلال الدین سیوطی نے تیسیر المقال میں ان احادیث کے بارے میں فیصلہ یہ دیا ہے:

الحدیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمۃ الشھادۃ کلھا موضوعات۔ (ماخوذ از عماد الدین ص: ۱۲۳، مطبوعہ ۱۹۷۸ء)

ترجمہ: وہ احادیث جو حضور ﷺ کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔

وہ حدیثیں جن میں دوران اذان مؤذن سے کلمۂ شہادت میں آں حضرت ﷺ کا نام نامی سننے کے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب من گھڑت، موضوع اور جعلی ہیں۔

گجرات کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم لاجپوری بھی لکھتے ہیں:

نام مبارک لے کر، یا سُن کر، انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا اور مسنون سمجھنا اور اس کو آپ کی تعظیم

ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے۔ یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج:۱، ص:۵۸)

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتیؒ نماز مسنون ص ۲۵۷ پر لکھتے ہیں:

اس سلسلہ کی جو روایات جواز کی پیش کی جاتی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں، بڑے بڑے محدّثین کرام مثلاً علامہ شمس الدین سخاویؒ، ابن طاہر فتنیؒ، زرقانی مالکیؒ، ملا علی قاری حنفیؒ، علامہ عینی حنفیؒ علامی جلال الدین سیوطیؒ، شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ، کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل غیر مشروع اور ممنوع ہے اور ان احادیث کے خلاف ہے، جو صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں اذان کے جواب کا طریقہ سکھلایا گیا ہے۔

قارئین کرام: علمائے دیوبند کا اس میں کیا قصور ہے کہ محدّثین موقوف اور مرفوع تمام روایتوں کو ہی اس مسئلہ میں من گھڑت اور جعلی ٹھہرا رہے ہیں، اور پیارے پیغمبر ﷺ یا کسی صحابی کی طرف بھی قولی یا عملی جو روایتیں اس معاملے میں منسوب کی جاتیں ہیں، سب کو جھوٹ، غلط، بھتان اور افتر اُ محض قرار دے رہے ہیں۔

پیارے پیغمبر ﷺ کے ساتھ محبت کے اظہار کا صحیح طریقہ:

معلوم ہوا کہ لفظ محمد ﷺ سے محبت کا اظہار انگلیوں کو چومنے کے ذریعے نہیں ہوتا، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ احترام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام لیا جائے، اور اس کے ساتھ درود شریف پڑھا جائے، یہی محبّت والوں کا صحیح طریقہ ہے، اور انگوٹھے تو ہر وقت انسان کے ساتھ ہی رہتے ہیں، نہ تو ان سے پیارے پیغمبر ﷺ کا اسم گرامی صادر ہوتا ہے اور نہ ان پر لکھا ہوا ہوتا ہے، جب اس فعل کا صحیح احادیث سے ثبوت فراہم ہی نہیں ہوتا تو پھر اس کو کیسے دین کہا جاسکتا ہے، اور کس طرح اس کو دین کا شعار بنانا درست ہے، اور نہ کرنے والوں کو ملامت کیا جاسکتا ہے جبکہ اذانیں پیارے پیغمبر ﷺ اور خیر القرون کے زمانے میں بھی ہوتی تھیں۔

اللہ رب العزّت سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو صحیح دین کی سمجھ اور اس پر استقامت عطا فرمائے، اور پیارے پیغمبر ﷺ کی سنتّوں کی اتباع، اور ہر قسم کی بدعات ورسومات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے (اٰمین)

والحمدُ للهِ على توفيقهِ وأسأله تعالى المزيدَ من فضلِه، وأنْ يَرْزُقَنِي محبّةَ لقائِهِ عندِ مفارَقَةِ هذه الدنيا الفانيةِ إلى الدارِ الأبديّةِ الخالدة. ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ؕ﴿۶۹﴾)

محمد موسیٰ شاکر غفر اللہ لہ: ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۷ اپریل ۲۰۱۳)

مناجات بدر گاہِ قاضی الحاجات

نہیں توبہ کا منہ بعد ایں گفتار عصیانی
مگر کرتا ہوں میں جُرأت نظر بر فضلِ ربّانی

تِری رحمت سے یا رَبّ کُفر ہے مایُوس ہو جانا
کہ ہے لا تقنطوا، خود ہی ترا ارشادِ حقّانی

ترے دریائے رحمت کے مقابل چیز ہی کیا ہے
مری ناپاک قلبی اور مری آلودہ دامانی

بہت دن سرکشی کی میں نے لیکن اب بصد خجلت
میں پھر رکھتا ہُوں مَولا تیرے دَر پر اپنی پیشانی

مدد یا ربّ مدد یا ربّ کہ میں نرغہ میں ہوں بے ڈھب
اِدھر تسویل نفسانی، اُدھر اغوائے شیطانی

مَیں مغلوبِ طبیعت ہوں میں محتاجِ اعانت ہوں
بہت کوتاہ ہمّت ہوں، بہت ہے ضعفِ ایمانی

غریقِ بحرِ غفلت ہُوں، اسیر حرص و شہوت ہوں
بہت محتاجِ رحمت ہوں، دکھا دے شانِ ربّانی

عنایت کر ، عنایت کر، عطا اب استقامت کر
مرے دیں کی حفاظت کر، مرے ایماں کی نگرانی

بَس اب تو خوابِ غفلت سے الٰہی مجھ کو چونکا دے
رہوں تا عمر تیری راہ میں سرگرم جولانی

خدایا اپنی قُدرت سے کرا دے طے کرا دے طے
مَدراج ہائے ایمانی و عِرفانی و ایقانی

مرے مولا، مرے قادر، مرے مالک مرے ناصِر
مدد کرنا دمِ آخر، مروں با نُور ایمانی

مرے خالق، مرے رہبر، مرا کر خاتمہ حق پر
[illegible] رضوانی